پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

شاہکار

از

رفعت سراج

ناول کا آغاز

پہلا حصہ

انسان اس دنیا میں جنم لیتا ہے تو محض سانس لینے والا ایک گوشت پوست کا مختصر ترین وجود ہوتا ہے۔ احساس ذمہ داری کے بوجھ سے بے نیاز بجائے خود کسی کی ذمہ داری ہوتا ہے۔

مگر گزرتا وقت جب اس کے شعور کی کونپلیں کھلانے لگتا ہے تو فکر کا ہر چٹکنے والا غنچہ پھول بننے سے پہلے کربناک مگر لذت انگیز مرحلے سے گزرتا ہے۔

اور اس مرحلے میں تخلیق کائنات کا کوئی ایک سبب آشکارا ہوتا ہے اور پھر یہ پھول اپنے رنگ اور اپنی مہک سے اپنے اردگرد کی دنیا کو ایک نئے خوش۔۔۔۔ ایک نیا خیال دے کر اپنے قدرتی انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

فکر کے چراغوں کی روشنی ایک امانت ہوتی ہے۔

سانس لیتا ہوا وجود ذمہ داری کا دوسرا نام ہے

اپنا محاسبہ کرنا دیانتداری ہے۔

اپنے اعمال کی چھان بین انسان کو خود پر واضح ہونے میں مدد دیتی ہے۔

میں اپنی فکر کو فروزاں کرنے کی خواہش مند ہوئی تو قلم کا بار امانت ناسمجھی میں اٹھالیا۔

میری جہالت قرآن سے ثابت ہے

کہ رب العلمین سے ذکر کیا

ہم نے یہ بار امانت (قرآن) زمین، آسمانوں، پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر سب نے یہ بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا مگر انسان نے یہ بار امانت اٹھانے کا اقرار کر لیا، انسان ظالم ہے، جاہل ہے

مگر قلم کا بار امانت اٹھا کر مجھے احساس ہوا جس طرح عورت ہونے کے ناتے ایک لڑکی ہونے کے ناتے، ماں، بہن، بیوی، بیٹی، پڑوسی، دوست ہونے کی ذمہ داری خود بخود مجھ پر عائد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قلمکار ہونے کے ناتے مجھ پر کڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اس حوالے سے وہ کام کروں جو شجر ثمر بار ثابت ہو۔

پھر ایک مسلمان قلمکار کی حیثیت سے بھی مجھ پر کچھ قرض ہیں۔

ناول ایک تعریفی صنف کا تعارف رکھتا ہے خصوصاً خواتین ناول نگاروں کا۔ مگر میں نے کوشش کی کہ ایک دنیاوی رنگا رنگی کی بات کرتے کرتے وہ اصل بات بھی بیان ہو جائے جس کی تشریح کرنے اور سمجھنے کے لیے انسان ازل سے آج تک وجود میں آرہا ہے۔

نصیحت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بیوقوف سننا بھی پسند نہیں کرتا اور عقلمند کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں بھی سمجھتی ہوں کہ بھلائی کا ایک عمل بھی اگر اپنانے کی خواہش ہے تو وہ راستہ کیوں نہ اختیار کیا جائے جو دونوں طرف قابل قبول ہو۔ آخر اس پر نصیحت کا لیبل کیوں چپکایا جائے اگر

ایک انسان کسی کی بھلائی کا متمنی ہے تو آخر اپنے مخاطب، مقابل کے پسندیدہ انداز کو کیوں ترجیح نہیں دیتا جبکہ اس کا معدا اپنی فکر منتقل کرنا اور بھلائی چاہنا ہے۔ اور اپنے آمرانہ پندو نصائح سے وہ کیوں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ان کے مقابلے میں مخلوق حقیر کمترین اور محروم ہے۔

عمل خود ایک خوبصورت نصیحت ہے۔

اتنی خوبصورت نصیحت کہ اس کے محاسن اپنی جگہ آپ بنا لیتے ہیں

میں نے بھی کوشش کی، کہ اذہان جو رہین ستم ہائے روزگار ہیں، خشک و دقیق نصیحتوں سے مزید رہین ستم ہائے نہ کروں۔

بلکہ اپنی فکر سے اذہان پر دستک دوں اور مہذب طریقے سے ان کے افکار کے بیچ اپنی فکر پیش کروں گویا تسلط نہ ہو، انتخاب ہو۔

میں ایک خوفناک واعظ،

ایک خود پسند تجریدی فنکار،

اپنے آپ کو یکتا و لاثانی ہنرمند کہلانے کے عارضے میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی، مجھے قدرت نے جو سکھایا، وہ پیش کر دیا۔ جب میں خود کو پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتی تو مجھے کسی ہنر پر گمان کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

کمال تو یہ ہے کہ مجھے پورے اعضاء اور متحرک دماغ کے ہمراہ زندگی سے آشنا کرایا جس نے یہ پہلا کمال کیا۔

باقی کمال بھی پر اسی سے موسوم ہیں۔

میں چاہتی ہوں کہ قلم کا زیاں نہ ہو۔ اپنی فکر آگے بڑھاؤں اور اس ہنر کو بامقصد کروں۔

یہ میری کوشش ہے، کمال نہیں۔

ایک انسان ہونے کے ناتے میری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ڈالی ڈالی پات پات محبتوں کی بہار کا اہتمام رکھوں، نہ کہ بھٹیارن کی صورت میں تنازعوں کے جھاڑ کانٹے، سلگاؤں۔

میں نے حقیر سے کوشش کی کہ میری تحریر میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو۔

میں جس معاشرے میں رہتی ہوں،

میں نے ان ہی کے مسائل کو دیکھنا ہے، انہی کی باتیں کرنا ہے۔

پہلے انسان انسان سے تو متعارف ہو جائے۔

پھر کائنات تک بات پہنچے۔

اسے یہ تو سمجھ آ جائے کہ روٹی بانٹ کر کھانا حُسن،

اور چھین لینا قبیح،

فرض ادا کرنا بلندی،

اور حق اس کے بعد طلب کرنا اس بلندی کا وقار ہے،

مجھے اسی معاشرے میں رہتے ہوئے انہی انسانوں کی باتیں کرنا ہے۔

مجھے۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔۔کے مسئلے چھیڑنے ہیں۔

اور اس کیوں کا جواب دیانت سے ڈھونڈنا اور پیش کرنا ہے۔

میں زمین والوں کے ساتھ رہتی ہوں،

میں اُن کو نظر انداز کر کے قلم کا سفر کیسے جاری رکھ سکتی ہوں

مجھے ادب کے کس خانے میں فٹ کیا جاتا ہے

یا مستند ادیب میرے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں

یا سرے سے ہی بے ادب گردانی جاتی ہوں

یہ میرے سوچنے کی باتیں نہیں،

وقت

بے لاگ مبصر

بیباک تنقید نگار

اور بے رحم تجزیہ کار ہے

والسلام

رفعت سراج



ٹرین چلتے چلتے ایک دم رُک گئی تھی نہ جانے کیا وجہ تھی ابھی تک تو رفتار میں ایک تسلسل تھا۔شاید لائن کلئیر ہونے کا سگنل نہیں تھا۔اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ٹرین کے ڈبوں کی قطار ایک کمان کی تصویر پیش کر رہی تھی کئی کھڑکیوں سے سر باہر نکلے ہوئے تھے۔نیچے اُترنے کی تو شاید کسی میں ہمت نہیں تھی۔عجیب سا کوئی ویرانہ تھا۔

ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے کا سلسلہ چہار سُو تھا۔

اس نے برابر بیٹھے ہوئے ہلکا اُونگھتے ہوئے بچے پر عادی بیزار سی نظر ڈالی۔معصوم وجود میں سرکشی سے دوڑتا لہو ٹھٹک سہم کر راستہ بھولنے لگا۔

اس نے گود میں لیٹی ہوئی بچی کو دیکھا تو فطری تاثرات آن واحد میں بدل گئے اُس نے جھک کر بچی کا رخسار چوم لیا۔معاً ٹرین کو جھٹکا لگا۔اور شاید اس کے ذہن کو بھی بجلی کی سی سرعت سے ایک فیصلہ طے پا گیا تھا۔

بشر

جی ممیا واز بھی ہوئی تھی۔ٹرین نے رینگنا شروع کر دیا۔میرا چھوٹا پرس گر گیا ہے۔ابھی میں باہر دیکھ رہی تھی۔ناں۔ذرا اٹھا لاؤ۔بچہ پوری جان سے کانپ گیا۔ممی وہ ٹرین۔تو۔

ارے بھاگ کر جاؤ چلتے چلتے ہی چلے گی، بالفرض محال چل بھی پڑی تو میں زنجیر کھینچ لوں گی۔پانچ ہزار روپے کا ڈرافٹ پڑا ہوا ہے اس میں تمہارے باپ کی خون پسینے کی کمائی۔

وہ دم سادھ کر یہ نہ سوچ سکا کہ باپ کے خون کی اہم ترین کمائی تو میں ہوں۔وہ اتر گیا۔

ٹرین چل پڑی تھی۔پانچ برس کچھ مہینے اُوپر کی کمائی کیسی اندھی کائی۔کسی سیاہ جھوٹ کو ڈھونڈتی رہ گئی۔کسی انسان کو بےضمیر کہنا مناسب نہیں۔ہاں مردہ ضمیر کہنا مناسب رہتا ہے اس لیے ضمیر تو وہ پُرزہ ہے جو ہر انسان کی مشین میں فٹ کیا جاتا ہے۔اور اس پُرزے کو بعض اوقات گناہ کا ایسا مرطوب ماحول میسر آتا ہے کہ یہ پرزہ ابتدا ہی میں زنگ آلود ہو جاتا ہے۔اس ٹھٹھرتی ہوئی، سہمی ہوئی سیاہ رات میں آج اس عورت کے ضمیر کا بقایا حصہ بھی زنگ آلود ہو گیا تھا۔

اللہ رے یہ بچے۔ارے کم بختو تمہیں بیاہنے آ رہی ہیں وہ لڑکیاں کیا پتا۔طارق بھائی نے کسی انہونی سے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اماں نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔

کوئی ضرورت نہیں اتنا خرچہ کرنے کی۔کوئی نوابزادیاں نہیں ہیں وہ تمہاری سگی ماموں زاد ہیں۔اپنا گھر ہے ان کا۔انہوں نے پاندان آگے کھسکا کر پان کھانے کا پروگرام بنایا۔

تو اماں پہلے بتایا ہوتا۔

کیا وہ سمجھیں نہیں

یہی کہ یہ ان کا اپنا گھر ہے۔فاروق نے شرارت سے کہا۔

یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔عقل کے اندھے۔وہ اس کی معنی خیز بات سمجھ نہ سکی تھیں۔

آپا حلیم بھی کہہ رہی تھیں۔تمہارے لڑکوں نے لڑکیوں کی کسر پوری کر دیے احساس ہی نہیں ہوتا کہ تمہارے ہاں بیٹیاں نہیں ہیں۔

مطلب کیا ہے ان کا۔طارق کی مردانہ غیرت پر ضرب پڑی۔

یعنی اس محلے کا جاسوسہ کی نظر اتنی خراب ہو گئی ہے کہ اسے مرد بھی عورتیں نظر آنے لگے ہیں۔

دم لے لڑکے۔وہ تو بیچاری تعریف کر رہی تھیں۔اماں نے انگلیوں کی پوروں سے کتھا چونا چاٹا۔

ہمیں نہیں چاہیے یہ مشکوک تعریف کہ کوئی کچھ بھی سمجھ لے۔طارق نے پلنگ کی نواڑ کستے ہوئے تقریباً ہانپ کر کہا۔

تُو تو سدا کا سر پھرا ہے۔

ٹھیک تو کہہ رہے ہیں طارق بھائی حسیب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

اے لو۔آج تو شیطان بھی بغلیں جھانک رہا ہوگا۔یہ ننھے میاں۔انہوں نے حسیب کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔

یہ ننھے میاں بھی طارق کی ہاں میں ہاں ملائیں۔اللہ کی شان ہے۔یہ جتنے پلنگ کس لیے انہیں کمرے میں تو رکھ آؤ۔

اماں۔یہ دریہ اور فوزیہ آپا کے آنے سے پہلے پلنگ کیوں کسوائے جا رہے ہیں۔حسیب نے معصومی سے پوچھا۔

ہماری اُن کی ریسلنگ ہو گی تو بطور اسٹیج استعمال ہوں گے۔فاروق نے مسکرا کر جواب دیا۔

تم گول چکر میں سے مچھلی کی آنکھ میں تیر مارنے کی بجائے ریسلنگ کی طرح ڈالو گے عثمان نے اندر داخل ہوئے تو فوراً فاروق کے جملے میں اضافہ کیا۔

فاروق بڑے بھائی کے جملے پر جھینپ سا گیا تھا۔

آ گئے بیٹا۔آج تو اتفاق سے سب اکٹھے ہیں۔دیکھا کیا دھما چوکڑی مچا رکھی ہے۔اماں نے بڑے بیٹے کے تھکے ہوئے چہرے پر نظر ڈال کر محبت سے کہا۔

اماں جان حسیب بسورا۔یہ دھما چوکڑی ہے۔یہی کام لڑکیاں کرتیں تو آپ بھائی جان سے اس وقت تعریفی انداز میں کہہ رہی ہوتیں۔بہت سگھڑ سیانی ہیں میری بچیاں ہم صبح سے آپ کا ہاتھ بٹا رہے ہیں آپ دھما چوکڑی کہہ رہی ہیں۔

وہ تو ٹھیک ہے۔تمہارے کام کونسا دھما چوکڑی سے کم ہوتے ہیں۔اس طارق کو ہی دیکھ لو۔لگتا ہے آج سارے میراثیوں کا بھٹہ بٹھائے گا۔دو گھنٹے میں دو پلنگ کسے ہیں۔گانے گا گا کر۔

نہاؤ گے یا چائے لاؤں اماں نے بڑی شفقت سے عثمان کو دیکھا۔

پہلے غسل کروں گا۔تھکن بہت زیادہ ہے آج۔وہ یہ کہتے ہوئے سامنے کمرے میں چلے

گئے۔

چھوٹے بھائی۔ یہ دونوں پلنگ جو آپ نے کسے ہیں مستقبل میں تخت طاؤس کے لیول کے ہوں گے۔ اس پر شہزادی دریہ اور فوزیہ محو استراحت ہوں گی۔ ایسے میں ان سے تذکرہ ضرور کروں گا کہ ان پلنگوں کیچولوں میں چھوٹے بھائی کا پسینہ بھی شامل ہے۔ حسیب نے شرارت سے طارق کو دیکھا۔

میں یہ پلنگ اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں گا۔ طارق نے جھلا کر کہا تھا۔ اس جملے کے پیچھے فاروق کا جاندار قہقہہ بھی آیا تھا۔

آفت مچائی ہوئی ہے ان لڑکوں نے۔ ابھی تو برتن پڑے ہوئے ہیں۔

اب برتن بھی دھلوائیں گی۔ فاروق نے پوچھا۔

وہ دن بھی دور نہیں جب برتن بھی دھونا پڑیں گے۔ جواباً اماں نے کہا تھا۔

میری سمجھ میں یہ آج کی ہلچل نہیں آرہی۔ عثمان غسل کر کے باہر آگئے تھے۔

ارے وہ آرہی ہیں ناں تمہاری بہنیں۔

بہنیں

ارے تمہارے بڑے ماموں احسان کی بیٹیاں دریہ، فوزیہ۔ ان کے سواگت کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

تو پھر بھی۔ یہ ولولہ۔ یہ جوش و خروش۔ کیا انعام دینے آرہی ہیں

بھائی جان۔ ہمارے ہاں پہلی مرتبہ لڑکیاں قیام کرنے آرہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں انہیں شکایت کا موقع نہ ملے۔

یعنی کسی کی پوسٹنگ کراچی میں ہوگئی تو اس نے عارضی ڈیرہ ڈال لیا۔

یا کسی کو پتا چلا کہ کوئی بہترین معالج کراچی آیا ہوا ہے تو میڈیکل چیک اپ کی غرض سے ہمارے ہاں چلا آیا۔

کسی کراچی کے لڑکے کی شامت نے دھکا دیا اور اس کے گھر والوں نے کراچی سے باہر کی لڑکی کا پیام ڈال دیا۔ تو لڑکی والے بکر میرا مطلب لڑکا دیکھنے کراچی آئے تو انہیں شہر بھر میں بہترین قیام گاہ ہمارا گھر نظر آیا۔

یعنی کوئی بھی بصد خلوص ہماری خاطر ہمارے گھر نہیں ٹھہرا۔ لیکن یہ واحد مہمانان گرامی ہیں جو ہمارے ہاں صرف ہمارے لیے آرہی ہیں اسی لیے۔

ہم پلنگ کس رہے ہیں۔ حسیب نے فاروق کی بات میں پھر ٹکڑا لگایا تو اماں اور عثمان دونوں اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پاسکے۔

ارے تمہارے باوا آتے ہوں گے۔ بڑھاؤ دکان۔ کیا عین بیچ میں مینا بازار لگائے بیٹھے ہو۔ جلدی کرو۔

حسیب۔

جی اماں جان۔

بنے۔ وہ صبح کہہ گئے تھے۔

وہ کون۔ اماں جان۔ وہ پھر شریر ہوا۔

اب تیرے لگیں گے جوتے۔ وہ برہم ہوئیں۔

دھوبی کے ہاں سے اُن کی شیروانیاں لے آ۔ میرے دماغ ہی سے اُتر گئی تھیں۔

شیروانیاں۔ وہ دماغ ہے۔ شیروانیاں پہنتا ہے۔ حسیب نے قہقہ لگایا۔ تو دوسرے قہقہے بھی شامل ہو گئے۔

ارے بہت سر چڑھا دیا ہے تجھے ان سب نے۔ چھوٹا چھوٹا کہہ کر۔ جب دیکھو زبان پکڑنے کو تیار۔ اب وہ سچ مچ گرم ہو گئی تھیں۔ وہ جلدی سے کھسک لیا۔

ارے اب انہیں اٹھاؤ بھی طارق۔ اب کیا ان میں ستارے بھی ٹانکو گے انہوں نے بیچوں بیچ پڑے نواڑی پلنگوں کی طرف بیزاری سے دیکھ کر کہا۔ تھک گئی تھیں وہ صبح سے ان کے ساتھ لگے لگے۔

عثمان چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ حسیب بھی باہر نکل گیا تھا۔

اس گھر کی رنگ برنگی رونق یہ پانچ لڑکے تھے جو سارے گھر میں دندناتے پھرتے تھے۔ سب سے بڑے عثمان تھے ان سے چھوٹے ارمغان جو ابھی آفس سے نہیں لوٹے تھے۔ تیسرے نمبر پر طارق تھے پھر فاروق اور سب سے چھوٹا حسیب۔

یہ اونچے پورے لمبے چوڑے لڑکوں میں اماں کا نازک وجود اکثر گم ہو جایا کرتا تھا۔ عثمان میکینکل انجینئر تھے۔ ارمغان الیکٹرک انجینئر تھے تازہ تازہ ملازمت ملی تھی۔ باقی تینوں پڑھ رہے تھے۔ طارق کا مزاج فنکارانہ تھا اس نے اگر انجینئرنگ کا انتخاب کر لیا تھا تو آرکیٹیکچر کا شعبہ پسند کیا تھا۔ فاروق ایف ایس سی کر رہا تھا اور حسیب میٹرک میں تھا اس کے پاس بھی سائنس تھی۔ عموماً ان کے حقیقی چچا جو لائق بھتیجوں کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہا کرتے تھے۔

بھائی صاحب ہماری ٹیکنالوجی تو آپ کے گھر میں آ جائے گی۔ میرا خیال ہے آپ دشمنوں کی نظریں کہوٹہ پلانٹ کی بجائے آپ کے گھر پر لگ جائیں گی۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم تھی کہ ابا میاں یعنی فائق احمد فاروقی کو یہ منزل بہت کڑی اٹھا کر ملی تھی ان کی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت تھی۔ جب لڑکوں نے جوانی کے پہلے زینے پر قدم رکھا اس وقت فائق احمد فاروقی بمشکل سفید پوش لوگوں میں گنے جاتے تھے۔ تمام تر صعوبتوں کے باوجود انہوں نے اولاد کی تعلیم و تربیت سے ذرہ برابر غفلت نہیں برتی تھی۔ تمام تر تکالیف کے باوجود اپنی اولاد کی دینی دنیوی تعلیم کا کماحقہ بندوبست کیا تھا۔ اور آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا کہ دو بیٹے کلاس ون انجینئر تھے۔ اور گھر میں خوشحالی کا سورج طلوع ہوا تھا اور یوں رشتے داروں کو بھی ان کی یاد آنے لگی تھی۔ یعنی سوئے ہوؤں نے جاگنا شروع کیا تھا۔

فائق احمد اور ان کی صابر و متحمل بیوی نے زمانے کی پرت پرت دیکھ لی تھی زمانے کے سرد و گرم نے معلم بنا دیا تھا جو صحیح معنوں میں معلم ہوتا ہے اس کے ظرف کی پیمائش نہیں کی

جا سکتی۔ لہٰذا دونوں عالی ظرفوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو بھی اپنا قریبی عزیز تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا جن سے ان کے آباؤ اجداد کی رسمی علیک سلیک ہوتی ہوگی۔

تمام لڑکے بھی عجیب مگن سی طبعیتوں کے مالک تھے بالفاظ دیگر ان کے والدین نے ان کی زندگی کے مقاصد کا تعین کر کے انہیں وقت میں مدغم کر دیا تھا۔

لیکن اپنی ماموں زادیوں کی آمد کا سن کر وہ سب چوکس ہو گئے تھے کیونکہ ان کے گھرانے کے قصے اماں جان الف لیلوی داستانوں کی طرح سنایا کرتی تھیں۔

اماں جان یقین نہیں آتا کہ یہ ہمارے سگے ماموں ہیں اگر ہماری کوئی سگی بہن ہوتی اور شادی شدہ ہوتی۔ رات کو پھر وہ اکٹھے بیٹھے تو موضوع چھڑ گیا۔

تو روز دھرنا مار کر بیٹھا کرتے اُس کے گھر۔ طارق نے حبیب کی بات کاٹ کر جملہ موزوں کر دیا تو اماں جاب بھی مسکراہٹ نہ روک سکیں۔

حبیب بھنا کر رہ گیا۔

فاروق نے پلنگ پر بڑے زور و شور سے کروٹ بدلی۔ یا اللہ کب آئیں گی وہ شہزادیاں

المعروف ماموں زادیاں

زبان سنبھال کر رکھا کر لڑکے۔ ان کے سامنے یاوہ گوئی کی ضرورت نہیں۔

کیوں کیا سر قلم کروا دیں گی

خود ہی کر دیں گی۔ شہ کا مصاحب کیا شہ سے کم ہوتا ہے۔ طارق نے ہنس کر کہا۔

دیکھو تمہارے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔

اماں جان مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں تو آپ کو عورت سمجھتا رہا تھا۔ حبیب نے اداکاری کی۔ اس نے اماں کی بات

کاٹ دی تھی۔

یہ لڑکا مجھ سے پٹ کر رہے گا۔ اماں جان حبیب پر برہم ہو گئیں۔

میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری کوئی بہن نہیں تھی۔

فکر نہ کریں اماں جان ہم انہیں اپنی بہنیں ہی سمجھیں گے۔ فارق پھر بیچ میں بول پڑا۔

پھر اماں جان کو خونی نظروں سے گھورتا دیکھ کر کھسیا کر بولا۔ جی اماں جان کیا کہہ رہی تھیں

سر کہہ رہی تھی تمہارا۔ یہی کہہ رہی تھی تم پانچ مردوئے اس گھر میں دندناتے پھرتے رہے ہو۔ لڑکیوں سے بات کرنا نہیں آتی تمہیں۔ خبردار ابھی کوئی شکایت ہوئی۔

ہوتی ہے تو ہو جائے ہم انسان ہیں روبوٹ نہیں۔ اماں جان۔ چائے کب ملے گی

اس نے ماں کو چائے کے لیے بہت خوب جتایا۔ جو اس وقت فرمائشی چائے بنا رہی تھیں۔

پھینک کر آ گئی ہوں میں راستے میں۔ کوئی سگہ کوئی برتن تھا ناں۔ ارے کیا ذرا سا لڑکا اور کیا آنکھیں دکھاتا ہے۔ آنکھیں نہ پھوڑ دوں تیری۔

بالوں میں رولز لگائے منہ پر جھریاں دور قسم کی کریم لگائے بے ہودہ سی نائٹی پہنے مسز شیخ

ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں انداز انتہائی گھٹیا اور جہالت سے لتھڑا ہوا تھا۔

وہ سہم کر دروازے سے جا لگا تھا۔

مم۔۔۔می۔۔۔میرا مطلب ہے۔ وہ کیسے کھو گیا

ارے۔۔میں نے اسے کہا کھو جا۔۔۔وہ کھو گیا۔ کیا چرب زبان لڑکا ہے۔ کس طرح سوال جواب کر رہا ہے۔

جیسے خصم ہو میرا۔ میرا پریشانی سے بُرا حال ہے۔ مرد پردیس میں ہے۔ اسے بھی سنبھالنا ہے۔ اس پر اس ذرا سے پودے نے حال بُرا کر رکھا ہے۔ نامراد شکریہ ادا کرنے سے گیا کہ گھر اور روٹی دے رکھی ہے اوپر سے آنکھیں دکھا رہا ہے۔

می۔ وہ بہت چھوٹا ہے۔ اسے تو گھر کا ایڈریس بھی پتا نہیں۔

اسے نہیں پتا۔ تجھے تو پتا ہے۔ جاؤ ڈھونڈ لا۔

ہاں میں اسے ڈھونڈ کر لاؤں گا۔ آپ نے اسے کھویا ہے۔ آپ نے وہ روتا ہوا باہر نکلنے لگا۔

مسز شیخ نے آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ اور مار مار کر ادھ موا کر دیا۔

روتے روتے اس کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے۔ وہ بے زبان جانور کی طرح دم بخود اس ظالم عورت کو دیکھ رہا تھا جس کی عورت ہونے پر اسے شک سا تھا جو لپڑ سپڑ کرتی اس کے سامنے سے گزر کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

آٹھ نو سالہ بلا کا خوبصورت بچہ۔ اس کی خون چھلکاتی نظروں نے باہر نکلتی عورت کا پیچھا کیا تھا۔

بشر میں تمہیں ڈھونڈ کر رہوں گا۔ دیکھنا می سے ایک دن بدلہ لوں گا۔ تم کہاں ہو بشر تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی ناں۔ تم چھوٹے ہو ناں۔

اس نے دم سادھ کر جاتی ہوئی ٹرین کو دیکھا تھا۔

چھک چھک چھک آخری ڈبہ بھی اس کے سامنے سے گزر گیا تھا۔

خوف بلا کا ہو تو آواز بھی گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

آنسو بھی اس وقت ابل ابل کر آتے ہیں جب سامنے کوئی ہمدرد بھی ہو۔

چیخ بھی اسی وقت ماری جاتی ہے جب یقین ہو کہ آس پاس کوئی سننے والا بھی ہو سکتا ہے۔ کس قدر گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔

کہاں کا پرس۔ اور کیسا پرس۔

می نے زنجیر کھینچی ہو گی ٹرین کے ڈرائیور نے گاڑی روکی نہیں۔

می نے آواز بھی دی ہو گی۔ شاید میں نے سنی نہیں۔

اف کسی ظالم کو معصومیت کا ادراک اگر ہو جائے۔ تو سر میں خاک ڈال کر جنگلوں میں نکل جائے۔

می۔ می۔ ہر عورت پیدائشی ماں ہوتی ہے۔

لیکن کیا صرف اپنے پیٹ سے پیدا کیے ہوئے نفوس کی

وہ آخر قابو نہ پا سکا تھا خود پر۔

ممی۔ ممی ہچکیاں۔ جنگل سن رہا تھا۔

آسمان سُن رہا تھا۔

بہت سارے ستاروں کو اس کی سسکیاں سنائی نہیں دی ہوں گی اس لیے کہ ان پر بادلوں کے آنچل پھیلے ہوئے تھے۔

نیا چاند نہ نکلنے میں تقریباً پانچ دن باقی تھے۔

وہ تو اس قدر معصوم تھا کہ خدا سے شاکی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ابھی تو وہ یقین والہام، آگہی وادراک کے فلسفے سے کوسوں دور تھا۔

جب اس کی معصوم روح کے اندر یقین کے فیصلے ہی ادھورے تھے تو وہ کس خدا کو پکارتا یہ تو عمر تھی جس میں آنکھوں دیکھی کا ہی یقین آتا تھا۔

اب اس نے صرف ان کے نام لیے جنہیں اس کی آنکھوں نے دیکھ رکھا تھا۔

ممی۔

بعض اوقات کتنا دکھ دیتی ہیں وہ چیزیں جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں

عمر بھائی۔

خون کے اندر حلول رشتہ عموماً آنچ سے کتنی دور ہوتا ہے

عائشہ آنٹی۔

جو۔ خون میں دوڑ رہے ہیں۔ وہ کس قدر قاصر ہیں۔ بیچاری عائشہ آنٹی

پپا آہ۔ دور دیس کمائی کے لیے جانے والا۔ باپ

آنسو۔ تواتر سے بہہ رہے تھے۔

دل خوف سے اس طرح دھڑک رہا تھا۔ گویا سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ ارد گرد جھاڑیاں سرسراتیں تو رگوں میں دوڑتا لہو ٹھٹک کر رُکنے لگتا۔

عموماً جن کو پکارتے ہیں۔ وہ نہیں آتے۔

اور جن کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ مسیحا وہ بن جاتے ہیں۔

اسے خدا کو مدد کے لیے پکارنا نہیں آتا تھا۔ تو کیا بھی خدا۔ بغیر پکارے نہیں سنتا۔ صبح کاذب کا منتظر تھا غالباً تین بجے کا عمل وہ بغیر پلکیں جھپکے ابھی تک بےآواز رو رہا تھا۔ اس کا دل اسے سمجھا رہا تھا۔ ابھی کوئی اور گاڑی ٹھہرے گی پھر وہ اس میں چڑھ جائے گا۔

گاڑی تو نہیں البتہ مال گاڑیاں اس راستے سے کافی گزری تھیں۔

معاً اسے کافی فاصلے پر روشنی سی نظر آئی۔

پتا نہیں کیسی روشنی تھی۔ خوب جھولے لے رہی تھی۔

خوف کی سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اُتر گئی۔

جھولتی ہوئی روشنی اس کے کافی نزدیک آئی۔ اس کا سانس رُک گیا۔

سفید ریش آدمی جس کے ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں لوٹا تھا۔

ڈھیلا ڈھالا سفید کرتا اور چار خانے کا تہہ بند پہنے ہوئے۔ وہ سہم کر۔ مارے گھبراہٹ کے کھڑا ہوگیا۔

لالٹین اس کے چہرے کے سامنے جھولنے لگی۔ سنہرا رنگ کس قدر نمایاں ہوگیا تھا۔ عشق الٰہی کے راستوں میں اس قدر واقعات ہوئے ہیں کہ تحیر ختم ہو جاتا ہے۔

خوف الٰہی، ہیبت الٰہی کے سوا تمام خوف ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم

ہر چند کہ مجھے نہ حیرت ہے نہ اچنبھا۔

پھر بھی اے خوش رُو اور معصوم ذی نفس تو کون ہے آواز انسان کی تھی۔۔ بلا کی جاذب تھی۔

سوائے اپنے رب کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ اس لیے کہ نفع و نقصان صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ تیرا نام اگر کچھ ہے تو مجھے معلوم کر۔ تیری معصومیت میری عبادت میں مخل ہے۔ میں چاہتا ہوں تیرا بھید کھلے۔

کیا انداز گفتگو تھا۔ کیا نرمی تھی۔ کیا جادو تھا۔

میرا نام بشر ہے۔ کانپتی آواز نے جنگل کو سعادت بخشی۔

یہ تو میرا نام بھی ہے۔ تیرے باپ کا نام بھی ہے۔ میرے باپ کا نام بھی ہے۔ تجھے تیری ماں کیا کہتی ہے

بشر آواز پر اب بھی سہم طاری تھا۔

اچھا۔ کس قدر ذی عقل تھا وہ۔ جس نے تیرا نام بشر رکھا۔ آ میرے ساتھ آ۔ عجیب سی مقناطیسیت تھی اس بزرگ کے وجود میں۔

وہ قرار عالم میں ان کے پیچھے ہولیا تھا۔

چند قدم کے فاصلے پر چھوٹی سی کٹیا تھی۔

تجھے بھوک لگی ہے تو بتا۔ تیرے نصیب کا رزق ضرور نکل آئے گا۔ اے خوش بخت۔

نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔

تجھے اس اندھیری رات اور ویرانے میں کس نے چھوڑا ہے نیک بخت انہوں نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

ممی کا پرس گر گیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اٹھا کر لاؤ میں ٹرین سے اترا تو ٹرین چلی گی۔ اس نے ہچکیوں کے دوران بات تمام کی۔

وہ تیری ماں نہیں ہو سکتی۔ اس اندھیرے میں تو بلی بھی اپنے بچے کو تنہا نہیں اُتار سکتی جبکہ یہ اسٹیشن بھی نہیں ہے۔

وہ میری ممی ہیں۔ وہ رو پڑا۔

خدا کرے تو واقعی صاحب نصیب ہو کہ تیری ماں بھی ہو اور باپ بھی۔ میرے بچے میرا

دل کچھ اور کہہ رہا ہے اور تو کچھ اور کہہ رہا ہے۔

صبح مل کر تیری ماں کا بٹوا ڈھونڈیں گے۔ بٹوہ مل گیا تو تو سچا۔ بٹوا نہ ملا تو میرا دل سچا۔ تجھے گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرنے والوں کو راستے بھول جایا کرتے ہیں۔ اچھا ٹھہر۔ وہ اُٹھ کر ایک مٹی کی ہنڈیا کے پاس گئے اور ایک لڈو نکال کر لائے۔

شام کو گاؤں سے واپس آ رہا تھا تو پٹواری کے لڑکے نے لڈو دیے تھے وہ دس جماعت پاس ہو گیا ہے۔ لے لڈو کھا۔

اتنی حلاوت، ٹھنڈک۔ جاذبیت اور چاہت تھی۔ وہ لمس تھا جس سے وہ ازل سے محروم تھا۔ اس نے لڈو لے لیا۔ اسے بہت مزے کا لگا۔ وہ کھا گیا۔

آج تیری نیند تڑپتی بیقرار پھر رہی ہوگی۔ کتنا خوبرو کتنا معصوم ہے تو۔ تجھے تو ہوا بھی چھو کر گزرتی

ہوگی تو اپنی قسمت پر ناز کرتی ہوگی۔ تو اس بوری پر سوجا۔ تیری نیند کو قرار آ جائے گا۔ بچوں کی نیند ان کی دولت ہوتی ہے۔

آپ کے گھر میں پانی ہے؟ اس نے از حد تکلف سے پوچھا۔

شفیق و پُرنور چہرے پر مسکراہٹ کی روشنی پھیل گئی۔ وہ اُٹھے اور ایک کوزے میں پانی لے آئے۔

وہ غٹا غٹ پی گیا۔ اب اس کے پپوٹے نیند سے بوجھل تھے انہوں نے اسے بوری پر لٹا دیا۔ اور تھپکنے لگے۔ اس کے نرم سنہری ریشم جیسے بال پیشانی سے سمیٹنے لگے۔ ہاتھوں سے صداقت سے پُر محبت معصوم وجود میں سرایت کر گئی۔ اسے بوری کے بستر پر وہ سکون میسر آیا اگر لوگوں کو اس سکون کا ادراک ہو جائے تو کھڑے کھڑے دولت لٹا دیں۔

ایسا محسوس ہوا خوبصورت پریاں حریر و ریشم میں ملبوس صبح ازل کا منظر دکھانے آئی ہوں۔ اسے لوریاں سنا رہی ہوں۔ خوف کیا ہوتا ہے ڈر کسے کہتے ہیں جیسے اس کا وجود تمام منفی احساسات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

میرا وجدان کہتا ہے۔

تو اپنے باپ کی دولت سہی۔ لیکن اُس عورت کا بوسیدہ بٹوہ خالی بٹوا ہے۔ جسے تو ممی کہہ رہا ہے۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم کر خوشبختی کی مہر ثبت کی تھی۔

ارے بھیا۔ اتنی دیر ہو گئی۔ ابھی تک لسٹ نہیں ملی۔ دیر ہوگی تو میں نہیں جاؤں گا بازار۔ حبیب برآمدے میں پیر پٹختا پھر رہا تھا۔ میں اسکول ضرور جاؤں گا۔ آج میرا پریکٹیکل ہے۔ چاہے کوئی بادشاہ آئے یا اس کی زادیاں

ارے کیا صبح صبح اول فول بک رہا ہے۔ دے رہی ہوں چھری تلے دم تو لے۔

ارے بابا۔ اب چھریوں تلے بھی رکھا جائے گا۔ ہم تو رعب تلے پہلے ہی دب رہے ہیں۔ سارے گھر کا نوکر بنا ہوا ہوں۔ دودھ والا نہ آئے تو دودھ میں لاؤں۔ بازار سے سودا سلف لاؤں۔ دھوبی سے کپڑے لاؤں۔

مجھے احساس ہے میرے بچے۔ مگر تیرے بھائی کس قدر مصروف رہتے ہیں۔ ذرا سوچ تو سہی۔ پھر تیرا خیال بھی تو کتنا کرتے ہیں۔ جو کپڑا کہتا ہے لے کر دیتے ہیں۔ موٹر سائیکل۔ سائیکل ہر چیز تیرے پاس ہے۔ تیری پسند کے ریکارڈ پلیئر، ڈیک، کیا کرتے نہیں ہیں تیرا خیال

تو کام بھی نوکروں کی طرح لیتے ہیں۔

ابھی سے دل بدگمان کرے گا تو آگے کیسے گزرے گی اماں کو اس کے الفاظ سے دکھ ہوا۔

مسئلہ کیا ہے ارمغان اندر آ گئے تھے۔ مگر انہوں نے بہت کچھ سُن لیا تھا۔

میں آٹھ بجے آفس جاؤں گا اماں جان۔ مجھے دیجیے لسٹ میں گوشت سبزی لے آتا ہوں۔ حسیب نے چونک کر بھائی کی شکل دیکھی۔

میں جا رہا ہوں بھائی صاحب وہ خجل سا ہو گیا تھا۔

ارے۔ تم کیا سمجھ رہے ہو میں بُرا مان کر جا رہا ہوں۔ بیوقوف لڑکے۔ یہ واقعی تمہارے ساتھ زیادتی ہے۔ کہ تم پر تمام گھر کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کسی ملازم کا انتظام کرتا ہوں آپ کو صبح شام سودا سلف لا دیا کریگا۔ اس کے پاس پہلے ہی بہت کام ہے۔ امتحان نزدیک ہیں۔

نہیں نہیں۔ بھائی صاحب۔ میں لے آؤں گا۔ حسیب بے پناہ خجل تھا۔

میں تو اس لیے کہہ رہا تھا۔ چھوٹے بھائی آج چھٹی پر ہیں۔ اماں جان جو بھی فارغ ہو اس سے کام لیا کریں۔ اس طرح بھی کسی کو زیادتی یا بے بسی کا احساس نہیں ہوگا۔

یہ دراصل سُن لیتا ہے ناں۔ میرا زور اسی پر چلتا ہے۔ انہوں نے بات صاف کی۔

کیوں نہیں چلتا زور۔ کسی کی مجال ہے جو آپ کے کہے سے انکار کرے۔ کمال ہے اماں جان۔ ایسے بھی نہ سوچیے گا۔ خواہ آپ کے بیٹے وزیر مشیر بھی ہو جائیں سب پر آپ کو ایک جیسا اختیار ہے۔ اور حسیب تو اس قدر اوبیڈینٹ اور اچھا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو۔

انہوں نے اماں کے ہاتھ سے لسٹ لے لی۔ آخر یہ اہتمام کس سلسلے میں انہوں نے لسٹ پر نظر دوڑائی۔

تمہاری ماموں زاد بہنیں کراچی سیر کرنے آ رہی ہیں۔ اتنے دم سے تو اودھم ہو رہا ہے کون سی دنیا میں رہتے ہو

اچھا اچھا انہوں نے ماں کی بات کو نہایت سرسری لیا۔

جاؤ یار۔ تم تیاری کرو۔ اماں جان آپ ناشتا تیار کر لیں میں ابھی لیے آتا ہوں۔ وہ موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گئے۔

گاڑی لے جاؤ۔ اماں نے کہا۔

نہیں بس ٹھیک ہے۔ اگر مجھے دیر ہو گئی تو عثمان بھائی کو پریشانی ہوگی۔

کس قدر نیک ہے میرا بچہ۔ خدا اس کا نصیب اچھا کرے قدم قدم پر اسے سکھ ملے۔

لو بھیا۔ ایک دن میں اتنی دعائیں۔ اماں جان ہم آپ کی دعا لینے کے کیا طریقے اپلائی کریں

میرے دل سے تو تم سب کے لیے ہر وقت دعائیں نکلتی ہیں۔ ماں کی دعا تو دعا ہوتی ہے۔ صلہ نہیں۔ پاگل لڑکے۔ وہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

حسیب یہ سوچ کر پھر شرمندہ ہو گیا کہ ارمغان نے اس کی بکواس سن لی تھی۔

کتنے اچھے ہیں بھائی صاحب۔ جواب نہیں ان کا۔ ویسے بڑے بھائی جان بھی اچھے ہیں۔

اچھے تو خیر سب ہی ہیں۔ میں دراصل ناشکرا ہوں۔ سب ہی تو اتنا پیار کرتے ہیں مجھ سے۔ کہیں میری باتوں سے بھائی صاحب کو دُکھ نہ پہنچا ہو۔ اسے واقعی دلی ندامت تھی اپنی بدگمانی پر۔

ابا جان کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔ طارق نے جلدی جلدی قمیض کے بٹن لگاتے ہوئے کہا۔

ڈر لگ رہا ہے فاروق نے شرارت سے کہا۔

کس سے وہ بن کر بولا۔

ارے ڈرنے کی کیا بات ہے۔ بہنیں ہیں تمہاری۔

کیا بھائی صاحب نہیں چل رہے اس نے ارمغان کی سمت اشارہ کیا۔

کیا بارات لے کر جا رہے ہیں حسیب کو عموماً بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔

ارے کیا ہانک رہا ہے۔ اماں بھی ٹپٹا گئیں۔ بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔

بعض اوقات دُور کی کوڑی لے کر آتا ہے۔ ارمغان مسکراتے ہوئے نزدیک چلے آئے۔

اے لو۔ تم بھی ان میں شامل ہو گئے۔

بس تم دونوں چلے جاؤ۔ حسیب بھی نہیں جائے گا مجھے اس پر بھروسہ نہیں زبان پر تو اسے ذرا قابو نہیں۔ انہوں نے فاروق اور طارق کو موزوں قرار دیا۔

کیا بتایا تھا ماموں جان نے سفید کپڑے اور نیلے پرس۔ خدا کی قسم شرم آ رہی ہے۔ یہ ہماری سگی ماموں زادیں ہیں حلیے سے پہچاننا پڑ رہا ہے۔ ویسے اماں جان ذرا جتایئے گا ضرور۔ بلکہ میں پوچھوں گا۔ نیاگرا نزدیک ہے یادھا جی۔ تھوڑا سا بھی سینس رکھتی ہوں تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں گی۔

ہمیں کیا پڑی ہے کہ بچیوں سے شکایت کریں۔ ہم تو ان کے باپ سے شکایت کرنا پسند نہیں کرتے۔

اماں جان آپ تو ایک مرتبہ لاہور گئیں تھیں بلکہ دو مرتبہ۔

جب انہوں نے یا ان کی بیگم نے آپ کو بٹلر کے کمرے میں ٹھہرا دیا تھا۔ فاروق تمسخر سے کہا۔

گئی تھی مگر دونوں بڑی لڑکیاں گھر پر نہیں تھیں۔ مری کانٹ۔ جنت گیا۔ وہ جھلا گئیں۔

مری کونونٹ طارق نے مشکل آسان کی۔

ہاں۔ وہیں پڑھنے گئی ہوئی تھیں۔

اگر صورت شکل دھیان میں ہوتی تو میں ہی جاتی انہیں لینے۔

اماں جان کیا انہوں نے اپنا نوکر سمجھ لیا ہے۔ آخر ان کے پاس ہمارا پتا بھی تو ہوگا؟

مگر جب بھائی جان نے تمہارے بھائی کو ٹیلی فون پر باقاعدہ حلیہ بتا کر کہا ہے کہ ائیر پورٹ سے لے آئیں۔ تو برا سا لگتا ہے۔

سفید کپڑے نہیں۔ سرخ کپڑے سفید پرس ہوں گے۔ اونچے قد ہیں۔

ناک بھی اونچی ہوتی تو کیا کہنے۔ کس ڈھٹائی سے آ رہی ہیں۔

اوں۔ ہوں۔ ایسے نہیں کہتے۔ ارمغان نے حسیب کو ٹوکا۔

خدا خدا کر کے دونوں گھر سے نکلے۔ اماں جان نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ میاں کے لیے اور عثمان کے لیے چائے بنانے چلی گئیں کافی دیر سے آرڈر آیا ہوا تھا۔

وہ رہے سرخ کپڑے اور سفید پرس۔ فاروق حواس باختہ نظر آ رہا تھا۔

دوسری کا قد تو کافی چھوٹا ہے۔

کیا دونوں فیکٹری سے ڈھل کر نکلی ہیں جو ذرا بھی فرق نہ ہوگا۔ فاروق نے سخت برا مان کر طارق کو جواب دیا تھا۔

مگر یار یہ تو فارنر لگ رہی ہیں۔ ارے یہ ائیر ہوسٹس بھی غیر ملکی ہوائی کمپنی کی لگ رہی ہیں۔

اور۔ اور۔ یہ لوگ تو جا رہے ہیں آ تو نہیں رہے۔

لاحول ولاقوۃ۔ بے وقوف آدمی۔ مجھے اٹھا کر ٹرمینل نمبر 3 پر لے آیا۔ طارق نے کھسیا کر فاروق کی کھنچائی کی۔

اٹھا کر کب لایا ہوں۔ بلکہ آپ میرے شانہ بشانہ چل کر آئے ہیں۔ فاروق کو ہنسی آ رہی تھی مگر وہ قابو پا رہا تھا مبادا طارق کو سچ مچ غصہ آ جائے۔

دونوں کافی دیر سے کھڑے ہوئے تھے اس کی خجالت بہت زیادہ تھی۔ دونوں نے دیواروں کی سمت بھی توجہ نہیں کی تھی ورنہ کسی طرف سے تو پتا چل جاتا۔ کہ وہ کون سے ٹرمینل پر تشریف فرما ہیں۔

غیر ملکی پروازیں تو غالباً ٹرمینل نمبر 2 پر آیا کرتی تھیں۔ طارق پر ابھی تک کوفت سوار تھی۔

چھوڑیں جو ہوا سو ہوا۔ اس سلسلے میں ہم ناتجربہ کار تھے۔ ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ دونوں اب انکوائری کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ سرخ لباس ہے مگر پرنٹڈ ہے۔ فاروق نے وضاحت کی اب وہ ڈومیسٹک فلائٹ کے ٹرمینل پر آ چکے تھے اور راستے لیٹ ہو گئے تھے کہ ٹرمینل پر بھیڑ بھی چھٹ چکی تھی۔

بھی اب اس پورے ٹرمینل اور اس کے احاطے میں صرف یہی سرخ لباس اور سفید پرس نظر آ رہا ہے۔

اب انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا سرخ لباس پرنٹڈ ہوگا یا پلین۔ وہ اس سرخ لباس میں ملبوس لڑکی کی طرف بڑھا تھا جبکہ فاروق دائیں بائیں اس کی ساتھی کو ڈھونڈ رہا تھا

ایکسکیوزمی۔

جی لڑکی نے بڑی نخوت سے کہا۔ اس نے بہت فیشن کر رکھا تھا۔ سر سے پاؤں تک لیکن ایک ایک چیز اسے چھچھورا ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

نودولتیوں کا عکس اس کے چہرے پر صاف محسوس کیا جاسکتا تھا۔ انسان کا چہرہ، بود و باش وہ چیزیں ہیں جو خاندانی پس منظر کا اظہار بہت واضح کرتی ہیں۔

اور جب سے مشرق وسطی جا کر کمانے کی آزادی ملی ہے ایک نیا طبقہ اس سرزمین پر پیدا ہو گیا ہے۔

خاندانی اور مہذب لوگ جھونپڑوں میں رہ کر بھی اپنی آن بان الگ ہی محسوس کراتے ہیں اس لیے کہ اعلی ظرفی اور ٹھہراؤ و طمانیت پیدا کرنے کی ذمہ دار دولت نہیں ہے۔ گزرنے والے لوگوں کا علم، تہذیب رکھ رکھاؤ نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے بغیر کسی مادی سہارے کے۔ اور اس کا عکس ہر نسل کے چہرے پر دمکتا ہے۔

اسے لڑکی کی بھونڈی ادا سے سخت کراہیت محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ مجبور تھا۔

آپ لاہور سے آئی ہیں؟

جی ہاں

آپ کو کسی کا انتظار تو نہیں اور آپ کے ساتھ کی۔

شرم نہیں آتی لڑکیوں کو چھیڑتے ہوئے۔ شکل سے تو بہت۔

اجی محترمہ

محترمہ کے کچھ لگتے مچاؤں شور یا اتاروں۔

طارق کی شریانوں میں خون ابلنے لگا تھا اس کا جی چاہا اس سرخ رنگ کی چوہیا کو اٹھا کر ٹرمینل کی چھت پر پھینک دے۔

لاحول ولاقوۃ۔ وہ پیر پٹختا فاروق کی سمت ہوا وہ بھی اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ طارق کا سرخ چہرہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا اور پھر جب اس نے یہ کہہ کر گاڑی کی سمت قدم بڑھائے۔

میں گھر جا رہا ہوں، آنا ہو تو آ جاؤ ڈھونڈنا چاہتے ہو تو ڈھونڈ لو وہ کوئی بچہ نہیں ہیں۔ حواس باختہ فاروق اس کے پیچھے دوڑا تھا۔ لیکن بھائی کے تپے ہوئے چہرے نے اسے چند منٹ بولنے سے باز ہی رکھا۔

سارے گھر میں اماں جان کو ہم ہی بے وقوف نظر آتے ہیں۔ یعنی حد ہو گئی۔ پاگل سمجھ رکھا ہے نواب زادیوں نے، کپڑوں کے رنگ بتا کر خادموں کو ایئرپورٹ بلا رہی ہیں۔ اس قدر فارغ سمجھ رکھا ہے۔ دولت مند ہیں تو اپنے لیے ہیں ہمیں اپنے وارث نومی نیٹ (نامزد) نہیں

کریں گی۔

وہ تین دن تو فاروق مجھے ان کے سامنے نہ بلاتا اگر وہ آجائیں ورنہ میں ان کے دماغ درست کردوں گا

چھوٹے بھائی کیا اس لڑکی نے۔فاروق نے بولنا چاہا۔

اب تم اپنی چونچ بند رکھو۔ورنہ دے ماروں گا کہیں گاڑی۔وہ غضب ناک ہوا۔فاروق نے خاموش ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔

خوش مزاج سے طارق کے بارے میں اسے یہ بہت اچھی طرح پتا تھا کہ وہ ہر بات اچھی طرح اڑاتا ہے سوائے اس بات کے جو اس کی مردانہ غیرت پر تازیانہ بن کر لگے۔وہ بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔سیاہ پینٹ اور ہلکی گلابی شرٹ میں غضب ناک سا طارق بڑی رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

لہذا فاروق پر لازم تھا کہ وہ قرانی آیتیں ہی ورد کرلے۔دس منٹ سے زیادہ اس سے خاموش نہ رہا گیا۔

شاید وہ خود ہی گھر پہنچ گئی ہوں۔وہ آخر بول ہی اٹھا۔

اچھی۔میری طرف سے جہنم میں پہنچ جائیں۔

میں ان بے چاریوں کے حق میں دعا کر رہا ہوں جن کا آپ سے سامنا ہونا باقی ہے۔

اس نے طارق کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

مگر جلال اب بھی خون بن کر چہرے سے چھلک رہا تھا۔

وہ بے بس ہو کر پھر خاموش ہوگیا تھا۔

ایک سے پیچھا چھڑانا کس قدر آسان تھا حتیٰ کہ معمولی سی اداکاری کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔صرف سرسری سا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ پرس گر گیا ہے۔

ایک یہ محل نما کوٹھی ہے۔دادو میں زمینیں ہیں۔لاڑکانہ میں باغ ہے۔مضافات میں دو تین گھر ہیں جو کرائے پر ہیں۔اور پھر خود ولایت علی شاہ سعودی عرب محکمہ ٹیلی گراف کا ایک معزز عہدے دار ہے جو چار ہندسوں والا ڈرافٹ اس کے نام ہر ماہ باقاعدگی سے بھیجنا نہیں بھولتا۔اور جائیداد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کی بلا شرکت غیرے وہ خود مالک ہے۔

لیکن کب تک؟اس نے یہ سوچا تھا۔

وہ ولایت علی شاہ کی دوسری بیوی ہے۔ہزار دل پسند اور منہ چڑھی ہے۔لیکن ایک دن جب اس کے یہ دونوں بیٹے اونچے لمبے چوڑے جوان بن کر بوڑھے ولایت علی شاہ سے جائیداد میں اپنا حصہ مانگیں گے تو۔

شاید مضافات والے دو مکان اس کی بیٹی کے حصے میں آئیں گے۔

پھر انہیں شعور آتے ہی یہ بھی احساس ہوگا کہ جائیداد سے آنے والی اب تک کی آمدنی کہاں جمع ہے اگر خرچ کردی گئی ہے تو کس مد میں؟اگر بینک میں ہے تو کتنی ہے؟

پھر آمدنی کا تخمینہ لگا کر جائیداد میں حصہ بنایا جائے گا۔اس کے پاس کیا رہ جائے گا؟

اس کی بیٹی کو کیا ملے گا؟ بیٹوں سے نصف۔ اور اسے حق مہر اور چند ہزار اوپر۔

لاکھوں خرچ کرنے کے عادی ہاتھ محدود قدر میں کس قدر اپاہج ہو جائیں گے۔ اور جبکہ بدبختی کی انتہا یہ ہو چکی ہے کہ اب وہ تاحیات کسی اور بچے کو جنم نہیں دے سکتی۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد کی سب سے ہولناک خبر یہ تھی کہ اب وہ آیندہ مزید کسی بچے کو جنم دینے کی اہل نہیں ہے۔

ماں کی دن رات کی پڑھائی پٹیوں نے آخر اسے فیصلہ کن قدم اٹھانے پر مجبور کر ہی دیا تھا۔ بعض اوقات عیش ونشاط مسلسل انسانوں کو سفاک اور خود غرض بنا دیتے ہیں اور اس کا رشتہ تو ویسے ہی بدنام تھا۔

قتل۔ اب اتنی باہمت نہیں تھی۔ اس نے ایک دم نہیں آہستہ آہستہ پیچھا چھڑانے کا پروگرام بنایا تھا۔ داود کی زمینوں پر جانے کے بہانے بشریٰ کو ساتھ لیا تھا۔ عمر کو ہوم ورک کی تلقین کے ساتھ گھر پر چھوڑا تھا۔ ایک کو بیچ راہ میں چھوڑ دے گی۔

دوسرے کو گھر سے نکالنے کی ترکیب تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی دونوں بیماری و مددگاری کے دنوں میں اکٹھے رہیں اور پھر کوئی قوت بن کر مقابل آ جائیں گے۔

دونوں سے پیچھا چھڑا کر وہ گھر تبدیل کر لے گی۔ دونوں بہت چھوٹے ہیں۔ انسان کے پاس جتنی عقل وسمجھ ہوتی ہے اس کے مطابق اس کی زندگی کے پروگرام ہوتے ہیں۔

مگن کا جادو چلا کر اس نے ولایت علی شاہ کو خاندان سے ویسے ہی الگ تھلگ کر دیا تھا اور سعودیہ جانے کے مرحلے تک وہ نو بیاہتا بیوی اور ساس کے حصار میں محصور ہو چکے تھے۔

وہ عارضی طور سعودیہ بھیجے گئے تھے اس سے مطمئن تھے۔ اس پر سے دونوں لڑکیوں کا بھی خیال تھا کچھ بھی سہی لاکھ عیش پرست سہی آخر باپ تھے بشریٰ کو بھی حال ہی میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ فی الحال نرسری میں تھا۔ بہر حال تعلیمی دور تو شروع ہو گیا تھا۔

اس پر سے ان کی بیوی ان کی چہیتی بیوی۔ المعروف سوتیلی ماں۔ ان کے دونوں بیٹوں پر جان چھڑکتی تھیں۔ ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ شاہ صاحب بیگم کو شاپنگ کرانے جاتے تو بیگم عمر اور بشریٰ کی شاپنگ زیادہ کرتیں۔ اور اپنی کم۔ اس لیے کہ اپنی شاپنگ تو تنہا بھی کی جا سکتی ہے مگر دکھاوے کا عمل تو شاہ صاحب کی غیر موجودگی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہ صاحب تو ایسی حسین اور نیک دل بیوی پا کر شکر کا کلمہ ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔

وہ بچوں کو صبح خود جا کر جگاتی تھیں۔ شاہ صاحب ناشتے کے وقت موجود ہوتے تو اپنے ہاتھ سے ٹوسٹر

سے ٹوسٹ نکال کر اور مارملیڈ یا مارجرین لگا کر زبردستی کھلاتیں تو پھر کون سا مرد ہے؟

جس کی بیوی حسین ہو۔ خوش لباس وخوش اندام ساتھ ہی خوش کلام ہو پھر اگر قسمت سے سوتیلے بچوں کے امتحان میں ڈالی جائے تو اس قدر نیک دلی کا مظاہرہ کرے۔ اور وہ اس پر قربان نہ ہو۔ ناممکن لہذا اس لحاظ سے تو شاہ صاحب بےقصور ہی تھے۔

ان کے خیال میں بچوں کی بہترین نگہداشت ہو رہی تھی۔ عورت کو ناقص العقل کہنے

والے نہیں مار کھا جاتے ہیں پہلا جرم تو خواہ مخواہ سر پر لگا دیا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ گندم کا دانہ کھانے کا مشورہ شیطان نے دیا تھا حوا نے نہیں، پتا نہیں کس عورت بیزار نے یہ الزام حوا کے سر منڈھ دیا۔

یہ طے ہے کہ اکثریت دلیل سے عاری بات سنتی بھی ہے اور مزے سے نمک مرچ لگا کر اڑاتی بھی ہے۔ یعنی بال سے پر اور پر سے کوا ہو جاتا ہے۔ بہت ہی قناعت پسندی ہے ورنہ کوے کو پہاڑی بکرا بھی بنا سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا لوگ سمجھیں گے دیکھنے والے کی نظر کمزور تھی وہ بالوں اور پروں میں فرق نہ کر سکا۔

بیچاری عورت کا بیوقوف ہونا اس لیے طے ہے کہ اکثریت کہتی ہے اور مردوں کو یہ نہیں معلوم بعض بیوقوف عورتیں بہت بڑی فنکارائیں ہوتی ہیں۔ ظاہر باطن پر اتنا کنٹرول ہوتا ہے کہ گمان سے بھی دور۔

اسی لیے شاہ صاحب دھوکا کھا گئے۔ اور پھول جیسے بچوں کو اعظم فنکارہ کو سونپ گئے۔

کاش انہیں سہمی ہوئی آنکھوں کی بولی سمجھ میں آ جاتی۔

کاش۔ وہ کبھی منہ پر چھپے پانچ انگلیوں کے نشانات کا بھید پا جاتے۔ کاش کبھی رات کو ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے معصوم سسکیاں سن لیتے کاش وہ پرائی عورت پر اس قدر اندھا دھند اعتماد نہ کرتے۔ انہیں نہیں معلوم تھا۔

جہاں سے انسان کے اختیار و اقتدار کو انجام ملتی ہے وہاں سے خدا کی گرفت مضبوط ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اور پھر رب بھی انسان کا پرتو بن جاتا ہے۔ اگر خدا بے کنار اختیار اور لامحدود اقتدار کا مالک ہوتا تو روئے زمین پر انسانی وجود کروڑوں اربوں سال پہلے ہی مٹ جاتا۔

کہ۔ انسان سے دوسرے انسان کی نہ خوش حالی برداشت ہوتی ہے نہ کامیابی۔

نہ زمین میں حصہ۔

نہ رزق میں ساجھا۔

اس کے باوجود بھی انسان پھلتے پھولتے ہیں۔ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ خوش حال بھی رہتے ہیں۔

یہ تمام مظاہر خدا کے وجود کی روشن و مبین دلیل ہیں۔ اور خدا یہیں کہیں آس پاس کہتا سنائی دیتا ہے۔ کہ۔ وہ زبردست ہے۔ باقی سب زیردست۔

جب گیدڑ کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ جب کسی انسان کی شامت آتی ہے تو وہ مفاد پرست اور خود غرض بن جاتا ہے۔ روشن آرا کی شامت ہی آئی تھی کہ وہ ابھی ابھی عمر کی ہڈیوں کا چورا کر کے آئی تھی۔

اس کا قصور یہی تھا ناں کہ بھائی کی جدائی میں پاگل ہو رہا تھا۔ اور احتجاج بدستور کر رہا تھا۔ کہ کوئی اور بلکہ سارا زمانہ اس پری چہرہ عورت کی آنکھوں میں غزال کے عکس تلاشتا ہو گا مگر وہ بچہ صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ کوئی مادہ اژدھا ہے جس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے ہیں تو سب

سے کریہہ المنظر عورت ہوتی ہے۔

ممی۔ بشر کہاں ہے؟ میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے مگر باہمت بچے کو تعجب سے دیکھا۔

ارے تلاش تو میں بھی کروا رہی ہوں۔ تمہیں سڑکیں ناپنے کو کس نے کہا تھا؟ وہ گرجی۔

تو کیا میں اسے ڈھونڈوں نہیں؟ وہ رو پڑا۔

نہیں۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

کیوں نہیں؟ میں پولیس اسٹیشن بھی گیا تھا۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔

کس سے پوچھ کر گئے تھے پولیس اسٹیشن؟

بس میں گیا تھا۔ وہ اڑیل وسرکش ہو چلا تھا۔ اس کا تو بھیجہ ہی الٹ گیا تھا۔ بھوکی شیرنی کی طرح پل پڑی تھی۔ مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔

نوکر دم سادھے پھر رہے تھے۔ جی چاہنے پر بھی وہ اس بیگم کے چنگل سے نہیں چھڑا سکتے تھے۔

تیرا کیا خیال ہے کمینے؟ میں اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہوں مجھے پریشانی نہیں ہے۔ مجھے فکر نہیں ہے۔ جب میں نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا تھا۔ تو تُو کیوں گیا تھا۔ تیری اتنی ہمت۔ اتنا حوصلہ۔

مجھے نہیں پتا۔ ممی۔ مجھے بشر لا کر دیجیے۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا اور اس عورت کا کلیجہ شق نہ ہوتا تھا۔

مجھے بشر چاہیے۔ ممی بشر کو ڈھونڈ کر لائیے۔

ارے ڈرو دیا ہے۔ بن کر آ رہا ہے۔ دھونس کیسی ہے۔ تیرے باپ کی لونڈی ہوں نا۔ وہ اس کی ہمت پر غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

اب اگر تو نے قدم باہر نکالے۔ کو یکوں پر کھڑا کر دوں گی جلتے ہوئے کو یکوں پر۔ سنا؟

پرانے نوکر اس نے آتے ہی نکلوا دیے تھے۔ نئے نوکر گھریلو رازوں سے واقف نہیں تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے کوشش کی تھی۔ کہ بیگم صاحبہ بے حد تیکھی تھی۔ اس نے چھانٹ کر انتہائی بے بسوں اور بے کسوں کو نوکر رکھا تھا۔ وہ تو مارے خوف کے کمرے سے بھی بہت دور تھے مبادا بیگم صاحبہ بکتی جھکتی ایک دم باہر آ جائیں اور انہیں سن گن لیتا دیکھ کر۔ بس وہ یہیں تک سوچتے تھے۔ پھر وہ واقعی باہر نکل آئی تھیں۔ پیٹ بھر کر مار تو دیا تھا مگر اب یہ بھی کھٹکا تھا کہ ولایت علی شاہ کی بہن صاحبہ تشریف نہ لے آئیں۔ کیونکہ قریباً سب رشتے داروں نے نہ سہی اکثریت نے اس کی مغرور طبیعت اور سرد مہری کے سبب آہستہ آہستہ آنا چھوڑ دیا تھا مگر اکلوتی نند صاحبہ بچوں کی خیر خبر معلوم کرنے بڑے ٹھسے سے آیا کرتی تھیں اس نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا اور نوکر کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ دروازہ نہ کھولے۔ لیکن رات کو ڈرائیور کی بیٹی اپنے کوارٹر سے برف مانگنے آئی تو دیکھا چھوٹے صاحب دروازہ بجا کر کہہ رہے ہیں۔

دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولو۔

اس نے دروازہ کھولنا چاہا آٹو میٹک لاک تھا مگر بہر حال چابی ہی سے کھلتا تھا۔ بیچاری
بہت زور آزمائی کر رہی تھی مگر نتیجہ صفر تھا۔

وہ آزردگی سے یہ کہہ کر چھوٹے صاحب نہیں کھلتا آگے بڑھ گئی تھی۔ دروازے کے
پیچھے۔۔سات آٹھ سال کیتھر نے شدت نفرت سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

صبح کا ناشتا اس کے لیے کمرے میں ہی آ گیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اور رات کا کھانا
بھی۔

جب رات کا کھانا آیا تو اس نے کہہ دیا وہ کلیجی نہیں کھاتا اسے الٹیاں آ جاتی ہیں جا کر دہی
لے کر آؤ۔

نوکر دہی لینے گیا وہ جھٹ باتھ روم میں گیا نل کھول کر جلدی سے باتھ روم کا دروازہ بند کیا
اور کمرے سے باہر آ گیا۔

بیگم صاحب۔ گڑیا کا فیڈنگ ٹائم ہو گیا ہے۔

تو دے دو۔ وہ بدستور میگزین میں مگن تھی۔

گڑیا تو کڈز روم میں نہیں ہے۔

ڈرائیور کی لڑکی کے پاس ہو گی۔

وہ تو آج صبح اپنی خالہ کے ہاں چلی گئی تھی۔

وہ آیا کے ساتھ باہر آئی تو پتا چلا۔ عمر بھی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔

تمام نوکر ایک دم لائن حاضر کیے گئے۔

مین گیٹ نہیں کھولا ہوا۔۔۔ سنا تم لوگوں نے؟ وہ حلق پھاڑ کر چیخی تھی۔

بہت حالت غیر کر روئی تھی۔

تمہیں کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے۔ یہاں سے وہاں دندناتے پھرتے ہو۔ وہ کم ذات
ہوا نہیں تھا۔ یہیں سے گزر کر باہر گیا ہو گا۔۔۔ اور وہ اتنا ذہین، اتنا جوان بھی نہیں تھا کہ تم سب
کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جائے۔ تم میں سے کسی نہ کسی نے اسے ضرور باہر جاتے
دیکھا ہو گا۔ وہ پوری قوت سے چیخ رہی تھی۔

خدا کی قسم۔۔۔ کئی کانپتی آوازوں نے قسم کھائی۔

نمک حراموں۔۔۔ میں دیکھ لوں گی سب کو۔۔۔ ایک ایک کو اگر جیل کی ہوا نہ
کھلوائی۔۔۔ وہ اب رو پڑی تھی۔

اس کی انگلیاں ڈائل گھما گھما کر زخمی ہو چلی تھیں۔ گھر میں ملنے جلنے والوں کا ہجوم بڑھتا
جا رہا تھا گھر کی فضا پر وحشت سی طاری ہو چلی تھی۔

اس کی ماں آئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

امی۔۔۔ میری بچی۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔ وہ نڈھال ہو چلی تھی۔

ارے دونوں بھائی بہت چھوٹے ہیں۔ بہن کو ساتھ لے گئے ہوں گے اپنے کسی دوست
کے گھر۔

وہ منحوس عمر لے گیا ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

عمر۔۔۔؟

تو پھر بشریٰ کہاں ہے؟ عائشہ نے چبھتی نظروں سے بھاوج کو دیکھا۔

روشن کا دل پوری قوت سے سمٹا اور پھر پھیلا۔۔۔۔ اس نے خالی خالی نظروں سے نند کو دیکھا۔

ہیں۔۔۔؟ ہاں۔۔۔ ا ں۔۔۔ بشریٰ بھی تو نظر نہیں آ رہا۔۔۔

آپ رہتی کون سی دنیا میں ہیں۔۔۔ بھابی جان۔۔۔؟ بشریٰ کی غیر موجودگی نے عائشہ کو ایک نئے سانحے سے دوچار کیا۔ آپ سے اگر ان بچوں کی ذمہ داریاں پوری نہیں ہو سکتی تھیں تو آپ نے مجھ سے، بھیا سے کہہ دیا ہوتا۔ ان کے لہجے میں تلخی امڈ آئی۔ وہ نوکروں کی طرف بڑے لٹے لٹے انداز میں بڑھی تھیں۔

ارے خدایا یہ کون سا دل جلانے کا وقت ہے۔ کیسے بیرحم ہوتے ہیں لوگ۔۔۔ ارے میں انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ لوگ دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ روشن سر پکڑ کر رونے لگی۔

ماں نے جھٹ اپنی بیٹی کا سر سینے سے لگایا۔

ارے خدا کرے غرق ہو جائیں میری بیٹی کا سکون لوٹنے والے۔ ایسی ہمدردی تھی بچوں سے تو لے کیوں نہ گئی پھوپھی۔۔۔ ارے میری بچی نے کیسی جان گھلائی ان بچوں پر۔۔۔ ارے تو کہتے ہیں، نیکی کر دریا میں ڈال۔

سرد جنگ، گرم جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اگرچہ دو بدو نہیں۔ بہر حال سرحدی جھڑپیں شروع ہو چکی تھیں۔ عائشہ ساری جان سے کانپ رہی تھیں۔ شام کے سائے بڑھ چکے تھے۔ تینوں بچوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بھتیجوں و بھتیجی کی پریشانی میں وہ اپنے گھر و بچوں سے غافل ہو چلی تھیں۔

کس طرح وہ تڑپ رہی تھیں، کتنی منتیں مان رہی تھیں۔

ادھر روشن پر بے ہوشی کے دورے پڑنا شروع ہو چکے تھے۔ یہ ایک نئی افتاد تھی۔ انہوں نے ولایت علی شاہ کے سسرالیوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ ولایت علی کو اطلاع نہ دیں۔ انہیں خوف تھا کہ ان کے بھائی کو کچھ ہو نہ جائے۔ جوان کا سب کچھ ہے۔

ان کو امید تھی کہ وہ معصوم بچے ہی تو ہیں کہاں جائیں گے؟ تو پھر ولایت علی شاہ کو خواہ مخواہ کیوں ہراساں کیا جائے۔ وہ بہت حوصلے سے حالات سے نبرد آزما تھیں۔ انہیں ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی آنے جانے والوں سے ملتیں انہیں سارا واقعہ بتاتیں۔ کبھی نوکروں سے پوچھ گچھ شروع کرتیں۔ کبھی ڈھونڈ کر واپس آنے والوں کے بیانات سنتیں۔ کبھی نیم بیہوش، زرد رو بھاوج کو دیکھ کر آتیں۔

پولیس اسٹیشن رپورٹ درج کرائی جا چکی تھی۔ وہاں بھی وہ گاہے بگاہے فون کر رہی تھیں۔

اے خدا میرے بھائی کا آباد گھر نہ اجڑے۔۔ وہ سچائی سے دعا کرتیں۔

بھابی بھی ایک ہی ہیں۔عمر کی گڑیا کی رٹ لگائے جا رہی تھیں۔۔اتنا بھی دھیان نہیں کہ بشر بھی غائب ہے۔ہائے اللہ کس حال میں ہوں گے میرے بچے۔وہ ہول کر دل پکڑ لیتیں۔

بچوں کی پیاری پیاری صورتیں نگاہوں میں گھوم جاتیں۔

ہزاروں واہمے ان کے دل میں آ رہے تھے۔

کہیں ایسا تو نہیں تینوں کہیں کھیل رہے ہوں اور کوئی بردہ فروش۔۔۔

اس سے آگے ان کو اعصاب جواب دینے لگتے۔

کہیں ایسا تو نہیں بھابی دونوں بچوں پر زیادتی کرتی ہوں تو وہ گڑیا کو لے کر۔۔۔

لیکن۔۔۔

وہ تو بہت معصوم ہیں۔ان کے ذہن کہاں انتقامی تانے بانے بن سکتے ہیں۔

وہ خود ہی خیالات کو رد کر دیتیں۔

وہ تو اتنے بھولے ہیں۔بھلا کہاں جا سکتے ہیں۔انہیں تو راستے بھی نہیں پتہ۔۔۔

انہیں رہ رہ کر بھائی کا خیال بھی آ رہا تھا۔

خدا نہ کرے یہ ہری بھری کھیتی اجڑے۔۔ میں تو مر جاؤں گی۔

جتنا اندھیرا کائنات پر چھا رہا تھا اس سے زیادہ ان کی امیدوں پر۔۔۔

وہ لان میں جا کر اب باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

بھیا۔۔۔خدا نہ کرے کچھ ہو گیا۔۔۔تو میں آپ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔۔۔

ان کے تواتر سے بہتے آنسوؤں کا سلسلہ رک کر نہیں دے رہا تھا۔

انہیں تو وہ آوازیں بھی گراں گزر رہی تھیں جو احوال پوچھنے کی کیفیت میں بلند ہو رہی تھیں۔

عائشہ انہیں اپنے شوہر کی آواز سنائی دی۔

ان کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔۔۔شاید وہ خوشخبری لائے ہیں۔وہ جلدی سے آنکھیں پونچھ کر برامدے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

طارق نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی گیٹ نیم وا تھا۔وہ گاڑی گیٹ پر روک کر اترا اور گیٹ پار کر گیا۔یعنی انداز یہ تھا۔لاتے رہنا گاڑی اندر

فاروق اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور دبا کر ہارن دیا۔

حسیب نے بہت پھرتی سے گیٹ کے پٹ وا کیے تھے۔گاڑی میں فاروق کو دیکھ کر متعجب ہوا۔

ارے۔۔۔چھوٹے بھائی کہاں ہیں؟

ابھی تو گیٹ کے ذریعے وہ گھر ہی میں داخل ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ذرا دیکھنا۔۔۔

غصے میں جل بھن کر راکھ تو نہیں ہو گئے۔اس نے دروازہ کھول کر باہر اترتے اترتے بڑی سنجیدگی

سے فرش کو گھورا۔

میرے خیال میں وہ اوپر ہیں۔ حسیب نے زینے کی طرف اشارہ کیا۔

جبکہ میں کہتا ہوں وہ حقیقت میں اوپر ہیں۔

حسیب جھلا کر رہ گیا۔

آپ تو دونوں ہی ایک گھنٹے سے وہ مہمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں جنہیں آپ لینے گئے تھے۔

اچھا فاروق نے جلدی سے کالر درست کیا۔ گویا چھوٹے بھائی ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔

ان کا ٹھیک اور غلط تو اماں جان معلوم کر لیں گی۔۔۔ فی الحال آپ تو چلیے۔۔۔ مہمانان گرامی اپنے ریسیورز کو دیکھنے کے لیے بے حد بے قرار ہیں۔

وہ اسے لے کر برامدے میں چلا آیا۔ جہاں بارونق اجتماع پورے عروج پر تھا۔

عثمان پلنگ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ارمغان پتلون کے پائنچے چڑھائے لکڑی کے تخت پر نادر شاہ اسٹائل میں بیٹھے تھے۔ ان کے برابر میں اماں جان اپنے پان دان میں تاکا جھانکی کر رہی تھیں۔

تین لڑکیاں ایک لائن سے کین کی کرسیوں پر براجمان تھیں۔

یار حسیب یہ تو تین ہو گئیں۔

یہ تین ہی ہوئی تھیں فاروق بھائی حسیب نے وثوق سے کہا۔ تو فاروق نے اسے گھورا۔

اسی لمحے

تو پھر طارق کہاں ہے؟ اماں جان کو تشویش ہوئی۔

وہ اوپر کے کمرے میں ہیں شاید۔۔ حسیب نے ماں کی الجھن رفع کی۔

ہائیں۔۔۔ نیچے مہمان بیٹھے ہیں۔ وہ اوپر بیٹھا کیا ملہار گا رہا ہے۔

ملہار تو نہیں گا رہے۔ جو موڈ اس وقت ان کا ہے میرا خیال ہے۔ اس کی ترجمانی کے لیے ابھی تک کوئی راگ ایجاد نہیں ہوا۔

فاروق کی اس بات پر عثمان، ارمغان اور اماں جان، تینوں معاملے کی تہ تک اتر گئے۔

اماں جان نے فوراً بات بنائی۔

ارے بیٹا اپنی بہنوں سے ملو کب سے تم لوگوں کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہ تمہاری وزیہ آپا ہیں اور یہ فوزیہ آپا۔ یہ ثوبیہ ہے تمہاری ہم عمر ہی ہے۔

اس نے تینوں کو باری باری دیکھا۔

دونوں آپاؤں نے درحقیقت سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور سفید ہینڈ بیگ جو ان سفید جوتوں سے غالباً میچ کیے گئے تھے۔ ان کی گودوں میں رکھے ہوئے تھے۔ تینوں کے بال تراشیدہ تھے۔ مگر اسٹائل مختلف تھے۔

چہرے گلابی اور بھیگے بھیگے سے تھے۔ ہونٹوں کا رنگ بھی قدرتی ہی لگ رہا تھا۔

صحت مند، تر و تازہ اور حسین کزنز دیکھ کر اسے ویسی ہی خوشی ہوئی جو اس کائنات کے

دیگر محاسن کو دیکھ کر ہوتی ہے۔

اسے دریہ آپا میں غیر معمولی پن نظر آیا تھا۔ ان کا انداز گفتگو، صورت وسراپا بہت ماورائی ومنفرد سا لگا تھا۔ خوش حالی کا اعتماد، حسن کا ناز، بے فکری، بے نیازی، نازک مزاجی اور بیٹھنے کا غیر معمولی وشاہانہ سا انداز بہت واضح محسوس ہو رہا تھا۔

وہ فاروق کی سمت دیکھ کر مسکرائی بھی تھیں مگر اس انداز میں کہ دوستی بھی تھی اور تکلف بھی۔

لو وہ اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ یہاں ہم کب سے انتظار کر رہے ہیں کہ تم دونوں آؤ تو چائے پئیں۔ جاؤ اسے بلا لاؤ۔ اماں جان کو طارق پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔

رہنے دیں اماں جان۔ ارمغان کو طارق کے موڈ کا اندازہ تھا۔ انہوں نے روک دیا۔

ہم لوگوں نے تو آپ کا بہت دیر۔۔۔ انتظار کیا۔ غالباً آپ بہت دیر سے پہنچے تھے۔ فوزیہ آپا نے فاروق کو دیکھا۔

نہیں بھئی، یہاں سے تو یہ لوگ بہت جلدی چلے گئے تھے۔ ارمغان نے فوراً کہا۔

پھر کیا ہوا تھا؟ ثوبیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

بس برا ہی ہوا تھا۔ کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔

پھر بھی۔ دریہ نے تجسس ظاہر کیا۔

پھر کیا جی۔۔۔ بس سرخ کپڑے، سفید پرس ڈھونڈ رہے تھے۔ جن میں آپ لوگ تھیں۔ وہ بے چارگی سے بولا۔ تو سب بے ساختہ ہنس دیے۔

بس۔۔۔ آپ لوگ فیل ہو گئے۔ ہم نے تو امتحان لیا تھا آپ کا۔ فوزیہ مسکرائیں۔

میرا۔۔۔؟ فاروق چونکا۔

بھئی آپ سب کا۔ وہ مترنم سی ہنسی ہنس کر بولیں۔

آپ کا بھی قصور نہیں۔۔۔ بس امتحان ہی میں نااہل لوگ بیٹھ گئے تھے۔

خیر یہ ہنسی مذاق تو زندگی کے ساتھ ہی ہے۔۔۔ اب اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ۔۔۔

کہ اوپر جا کر ہی بیٹھ جائیں۔ دریہ نے پھوپھی کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا تو ایک مرتبہ پھر سب ہنس دیے۔

یہ بتائیے وہ نیچے آئیں گے کیسے؟ فوزیہ آپا بولیں۔

غالباً گھوڑی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ارمغان ہنس کر بولے۔

کیا سچ مچ؟ دریہ ان کی سمت دیکھ کر مسکرائیں۔

اگر گھوڑی کے کپڑے لال ہوں تو شاید۔ فاروق مسکرایا۔

وہ سب شاید بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھیں۔ فاروق کی بات پر مسکرا پڑیں۔

اماں جان چائے کا انتظام کرنے اٹھ گئیں۔ وہ سب باتوں میں مشغول ہو گئے۔

رات کے کھانے پر جب اماں جان نے حسیب کو یہ کہہ کر اوپر بھیجا کہ جا کر کہو طارق سے کہ آئے گئے کا خیال رکھنا بھی انسانیت میں شامل ہے۔ بہت ہو گیا۔ اب آ کر سب کے ساتھ کھانا کھا لو۔

تو اس نے واپس آکر بہت پریشانی سے بتایا کہ چھوٹے بھائی اوپر نہیں ہیں۔

وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ بھلا کیا سوچیں گی ان کی بھتیجیاں۔۔۔

رات کے کھانے پر ابا میں بھی شامل تھے۔

رات دیر تک محفل جمی رہی۔ لڑکیوں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ وہ بہت مطمئن و خوش باش نظر آ رہی تھیں۔ جانے کب تک یہ محفل جمی رہتی لیکن ابا میاں نے گھڑی دیکھ کر سو جانے کا حکم صادر کیا۔ ساتھ ہی صبح سویرے اٹھنے کے فوائد بھی گنوا دیے۔ تب ناچار سب اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔

اماں جان نے عشاء کی نماز پڑھی۔ ہر آہٹ پر وہ طارق کی منتظر تھیں۔

رات بارہ بجے کال بیل بجی تو وہ کھولتی ہوئی گیٹ پر گئیں۔

نیند سے سرخ آنکھوں اور بکھرے بالوں والے طارق کو دیکھ کر جانے کیوں ان کا ابال بیٹھنے لگا۔

یہ کیا طریقہ ہے؟ وہ برہمی سے بولیں۔

کون سا؟ کیا سادگی تھی۔ سلگ کر رہ گئیں۔

ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ جو تمہاری گرمی ختم ہو کر نہیں دے رہی۔

مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کریں اماں جان۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

لیکن کیوں؟ وہ سختی سے بولیں۔

اماں جان یا تو مجھے اندر آنے دیجیے یا پھر یہ کہہ دیجیے کہ میں گھر میں نہ آؤں۔

پاگل ہو ہے لڑکے۔ انہوں نے راستہ دیا۔ اتنی ذرا سی باتوں کا بھی مرد برا مناتے ہیں؟

لیکن جوان معزز خواتین کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اس کا مرد سب سے زیادہ برا مناتے ہیں۔ وہ تھکن سے چور آواز میں بولا تو ماں کا دل پسیج گیا۔

کھانا کھاؤ گے؟

میں کھا چکا ہوں۔

ہائیں یہ حرکت تم کب سے کرنے لگے؟ وہ چونک سی گئیں۔

آج ہی کی ہے، عرفان (دوست) کے گھر گیا تھا۔ اس نے زبردستی کھلا دیا۔

اماں جان مطمئن سی ہو گئیں۔ ورنہ وہ اس احساس سے بہت بے کل تھیں کہ وہ بھوکا ہے۔

تمہارا بستر اوپر ہی کر دیا ہے۔ ارمغان اور حسیب بھی وہیں سو رہے ہیں۔ بتی نہ جلانا ارمغان کی نیند بہت کچی ہوتی ہے۔ وہ ہدایات دینے کے بعد گیٹ میں تالا ڈالنے لگیں۔ وہ کپڑے تبدیل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔

صبح کو سب ہی جلدی اٹھتے تھے۔ لیکن وہ آج زیادہ ہی جلدی اٹھ گیا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ چائے کی طلب میں کچن کی طرف آیا تھا۔

صبح اٹھنا تو بہت اچھی بات ہے بیٹی

جی پھوپھو پچھلے دنوں میرا وزن بڑھ گیا تھا میرے فزیشن کی ہدایت تھی کہ میں صبح صبح اٹھ کر ورزش کیا کروں۔ بس تب سے عادت ہو گئی ہے۔

وہ سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس لڑکی کو منہ اندھیرے دیکھ کر اچھا خاصا گڑبڑا گیا۔ اس قسم کی چیز کا وہ اپنے گھر میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اماں جان نے طارق کو دیکھا تو لڑکی بھی چونک کر مڑی۔

سفید شلوار قمیض میں ملبوس ایک اجلا نکھرا سا نوجوان تھا۔ وہ از خود سمجھ گئی تھی کہ یہ طارق ہے باقی سب سے تو وہ مل چکی تھی۔

السلام علیکم۔ وہ نظریں چرا کر آگے بڑھ گیا۔

ہائے۔ وہ مسکرا دی۔

آپ مسلمان ہیں وہ رک گیا۔ اس کی نظروں نے دریہ کے گلابی چہرے کا احاطہ کیا۔

جی ہاں۔ وہ الجھی سی گئی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ السلام علیکم کا جواب ہیلو ہائے نہیں وعلیکم السلام ہوتا ہے۔ اس نے چپ اتار کر اس میں چائے انڈیلنا شروع کی۔

یہ مجھے معلوم ہے مگر بات یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی۔

نقالوں کی سوسائٹی ہے۔ وہ تمسخرانہ ہنسا۔

جی۔ اس کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔

(کیا اسے میرا حسن نظر نہیں آرہا، کیا اسے حسن سے ہمکلام ہونے کے آداب معلوم نہیں)۔

جی آپ کی سوسائٹی نقالوں کی سوسائٹی ہے اور سینس لیس سوسائٹی ہے۔ آپ امریکیوں کی نقل کرتے ہوئے جسے آزاد ہوئے دو سو سال بھی نہیں ہوئے۔ میں تو سوچ رہا ہوں اگر کولمبس امریکہ دریافت نہ کرتا تو آپ لوگوں کا کیا ہوتا۔

اگر آپ برطانیہ کی نقل کرتے ہیں۔ تو بھی آپ ماڈ نہیں بلکہ کنزرویٹو (رجعت پسند) ہی ہیں۔ جب کنزرویٹو ہی بننا ہے تو اپنے ایشیائی کنزرویٹو بھی برے نہیں، سنا ہے نقل وہ کرتے ہیں جن کے پاس عقل کی کمی ہو۔ طارق نے اسے جلا کر خاک کر دیا تھا۔

یہ آپ کا کمپلیکس بول رہا ہے۔ اس نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

کیسا کمپلیکس مجھے ماں باپ کی محبت ایک گھر کی راحت حاصل ہے۔ ایک شاندار تعلیمی ادارے میں تعلیم پا رہا ہوں۔ جہاں وہ اساتذہ پڑھاتے ہیں جو باہر کی ہوا کھا کر آچکے ہیں۔ میں جتنا مطمئن، خوش اور آسودہ ہوں اگر لوگ جان جائیں تو فیس دے کر مشورے لینے کے لئے آنے لگیں۔ اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

آپ نے باہر کی دنیا نہیں دیکھی آپ کو نہیں معلوم اور ریزن۔ جب انسان قدم اٹھاتا ہے تو اس کی قوت مشاہدہ کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے شعور و مطالعے میں اضافہ ہوتا ہے۔ دریہ نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا وجود بہت حقیر ہو۔

میں آپ کی یہ بات تسلیم کرتا ہوں یہ حقیقت ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا معاشرہ ٹوٹل ایک معیار کا حامل نہیں ہے۔ وہاں بھی اس طرح کے گروپس ہیں جیسے ہمارے ہاں ہیں۔ غریب، درمیانہ، امیر پھر امیر ترین۔ آپ جیسے روشن خیال لوگ صرف ان کی بلند و بالا عمارتیں دیکھتے ہیں۔ ان کی اسلحہ سازی کی قوت پرکھتے ہیں۔ ان کی آسودگی دیکھتے ہیں۔ آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ وہ حقیقی خوشی سے کس قدر دور ہیں۔ اگر یہ ترقی ہے تو کیسی ترقی ہے کہ جس نے ان کے دلوں میں اندھیرا کر دیا ہے۔

ان کے اخلاق کی زمین بنجر ہو گئی ہے۔ جس میں کسی شگوفے کے پھوٹنے کا امکان نہیں۔ وہ روح پر بحث کر سکتے ہیں مگر جان نہیں سکتے کہ روح کیا ہے۔ ان کے ہاں سے نیند آور دواؤں کا رواج چلا ہے۔ انسان خوش ہو مطمئن ہو اس کے روئیں روئیں سے سکون پھوٹ رہا ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ میٹھی سی نیند نہ آئے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ مجھے مطالعے کا کس قدر شوق ہے۔ اور میں مغرب کے معیاری تحریری مواد بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ فیشن کے طور پر نہیں آگاہی کے لئے یہ تحریریں تازہ ترین بھی ہوتی ہیں۔ جو مجھے ان لوگوں کے ذریعے سے میسر آتی ہیں۔ جو آپ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے دوست کہلاتے ہیں۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں آپ کے طبقے سے جیلس ہوں۔ بات یہ ہے کہ خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے تو اس کا اظہار مغربی ڈگر پر چلے بغیر بھی تو ہو سکتا ہے۔

کھائیے، پیجئے، عالی شان گھر میں رہئے، عالی شان سواری کیجئے، کیا انگریزوں جیسا نظر آنا بہت ضروری ہے۔ وہ تو بیچارے اس قدر غریب تھے کہ ڈاکے ڈالنے برصغیر میں آئے۔ انہیں تو خود ہماری زمین اور لوگوں کی ضرورت تھی۔ سو سال ہمارے حلق میں اٹکے رہے۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کے ہاں چولہے تو تھے آگ نہیں تھی۔

یعنی اپنی صنعتی ترقی کے لئے انہیں خام مال ہماری زمین سے میسر آنا تھا۔ دن دہاڑے لوٹ لیا ہمیں اب ہمیں پر رعب جماتے ہیں۔ اس نے چائے کا آخری گھونٹ لیا۔

دراصل انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ہم ازلی احمق ہیں۔ دم کٹے بندر ہیں بہت اچھی نقالی کر سکتے ہیں۔ اس نے مڑ کر کپ رکھ دیا۔

امی جان خاموشی سے ناشتے کی تیاری کرتی رہیں۔ وہ پوری توجہ سے بیٹے کے دلائل سن رہیں تھیں وہ جو ان کی مالدار بھتیجی کو سنا رہا تھا۔

کیا آگاہی تھی اور کیا اعتماد تھا۔ انہوں نے کئی بار دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

لہذا ثابت ہوا کہ انسان اپنی اقدار کے ساتھ زندہ رہے تو باوقار رہتا ہے۔ نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیسے وعلیکم السلام۔ اس نے گم صم کھڑی دریہ کو گویا چھیڑا۔

وعلیکم السلام صاحب حد کر دی آپ نے اتنی سی بات کا اتنا بڑا افسانہ۔ وہ ہنس دی۔

یہ اتنی سی بات نہیں ہے آپ نے اتنی آسانی سے وعلیکم السلام کہہ دیا۔

شکر ہے۔ میں تو سمجھ رہی تھی اب تم بیلنا اور چمٹا اٹھنے والے ہو۔ اماں جان نے پوریوں کا میدہ گوندھ کر ہاتھ دھونا شروع کر دیے تھے۔

ایک بات اور۔ وہ باہر نکلتے نکلتے واپس پلٹا۔

وہ کیا۔ دریہ اندر ہی اندر سہم گئی۔

جب لڑکیاں موجود ہوں تو بڑی عمر کی خواتین ان کی خدمت نہیں کرتیں کرواتی ہیں۔

ارے کیا کہہ رہا ہے طارق، بچیاں ہماری مہمان ہیں اور یہ کام تو میرے روزانہ کے ہیں۔ اماں جان شرمندہ سی ہوگئیں۔ لیکن وہ باہر نکل چکا تھا۔

کچھ دیر بعد جاگنے والوں کو ٹریک سوٹ میں ملبوس دریہ اماں جان کا ہاتھ بٹاتی بہت دلچسپ لگی تھی۔ اور بہنوں کے لئے یہ واقعہ نہایت انوکھا تھا۔

اور جب ناشتے پر فوزیہ اور ثوبیہ نے چہچہاتا ہوا طارق دیکھا تو اس کی حیرانی ناقابل تشریح سی ہوگئی۔ وہ جس کی ناراضگی اور خفگی کے قصے وہ شام سے سن رہی تھیں انہیں کس انداز میں ملا تھا۔

ارے بچیوں دل لگا کر ناشتہ کرو۔ اس نے گرم گرم پوریاں ان کے آگے کیں۔

آپ کہاں کے بڑے ابا ہیں۔ ہم اس دلیل سے بھی بچیاں ثابت نہیں ہوسکتیں۔ وہ بھی آپ کے مقابلے میں۔ چٹاخ پٹاخ سی فوزیہ نے اس کی طبیعت صاف کی۔

یہ بات، عثمان نے فوزیہ کا دل رکھا۔

اور یہ شام سے آپ نے ہمارے ساتھ کیا ڈرامہ رچایا ہوا تھا۔ سچ اس قدر ٹینشن تھا مجھ پر تو۔ آپ کا موڈ ہے یا۔ فوزیہ کو ایک دم تاؤ آگیا۔

بات یہ ہے کہ آئندہ الیکشن میں کھڑے ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لہٰذا ذرا با اخلاق ہو کر ہی عوام کے سامنے آنا چاہتا ہوں۔

واہ صاحب کیا عوام عوام کا شور ہے، کیا سچ مچ عثمان بھائی ثوبیہ نے عثمان سے پوچھا۔

کیا یہ عوام کے قابل ہے ارمغان نے طارق کو چھیڑا۔

یہ تو اس قابل ہیں کہ ان کے قابل ہونا بہت مشکل ہے۔ فاروق نے بھی حصہ لیا۔

دریہ کی نظروں نے بھرپور تائید کی تھی۔

آپ سب مجھے موضوع بحث کیوں بنائے ہوئے ہیں بالآخر وہ پریشان ہو ہی گیا۔

اس لئے کہ تمہارا پروگرام ہی یہ تھا کہ شام کو غائب رہو اور صبح ناشتے پر موضوع ہو۔

اماں جان نے گرم گرم پوریاں اس کے سامنے لا ڈالیں اور جملہ بھی پھینکا۔

وہ خفیف سا ہوگیا۔

بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واقعی مذاق کرنے کا سلیقہ نہیں ہے دوسرے یہ کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا اگر آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے تو آپ پہلی فرصت میں معذرت کریں۔ وہ ازلی صاف گوئی پر اتر آیا۔

عثمان کو دیر ہو رہی تھی وہ درمیان میں اٹھ گئے۔ تیاری کی غرض سے۔

ہمیں نہیں معلوم تھا آپ اتنی جلدی کانشس ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ہم کبھی بھی۔ فوزیہ برا مان کر بولی۔

لیکن طارق نے ایک پل کے لیے بھی اس کے انداز کی پرواہ نہ کی۔

دیکھیں جی سوری تو ہم تب کہیں گے جب ہماری غلطی ہو۔ ہم اتنی معمولی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ نہ معمولی باتوں پر سوری کہتے ہیں۔ دریہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

آپ کے لئے بہت ضروری ہے کہ آپ بہت سارے سوری محفوظ کر کے رکھیں کیونکہ میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ پریکٹیکل لائف میں کم از کم آپ کو دس سوری ایک دن میں استعمال کرنا پڑیں گے۔ وگرنہ دوسری صورت میں۔

یعنی آپ کے نزدیک میں اس قدر کم عقل ہوں۔ دریہ کو غصہ آ گیا۔

میرا آپ کے ساتھ کیا سوال میرے نزدیک کی بات تو چھوڑیں، میرے دور کی بات بھی نہ کریں۔ اپنے بارے میں خود بھی کبھی غور کرنا چاہیے۔

طارق یار ارمغان جھنجھلا گئے۔

فاروق کو بھی اس کا اس قدر صاف گو ہونا پسند نہیں آ رہا تھا۔

چھوٹے بھائی تو سب کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تو عادت ہی ہے۔

اس نے ناچار کہا۔ مبادا کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے۔

توبہ ہے پھوپھو یہ طارق صاحب تو بہت لٹھ مار رہے ہیں۔ فوزیہ کو شاید دریہ کی درگت بنانا بہت کھلا تھا۔

محترمہ ادب سے بڑا ہوں آپ سے، طارق بھائی کہنے سے ٹیکس نہیں لگے گا۔ طارق نے پھر ٹوکا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے طارق بھائی ہمارے آنے سے خوش نہیں ہیں۔ ثوبیہ نے شک ظاہر کیا۔

ارے نہیں سب سے زیادہ طارق بھائی کو ہی خوشی ہوئی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نواڑی پلنگ کستے ہوئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔ حسیب چپ نہ رہ سکا فوراً شرارت سے کہا۔

کیا مطلب وہ تینوں چونکیں۔ طارق آرام سے ناشتہ کرتا رہا۔

مطلب یہ کہ انہوں نے آپ کے آرام کے لئے آرام دہ بستر تیار کئے۔ فاروق نے وضاحت کی، ارمغان کو ہنسی آ گئی۔ انہیں وہ اچھل کود یاد آ گئی تھی۔

کیا سچ مچ دریہ نے حیرانی سے طارق کو دیکھا۔

ہاں سچ مچ بات یہ ہے کہ میں باتوں سے ضرور مارتا ہوں مگر بستر پر آرام کے ساتھ۔ وہ سادگی سے بولا۔ تو سب کے ساتھ اماں جان بھی ہنس پڑیں۔

حد ہے ان بچوں سے۔

اسی وقت عثمان تیار ہو کر آ گئے۔ ڈارک براؤن پینٹ اور لائٹ براؤن شرٹ پر، پینٹ ہی کی ہم رنگ ٹائی لگائے وہ بے پناہ جچ رہے تھے۔

سب نے ان کو بے ساختہ مگر پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔

دیکھا کتنے شاندار ہیں ہمارے بھائی میاں۔ طارق نے دریہ کی طرف جھک کر کہا۔

وہ گڑبڑا کر اسے گھورنے لگی۔

جانے کتنی گرتی ہیں انھیں دیکھ کر۔ اس نے رازداری سے دریہ کی طرف جھک کر کہا۔

ایک کو تو چھوٹے بھائی اٹھا کر بھی لائے تھے۔ فاروق نے ٹکڑا لگایا جس سے قہقہوں کی برسات ہوگئی۔ فوزیہ تو دیر تک ہنستی رہی کہ اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

واہ پھوپھو کتنا مزہ آتا ہے آپ کے ہاں۔ ثوبیہ کو بہت لطف آرہا تھا۔

بھئی وہ چابی نہیں مل رہی ہے طارق۔ عثمان کا روشن چہرہ طارق کی سمت تھا۔

فاروق سے پوچھیں گاڑی یہ اندر لایا تھا۔

ایک منٹ ابھی آیا وہ تیزی سے کمرے کے اندر گیا تھا۔

اماں جان مہمانوں کی پسند سے کھانا بنائے گا۔ انہوں نے پر اخلاق مسکراہٹ سے اپنی کزنز کو دیکھا۔

اور یار، تمہارا آفس جانے کا موڈ نہیں انہوں نے ارمغان کو اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔

جا رہا ہوں۔ آج ذرا لیٹ سہی۔ وہ مسکرا دیے اور عثمان نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

اچھا بھئی خدا حافظ، خدا حافظ اماں جان۔ انہوں نے اماں کو خصوصی خدا حافظ کہا۔

پھوپھا جان صبح ہی صبح چلے جاتے ہیں۔ دریہ نے پھوپھا کی غیر موجودگی محسوس کی۔

مرغوں سے پہلے جاگتے ہیں تمہارے پھوپھا۔ صبح کے انتظار میں تو ان کی رات نہیں کٹتی۔ وہ بولیں

کیا بیمار ہیں۔ فوزیہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

آتے ہی بیمار کرنا شروع کر دیا ہمارے گھر والوں کو۔ نیک فال نکالیں منہ سے۔ طارق کی زبان پھڑپھڑائی۔

نہیں بیٹی صحت تو ان کی بیٹوں سے بھی اچھی ہے۔ بس سحر خیزی ان کی عادت بلکہ شوق ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی

فاروق نے شرارت سے مصرعہ پڑھا۔

ایک تو بولیں گے ضرور، عورتوں کو بھی مات کر دیا انہوں نے تو۔ اماں جان کو غصہ آ گیا۔

چلو اٹھو اپنے اپنے کام دھندوں پر لگو۔ شکوران صفائی کرنے آتی ہی ہوگی۔ ہاں تو بیٹی تمہارے پھوپھا صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہیں۔ ناشتہ بھی سب سے پہلے کر لیتے ہیں روزانہ دو میل پیدل چلتے ہیں۔

جی۔ تینوں کی آنکھیں حیرانی سے پھٹ گئیں۔ دو میل۔

ہاں بیٹی، بے یقینی کی تو کوئی بات نہیں۔ شروع ہی سے ان کی عادت ہے۔ جب میری نئی نئی شادی ہوئی تو میں سوچ میں پڑ گئی کہ خدایا یہ منہ اندھیرے کہاں جاتے ہیں۔

میں اماں کی جگہ ہوتا تو سوچتا کہ سورج کو نکل دیکھا تے ہوں گے کہ نکل آؤ رات جا چکی ہے۔حسیب نے برجستہ کہا۔ایک قہقہہ پڑا۔

ہوں۔یہ بھی کسی سے پیچھے نہیں فوزیہ نے حسیب کو گھورا اور مسکرا دی۔

ارے یہ تو سب سے زیادہ پورے ہیں۔اماں جان کو حسیب پر پیار آ گیا۔

اچھا یہ بات ہے۔دریہ نے اچھا پر زور دیا۔

رات کھانے پر بھی وہ خاموش سے تھے۔فوزیہ نے کہا۔

بیٹی وہ تو ہیں ہی کم گو ان کے حصے کا ان کے بیٹے جو بول لیتے ہیں۔ارمغان ہے ان پر باقی یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔

تم لوگ سیر کرنا چاہو تو ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔فکر نہ کرنا۔ گاڑی عثمان بھجوا دے گا۔تم آرام سے پروگرام بناؤ۔

سب اپنے اپنے دھندوں میں لگ گئے۔ثوبیہ برتن سمیٹنے میں پھوپھو کا ہاتھ بٹانے لگی۔

وہ باہر لکڑیاں چن رہے تھے۔ہر طرف دھوپ پھیل چکی تھی کہ کٹیا کے اندر سے رونے کی آواز آئی۔وہ ہاتھ میں پڑی ہوئی لکڑیاں وہیں ڈال کر اندر آئے۔ہچکیوں سے بچے کا پورا وجود ہل رہا تھا۔

وہ نزدیک آئے اس کے ریشمی بال پیشانی سے ہٹائے۔

خوش بخت کیوں روتا ہے۔روئیں تو وہ جو وقت رخصت کے انتظار میں ہیں اور دامن خالی ہیں۔انہوں نے اس کا سر سہلایا۔

ابھی بستی میں چلیں گے تجھے وہاں کی رونق دکھائیں گے۔وہاں بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان سے اچھے ہیں جو اس بیابان میں تجھے اتار گئے اور کوئی قیامت سی چھوڑ گئے اپنے حصے کی۔ آخر تاریخ خود کو ضرور دہراتی ہے۔دیکھ بیٹے نہ رو۔نہ رو میرے بچے تیرے سارے بھروسے ٹوٹے ہیں۔پھر بھی مجھ پر بھروسہ کر۔

بات سنئے، کیا ممی والی ٹرین واپس آئے گی ہچکیوں کے درمیان معصوم آواز کانپی۔

کوئی بھی چیز واپس نہیں آتی۔جو واپس آتے ہیں وہ وہ نہیں ہوتے جو جاتے ہوئے ہوتے ہیں۔اس کی سمجھ میں تو خاک نہ آیا مگر اتنا ضرور سمجھ گیا کہ جواب میں انکاری تاثر ہے۔

اس نے پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

وہ بیٹھ گئے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

دیکھ تو روئے گا تو میری عمر اور گھٹ جائے گی۔تو تو خدا کی ساری توجہ کا مالک ہے۔وہ رب جو شرک سے بیزار ہے۔اور شریک ٹھہرانے والے کو ذرے کی طرح بے آسرا کر کے رکھ دینے والا تجھ سے اتنا قریب ہے۔تجھے اپنی خوش بختی کی خبر نہیں۔تو یقین و کائنات کے جال سے دور بت و خدا کے تصور میں فرق سے بے نیاز معصوم و پاک۔اے نئی امید اے نئی کہانی، اے نئے وقت اے نئی تاریخ۔نہ تڑپ کہیں خدا کو جلال نہ آ جائے۔وہ تیرے مجرموں کی رسی

نہ کھینچ لے۔ وہ بڑا بے نیاز ہے۔ بڑا رحمان رحیم ہے۔

انہوں نے بشریٰ کی پیشانی چوم لی۔

آپ مجھے ممی کے پاس لے کر جائیں گے بشر کا چہرہ متورم ہو چکا تھا۔

اس کے معصوم سوال پر وہ خاموش ہو گئے۔

حقوق العباد میں مسافروں کے حقوق بھی ہیں۔ اور تو مسافر ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اتنا یاد رکھ میرے بیٹے، میری طرف سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ انشاءاللہ دیکھتے ہیں خدا کو کیا منظور ہے۔ تیرے مہرباں کہاں ملتے ہیں اور کیا لکھا ہے تیری تقدیر میں لیکن بچے تو رومت۔

ان کی بوڑھی، خشک اور کمزور انگلیوں نے اس کے اشک اخساروں سے پونچھے۔

وہ خاموش ہو گیا مگر سسکیاں بدستور بھر رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

چارخانے کا رومال اپنے کاندھے پر ڈالا سر پر ٹوپی رکھی اور ایک کپڑے کا تھیلا اٹھایا۔ پھر بشریٰ کی انگلی تھام لی جانے کس سمت چل دیئے تھے۔

بیٹے تو پڑھتا ہے اسکول میں۔

جی

اچھا، وہ بہت خوشی سے بولے۔ پھر تو پڑھا لکھا آدمی ہے، بڑا آدمی ہے تو تو۔ مجھے معلوم ہے قلم پکڑنا اور بات ہے لیکن اس کی اہمیت سمجھنا اور بات۔ خدا کرے تو وہ بڑا آدمی بنے جو قیامت میں نیکیوں کا مصاحب ہو۔ خدا تجھے حرف وقلم کی سمجھ دے۔

وہ دھیمے دھیمے بولتے جا رہے تھے۔ وہ بہت ہی ضعیف تھے۔ ان کی چال بہت ہی آہستہ تھی۔ اس کو ان کی باتیں بھی سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

پھر بھی وہ اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ جیسے باد بہاری کا اولین جھونکا۔ نرم نرم اور شفیق سے۔ اس کے دل کو یقین سا ہو چلا تھا، وہ اسے ممی سے عمر بھائی سے ضرور ملا دیں گے۔ اور اسے اپنی برتھ ڈے پر عائشہ آنٹی سے حسب پسند حسب وعدہ گفٹ بھی ضرور ملے گا۔

عائشہ۔ جذباتیت سے ہٹ کر سوچو۔ علی بھائی کا یہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ نتائج اچھے نہیں نکلیں گے۔ میں انہیں ایمرجنسی کہہ کر بلوا رہا ہوں۔ تم سب عورتوں نے مل کر میری عقل خبط کر رکھی ہے۔ وہ جھلائے۔

وہ بہت پریشان ہو جائیں گے۔ آپ یہ بھی تو سوچیں۔ ان کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے۔

یہ تو ہونا ہی ہے عائشہ، دکھ اور محبتوں نے تمہاری قوت فیصلہ کو متاثر کر رکھا ہے۔

لہٰذا میں تمہیں اطلاع دینے آیا تھا پوچھنے نہیں۔ وہ باہر نکل گئے۔

وہ آہستگی سے اپنے بھائی کے پاس آ گئیں۔ بھابھی کی والدہ محترمہ جھوم جھوم کر کچھ پڑھ رہی تھیں۔ اور پڑھ پڑھ کر بیٹی پر کچھ دم کر رہی تھیں۔ جن کی واقعی بہت بری حالت تھی۔

انہوں نے عائشہ کا چہرہ پڑھا اور ناامیدی سے نظریں جھکا کر پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد انہیں بھاوج کے وجود میں حرکت سی محسوس ہوئی۔

انہوں نے بھابھی کے چہرے پر نظریں جما دیں جن کی پلکیں آہستہ آہستہ کانپ رہی تھیں۔ معاً انہوں نے سسکاری بھری۔

ہائے میرے اللہ شاہ صاحب گڑیا رو رہی ہے۔ مجھے اس کی آواز آ رہی ہے۔ گڑیا بھوکی ہے۔ میری بچی۔ میری زندگی۔ یہ اندھیرا کیوں ہے۔ بچہ ڈر رہا ہے۔ آہ کتنا اندھیرا ہے۔ اور کتنا معصوم بچہ۔ اے خدا مجھے موت دے دے مجھے معاف کر دے۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی جیسے ان کا وجود کسی طوفان کی ضد میں تھا۔

بھابھی عائشہ نے بھابھی کو پکارا۔

ارے میری بچی بھابھی کی والدہ نے ان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

جی مضبوط کرو بیٹی سنبھالو خود کو۔ معصوم بچے ہیں کہاں جا سکتے ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔

بھابھی سنبھالیے خود کو اس طرح کرنے سے ہوگا بھی کیا۔ حوصلہ پکڑیے۔

عائشہ گڑیا۔

بھابھی۔ صرف گڑیا ہی نہیں عمر اور بشر بھی۔ نہ جانے کیوں ان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

عائشہ گڑیا تو بہت چھوٹی ہے، عمر بشر تو سمجھدار ہیں۔

سات آٹھ سال کے بچے تو واقعی بہت سمجھدار ہوتے ہیں۔ انہیں شدید غصہ آ گیا۔ کتنی سفاک اور خود غرض ہے یہ عورت انہیں سخت نفرت محسوس ہوئی تھی۔

روشن کی ماں نے عائشہ کی سمت دیکھا۔

بیٹی اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے، اپنے حواسوں میں نہیں ہے یہ۔

ہونہہ۔ انہیں تو ایک کا دکھ ہے اور مجھے تین تین کا۔ ان کا دل بھر بھر آیا تھا۔ وہ بولی نہیں خاموش ہو گئی تھیں۔

رات کے دو بجے تھے۔ جب کال بیل چیخ پڑی تھی۔

سناٹے میں کال بیل کی آواز ایسے ہی محسوس ہوئی تھی جیسے جنگ کا بگل بجا ہو۔

عائشہ چونکہ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر لیٹے لیٹے غافل ہو گئی تھی۔ اس لئے فوراً ہی باہر آ گئی تھی۔ ویسے بھی ان حالات میں اس کا لاشعور شعور سے زیادہ مستعد تھا۔ انہوں نے گیٹ کے قریب آ کر معلوم کیا کہ کون ہے۔

میں ہوں عائشہ، ولایت علی شاہ کی آواز تھکن سے چور تھی۔

ان کا گمان صحیح تھا۔ انہوں نے جلدی سے گیٹ کھولا۔ ان کی متوقع آمد کی وجہ سے انہوں نے گیٹ پر تالا بھی نہیں ڈلوایا تھا۔ اور خود ڈرائنگ روم میں لیٹی بھائی کی منتظر تھیں۔

ولایت علی شاہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھے۔ گیٹ کے اس پار ہی اس کی آنکھوں میں ہزاروں سوال تھے۔

عائشہ کا دل چاہا ان کے سینے سے لگ کر ڈھیروں آنسو بہائیں۔ مگر انہوں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

السلام علیکم بھائی۔

انہوں نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا دھیرے سے جواب دے دیا تھا۔

کسی کو اٹھانا نہیں عایشہ تم اکیلی ان سب سے زیادہ ہو۔

تمہاری بھابھی کیسی ہیں ان کا لہجہ بوجھل تھا۔

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہیں بار بار بیہوش ہو جاتی ہیں۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے برآمدہ پار کر کے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔ عایشہ انہیں گیسٹ روم میں لائیں تھیں کہ اپنے بیڈ روم میں وہ اس وقت جانا نہیں چاہ رہے تھے۔

عایشہ۔

جی بھیا۔

اگر بچے نہ ملے تو عایشہ نے خوفزدہ ہو کر بھائی کی شکل دیکھی۔

تو۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

ایک احساس بے بسی تھا، مضبوط بھائی کے اس قدر بکھرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

خدا نہ کرے۔ اور ملیں گے کیوں نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھیئے

عایشہ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے۔ کیسے ہو گیا۔ انہوں نے سر تھام لیا۔

مجھے تو خود اصل بات نہیں معلوم بس اتنا پتہ چلا کہ عمر اور گڑیا غائب ہیں۔ میں گھر پر آئی تو بھابھی عمر اور گڑیا ہی کا نام لے رہی تھیں۔ میں نے پوچھا بشر کہاں ہے تب بھابھی کو پتہ چلا بشر بھی نہیں ہے۔ میری تو خود سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہے۔ وہ بے چارگی سے بولیں۔

ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں ہے عایشہ۔

ہو سکتا ہے، کسی نے روپیہ جھٹک کرنے کے لئے یہ سب کیا ہو بھیا۔

شاید، وہ گم صم انداز میں بولے۔ اگر ایسا ہے تو خدا کرے وہ شقی القلب انسان جلد سامنے آئے۔ پیسہ ان بچوں سے بڑھ کر نہیں ہے عایشہ۔

خود پر قابو رکھیں بھیا انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ آرام کر لیں بھیا تھکے ہوئے ہیں۔ عایشہ نے محبت سے بھائی کا شانہ چھو کر کہا۔

تب وہ بہن کی خاطر آرام کرنے پر راضی ہو گئے۔

ذرا میرا سلیپنگ سوٹ نکال دو۔ اس میں سے انہوں نے چھوٹی سی چابی عایشہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تنہائی کے شدت سے طالب ہوں اور کچھ سوچنا چاہتے ہوں۔

نور محمد نے دور ہی سے میاں صاحب کو پہچان لیا تھا۔ وہ ایک بچے کو ان کے ہمراہ دیکھ کر تجسس اور اشتیاق سے ان کی طرف بڑھا تھا۔

السلام علیکم میاں صیب

میاں صاحب نے شل ہوتے وجود پر قابو پا کر ہاتھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا۔

میاں صیب کس کا بچہ ہے۔

نور محمد نے لپک کر بچے کو گود میں اٹھالیا۔ بشر کو نور محمد کے دور دراز علاقے تک پھیلی ہوئی مونچھوں سے خوف محسوس ہوا، وہ گود میں مچلنے لگا۔

اسے نیچے اتار دے، اسے امتحان میں نہ ڈال ابھی اس کے حوصلے اس کے قد سے چھوٹے ہیں۔ میاں جی نے بشر کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

نور محمد نے بشر کو اتار دیا وہ میاں جی کی ٹانگوں سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

یہ بچہ

انسان کا بچہ ہے، نور محمد کیا یہ بہت نہیں۔ وہ بشر کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگے۔

جی میاں صیب، نور محمد نے اس کی پیشانی پر بل دیکھنے کی کوشش کی اور کھسیا کر ہاں میں ہاں ملائی۔ انہوں نے ایک دروازے کے سامنے رک کر زنجیر ہلائی۔

دروازہ کسی عورت نے کھولا اور میاں جی کو دیکھ کر ایک دم پر جوش سی ہو گئی۔

بشر میاں جی کی اوٹ میں ہو گیا۔ اسے شیشے کے کام کا لمبا سا کرتا پہنے یہ عورت بہت عجیب سی لگی۔ جس کی ناک بھی موٹی تھی اسی حساب سے اس نے ناک میں پیسے کے برابر لونگ بھی سجا رکھی تھی۔

آؤ سائیں قسمت والا دن آیا ہے۔ آپ میرے گھر آئے ہو۔ اس نے میاں جی کو راستہ دیا۔

تیرا آدمی کہاں ہے بچل کی ماں ان کی آواز میں آہستگی بھی تھی اور مضبوطی بھی۔

وہ شہر گیا ہے۔ میاں صیب

اچھا۔ سن یہ بچہ ہے۔ معصوم بچہ۔

اس عورت نے چونک کر میاں جی کے اشارے کی سمت دیکھا۔ ابا (بیٹے) کون ہے تو۔ وہ بشر کی ٹھوڑی چھو کر اشتیاق اور پیار سے بولی۔

میں مسجد جا رہا ہوں۔ درس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اس بچے کو نہلا دھلا کر، کچھ کھلا پلا دے۔ عورت نے بشر کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔

میاں جی نیچے بیٹھ گئے، بشر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

اے میرے پر امید رب کے پیامبر۔ آ تجھے بتاؤں۔ بعض اوقات ہم جن سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ بعض اوقات جن سے ہم ڈرتے ہیں وہ ہمارے راستے کے کانٹے ہٹا دیتے ہیں۔ میرے بیٹے بھروسہ کرنے کا کوئی پیمانہ نہیں لیکن بھروسہ کرنا چاہیے۔

وہ معصوم سا بچہ تھا۔ اسے میاں صاحب کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ لیکن اس پر کچھ اثر ہوا تھا۔ وہ خود اس عورت کے قریب گیا تھا۔

آنٹی آپ مجھے عمر بھائی کے پاس لے جائیں گی۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

میاں صبیورت پریشان ہو گئی۔

ے محبتوں سے بھلا بچل کی ماں جھوٹ سے نہیں۔ میں ان کے ماں باپ کے لیئے

کوشش کروں گا۔ پھر اسے سچ بتاؤں گا۔ اس سے بال برابر جھوٹ نا بولنا پچل کی ماں۔ معصوم زندگی کی بنیاد جھوٹ پر نہیں رکھتے خواہ اس کا کلیجہ پھٹ جائے سچ سن کر سچ ایک نہ ایک دن پتا چلنا ہوتا ہے۔ پھر پہلے دن سے ہی کیوں نہیں۔ رونا نہیں میرے بچے میں تین گھنٹے بعد انشاءاللہ آؤں گا۔

انہوں نے انگلیوں کی مدد سے اس کے بال سمیٹے۔ خدا معلوم اس بوڑھے کے وجود میں وہ کون سے روشنیاں تھی جو انگلیوں سے پوروں سے نکل کر اس کے وجود میں اتر گئی تھی۔

مجھے ڈر لگے گا۔ اس نے تقریباً روہانسا ہو کر کہا۔

رب کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ جس کی قدرتوں کا انسان کو احساس ہی نہیں۔ وہ بمشکل اٹھے اور عصا ٹیک کر آگے چل پڑے۔

بشریٰ کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا تھا۔

ابا (بیٹے) ڈر نہیں۔ آ میں تجھے روٹی کھلاؤں۔ سندھی لہجے میں اس نے شفقت کا اظہار کیا۔

وہ تپتی پیشانی پر بازو رکھے بے خبر سے انداز میں لیٹی تھی کی بھاری قدموں کی چاپ سن کر اس کا کلیجہ دہل گیا۔ اس نے واہموں کی گرد بمشکل ہٹا کر دیکھا۔ وہی تھے۔

وہ بیگم کو بغور دیکھ رہے تھے اور وہ خالی الذہن انہیں دیکھ رہی تھی۔

پھر اس کے منہ سے کراہ نکلی۔

شاہ میں لٹ گئی میری بچی۔ آہ۔

میں بھی لٹ گیا ہوں روشن۔ تمہاری صرف بچی اور میرے بچے۔ ان کے لہجے میں شدید دکھ تھا۔

ہاں۔ شاہ۔ ہمارے بچے۔

وہ تمہارے بچے نہیں ہیں روشن تمہیں یاد دلانے پر یاد آتے ہیں۔

روشن میرے حواس معطل ہیں دعا کرو میں پاگل ہو جاؤں کیونکہ میں تم سے سخت احتساب لینے کا ارادہ کر رہا ہوں وہ غرائے

روشن کا دل خوف سے بیٹھنے لگا۔

آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے بچے۔ میرے اللہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں تم سے اس موضوع پر فی الوقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے کہ میں اپنے ہوش میں نہیں ہوں۔

آپ اتنے کم ہمت بن رہے ہیں شاہ میرا کیا ہوگا۔

میری تمام پونجی لٹ گئی تم ہمتوں کو رو رہی ہو۔ کن کے لئے کماؤں گا۔ گھر سے محبت کروں گا۔ میری زندگی کا مقصد کیا ہوگا۔

نا امید کیوں ہوتے ہیں

خوش امید ہو کر کیا پایا ہے

ابھی رحمن سے آس نہیں ٹوٹی ہے اس لئے فی الوقت تم سے حساب نہیں لے رہا۔

مجھ سے حساب لیں گے وہ سہم کر بولی

شاید بہت سخت۔

ارے میاں کچھ خوف خدا کرو۔ میری بچی تو خود جان پر بنا بیٹھی ہے۔ ولایت علی شاہ کی

ساس کو بہت دنوں بعد خدا یاد آیا۔

میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ تو اپنی بیٹی کے ساتھ سائے کی طرح رہتی ہیں۔ اس گھر

میں آپ دو عورتیں، تین چار

ملازمین ان کا خاندان۔ وہ تین بچے۔

یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم ہی اپنے بچوں کے دشمن ہیں۔ تف ہے ہماری زندگی پر۔

بڑی بی نے اپنا ماتھا پیٹا۔ یہی بات تو میری الجھن کا سبب ہے۔ ان بچوں میں ایک بچی آپ کی

بھی تھی۔ اگر تینوں بچے۔ تو میں آپ دونوں ماں بیٹی کو گھر سے فوراً نکال چکا ہوتا۔

اسے کہتے ہیں نیکی برباد، گناہ لازم۔ ارے اس سفید چونڈے میں خاک پڑنا تھی۔ کیسا

اندھیر ہے۔ ارے ہم برباد ہو گئے ولایت علی شاہ۔ تم ہمیں اور بچوں کے کیوں لگاتے ہو۔

بات یہ ہے روشن وہ بیوی کی طرف پلٹے

امانت دار تمھیں بنایا گیا تھا۔ امانتوں کا سوال تم سے ہوگا۔ اپنی اماں جان سے کہو وہ

مداخلت سے باز رہیں۔

احترام سے جھک جانے والے داماد کا یہ روپ بڑی بی کے لئے سوہان روح تھا۔

آپ چپ رہئے اماں جان یہ ہماری تقدیر کا عذاب ہے وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

میری بچی پر پہاڑ ٹوٹا ہے، کیسے چپ ہو جاؤں۔

پہاڑ تو میرے بھائی پر ٹوٹا ہے۔ عائشہ اندر داخل ہوئیں اور برمحل بولیں۔

ارے ہم ایسے ناقابل اعتبار تھے تو پھوپھی اپنے پاس رکھ لیتیں۔ بڑی بی جل کر بولیں۔

بچے اپنے ماں باپ کے گھر رہتے ہیں۔ اگر مجھے پہلے بتا دیتیں تو میں ساتھ لے جاتی۔

لیکن آپ لوگوں کو تو میں نے ممتا لٹاتے ہی دیکھا تھا۔ لیکن کل سے آپ کو دیکھ کر آپ کی سخت

دلی پر حیران ہوں۔ غیر تک رو دیے۔ لیکن آپ کی آنکھ نہیں بھیگی۔ عمر بشریٰ میں سے آپ نے

کسی کا نام نہیں لیا۔ صرف گڑیا ہی کو یاد کیا ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں تھا خالہ جان کہ ہم آپ پر

شک کر رہے ہیں۔ ہم نے تو اسے بھابھی جان کی کوتاہی کہا تھا لیکن آپ۔

رہنے دو عائشہ۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ بڑی بی منہ دروازے سے موڑے بیٹھی

تھیں۔ جب عائشہ بھی چلی گئی ہیں۔

بولیں۔

ہونہہ کیا بھائی کی ہمدرد بن رہی ہیں۔ بھائی کے گھر سے نکل گئی لیکن حکمرانی کر رہی ہے۔

ایک تو میری بچی سوتیلوں پر آئی۔ اے میری بیٹی کنواری تھی کون سا رنڈاپا کاٹ رہی تھی۔

عائشہ کا خون کھول گیا۔ روشن برابر ماں کو اشارے کر رہی تھی۔ مگر بڑی بی چل پڑی

تھیں۔

خالہ جان آپ کو بہت آرزو تھی ولایت علی شاہ کو داماد بنانے کی۔ اور مجھے اپنے بھائی کا گھر بسانے کی۔ میرا بھی ارمان پورا ہوا اور آپ کا شوق بھی۔ اب شکوہ کس بات کا۔

میرا بھائی سیدھا سادا ہے، آپ انکار کر دیتیں۔ تو وہ زبردستی تو۔ رہی حکمرانی کی بات۔ اصل حکمرانی تو دلوں پر ہوتی ہے اور میں روز اول سے اپنے بھائی کے دل میں ہوں۔

ہم پر قیامت گزر رہی ہے اور آپ دل کے پھپھولے پھوڑنے کو تیار بیٹھی ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے جب تک بچے نہ مل جائیں آپ اپنے گھر چلی جائیں۔

روشن کی ماں تو ویسے ہی گم صم تھی یہ سوچ کر کہ عائشہ نے اس کی باتیں سن لیں۔

میری اماں روشن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عائشہ نے سوتیلے رشتوں کی وہ کہانیاں سن رکھی تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل بدگمان ہوا جا رہا تھا کہ بچوں کی دیکھ بھال میں یقیناً کوتاہی ہوئی۔ تب ہی وہ اتنی آسانی سے۔

لیکن۔ گڑیا تو ان کی اپنی کوکھ جنی تھی۔ بس یہاں آ کر وہ سرے سے الجھ جاتی تھیں۔

اور دل میں موہوم سی امید جاگتی تھی۔ پھر ان کے کان فون کی گھنٹی کے منتظر اور آنکھیں داخلی دروازے پر مرکوز ہو جاتی تھیں۔

گڑیا مزے سے اس کی آغوش میں سو رہی تھی۔

وہ چلتے چلتے تھک چکا تھا اور بھوک نے الگ نڈھال کر رکھا تھا۔

اب نفرت، انتقام۔ غصے پر تھکن اور بھوک غالب آ رہی تھی۔

وہ بہت دیر سے چل رہا تھا۔ عمر سے اونچا سراپا و توانائی ضرور حاصل تھی مگر پیٹ کا تقاضا بھی غیر معمولی تھا۔

وہ ایک کارنر کا مکان تھا۔ اس کے پیچھے ایک وسیع پارک تھا۔ وہ مکان کے عقب کی سمت چلا آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بے دم انداز میں بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھتے ہی گڑیا کسمسائی اور کھرج کے سر حلق سے نکالنے لگی۔

رونا نہیں گڑیا۔ میں ذرا تھک گیا ہوں۔ ہم بشر کو ڈھونڈیں گے پھر ہم گھر۔ مگر گھر کیسے جائیں گے؟ ممی تو بہت بہت ماریں گی۔ شاید جان سے مار ڈالیں گی لیکن کیا ہوا۔ بشر تو مل جائے گا ناں۔

اللہ میاں۔ بشر تو بہت چھوٹا ہے۔ پاپا کہتے ہیں میں بڑا بھائی ہوں مجھے بشر کا، گڑیا کا خیال رکھنا چاہیے۔

مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ تمہیں بھی تو بھوک لگ رہی ہوگی۔ تم رو رہے ہو گے۔ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔ اب تو چلا بھی نہیں جا رہا۔

گڑیا کھرج کے سروں سے بھیرویں، اور بھیرویں سے دادرا پر آ گئی تھی۔

اچھا ہے ممی پریشان ہوں گی ہمیں مارتی بھی تو کتنا ہیں۔ اس کی سوچیں بدستور رواں تھیں۔ وہ گڑیا کو چپ کرانے کی ناکام کوشش بھی کر رہا تھا۔

ستارہ

کیا ہے اماں؟ اس نے ٹوئیزر بھنوؤں پر تیزی سے چلاتے ہوئے جھلا کر کہا۔

ہمارے پچھواڑے بچے کے رونے کی آواز آرہی ہے۔

تو میں کیا کروں؟

اری۔ میں تو تجھ سے پوچھ رہی ہوں ہمارے ہی پچھواڑے سے آرہی ہے ناں؟

ہاں تو اور کیا۔ وہ پھر تڑخ کر بولی۔

ارے اس بھری رات میں کس کا بچہ بلک رہا ہے؟

رہنے دو اماں تمہیں کیا بچے تو بیچارے روتے ہی رہتے ہیں۔

ستارہ۔ آواز لڑکی کی ہے۔

رہنے دو اماں۔ اپنے تجربے۔۔۔۔ فیروزہ کی دفعہ میں تم نے بھلی پیشگوئی کی تھی کہ لڑکی ہے۔ کیسا سونے جیسا چمکتا دمکتا لڑکا تمہیں منہ چڑانے کو پیدا ہوا۔ وہ طنزیہ ہنس کر بولی۔

جس طرح بھوکے کو چاند بھی روٹی کی طرح گول نظر آتا ہے۔ اسی طرح تمہیں ہر طرف لڑکی ہی لڑکی۔

اماں پچھلے دروازے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آرہی ہے۔

چھم سے بھیگے بالوں میں ایک چاند کمرے میں طلوع ہوا۔

میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ ہمارے پچھواڑے سے بچے کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ دیکھتی ہوں۔ ادھیڑ عمر عورت نے پورا زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی۔

جلدی کرو پری دس بج رہے ہیں۔ ستارہ نے آئینے میں اسے فہمائشی انداز میں گھورا۔

عورت کمرے سے باہر نکل کر عقبی دروازے کو کھول رہی تھی۔

بس گڑیا۔۔۔ رو مت۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ کیا تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟

ارے میرے چندا تو کیوں یہاں اندھیرے میں بیٹھا ہے۔

وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ گڑیا گرتے گرتے بچی۔

عورت نے سونے کے کڑے والے بازو سہارے کو بڑھائے۔

نہیں نہیں۔۔۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

ارے میرے چاند بچہ بھوکا ہے۔ آ۔۔۔ اندر آ بیٹا۔۔۔ ڈر نہیں۔

وہ شاید گڑیا کے رونے سے بیدم ہو چکا تھا۔ نرم لہجہ اس کے دل میں اتر گیا تھا۔

مسز شیخ زوجہ ولایت علی شاہ کو ایک بار پھر بے ہوشی کا دورہ پڑا تھا۔

ولایت علی شاہ نے سخت دکھ و پریشانی سے اپنے حالات کا از سر نو جائزہ لیا۔ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس حسین عورت کے ساتھ اتنے بڑے بڑے حادثات یا انقلابات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جو مصیبت لکھی ہوتی ہے ولایت علی وہ ضرور بھگتنا پڑتی ہے۔ بھلا اس میں اس عورت کا کیا قصور۔۔۔؟

ان کے دل نے انہیں ملامت کی۔

کوکھ تو اس کی بھی ویران ہوئی ہے۔ گود تو اس کی بھی خالی ہوئی ہے بلکہ اس کا خزانہ لٹ گیا ہے۔ (خدا معلوم کس کے ہتھے چڑھے ہیں بچے)

ولایت علی۔۔۔ تم تو اس عورت کے المیے سے واقف ہو۔۔۔ تم اسے چھوڑ دو تو اسے دوسرا شوہر تو مل سکتا ہے۔ مگر تم جو کسی اور عورت سے حاصل کر سکتے ہو۔ یہ اپنی زندگی وار کر بھی حاصل نہیں کر سکتی۔

اس سے ہمدردی کرو ولایت علی۔

اس کے سچے غمگسار بنو۔

وہ عہد نبھاؤ جو نکاح کی صورت تم نے اپنے رب کے حضور کیا۔

دکھ۔ صدمات۔ اندیشے۔۔۔۔ نفس تمہیں دبائے کھڑا ہے۔

اور تم بھی اسی طرح دبے کھڑے ہو گویا ان کمزوریوں کا انتظار کر رہے تھے جو تمہیں اس عورت سے بدگمان کر دیں۔ اس کا دل پھٹا پڑ رہا ہوگا۔

وہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ تمہاری باہوں کا حصار سوچ رہی ہوگی۔ تمہارے سینے سے لگ کر رونا چاہتی ہوگی۔

اب کی بار یہ تمہاری سرد مہری کی وجہ سے بیہوش ہوئی ہے۔۔۔ عائشہ کا رشتہ تو ہے ہی حساس اور بدنام۔۔۔ تم عائشہ کی سوچ سے مت سوچو۔ تمہارا اپنا ذہن ہے قوت فیصلہ و تجربات ہیں۔۔

نکاح کا بندھن محض مطلب براری کے لئے نہیں ہوتا۔

یہ تو مقدس عہد ہوتا ہے۔

محبتوں کا عہد۔

وفاؤں کا عہد۔

معزز و سرخرو نسل کا عہد۔

بقائے نسل انسانی کا عہد (جو روز ازل خدا کے حضور کیا تھا)

غمگساری کا عہد۔۔

ہمسفری کا عہد۔۔۔۔

بھروسے کا عہد۔۔۔

اعتبار کا عہد۔۔۔

تم بہت سے عہد خدا کے حضور کر چکے ہو۔ اسے پیار کرو ولایت علی۔۔ مرہم رکھو۔ یہ ماں ہے۔ اور تم باپ۔ تم دونوں کے جذبات میں ایک تین کی نسبت ہے۔ وہ اپنے رویے پر شرمسار، اپنی سرد مہری پہ مجوب روشن آرا کے پاس چلے آئے۔ ہر چند کہ دکھ ان کے بھی جاں سوز تھے۔

روشن آرا کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ان کی موجودگی محسوس کر کے چہرہ موڑے آنکھیں

منہ سے خود کو بے خبر ظاہر کر رہی تھی۔

انہوں نے آہستہ سے اس کی پیشانی سے تراشیدہ وخمیدہ لٹیں ہٹائیں۔

حوصلہ رکھو روشنی۔۔۔وہ اسے پیار کے موڈ میں روشنی سے مخاطب کرتے تھے۔اللہ نے ہمارا امتحان لینا چاہا ہے۔گزر جائیں گی یہ امتحان کی گھڑیاں۔

یہ صدیاں ہیں شاہ۔۔گھڑیاں کہاں ہیں۔۔؟ وہ بیوی تھی شوہر کے موڈ کو پہچان کر نور جہاں، زبیدہ یا شاید ممتاز محل بن کر پھر سے جینے لگی تھی۔

شادی سے پہلے وہ مس شیخ تھی۔سارا عالم اسے مس شیخ کہتا تھا۔وہ ایک معروف سوشل ورکر تھی۔ایسی سوشل ورکر جن کو مشہور ہونا اچھا لگتا ہے۔

اخبارات میں تصاویر دیکھ کر جن کا سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔

کراچی کے امراء کی بیگمات، ان کی صاحبزادیاں اور وہ خود ایک مشہور ویلفیئر سوسائٹی سے منسلک تھی۔

اس نے غربت کے واویلے میں آنکھ کھولی تھی۔

اور اسے غربت سے سخت نفرت تھی۔لیکن یہ اس کی تقدیر کی مجبوری تھی۔

باپ کی زندگی ہی میں ماں نے نرسنگ اپنائی تھی۔باپ کے مرنے کے بعد تو خوشحالی کی ہر امید منہ سر لپیٹ کر کسی کونے میں جا سوئی تھی۔

یہ اس کا من چاہا نہیں تھا۔اس کے خیالات ہمیشہ سے بلند تھے۔

اس کے خوابوں کی اڑان لامحدود تھی۔

سرکاری کوارٹر ماں بیٹی کو بہت تھا لیکن اسے یہ کال کوٹھری کی طرح محسوس ہوتا تھا۔

اسے آس پاس کے ماحول، پس ماندہ اذہان، کنویں کے مینڈک جیسے لوگ ہر ایک سے کراہیت آتی تھی۔

اس نے سکول کالج میں کسی مڈل کلاس لڑکی کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔وہ ہمیشہ امراء کی بیٹیوں کو دوست بناتی تھی۔ان کی بود و باش، رہن سہن سے متاثر ہو کر اپنا حلیہ بھی ان جیسا بنا لیتی تھی۔

لیکن کوارٹر کو واپسی ایک بار پھر اس کی شریانوں میں آگ بھر دیتی۔

اس نے آئینے میں ہزار بار اپنی صورت دیکھ کر سوال کیا تھا۔

کیا وہ کوارٹر کے لائق ہے۔۔؟

وہ سوکھی ماری بیوٹی پارلر سے ٹھنی ہوئی لڑکیاں۔۔۔ان نعمتوں کی حقدار ہیں۔۔؟اس کے مقابلے میں۔۔

بھری میز کے سامنے سے اٹھنے والی لڑکیاں۔۔۔کھانے سے ہاتھ روکنے والی ناشکری لڑکیاں کہ موٹی نہ ہو جائیں۔ان کی اسمارٹ نیس تباہ ہو گئی تو وہ مردوں کو امتحان میں ڈالنے سے رہ جائیں گی۔پھر ان کی زندگی کا مقصد کیا رہ جائے گا؟

بھلا خدا نے اتنی شاندار چیزیں کیا سونگھنے کو دی ہیں۔۔؟

اس کا تو جی چاہتا تھا۔

ٹوٹ کر بھوک لگے۔تو نعمتوں سے بھرا دستر خوان ملے۔وہ حلق بھر کھائے۔اور لمبی تان کر سو جائے۔اس کی مرضی کے بغیر اسے کوئی نہ جگائے۔

وہ سو کر اٹھے تو غسل کر کے اپ ٹو ڈیٹ فیشن کرے۔ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولے اس کا منتظر ہو۔۔وہ شہر بھر میں گھومے،پسند کے لوگوں سے ملے۔

اور وہ اتنی شکر کی ہنسی ہنسے کہ اس کا چہرہ گلابی ہو جائے اور اتنی نیچرل لگے کہ لوگ اس کی دلکشی کے راز ڈھونڈتے رہ جائیں۔

اسی کا ذکر کرتے چلے جائیں۔

وہ جس محفل میں جائے۔محفل میں سکوت چھا جائے۔لوگ دم بخود ہو کر اسے دیکھیں۔۔۔دیر تک آپس میں اس کی باتیں کریں۔

اس کی تمنا تھی کہ اسے زندگی میں کوئی کام جبریہ طور پر نہ کرنا پڑے۔

کوئی مجبوری کوئی کوفت اس کی زندگی میں نہ آئے۔

لیکن بس یہ خواب ہی تھے۔روئے زمین پر بسنے والے دوسرے انسانوں کے خوابوں کی طرح۔اس نے جس طبقے سے دوستی کی تھی اس جیسا نظر آنے کے لئے اسے بہت پاپڑ بیلنا پڑتے تھے۔

ماں کی تنخواہ سے تو گھر کے بکھیڑے ہی نمٹتے تھے۔

اس نے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کر لی تھی۔معقول تنخواہ تھی۔

ماں نے جہیز جوڑنے کی تلقین کی تھی مگر اس نے سر جھٹک دیا تھا۔کہ فی الحال وہ عیش کرنا چاہتی ہے۔لیکن خدائے بے نیاز نے ایک روز اس کی طرف توجہ کر ہی لی۔۔اور اس طرح کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں بھی ہو جائے گا۔

ولایت علی شاہ کا بھرے بازار کی شاہراہ پر ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔۔یعنی وہ اس بری طرح زخمی ہوئے تھے کہ نزدیکی ہاسپٹل کی ایمرجنسی میں لائے گئے تھے۔

وہاں سے پھر انہیں پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا تھا جہاں روشن آرا کی ماں سسٹر رقیہ کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔

ولایت علی شاہ جب صحت کی طرف پلٹے اور فارغ وقتی سے عاجز آئے تو سسٹر رقیہ سے بات چیت کرنے لگے۔

انہوں نے تکلیف کی حالت میں بھی ایک مترنم آواز کئی بار سنی تھی۔

چابی دے دیں اماں۔۔۔۔تھکن سے برا حال ہے۔یہ آواز انہوں نے ان راتوں میں ضرور سنی تھی جب سسٹر رقیہ نائٹ ڈیوٹی پر ہوتیں۔

ولایت علی شاہ ایک صاحب حیثیت انسان تھے۔اعلی خاندانی پس منظر اور اونچی سوسائٹی کے رکن۔

یہ نہیں تھا کہ انہوں نے مترنم آوازیں نہیں سنی تھیں یا حسین صورتوں کو ترسے ہوئے تھے۔

لیکن آواز کا حسن بھی مختلف انداز رکھتا ہے۔ یا پھر اس آواز کی انفرادیت یہ تھی کہ تھکن سے چور ہوتی تھی۔

ورنہ ان کی مرحومہ بیوی جو بریسٹ کینسر کا شکار ہوئی تھیں بہت حسین اور سادہ تھیں۔ ان کی آواز کا حسن شاید اس لئے زیر غور نہیں آیا تھا کہ ان کی صورت پہلے دیکھی تھی آواز بعد میں سنی تھی۔

لاشعوری طور پر انہیں آواز کی کشش نے متاثر کیا تھا۔ وہ اب منتظر تھے کہ کب سسٹر رقیہ کی نائٹ ڈیوٹی لگتی ہے اور کب وہ آواز سننے کو ملتی ہے بلکہ صورت بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ بفضل خدا تیزی سے روبہ صحت تھے۔ ان کی کہنی اور سر میں چوٹیں آئی تھیں اور وہ اللہ کے شکرگزار تھے کہ ان کے جسم کا کوئی عضو ناکارہ نہیں ہوا تھا۔ جس کا اندیشہ انہیں ہوش میں آتے ہی ہوا تھا۔

اس دن سسٹر جینیفر کی ڈیوٹی تھی۔ اس سے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ نائٹ کو رقیہ ہوں گی۔

وہ شام کو دیر تک چہل قدمی کرکے اپنے کمرے میں لوٹے تو چونک گئے۔ وہ کرسی پر بیٹھی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ ابھی وہ ذہنی طور پر اس کمرے سے باہر ہی تھے۔ عائشہ، عمر، بشیران سے ملاقات کرکے گئے تھے۔ وہ ابھی تک اپنے بچوں میں گم تھے۔

اسے سامنے اتنے اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر وہ ازخود سمجھ گئے کہ سسٹر رقیہ سچائی مانگنے والی ہے۔

ایم ساری (آئی۔ ایم۔ سوری) وہ اماں ذرا اوپر کام سے گئی ہیں۔

وہی تھیا نہوں نے اچٹتی نظر سے اسے دیکھا۔

ڈارک براؤن سوٹ اور براؤن گھنگھریالے بالوں میں وہ غیر معمولی سی لڑکی نظر آئی۔ اس کے چہرے پر میک اپ نام کی کوئی شے نہیں تھی مگر ناخنوں پر ہم رنگ کیوٹکس ضرور تھی۔ نازک سی براؤن سینڈل سے جھانکتے نرم گلابی پاؤں تک دل میں اتر رہے تھے۔ کس قدر فرق تھا ماں بیٹی میں۔

انہوں نے ایک دم نظریں موڑ لیں۔۔ ایک شوق پیدا ہوا تھا آواز سن کر سو پورا ہو گیا تھا۔

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟ دور کہیں کلیسا میں گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہوئیں۔

اماں آپ کی۔۔۔۔۔ بہت تعریف کرتی ہیں۔ میں آپ کے آرام کے خیال سے روم کے اندر نہیں آتی تھی۔۔۔ اماں نے بتایا کہ اب آپ اچھے ہیں۔

برا تو پہلے بھی نہیں تھا۔ جانے کیسے انہوں نے برجستہ کہہ دیا۔

میرا مطلب ہے اب آپ کے زخم بھر رہے ہیں۔ اماں نے کہا تھا آپ کی خیریت معلوم کر کے جاؤں۔ کہ آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔۔۔ کہہ رہی تھیں اتنا بڑا آدمی مگر نخرہ بالکل نہیں ہے۔ آپ نے انہیں بلاوجہ پریشان نہیں کیا ورنہ بعض مریض تو خواہ مخواہ کی پریڈ کراتے ہیں۔

اچھا۔ بہر حال سسٹر رقیہ نے واقعی رنگی اور ادیج ہونے کے باوجود وہ لڑکیوں جیسا
استیمنا رکھتی ہیں۔

مجبوری بھی بہت کچھ کراتی ہے سر اگر وہ یہ اسٹیمنا ظاہر نہیں کریں گی تو چند دنوں میں نا کارہ
قرار دے دی جائیں گی

ولایت علی شاہ خاموش ہو رہے۔انہیں ایک دم احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ مناسب باتیں
نہیں کر رہے۔

سسٹر رقیہ نرس ہیں وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں پوری کر رہی ہیں بھلا کیا ضرورت پڑی
ہے اس قدر رانوالونا کنلکی۔وہ ایک میچور مرد تھے فوراً سنبھل گئے۔

اور پھر یہ بھی ہے۔۔۔۔۔۔کہ

مرد ابتدا میں کچھ ہوتا ہے اور انتہا میں کچھ۔۔۔۔۔

دلکش آواز سن کر اندر کچھ ہلچل سی مچی تھی۔۔۔۔

مگر عزت دار مردوں کی طرح خود کو سمجھا لیا تھا۔

سسٹر رقیہ تھوڑی دیر میں واپس آ گئی تھیں تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔

پھر بہت تھوڑے دنوں بعد ماں نے بیٹی پر انکشاف کیا تھا کہ ولایت علی شاہ اس شہر کا
معزز سفید پوش شہری
ہی نہیں ہے کہ جو کمائے آن بان پر لگا دے بلکہ یہاں سے وہاں پھیلی ہوئی منقولہ و
غیر منقولہ جائیداد کا تن تنہا وارث ہے کہ کوئی حقیقی بھائی نہیں ہے صرف بہن ہے
جو اپنے حصے میں خود تصرف کر رہی ہے۔یعنی دونوں بہن بھائی کے مابین والدین کی
زندگی ہی میں حصے لگ چکے تھے۔۔

ولایت علی شاہ کی بیوی بننا گویا جنت میں قیام کرنا ہے۔

جبکہ اس کی خود کی ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ وہ کسی غیر معمولی دولت
مند کی بیوی بنے اگر یہ بات نہ ہوتی تو کب کی شادی ہو چکی ہوتی۔

کتنے لوگ اس کی ایک جھلک پر دل ہار بیٹھے تھے۔اور اسے پتھر اور مغرور کے
خطابات سے نوازتے تھے۔کچھ اس کا اپنا احساس کمتری بھی تھا۔وہ امیروں میں امیروں
کی طرح رہتی تھی۔ویلفیئر سوسائٹی کے امدادی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی
تھی کبھی کبھار دوستوں کے اصرار پر کسی ریسٹورنٹ یا ہوٹل میں ان کی تواضع
بھی کر دیتی تھی۔

مگر گھر کبھی نہ بلاتی تھی۔

وہ چاہتی تھی اس کا شمار متمول لوگوں میں کیا جاتا رہے اور اس کی دھاک
بیٹھی رہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ بھرم ٹوٹ جائے۔

وہ شاندار سی مس شیخنی رہے۔مرکز نگاہ رہے۔

ملازمت کی بعد اس نے اچھا سا مکان کرائے پر لینا چاہا تو ماں نے ٹوک دیا کہ

اچھا سا کرائے کا مکان تمہاری پوری تنخواہ پر بھی نہیں ملے گا۔

تب اسے یاد آیا کہ وہ محض ایک بوڑھے پھونس باس کی پرسنل سیکریٹری ہے جو اسے تین ہزار روپے میں چھ ہزار اٹھک بیٹھک کراتا ہے۔

کتنے شاندار سے شادی شدہ مرد تھے جو اسے خاموشی سے دوسری بیوی بنانا چاہتے تھے۔جن کے پاس دولت کی کوئی حد نہیں تھی۔

کتنی مرتبہ تو خواہشات کے ہاتھوں وہ بھی سنجیدگی سے سوچنے لگ گئی تھی۔لیکن ولایت علی شاہ ان سب سے زیادہ موزوں ہے کہ سرے سے بیوی غائب دوسرے یہ کہ وہ ان کی حیثیت وحقیقت سے باخبر ہے یہ اس نے سوچا تھا۔اس کی ماں کی بھی تمنا تھی کہ اس کی بیٹی کے خواب پورے ہوں۔

اگر وہ خود کو اونچے لوگوں کی سوسائٹی میں مصنوعی خوش حال طبقے کی نمائندہ نہ ظاہر کرتی تو شاید کوئی حسین بلکہ نواب اس کی خاطر اپنے گھر سے ٹکر لے لیتا اور وہ بن جاتی رئیسوں کی بہو۔

مگر یہاں مشکل تو یہ تھی اسے تو خود سے بھی تذکرہ کرتے شرم آتی تھی کہ وہ نرس کی بیٹی ہے۔اس نے تو روز اول ہی سے جھوٹے بھرم بنا لیے تھے۔

اگر کوئی متمول نوجوان اس کی جانب بڑھتا تو اسے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔اگر پول کھل گئی تو کوئی اس پر وہ نظر بھی نہ ڈالے گا جو وہ چاہتی ہے۔

مرغوب نظر۔۔۔۔۔۔۔بے بس نظر۔

ولایت علی شاہ حقیقتوں کے ساتھ مل سکتا ہے۔اور وہ اس کی من چاہی سوسائٹی کی سب سے نمایاں ہستی بن سکتی ہے۔شاندار ڈنر دے سکتی ہے۔پارٹیز میں ہزاروں لوگوں کو انوائیٹ کر سکتی ہے۔۔کم از کم اس بھرم مصنوعی، خول سے تو نجات کا راستہ بن رہا ہے۔کچھ زیادہ تبدیل نہیں ہوگا۔(بظاہر)

مس شیخ کا شور مسز شیخ میں بدل جائے گا۔

اس کی اور اس کی ماں کی نظر نے تو پہلی نظر میں پرکھ لیا تھا کہ ولایت علی شاہ بے ریا اور سادہ حق گو انسان ہے۔رشتوں کی تکریم کرنے والا، فرائض شناس اور ادائیگی حقوق کے لیے ہر دم تیار۔

اس کی سوسائٹی کے دوسرے ڈرامہ مردوں سے یکسر مختلف ہے قناعت پسند، گھریلو ہے۔دونوں ماں بیٹی نے جال بننا شروع کیا۔

ولایت علی شاہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو گئے۔لیکن دل ان کا مس شیخ کے ہاں ایڈمٹ ہو گیا تھا۔عائشہ نے ہلکا سا اعتراض کیا تھا خاندانی تفاوت کی بنیاد پر۔مگر وہ چھوٹی بہن تھیں۔ولایت علی شاہ نے انھیں سمجھا لیا تھا۔

یوں مس شیخ کے خوابوں کی تکمیل کا سامان ہوا۔

وہ مس شیخ سے مسز شیخ بن گئیں۔ انہوں نے نیا نام رکھنا پسند نہیں کیا کہ اس نام سے وہ شناخت ہوتی تھیں۔

ولایت علی شاہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ان کے خیال میں یہ کوئی اہم بات نہیں تھی کہ وہ اپنے باپ کا نام استعمال کریں یا ان کا، کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اور اس میں کوئی شرعی خلاف ورزی کا بھی پہلو نہیں۔

اے ثوبیہ بیٹی۔ طارق کے ساتھ جاؤ تم لوگ تو زیادہ بہتر ہے۔ زمانے بھر کی خاک چھان رکھی ہے اس نے۔

لڑکے تو سب ایک سے ہوتے ہیں پھوپھو۔ انہیں سب جگہیں زبانی یاد ہوتی ہیں۔

۔اب طارق بھائی تو ہاتھ ہی لگتے۔ یا تو صبح کو جالی والی ٹوپی میں نظر آتے ہیں یا پھر شام کو نقشے پھیلا کر بیٹھے ہوئے۔ فوزیہ نے منہ بنایا۔

ہم انھیں انفارم کریں گے تو وہ ٹائم نکال ہی لیں گے۔ درّیہ نے اپنے ناخنوں کی شیپ بناتے ہوئے خود کو پھوپھو کا ہم خیال ظاہر کیا۔

مجھے تو اس بات کا خیال ہے کہ تم کہیں پریشانی نہ اٹھاؤ۔ اماں جان نے خدشہ ظاہر کیا۔

ڈونٹ کیئر پھوپھو۔ اگر ہمیں حبیب یا فاروق نے بھٹکا بھی دیا تو ایک ٹکٹ میں دو مزے یعنی ---------- ڈبل انجوائے منٹ۔ فوزیہ ہر وقت کسی ایڈونچر کی تلاش میں رہتی تھی۔

تو پیا ہم چھٹی والے روز پروگرام رکھ لیتے ہیں۔ عثمان بھائی اور ارمغان بھائی بھی ہوں گے۔ ان کی موجودگی میں کیا لطف آئے گا۔ درّیہ نے تمسخرانہ کہا۔

طارق بھائی اور حبیب اگر ہمارے ساتھ ہوئے تو یہ دونوں حضرات تو بردبار بنے رہیں گے اور یہ تینوں کانشس۔ درّیہ نے پھر تنک کر کہا۔

ارے نہیں بیٹی۔ یہ پانچوں ایک سے ہیں۔ کوئی رعب داب نہیں بٹھاتا۔ تم نے اتنے دنوں میں دیکھ ہی لیا۔ اب آپس میں احترام کا رشتہ تو رہنا ہی چاہیے اور عمروں کا لحاظ بھی۔ اب ایسا بھی کیا کہ بڑے چھوٹے کی تمیز ختم ہو جائے۔

اور آپ جو طارق بھائی کو ساتھ لے جانے پر اصرار کر رہی ہیں ناں دیکھ لیجیے گا سارا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیں گے۔ دن بھر صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے رہیں گے۔ مجھے تو شبہ سا ہے کہ لاسٹ ایئر رائے ونڈ والی تبلیغی جماعت میں انھیں دیکھا تھا۔ فوزیہ نے منہ بنایا۔ کیوں پھوپھو۔۔۔۔؟

ارے یہ بیچارے تو آج تک کراچی سے باہر ہی نہیں نکلے۔ وہ فوزیہ کے مزاق نہ سمجھ سکیں اور بہت ملول ہو کر بیٹوں کی بے چارگی یاد کرنے لگیں۔

درّیہ اور ثوبیہ مسکرا دیں۔

سب سن لیا ہے میں نے۔حبیب پیچھے سے آوارد ہوا۔

قسم لے لو جو ہمیں ذرہ برابر پروہ ہو کہ تم نے سب کچھ سن لیا۔فوزیہ مسکرائی۔

بتاؤں گا طارق بھائی کو کہ کہتی ہے تجھے مخلوق خدا غانا نہ کیا۔

واہ صاحب کیا مخلوق خدا سیٹ کیا ہے۔فوزیہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

اس مخلوق خدا میں پھوپھو بھی شامل ہیں یاد رہے۔

سچ کہا اماں جان آپ سے تو ہمیں غداری کی امید نہیں تھی۔آپ بھی ان چار دن کے مہمانوں کے ساتھ۔

اے تو کیا ہم برائیاں کر رہے تھے۔

اچھائیاں بھی نہیں تھیں۔

ارے یہ بچیاں سیر کے لیے جانے کو کہہ رہی تھیں۔

بات یہ ہے مسٹر حبیب بلکہ آپ کے لیے شرم کا مقام ہے۔اتنے دن ہو گئے ہمیں یہاں آئے ہوئے۔۔

صرف تین دن۔۔۔حبیب نے بات کاٹی۔

چلو تین دن مگر تین دن کیا مہمانوں کے حوالے سے بہت نہیں۔ہم کراچی کی سیاحت کو جانا چاہتے ہیں۔ایک کوالیفائیڈ گائیڈ درکار ہے۔

پھوپھو نے تمہیں پیش کر دیا۔فوزیہ بولی۔

اور وڑنیا پیا کو تمہاری کوالیفیکیشن پر شبہ ہے۔ثوبیہ نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

ارے میں نے اسے کب پیش کیا۔طارق کو کیا تھا۔وہ سادگی سے بولیں۔

چھوٹے بھائی کو پیش کر دیا؟حبیب نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

وہ تینوں بے تحاشہ ہنس رہیں تھیں۔

پہلی موٹر بائیک کی چنگھاڑنے کی آواز آئی ہے۔غالباً چھوٹے بھائی پیش ہونے کے لیے آ چکے ہیں۔دوسری بائیک بھائی صاحب کی آئے گی کیونکہ وہ سیکنڈ ہینڈ نہیں اس لیے اپنی آواز بہت شرماتے ہوئے سناتی ہے۔

میری اور فاروق بھائی کی مشترکہ بائیک سب سے زیادہ شور مچاتی ہے۔آخر دو کا اثر دکھانا ہوتا ہے۔

پتا ہے وڑنیا آپا ایک مرتبہ طارق بھائی کا کوئی دوست رات کو ہمارے آیا تو طارق بھائی کو مبارک باد دینے لگا۔کہ کاروبار مبارک ہو گھر ہی میں کر رہے ہو آرام رہے گا۔آج کل ویسے بھی موٹر بائیک کی بہت مانگ ہے۔

اے ہاں میرا تو دل ہولتا ہے ایسی آفت ماری سواری ہے بچے گھر سے نکلتے ہیں تو سارا وقت خدا کو یاد کرتے گزرتا ہے۔یہ عثمان ہے نا اسے ہمیشہ سے بسوں کے انتظار سے کوفت ہوتی ہے۔بس اسی نے سب کے مزاج بگاڑے ہیں۔

اماں آپ کو کیا پتا کنوینس پرابلم کا۔ بھائی جان کو احساس ہے اسی لیے۔

کس بات کا احساس ہے؟ یچ یچ طارق برآمدے میں چلا آیا گی رنگ جھلاتے ہوئے ترو تازہ سا۔

موٹر بائیک کے زیوز پر تبصرہ فرمارہے تھے مسٹر حسیب۔ فوزیہ نے شرارت سے کہا۔

چھوٹے بھائی آپ کے ان دوست کی بات سنا رہا تھا جنھوں نے آپ کو کاروباری مبارکباد دی تھی۔

اچھا۔۔ وہ مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے ہنس پڑا۔ اور سامنے کمرے کی طرف غالباً لباس وغیرہ تبدیل کرنے کی لیے بڑھا تھا۔

بعض اوقات تو طارق بھائی بڑے روڈ لگتے ہیں۔ ثوبیہ نے جاتے ہوئے طارق کو دیکھا۔

ارے نہیں اتنے آفت ہیں یہ اپنے طارق بھائی کہ بس۔ حسیب نے تعریف کی۔

تم تعریف نہیں کرو گے تو کیا۔۔۔۔۔ ودریہ نے جان بوجھ کر جملا ادھورا چھوڑ دیا۔

یہ نہ کہو وریہ بیٹی۔۔ یہ اور اپنے چھوٹے بھائی کی تعریف کرے سمجھو بڑی بات ہے۔ آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ یہ خوشی سے کسی بات میں طارق سے اتفاق کر لے۔

نہیں خیر، پھوپھو اتفاق تو بہت ہے آپ کے ہاں۔

اب کیا نظر لگا کر جائیں گی۔

ماشا اللہ اماں جان نے زیر لب کہا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سب آموجود ہوئے۔

اُف خدایا کتنا مزا آتا ہے آپ کے ہاں۔ ثوبیہ نے چائے پر ہنگامہ مچاتے نوجوانوں کو دیکھ کر فورِ شوق سے کہا۔ ہے ناں اپیا۔۔ اس نے بہن سے تائید چاہی۔

یچ میرا تو دل چاہتا ہے ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ رہوں۔ وہ بچوں جیسی معصومیت سے بولی۔

ہم میں سے کوئی بھی خودکشی کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ گرہ میں باندھ لیں۔ فاروق نچائے کا گھونٹ بھر کر برجستہ کہا تو قہقہوں کا طوفان امڈ پڑا۔

یکدم سب خاموش ہوگئے۔ اندر ابا جان نے قدم رکھا۔

اسلام علیکم۔۔۔ ان کی بھاری آواز گونجی تھی۔

لڑکیاں گڑبڑا کر خود بھی بول اٹھیں۔ السلام علیکم۔

اماں جان شوہر کے لیے چائے بنانے لگیں۔

نماز پڑھ لی ہو تو بنا دوں چائے۔۔؟

ہوں۔۔ از حد کم گو سے ابا جان کا سب کچھ اس ہوں میں تھا۔

اور بھئی بچوں کا کیا حال ہے؟ ہماری بیٹیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے شفقت بھری نظروں سے انھیں دیکھا

سخت بور ہو رہے ہیں ہم پھوپھا جان فوزیہ منہ بنا کر بولی۔

ارے کیوں؟ وہ واقعی حیران ہوئے۔

آپ کے ہاں تو کوئی مہمانوں کی خاطر بھی اپنے روٹین چینج نہیں کرتا۔ بچ تین دنوں میں کسی نے ہمیں آفر نہیں کیا چلو تم دکھیاروں کو سیر کرا لائیں۔ فوزیہ نے مزید کہا۔

آخر ڈھیٹ بن کر ہمیں خود ہی کہنا پڑ رہا ہے۔

بہت بڑی بات ہے عثمان بیٹے تمہیں خاص طور پر مہمانوں کا خیال کرنا چاہئیے تھا۔

سن لیا؟ کس قدر خاص ہیں ہمارے بھائی جان؟ طارق نے شرارت سے وزیہ کیطرف دیکھ کر کہا۔

بھتیجیوں کو سیر کے لیے لے جاو جہاں یہ کہہ رہی ہیں۔

جی ابا جان عثمان مخصوص سنجیدہ انداز (جس میں عموماً مروت والی مسکراہٹ بھی شامل ہوتی تھی) میں بولے۔

کل آپ لوگ تیار رہیے گا میں جلد آجاوں گا۔ سہ پہر کو چلیں گے۔ اوکے؟

انہوں نے پُراعتماد انداز میں اپنی خوبصورت اور ماڈرن کزنز کو دیکھا۔

مگر یہ تو بتایئے چلیں گے کہاں؟

نے فکر رہیے۔ حیدرآباد یہاں سے بہت دور ہے۔ طارق نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

کیا مطلب؟ وہ حیران ہوئیں۔

چھوٹے بھائی ضائع گیا آپ کا جملا یہ پنجاب کی رہنے والیاں حیدرآباد کی خصوصیت کیا جانیں۔ فاروق نے بھائی کے کاندھے پر جھک کر کہا۔

بہت بڑی بات ہے۔ ارمغان جو بہت خاموشی سے سب تماشا دیکھ رہے تھے تنبیہی انداز میں طارق اور فاروق کو گھور کر بولے۔

ابا جان کیا کبھی آپ کو خیال آتا ہے کہ آپ کے باقی تمام بیٹوں کی قسمت بھی بھائی صاحب جیسی ہوتی۔ فاروق نے چوری چوری ارمغان کو دیکھ کر کہا۔

اللہ جانے کیا الٹے سیدھے سوالات کرتا رہتا ہے۔ ماشاءاللہ میرے تو تمام بیٹے خوش بخت ہیں۔

جی نہیں اس دن آپ نے مجھے کم بخت کہا تھا۔ حسیب نے شکایتی انداز میں جانے کب کا رکا ہوا شکوہ باہر نکالا اماں جان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

تمہیں اپنے بھائی کی قسمت غیر معمولی کیوں نظر آتی ہے بیٹے؟ ابا جان شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

دیکھیے ناں مہمانوں کے استقبال کے لئے میں اور چھوٹے بھائی, سودا سلف لانے کے لئے حسیب مظلوم سیر کرانے کے لیے بھائی جان بھائی صاحب کی زندگی میں تو فراغت

ہی فراغت ہے

تم لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو گھر کے کام کرتے ہو تو یہ تمہارے فرائض ہیں

احسان تو نہیں اور یہ میرا بیٹا میرے بہت کام آتا ہے اماں کے لہجے میں محبت گھل گئی

جب تم سب شل ہو کر وتنگ آ کر بد مزاج ہونے لگتے ہو تو میرا بیٹا آگے بڑھ کر میری

پریشانیاں سمیٹتا ہے

میری چھوٹی چھوٹی پریشانیاں اس کی نظر میں ہوتی ہیں جب کہ تم بلاوجہ ہی ادھر اُدھر

دندناتے پھرتے ہو اماں جان نے ابا جان کے بجائے خود فاروق کو مفصل جواب دیا

چپ ہو گئے فاروق بھائی ؟حسیب نے چھیڑا

بغلیں جھانک رہا ہے طارق نے بہت شفقت سے فاروق کا سر سہلایا

آپ کچھ نہیں کہیں گی ڈیئر یہ نے ارمغان سے پوچھا

اماں جان تو سب کو چاہتی ہیں یار دل چھوٹے نہ کرو ارمغان نے ایک جملے میں سب کو

نمٹا دیا عثمان اور ابا جان نے ارمغان کو جن نظروں سے دیکھا تینوں لڑکیوں کو واقعی ان کی خوش

بختی کا یقین کرنا پڑا ارمغان واقعی اس گھر میں سب سے زیادہ چاہے جا رہے تھے

بعض لوگ بہت خاموش اور الگ تھلگ نظر آتے ہیں مگر وہ اپنے ارد گرد کے افراد کی رگوں

میں پیوست ہوتے ہیں وہ بہت کم کچھ کہتے ہیں اور لوگ انہیں سننے کو بے چین و منتظر ہوتے

ہیں اور خواہ مخواہ ہی ان سے محبت کرنے کو جی چاہتا ہے

ان کا خیال رکھنے کی نیت ہوتی ہے

ان کو خوش دیکھنے کو دل چاہتا ہے

ان ہی لوگوں میں ارمغان کا شمار ہوتا تھا

اچھا تو پھر طے ہو گیا کہ کل بھائی جان کے ہمراہ آپ سب ماری ماری پھریں گی باپ کو

اٹھتا دیکھ کر موقع غنیمت جانتے ہوئے طارق نے انہیں چھیڑا

شکر منانے کو کہوں چھوٹے بھائی، یا غم منانے کو؟ حسیب نے طارق سے پوچھا کیا

مطلب ہے؟

مطلب یہ کہ اماں جان نے تو آپ کو پیش کیا تھا وہ تو ابا جان کو بلندیوں پر دیکھنے کی

عادت ہے

ادھر عموماً بھائی جان ہی ہوتے ہیں اس کی معنی خیز بات پر سب ہنس دیے

لیکن طارق تو میرے ہی برابر ہے تقریباً عثمان نے طارق کو جانچا

میں مرتبے کی بات کر رہا تھا اس نے شرارت سے طارق کو دیکھا

دیکھتے رہو میاں مجھے تو پہلے ہی خطرہ ہے اماں جان کو کبھی نہ کبھی میرا کچھ نہ کچھ کریں گی

ضرور مجھے تو اس طرح پیش کر دیا جاتا ہے گویا میں کوئی پھول ہوں

دُکھی نہ ہوں چھوٹے بھائی بعض اوقات متبرک چیزیں بھی پیش کی جاتی ہیں

ثوبیہ اماں جان کے ساتھ برتن سمیٹنے میں مگن تھی

آپ کو آپ کی بہنیں اسی لیے لائی تھیں غالبا؟ طارق نے طنزیہ کہا

جی؟ اس نے پلٹ کر حیرانی سے طارق کو دیکھا

مطلب آپ خود نکال لیجیے گا میں آپ کو ایک پرانی بات سناتا ہوں وہ بہت اطمینان سے
گویا ہوا

جی ارشاد ثوبیہ معصومیت سے مسکرائی

پہلے وقتوں میں جب کہ پہیہ ایجاد نہیں ہوا تھا اور لوگ قافلوں کی صورت میں سفر کرتے
تھے اونٹوں پر اسباب یعنی سامان وغیرہ بھی لادتے تھے اور خود بھی لد جایا کرتے تھے تو کارواں
کے ساتھ وہ ایک آدمی ایسا اسپیئر میں رکھتے تھے جو کارواں کے پیچھے ہوتا تھا اس کی ڈیوٹی یہ
ہوتی تھی کہ اگر پڑاؤ کے دوران کوئی چیز بھولے سے رہ جائے یا اونٹوں پر لدے سامان میں
سے گر جائے تو وہ اٹھا لیا اور دوسری چھوٹی موٹی خدمت

مطلب کیا ہے آپ کا؟ فوزیہ نے طارق کو گھورا

ثوبیہ سمجھ گئی ہیعقلمند ہے ویسے مجھے دلی ہمدردی ہے وہ دل جلانے والے انداز میں
مسکرایا ثوبیہ نے قطعا برا نہیں مانا اور برابر چیزیں سمیٹ کر کچن میں پہنچاتی رہی پھر اطمینان سے
آ کر گویا ہوئی

ایک بات بتاؤں طارق بھائی؟ وہ اپنے اسی سادہ معصوم انداز میں بولی جو اس کی ممی میں
تھا

دو رہتا سکتی ہو کوئی کو یہ مقرر نہیں ہے فکر رہو

پتا ہے حور یہ آپی اور فوزیہ آپا دونوں کبھی کسی کام کے لیے نہیں کہتیں میں تو گھر پر بھی کرتی
رہتی ہوں میری عادت ہے کچھ نہ کچھ کرنے کی ممی تو بہت ناراض ہوتی ہیں کہ نوکر کس لیے
ہوتے ہیں مگر مجھے گھر کے کاموں میں بہت مزہ آتا ہے

اماں جان نے اس کی جادو اثر صورت اور دلآ ویز معصومیت کو پسندیدگی سے دیکھا اور
بے ساختہ اس کی پیشانی چوم کر سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں

خدا نصیب اچھا کرے ہر خوشی سے نوازے بہت سیدھی بچی ہے

امید ہے تیز جیوں نے سن لیا ہو گا طارق نے شرارت سے کہا تو قہقہے برسنے لگے دیکھو تم
لوگ وقت طے کرلو تاکہ بعد میں پریشانی نہ ہو

اماں جان اٹھتے ہوئے بولیں

طارق آپ بھی چلیے گا ناں وردہ کے لہجے میں اصرار تھا

نہیں بھئی آج کل میں یونیورسٹی سے جلدی نہیں آ سکتا پروجیکٹ پر کام ہو رہا ہے سوری

نخرے تو دیکھیں آپی فوزیہ نے چڑایا

ایک عجیب سے احساس توہین سے وردہ آشنا ہوئی جھینپ مٹاتے ہوئے بولی

ارے میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا ویسے تو میں حبیب کو لے جانا چاہتی تھی یہ بڑا جلدی
مان جاتے ہیں اس لیے پہلے موصوف سے پوچھ لیا

مگر طارق بھائی میں لاہور جانے سے پہلے ایک مرتبہ آپ کے ساتھ وزٹ ضرور کروں
گی کسی بھی جگہ

مجھے آپ کی باتوں میں بہت مزہ آتا ہے ثوبیہ بولی

ہاں کیوں نہیں جہاں تم کہو گی وہیں چلیں گےوہ خلوص سے بولا چھٹی والے دن کہیں کا
پروگرام بنا لینا او کے

او کے وہ مسکرا دی

چڑیا گھر چلی جانا ان کے ساتھ ربیعہ نے طنزاً کہا تم بچی ہو اور یہ شوقین

آپ خود بھی ہمراہ چلیں تو زیادہ مناسب ہو گا پنجرہ و نجر کوئی مفاج آپ خود ہی پسند کر
لیجیے گا بعد میں بے آرامی ہوئی تو ہم سے شکایت کریں گی

یار یہ تم لوگ کیا ہر وقت دشمنوں کی طرح لڑتے رہتے ہو آخر عثمان بول ہی اٹھے اسی
وقت کال بیل رنگ ہوئی حسیب اُٹھ کر گیا پھر برآمدے سے ہی چلاتا چلا آیا چھوٹے بھائی قاضی کے
ابا آئے ہیں کہہ رہے ہیں ذرا ڈاکٹر کے ہاں لے جائیں گھر پر کوئی نہیں ہے ان کی طبیعت بہت
خراب ہے

قاضی اور پھر ان کے ابا فوزیہ مسکرائی

بنا کر رکھتا ہوں کئی راز ہیں میرے قاضی کے پاس وہ رازداری کے اسٹائل میں گویا ہوا پھر
فوراً سیدھا ہو گیا لڑکیاں ہنس رہی تھیں

بھائی میاں چابی دیجیے پلیز   قاضی آفس سے نہیں آیا ہو گا اس لیے چچا جان آئے
ہیں اندر ٹیبل پر رکھی ہے

اس کا دوست ہے افتخار قاضی ویسے وہ ہمارے اہل محلہ میں بھی شمار ہوتے ہیں عثمان
نے طارق کے جانے کے بعد بتایا کہیں وہ سچ مچ کوئی قاضی ہی سمجھے بیٹھی ہوں اب وہ اپنے کل
کے پروگرام کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تھے لیکن وریہ اب بجھی بجھی سی تھی

اسے نیند آور انجکشن کا اثر تھا وہ بچوں کی طرح ان کے سینے سے لگی جانے کون سے
جہانوں کی سیر کر رہی تھی اس کے تروتازہ رخساروں کے گلاب مرجھا رہے تھے اور ان پر آنسو
کے نشان شبنم کے قطروں کی طرح چمک رہے تھے

اے میرے رب میری مشکل آسان کر میں امتحان کے لائق نہیں ہوں اب کے پھر امتحان؟
اس بار پہلے سے زیادہ اُجڑ رہا ہوں   ان کے آنسو خفی تھے

جو آنسو خفی ہوں وہ ہیرے کی کنی کی طرح دل کے شیشے کو کاٹتے ہیں

ایسے ماورائی وتراشیدہ نقوش کہ انسان ان کی ایک ایک تراش پر شعر سوچ کتنے بولتے
ہوئے مگر بالکل گونگے نقوش

وہ بات ہی کیا جو سچ نہ ہو ان تراشیدہ نقوش کی زبان جھوٹی   بولی مبہم، الفاظ اجنبی سرا
سر اور محض دیو مالائی داستان سناتا ہوا حسن

کسی نقش نے ولایت علی شاہ سے اتنے قریب ہو کے بھی چغلی نہیں کھائی کہ یہ جوانی کو کھ

اجڑنے پر ادھ موئی سی عورت تمہارے بازوؤں میں ہے اتنی شقی ہے کہ تمہاری پیٹھ میں خنجر اتار چکی ہے

خون کا وہ قطرہ جو تمہاری رگوں نے پرورش کیا کسی آبگینے کی طرح سنبھالا

یہی تمہاری معصوم وسادہ لوح پیاری بیوی خاک میں ملا کر آئی تھی

اسے تمہارے لہو کا احترام نہیں کیسا پارسا وجود ہے تمہارا ولایت علی شاہ شعلے کو بازوؤں میں سمیٹے کس ظرف سے قائم ہے

وہ اس کے وجود کے کسی حصے سے اس کے جرم کی گواہی لے سکے نہ سن گن

وہ ظاہر فریب تھی

وہ باطن فریب تھی

تا حدِ نگاہ فریب نظر تھا

دروازے پر دستک ہوئی وہ چونک سے گئے

کون؟

میں ہوں بھائی جان عایشہ کی مدھم آواز آئی

وہ اچھی امید کے ساتھ اُٹھے

عایشہ کا چہرہ اسی طرح بدخبری کا اشتہار تھا

آپ کا فون ہے آپ کے بیڈروم کا پلگ نکلا ہوا ہے شاید کافی دیر سے بیل ہو رہی ہے وہ تیزی سے لابی میں گئے

پولیس اسٹیشن سے فون تھا کہ ایک ڈیڑھ دو سال کی بچی کلفٹن سے ملی ہے ہو سکتا ہے عمر اس سے کم ہو مگر ظاہرہ صحت سے اندازہ ہو رہا ہے پولیس افسر کہہ رہا تھا ان کا دل بڑے زور سے دھڑکا

مگر اگلے ہی لمحے وہ پہلے سے زیادہ پژمردہ دکھائی دیے

لیکن آفیسر دونوں بچے بھی تو بچی کے ہمراہ تھے؟

جی دونوں بچوں کا تو کوئی سراغ نہیں مل سکا اب تک لیکن آپ فکر نہ کریں کوشش بدستور ہو رہی ہے

آپ لیکن بچی کو ضرور دیکھ لیں اس لیے کہ یہ بات آپ کے گھر سے یقین سے نہیں کہی گئی کہ تینوں بچے اکٹھے ہی گھر سے غائب ہوئے ہیں

میرا خیال ہے خیر بہرحال آپ جتنی جلد ہو سکے تشریف لے آئیں

جی بہتر انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا

کس کا فون تھا؟ عایشہ بے تابی سے بولیں

پولیس اسٹیشن سے تھا

انہوں نے بے قراری سے بھائی کا چہرہ ٹٹولا

کیا کہہ رہے ہیں؟

کہہ رہے ہیں ایک بچی ملی ہے کلفٹن سے ،اس کی شکل وحلیہ انہیں وہی محسوس ہورہا ہے جو
ہم نے لکھوایا ہے اور جو تصویر دی ہے

سچ ؟عایشہ کو خوشی سی ہوئی تھی جو فوراً ہی معدوم ہوگئی

لیکن بشرا اور عمر

اگر گڑیا بھی مل گئی تب بھی ان کا کچھ نہ کچھ پتا مل سکتا ہے

بھائی جان ایک بات بتاؤں عایشہ بولیں

وہ کچھ نہیں بولے سوالیہ نظریں بہن کے چہرے پر جمادیں

میں نے نوکروں سے بھی پوچھا ہے اکثر تو بالکل ہی لاعلم ہیں البتہ ڈرائیور بتا رہا تھا بچوں
کی گمشدگی سے ایک دن پہلے وہ عمر ،بشر گڑیا اور بھابی جان کو ان کی والدہ کے ہاں لے کر گیا
تھا واپسی میں بیگم صاحبہ اور گڑیا ہی آئی تھیں

بیگم صاحبہ دونوں بچوں کو نانی کے پاس چھوڑ کر آئی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ وہ ایک دن
کے لیے زمینوں پر جارہی ہیں

اگلے دن جب وہ اسٹیشن بھابی جان کو چھوڑنے گیا تو وہاں دونوں بچے اور بھابی کی امی
پہلے سے موجود تھیں بھابی نے ڈرائیور کو واپس بھجوا دیا تھا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ بھابی کے
ساتھ کون کون گیا تھا اور کون نہیں

مطلب کیا ہے تمہارا؟انہیں بہن کی خفی بدگمانی زہر لگی

مطلب صرف یہ ہے کہ بھابی دونوں بچوں کو اپنی امی کے ہاں لے کر گئی تھیں تو انہیں
وہاں کیوں چھوڑ کر آئی تھیں جب انہوں نے اسٹیشن آنا ہی تھا تو پھر یہ سب؟ گھروں میں بہت
سے مسائل ہوتے ہیں عایشہ انہوں نے عایشہ کی بات فوراً کاٹ ڈالی روشن کو کوئی مسئلہ
درپیش ہوگا جو وہ اپنی ماں کے ساتھ مل کر حل کرنا چاہتی ہوگی وہ اور بچے بھی وہاں جاتے ہی
رہتے ہیں میری موجودگی میں بھی عایشہ ایک دم سنبھل گئیں بھائی پر دیومالائی حسن غالب تھا وہ
روشن پر نہ شک کرنا چاہتے تھے نہ اس کی ذات درمیان میں لاکر موضوع بنانا چاہتے تھے

بھائی وہ نہیں تھا اس کی کیفیت اب وہ نہیں تھی جو گھر میں داخل ہوتے ہوئے تھی

عایشہ ان کی گمبھیر آواز گونجی

جی

گھر سے دو نہیں تین بچے غائب ہوئے ہیں دو سے اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن ایک
اس کے جسم کا حصہ ہے انہیں نے بہن کو جتانا چاہا کہ اس کی بدگمانی کس قدر بچکانہ ہےلیکن
عایشہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں کہ بعض اوقات جب انسان پر ٹوٹ کر مصیبتیں آتی ہیں تو اس کی ہر
سوچ گمراہ ہونے لگتی ہیرگوں میں لہو کی جگہ شک دوڑنے لگتا ہے

اتنا کثیف اور سیاہ شک کہ انسان خوشی کے موسم آجانے کے بعد اگر اپنی گزشتہ کیفیات اسی
صحت کے ساتھ محسوس کرنے پر قادر ہو جائے تو اتنا شرمسار ہو کہ

تجدید اسلام کے لیے ضمیر اصرار کرنے لگیا گر مسلمان ہو تو

حد سے زیادہ خوشی اور حد سے زیادہ غم انسان کے اعصاب مفلوج کر دیتے ہیں اور حواس معطل نہیں بہن کا آزردگی سے چپ ہو جانا بہت شدت سے محسوس ہوا

عائشہ ایسی بات نہیں ہے میں تمہاری ذہنی کیفیات کو سمجھ رہا ہوں تم میرے بچوں کے لیے اس قدر پریشان ہو کہ اپنا گھر بار بھلا بیٹھی ہو تم میرے لیے کیا ہو اور تمہارے یہ انمول "بت وخلوص میں ساری خدائی کے بدلے بھی نہیں پا سکتا میں تمہیں داو ٹیچلوں گا وہاں پوچھ لیں گے کہ روشن کتنے بچوں کے ساتھ تھی تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے اور یہ یقین آ جائے کہ

نہیں نہیں بھائی جان در اصل کچھ باتیں ایسی ہو گئیں کہ میرا ذہن خواہ مخواہ الجھ گیا ورنہ ایسی کوئی بات نہیں گڑیا بھی تو بچوں کے ساتھ وہ چپ ہو گئیں کچھ کہتے کہتے کیا باتیں ہیں جن کی وجہ سے تمہارا ذہن الجھ گیا تھا؟ ولایت علی نے بہن کا چہرہ بغور دیکھا

یہی کہ جب میں گھر پہنچی تو بھابی رو رو کر عمر اور گڑیا کی گمشدگی کے بارے میں بتا رہی تھیں اور بشر کے بارے میں ان کو کچھ معلوم نہیں تھا میں نے پوچھا کہ بشر کہاں ہے؟ تو چونک کر کہنے لگیں ہاں بشر بھی

ہاں ہاں خیر یہ ایسی کوئی خاص بات نہیں بچوں کی گمشدگی کی وجہ سے وہ اپنے ہوش و حواس میں کب ہو گی

جی وہ آہستگی سے جی کر کے رہ گئیں

ولایت علی شاہ کو احساس تھا کہ ان کا خاندان روشن کے بیک گراؤنڈ، خاندان، ہر چیز سے لاعلم ہے اور روشن کے اور ان کے خاندان کے درمیان ایک نادیدہ دیوار روز اول سے حائل ہے ان کا خاندان محترم و معزز، یا اثر یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا انکی مرحومہ بیوی کے زمانے میں مہمانوں کی آمد و رفت ایک رونق بپا رکھتی تھی انکی مرحومہ بیوی بھی اسی خاندان ان سے تھیں اور ان کے اور ولایت علی شاہ کے رشتے دار مشترک تھے

لیکن روشن نے حتی الامکان ان کے خاندان میں گھلنے ملنے سے گریز کیا تاکہ اس کی آزادی، خود مختاری پر کوئی قدغن نہ لگے وہ ہم خاندان والوں کی نظریں ہر وقت اس کا احتساب کرتیں کہ اس کا روئیہ دونوں [illegible]وں سے کیسا ہے

وقت کی اداکاری اس کے بس کی بات نہیں تھی وہ تو اتنی نازک مزاج تھی سختی بھی اپنی مرضی سے تھیں زیادہ اور ناپسندیدہ الفاظ انکی طبیعت پر گراں گزرتے تھے اس کے کان صرف وہ بات سننا چاہتے تھے جو خوشی و سرور دے

اس لیے اس نے ابتدا ہی میں اپنا روئیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا

اسی لیے خاندان والوں کو روشن سے شکایت ہونا لازمی امر تھا

انہوں نے اپنا موڈ ایک دم تبدیل کر لیا

میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں عائشہ حالانکہ دل کا کہنا ہے کہ وہ گڑیا نہیں ہو سکتی کہ عمر بھی بشر اور گڑیا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا

میرا بیٹا چھوٹا ضرور ہے مگر بہت ذمہ دار اور حساس ہیان کی آنکھوں میں پانی اتر گیا

اور جو میری گود میں ہے بڑھیا نے مسرت سے کہا

ستارہ تو ذرا بھلا میں بچوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں گڑیا نے گھبرا کر پھر رونا شروع کر دیا تھا

ہائے اماں کتنا پیارا ہے ستارہ نے اس کے رخسار چھوئے تو عمر کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے اس نے اپنا گال ہتھیلی سے یوں صاف کیا جیسے ستارہ نے کچھ لگا دیا ہو

ہائے اماں یہ میرے بس کی بات نہیں ستارہ بدک کر پیچھے ہٹی

نہ ہوا تیرا جیسا کوئی بدعقل اس نے ماتھا پیٹا

پریا اسے سمجھا عقل دیکھو کماتی ہے خرچ کر دیتی ہے بڑھاپے میں کیا روڈ صاف کرے گی؟

لے پکڑ ذرا بچوں کو بہلا مارے بھوک کے بچے ادھ موئے ہو رہے ہیں ستارہ نے گڑیا کو تھام لیا

آن واحد میں اس کے تاثرات بدل گئے

حسین، خوشبودار، صاف ستھرا بچہ بھلا کسے پیارا نہیں لگتا

وہ کمرے میں ٹہل ٹہل کر گڑیا کو چپ کرانے لگی

عمر بیڈ پر کچھ گھبرایا سا بیٹھا تھا

ستارہ گڑیا کو بہلاتے بہلاتے کمرے سے باہر نکلنے لگی تو عمر کو جیسے کرنٹ چھو گیا دیکھیے آنٹی آپ اسے باہر لے کر نہ جائیں

ستارہ نے رک کر تعجب سے تھکن اور بھوک میں بھی اتنے الرٹ بچے کو دیکھا

شہزادے میں تو اسے چپ کرا رہی ہوں میں اسے کہاں لے کر جاؤں گی اطمینان رکھو نہیں پھر بھی وہ اڑ گیا

سنگھار کرتی پری نے آئینے میں ستارہ کو دیکھا اور آنکھ مار کر مسکرا دی

پندرہ بیس منٹ بعد بڑھیا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں فیڈر تھی

ہائے اماں فیڈر کہاں سے آ گئی؟ ستارہ نے حیرانی سے پوچھا

میڈیکل اسٹور سے مل جاتی ہیں یہ چیزیں تو اور اسٹور دور کتنا ہے؟

پری دیکھی اماں کی پھرتی ستارہ شوخی سے مسکرا کر بولی

پری مسکرا دی

پری کی بچی اور کتنا سنگھار باقی ہے؟

تارو وہ فائیو اسٹار ہوٹل ہے وہاں روشنیاں سورج سے مقابلہ کرتی ہیں کوئی بانی پے تو حلق سے نظر آتا ہے

تو سترہ برس کی بے عیب تجھے کیا ضرورت اتنے ہار سنگھار کی ستارہ نے اسے رشک سے دیکھا گڑیا واقعی بہت بھوکی تھی غٹا غٹ دودھ پینے لگی

فیڈر ستارہ کے ایک ہاتھ میں تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے گڑیا کا سر اپنی آغوش میں اونچا اٹھا رکھا تھا بڑھیا دوبارہ باہر جا چکی تھی

گڑیا پر سکون ہوئی تو ستارہ نے عمر کی طرف توجہ کی

کہاں سے آئے ہو؟ وہ چپ رہا

بتاؤ گے نہیں؟ اس نے نفی میں سر ہلا دیا

کیوں؟

آپ مجھے اور گڑیا کو پھر وہیں چھوڑ آئیں گی

اگر میں وعدہ کروں کہ نہیں چھوڑ کر آؤں گی تو؟ اس نے مسکرا کر پوچھا وہ شش و پنج میں پڑ گیا پھر بولا

اچھا آنٹی نہیں آپ نے کوئی بچہ تو نہیں دیکھا مجھ سے چھوٹا اکیلا وہ رو بھی رہا ہوگا یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ موٹے موٹے آنسو گرنے لگے

ستارہ اور پری دونوں ایک ثانیے کو دم بخود رہ گئیں

پری کم عمر اور حساس تھی وہ آئینے کے سامنے سے اُٹھ کر عمر کے پاس آ گئی

چاند تمہارا نام کیا ہے؟

عمر۔۔۔

عمر چندا وہ بچہ جس کا ذکر تم کر رہے ہو۔ کون ہے؟

میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کا لہجہ بدستور بھیگا ہوا تھا۔

وہ کہاں ہے؟

اسے ممی نے گم کر دیا ہے۔ میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ پاپا مجھے بہت ڈانٹیں گے۔ وہ کہہ کر گئے تھے میں بشر کا اور گڑیا کا خیال رکھوں۔

ممی نے کیسے گم کر دیا؟ ستارہ کا دل زور سے دھڑکا۔

ہم لوگ دادو بھی جاتے ہیں۔ مگر اس بار ممی مجھے لے کر نہیں گئی تھیں بس بشر اور گڑیا کو لے کر گئی تھیں۔ جب آئیں تو بشر پتا نہیں کہاں رہ گیا ان کے ساتھ نہیں تھا۔

ستارہ کا ذہن کہیں بہت دور پہنچا۔

آپ کی ممی سب سے زیادہ پیار کس سے کرتی ہیں۔؟

گڑیا سے۔ وہ بولا۔ (بچے اور جانور پیار و محبت پہچاننے میں ذرا دیر نہیں لگاتے۔)

آپ سے اور بشر سے؟ اس نے مزید کھوجا۔

ہم دونوں کو تو بہت مارتی ہیں۔ بس جب پاپا ہوتے ہیں تو پیار کرتی ہیں۔ ستارہ نے گہرا سانس لیا (کتنی قدیم داستان تھی)

ممی گڑیا سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اس کے لیے کھلونے لاتی ہیں اسے سیر کے لیے لے جاتی ہیں۔ اسی لیے میں گڑیا کو لے آیا ہوں۔ پتا چلے ناں ان کو۔ خوب ڈھونڈیں گی۔ مگر جب تک بشر نہیں ملے گا۔ میں گڑیا کو لے کر گھر نہیں جاؤں گا۔ بشر مل جائے گا تو ممی کی مار بھی کھا لوں گا۔

کتنا معصوم اور کتنا شدید انتقام۔ ستارہ کے دل کو کچھ ہوا۔

بڑھیا کھانے کی ٹرے لیے اندر آ گئی۔ عمر یکدم چپ ہو گیا۔

آنٹی پلیز۔ کسی کو بتائے گا نہیں آپ نے پرامس کیا ہے۔ اور آپ بھی۔ اس نے گھبرا کر پری کو دیکھا۔

دونوں مسکرا دیں۔

سچ تارو، بچے بھی کیا شے ہوتے ہیں۔ پری بہت متاثر تھی۔

کیا ہوا؟ بڑھیا نے عمر کے سامنے کھانا لگایا۔ عمر کے اُبلتے شوریدہ و نئے خون میں بھوک کرنٹ کی طرح دوڑنے لگی۔

ستارہ نے بڑھیا کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اور گڑیا کو بستر پر ڈال کر پرس اُٹھا کر چلی گئی۔ اور اس کے پیچھے پری بھی باہر کی سمت بڑھی تھی۔

دہی کا رائتہ بھنا ہوا قیمہ، کٹے ہوئے ٹماٹر اور کھیرے کے قتلے۔

کتنی مہربان تھی یہ بڑی بی۔ کس چاہ سے کھانا لائی تھی۔ پسندیدہ کھانا دیکھ کر اس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا تھا۔ اُسے دنیا کی سب سے اچھی عورت یہی بڑھیا لگی تھی۔ اس نے کھانا شروع کر دیا۔

توبہ۔ پیٹ کا جہنم ٹھنڈا ہوا تو حواس ٹھکانے آئے اور دماغ میں روشنی۔

جب تک وہ کھانا کھاتا رہا بڑی بی گڑیا سے کھیلتی رہی۔

وہ کھانا کھا چکا تو اُسے یاد آیا اس نے بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھا لیا۔ اُسے ایک دم اپنے وقار سے پاپا یاد آ گئے جو کبھی بغیر بسم اللہ پڑھے اور بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانے نہیں دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا جب انسان کھانے کو دیکھ کر اپنے آپ کو بھول جائے تو اسے جانور کہنا چاہیے۔

کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟ بڑی بی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

میں نے کھانا بغیر ہاتھ دھوئے کھا لیا۔ پاپا بہت ناراض ہوتے ہیں۔

اور امّی۔؟ بڑی بی کی آنکھوں میں تجسس جاگ پڑے۔

وہ صرف ناراض نہیں ہوتیں بلکہ مارتی بھی ہیں۔

چلو خیر بھول ہو گی۔ بھوک جو لگ رہی تھی تجھے۔

آپ کو کیسے پتا چلا۔ وہ حیران ہوا۔

پیٹ بھرے کی چال اور صورت الگ ہی معلوم ہوتی ہے بیٹا۔ تیری گود میں بچی بلک رہی تھی۔ تھکن سے تیرا برا حال تھا۔ پھر کیسے پتا نہ چلتا۔؟ گڑیا بڑی بی کی گود میں سو چکی تھی۔

اچھا بیٹا۔ اب بتا تو کہاں سے آیا ہے۔ اندھیرے میں کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہ بچی تیری کیا لگتی ہے۔ کہاں سے لایا ہے۔؟

تھکن اور شکم سیری کے سبب اُسے نیند کے جھونکے آنے لگے تھے۔

وہ بڑی بی کے تابڑ توڑ سوالات سے ایک دم پریشان دکھائی دینے لگا۔

نہیں وہ آنٹی کب آئیں گی جنھوں نے وہائٹ ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اُس نے گھبرا کر

ستارہ کے بارے میں پوچھا۔

صبح تک آجائے گی۔

اُن کا گھر کہاں ہے۔؟

یہی ہے۔

کیا وہ کسی کے ہاں پارٹی اٹینڈ کرنے گئی ہیں۔؟

ہاں۔کیا بات ہے بیٹے۔تو ایک دم پریشان ہوگیا۔؟ بڑھیا بہت ہوشیاری وملائمت سے اصل معاملہ جاننا چاہ رہی تھی۔وہ جان چکی تھی بچہ بہت ذہین، سنجیدہ اور ذمہ دار قسم کا ہے۔

یہ میری بہن ہے گڑیا ویسے اس کا نام خوش رُو ہے۔

ہیں۔یہ کیسا نام ہے۔؟ بڑھیا کے پلے نہ پڑا۔

ہاں۔بس عجیب سا ہے اسی لیے ممی پاپا شاید اسے گڑیا کہنے لگے تھے۔وہ معصومیت سے مگر بڑے ابا جیسے انداز میں بولا۔

ویسے وہ جو وہائٹ ساڑھی والی آنٹی اور دوسری والی آنٹی ہیں ان کا نام کیا ہے۔؟ اب اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا جیسے خدا معلوم کتنا تجربہ کار اور عمر رسیدہ ہو۔

سفید ساڑھی والی کا نام ستارہ ہے اور دوسری کا نام پروین۔

کہیں ستارہ آنٹی میرے گھر نہ چلی جائیں۔

نہیں خیر پتا تو نہیں بتایا۔کہیں راستے میں انہیں ممی نہ مل جائیں۔آخر وہ ممی ہیں ڈھونڈ رہیں گی تو۔گڑیا جو میرے پاس ہے۔(معصوم دل کو کتنا یقین تھا کہ اس کی کسی کو پروا نہیں ہوگی)

تو تم گھر سے گڑیا کو لے کر بھاگے ہو۔؟ بڑھیا کی آواز پست ہوگئی۔لیکن کیوں بیٹے۔؟

(دیکھنے میں تو بہت اچھے گھر کے بچے لگ رہے ہیں)

وہ چپ ہوگیا۔(اب کیا سارے زمانے کو بتانا پڑے گا۔)

ستارہ آنٹی صبح تک آجائیں گی۔؟ اس نے جیسے اپنے اندر یقین پھیلانا چاہا۔

ہاں ہاں۔آجائے گی فکر نہ کرو۔بڑی بی کو ستارہ کی آنکھ کا اشارہ یاد آگیا۔اس نے غنیمت یہی سمجھا کہ صبح تک انتظار کرلے اور ستارہ کے اشارے کا بھید جان کر آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے۔

نیند آرہی ہے بیٹا سو جا۔وہ واقعی نیند اور تھکن کے سامنے بے بس ہو چلا تھا۔بڑھیا اس کے چہرے کے نقوش میں اس کا شجرہ نسب پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تھی غالباً۔اور دھیرے دھیرے سے اسے تھپک رہی تھی۔

وہ اس تھپکی کو ترسا ہوا تھا۔

وہ خوابوں کے پہلے جہاں میں سیر کرنے لگا تھا۔جہاں اس کی ماں سفید حریری اور ماورائی سے ملبوس میں اسے لوریاں دے کر سلا رہی تھی۔

دوپہر کو نور محمد، بشر کا ہاتھ تھامے ہوئے مسجد کے اندر چلا آیا۔میاں جی کے گھٹنے چھو کر بولا۔

میاں صاحب بچل کی ماں کہہ رہی ہے بچہ آپ کے بغیر بہت پریشان ہے۔

روٹی کھلا دی اسے۔

جی میاں صاحب۔

میاں جی نے بشر کی سمت دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگا کر بٹھالیا۔ بچل کی ماں نے خوب مانگ پٹی جما دی تھی۔ آنکھوں میں سرمہ تک ڈال دیا تھا اپنی طرف سے اس نے بچے کے سارے سنگھار کر دیے تھے تاکہ میاں صاحب خوش ہو جائیں۔ بشر بھی ان کے ساتھ چپک کر اور پرسکون ہو کر اس طرح بیٹھ گیا تھا گویا انہی کا ہو۔

کیوں بھی کیوں پریشان تھا۔

وہ ان کے بازو سے مزید چپک کر رہ گیا۔

اچھا اچھا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

کچھ کم نہیں ہوا تیرے ساتھ۔ بت سے بڑی اُٹھا رہا ہے۔ فکر نہ کر تیرا رب تجھ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں۔

نور محمد۔

جی میاں صیب۔

مصطفےٰ لاشاری کا بیٹا شہر سے آ گیا۔

خبر نہیں میاں صیب۔ وہ عاجزی سے بولا۔

اگر آ جائے تو اسے میرے پاس بھیجنا۔

فکر ہی نہ کریں میاں صیب۔

کچھ بچے ابھی بھی جھوم جھوم کر قرآن پڑھ رہے تھے۔

خوش بخت قرآن پڑھ رہا ہے تو۔

بشر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کون پڑھاتا ہے۔

ہمارے قاری صاحب۔ وہ جلدی سے کہہ کر پھر چپ ہو کر بیٹھ گیا۔

سلامتی ہو اس پر جس کی نظریں یہ نورانی حرف دیکھتی ہیں جس کی زبان انہیں ادا کرتی ہے۔ اس کو ہاتھ میں تھامنا۔ یقین کرنا معمولی بات نہیں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ قرآن کیا ہے نور محمد۔ وہ جیسے کہیں اور پہنچ کر گفتگو کیا کرتے تھے۔

میاں صیب۔ بس سب کچھ یہی ہے میاں صیب۔ سارا سچ ساری حقیقت۔ وہ بولا۔

خدا مہربان رہے تجھ پر اور تجھے نیکی کی توفیق عطا ہو۔ وہ خوش ہو گئے۔

تو اسکول نہیں پڑھا نور محمد مگر تجھے اس کی سمجھ ہے۔ اور جسے اس کی سمجھ ہے وہ سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ نور محمد نے خوش ہو کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

آپ خدا کے نیک بندے ہو میاں صیب۔ آپ کی دعا اس کے قریب ہے۔ ہمارے لیے دعا کرو۔

میاں صاحب کا وجود لرز گیا۔ یوں نہ کہو نور محمد۔ اس کے فیصلوں کی کسی کو کیا خبر۔ وہ بادشاہ ہے اس قدر زبردست ہے کہ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اس لاشریک کو ہر آن اپنا معبود سمجھ کر کوئی عمل کرتے رہیں۔ یقین کی انتہا

سے اسے محسوس کریں۔

نور محمد اس بچے کو دیکھا اتنا معصوم کہ پتھر دیکھے تو حسن شناسی سیکھ جائے۔ جانے وہ کون تھا پتھر کا بھی آقا۔ اندھیرے بیاباں میں اُتار گیا۔ تعجب وحیرانی کی بات نہیں۔ یہی عجیب وغریب واقعات ہی تو خدا کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

کبھی برادران یوسف۔ یوسف کو کنویں میں اُتار کر دامن اور ہاتھ جھاڑ کر گھر کو جاتے ہیں۔ جیسے یوسف کی موت وزندگی ان کے ہاتھ میں ہو۔ جیسے یہ دنیا خود بخود بنی ہو۔ اس کا کوئی خدا نہ ہو۔ جیسے یوسف کو پیدا کرنے والا حی وقیوم نہ ہو۔ (نعوذ باللہ) پھر یہی بے یارومددگار سا بچہ مصر کے تخت پر بیٹھ کر خدا کی عظمت اپنے برادران سے منواتا ہے۔ ان کے دل مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ اپنی لاچاری خود محسوس کرتے ہیں۔ کبھی یوں ہوتا ہے رات کے اندھیرے میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاک بستر پر سونے کا اعزاز حاصل کرتا ہے۔ دشمن بھیڑیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔ ایک عالم جان کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر بھی کچھ نہیں ہوتا۔

پھر اونٹنی پر سوار اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں۔ جہاں اپنا آپ بچانا مشکل تھا۔ وہ حرا سے نکلنے والا امی جو ذمہ داری کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ یتیم بھی تھا لیسر بھی تھا۔ انہیں طاقتوروں پر غالب آتا ہے ان کا سردار بنتا ہے۔ بہت سی باتیں خدا کی طاقت وقدرت کا احساس دلاتی ہیں۔

نور محمد۔ اگر یہ انسان خود پسندی کے کنویں سے باہر آجائے اور خدا کی سچائی کو سمجھ جائے تو انسانوں سے کھیلنا چھوڑ دے۔

بیشک میاں صیب نور محمد عقیدت سے نظریں جھکا کر بولا۔

یہ بچہ بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ اسے خوار نہیں کرنا ہے صحیح ہاتھوں تک پہنچانا ہے۔

آپ کو کہاں سے ملا یہ میاں صیب۔

خدا کی زمین ہے۔ اسی کی ہر چیز ہے۔ زمین بھی۔ جنگل وبیابان بھی۔ کہیں بھی کوئی انسان آسکتا ہے۔ وہ پھر مبہم ہونے لگے۔ انسان کے لیے زمین بچھائی گئی کہیں بھی قدم پڑ جائیں پابندی تو نہیں۔

جی۔ جی۔ وہ یوں بولا جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو۔

اچھا میاں صیب۔ میں معلوم کرنے جاتا ہوں مرتضےٰ لاشاری شہر سے کب آئے گا۔ وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ میاں جی ظہر کی نماز پڑھنے لگے۔

وہ نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مصروف تھے کہ نور محمد ایک جوان اور مضبوط سے آدمی کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا۔

میاں صیب۔ مرتضےٰ لاشاری۔

السلام علیکم میاں صاحب

وعلیکم السلام۔ اوّل آخر خیر ہی خیر ہو۔

ٹھیک ہیں آپ میاں صاحب مرتضیٰ لاشاری ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

میاں صاحب کی سرمئی چمکیلی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔

میرا رب تو ہمیں ٹھیک ہی رکھنے کا خواہشمند ہے۔ ہم خود نہ چاہیں وہ اور بات ہے۔ میں بہت خوش ہوں چھوٹے لاشاری۔ الحمدللہ۔ ان کے لب احتیاط سے متبسم ہوئے۔

کوئی خدمت۔ میاں صاحب۔ میرے لائق کوئی کام

لاشاری۔ اس بچے کی طرف دیکھو۔

بہت پیارا بچہ ہے میاں صاحب آپ کا۔

اس کی عمر دیکھو لاشاری۔ اس کا تجربہ دیکھو۔

جی۔ وہ حیران ہوا۔

اسے بھی اپنوں کے بھیس میں دھوکا دینے والے مل گئے۔ بھلا یہ عمر ہے۔ یہ کہاں اس لائق ہوا ہے ابھی۔ وہ پھر کہیں اور پہنچ گئے تھے۔

آہستہ آہستہ انہوں نے مرتضیٰ لاشاری کو ایک ایک بات بتائی۔ پھر بولے۔

چھوٹے لاشاری۔ دھماکے کی خبر سب کو ہو جاتی ہے۔ دھوکے کی خبر کسی کسی کو ہوتی ہے۔ حالانکہ انسان کا رتبہ دیکھو تو سب سے ذلت آمیز سلوک یہی ہے۔ دھوکے سے زیادہ اس کائنات میں کوئی اور بڑا دھماکہ کیا ہوگا۔ ہم کتنے بہرے ہو چکے ہیں لاشاری۔ انسان کی تقسیم ہو چکی ہے لاشاری۔ کوئی دھوکا کھانے کو تیار بیٹھا ہے کوئی دینے کو۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو بچے کی طرف دیکھ کر کئی بار روتا۔

لیکن میں خدائے وحدہ لاشریک پر یقین رکھنے والا ایک بیقیمت بندہ ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کی ایک صفت خبیر بھی ہے اور جو اتنا باخبر ہے۔ ہم تو سو بھی جاتے ہیں لیکن وہ ہر بےبس کر دینے والی صفت سے پاک ہے۔

ہم اس کا اپنا ڈھونڈیں گے تو اللہ الخبیر ہمیں اس کے کسی اپنے کی خبر ضرور دے گا تم روز شہر جاتے ہو لاشاری پڑھا نیجہ اتمہارے مرتبے میں اضافہ کر یا اس کا معاملہ اب تمہارے سپرد تم نیت کرو خداوند کی نیت سے تمہاری طرف متوجہ ہے

مرتضیٰ لاشاری کے خون میں گویا جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا

میاں صاحب کے لہجے میں اس قدر یقین و اعتماد تھا کہ اسے محسوس ہوا سینکڑوں خوبصورت رنگوں کی روشنیاں اس کے سینے میں منتقل ہو گئی ہیں اس کے ذہن کا ایک ایک تار ایک ایک لہر چمک اٹھی تھی

اس نے میاں صاحب کے ہاتھ کو بوسہ دیا بس اتنا سا کام میاں صاحب آپ بلکل فکر نہ کریں

نور محمد بشری کی سمت متوجہ تھا

میاں صاحب کی سفید بھنوؤں کو جنبش ہوئی اور وہ مسکرائے

بیٹیو رمحمد کی زبان میٹھی اور دل محبت والا خوش قسمت والوں کو ایسے مصاحب ملتے ہیں یہ محبت والا آدمی ہے دنیا کے بڑے آدمیوں میں سے ہے یہ تم سے سندھی میں بولے گا نہ پریشان ہونا نہ برا ماننا جو تم سمجھتے ہو اسی زبان میں تو دھوکا کھا کر بیٹھے ہو اس سے ڈرو نہیں، یہ دوست ہے جاؤ اس کے ساتھ گوٹھ کو سیر کرو

بشیر میکانکی انداز میں نور محمد کے ساتھ ہو لیا مگر پلٹ کر میاں صاحب کو دیکھا ضرور مرتضی لاشاری بھی ان کے پیچھے ہی نکل گیا

سچ طارق بھائی مجھے تو زیادہ مزہ نہیں آیا آپ ہوتے تو بہت مزا آتا

ثوبیہ نے صبح صبح ناشتے پر ہی طارق سے گلہ کیا

اے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں اور زیادہ نخروں میں آ جائیں گیدڑیہ نے بھن کو ٹوکا

جلنے والے جلا کریں، ہم دودھ ملائی کھایا کریں اس نے چمچے سے پلیٹ بجا کر موسیقی کی کمی دور کرنے کی کوشش کی

تو اگر مجھے پہلے بتا دیتا تو میں بالائی علیحدہ کر لیتا اب تو دہی جما دیا میں نیا ماں جان باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے بس دودھ ملائی ہی سن پائی تھیں

مجھے تو بہت مزا آیا عثمان بھائی کمپنی میں ور یہ نے ناک چڑھا کر کہا

ہم تو آئندہ بھی عثمان بھائی کے ساتھ جائیں گے دیکھ لیجیے گا فوزیہ نے ٹکڑا لگایا

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ۔۔۔۔۔۔

کہ چھوٹے بھائی جان کی جان چھوٹی مجیب نے انڈے پر نمک چھڑکتے ہوئے حسب عادت جملہ مکمل کیا

یار حسیب تم سے یہ امید نہیں تھی میری جان چھوٹ گئی، تمہیں بے چارے بھائی میاں سے کوئی ہمدردی نہیں

عثمان نے آنکھ کے اشارے سے طارق کو منع کیا (کہ ان میں سے کوئی بھی برا مان سکتی ہے)

اسی دم شور سا ہوا

وہ تو مجھے پہلے ہی پتا تھا کہا بھی تو ناشتہ ہی ہو رہا ہو گا مگر یہ لڑکا میری سنتا ہی کب ہے

السلام علیکم پھوپھی جان

اے وعلیکم السلام بھابھی جان کہاں ہیں السلام علیکم۔۔۔۔۔۔ ہائیں یہ لڑکیاں وہ بھی تیز فاروق نے پھوپھی کی بات میں گرہ لگائی

اے ہاں وہ سادگی سے بولیں پھر ایک دم ٹھٹھا کر فاروق کو گھور کر رہ گئی

پھوپھی جان آج آپ کے ہاں ناشتہ نہیں بنا طارق کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا

میرے بھائی کا گھر ہے اللہ رکھےجس دن تیرے گھر جاؤں گی تب کہنا یہ بات

وہ بھی آ کر اس کی پھوپھی تھیں تھسے سے تخت پر بیٹھ گئیں اب وہ بڑی الجھی ہوئی نظروں

سے تینوں

کو دیکھ رہی تھیں تھی خوبصورت اور تروتازہ لڑکیاں کہ فیصلہ مشکل تھا تینوں میں سب سے

اچھی کس کو کہا جائے مگر یہ ہیں کون

احسان بھائی کی بچیاں ہیں ایسا ایسے کیا دیکھ رہی ہو

اے توبہ بھابھی جانمیں تو ڈر ہی گئی تھی وہ ہنس دیں پھر بھاوج کی طرف جھک کر بولیں

میں تبھی تین بیٹے تو ایک ہی دفعہ میں نمٹا دے بات کے اختتام پہ پھوپھی جان نیا پنا

ایک سانس والا مخصوص قہقہہ لگایا

ان کی بات پر تو شاید ہی آج تک کوئی ہنسا ہوگا ان کے قہقے پر البتہ خوب قہقے لگتے تھے

اے لو تمہیں بھی نرالی ہی سوجھتی ہے کیسی باتیں کرتی ہو اللہ رکھے میں چپ چپاتے

بہوئیں کیوں لانے لگی

خدا وہ دن لائے

جب اماں جان لڑیں اور آپ تماشا دیکھ کر ایک سانس والا

طارق نزدیک ہی شیو بنانے میں مصروف ہو چکا تھا اس کان سے لے کر اس کان تک

جھاگ ہی جھاگ تھا ماں کی بات کاٹ کر بولا

پھوپھی جان ایک سانس میں ہنسیے گا بھی نہیں سارا جھاگ چھوٹے بھائی کے منہ میں چلا

جائے گا حسیب بولا

کیا پھوپھی جان کیہنسی میں جھاگ آنے لگا ہیا اس نے بڑی سادگی سے پوچھا سب ہنس

پڑے

حد ہے ان بچوں سیا ماں جان بولیں

اور یہ آج صبح صبح تم کیسے آ گئیں میوں سے تو تمہیں فرصت نہیں ملی مہینے بھر بخار رہا مجھے پچھلے

دنوں

انھوں نے نند کی خبر لی

یہی بتانے آئی ہوں کہ بہت مصروفیت رہی میری تمیرا کو پیر کو مایوں بٹھا رہے ہیں

آ گیا تمہارے دیور کا لڑکا امریکہ سیا ماں جان نے چونک کر پوچھا

شادی سے ہفتہ بھر پہلے آئے گا

تو تمہیں کیا سوجھی بچی کو پندرہ دن پہلے کو نہ دے رہی ہو اماں جان کو اچنبھا ہوا

ہماری ساس کہہ رہی ہیں پندرہ دن پہلے ڈھولک بجواؤں گی خاندان میں برسوں بعد شادی

ہے

تو بجوائیں ڈھولک بچی کو کیوں اتنے دن پہلے باندھ کر بٹھائیں بھابیا آج کل تو لڑکیاں

تین دن پہلے بھی بیٹھتے ہوئے گھبراتی ہیں اور ویسے بھی آج کل تو مایوں ایک رسم کا نام رہ گیا ہے

کہاں کرتی ہیں پردہ بھا بھا محرم نامحرم ہر ایک سے پردہ کرواتے تھے کیسا روپ آتا تھا آج

کل تو دو کانوں سے سج کر آتی ہیں پھر بھی وہ بات نہیں

ورنہ پہلے لڑکیاں صرف کپڑے پہن کر ہی سج جاتی تھیں کیسا روپ آتا تھا نظر سیر نہیں

ہوتی تھی دیکھ دیکھ کر

یہ تو صحیح کہہ رہی آپ بھابھی جان پھوپھی جان نے بھاوج کی تائید کی

ارے وہ بچیاں کہاں چلی گئیں آپ نے بتایا نہیں

اے احسان بھائی کی بچیاں ہیں

کیسے آگئیں پہلے تو کبھی----------

اماں جان نے بھاوج کو ٹہوکا دے کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا کہ ثوبیہ بھی وہیں تھی

کہاں چلی گئی بچیاں انہوں نے گردن موڑ کر دریہ اور فوزیہ کو دیکھا

شاید بہت شرمیلی ہیں سیدھی سادی پھوپھی جان نے سادگی سے کہا

جی ہاں بڑی مشکل سے برتے اتار کر ناشتا کرنے بیٹھی تھیں طارق نے احتیاط سے ریزر

اپنے گال پر چلایا

اماں جان نے گھور کر دیکھا تو نظریں چرا گیا

آپ کس جگہ رہتی ہیں ثوبیہ پھوپھی جان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی

کریم آباد پر رہتی ہوں بیٹا اب تم آنا نا شادی میں اپنی بہنوں کے ساتھ بلکہ ابٹن اور

مہندی میں بھی

ہم اپنے کارڈ پر نہیں لائیں گیں انہیں اتنا بوجھ ایک کارڈ نہیں اٹھا سکتا ان کا کارڈ علیحدہ

دیجیے

فاروق بولا

گھر کی بات ہے آپ کی بچیاں ہیں انہیں کارڈ کی کیا ضرورت ہاں ان کے ماں باپ کو کارڈ بھیج

دوں گی اے گئیں کدھر

منادی کراؤ حسین شہزادیاں غائب ہیں پھوپھی جان کے علاوہ کوئی دیو تو آتا نہیں دیکھا

گیا

طارق ہاتھوں کی گردش روک کر بولا

آپ کی موجودگی میں دیو کی یہ مجال دریہ ہنستی ہوئی باہر آئی

عثمان جو اپنی تیاری میں مگن تھے مسکرا دیے

عثمان بیٹا تم مجھے صدر اتارتے جانا

آپ آئی کس کے ساتھ تھیں انہوں نے پھوپھی سے پوچھا

ارے وہ شاکر کالج جا رہا تھا میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ذرا مجھے اپنے ماموں کے گھر

اتارتے جانا تو یہ موٹر سائیکل نہیں ہوائی جہاز چلاتا ہے یہ لڑکا انہیں بیٹے کی تیز رفتاری یاد آگئی

اندر کیوں نہیں آیا اماں جان کو شاکر کا باہر سے باہر چلے جانا کھلا

کہہ رہا تھا دیر ہو جائے گی

ارے نہیں بھابھی جان بہت کام ہیں دن بھی تھوڑے ہیں

اماں جان نے جلدی سے چائے کا ایک کپ تیار کر کے انہیں دیا

چائے پی کر انہوں نے ایک بار پھر پر زور تائید کی تھی ان گاڑی باہر نکال چکے تھے وہ تیزی

سے باہر نکل گئیں جیسے عثمان انہیں چھوڑ کر جانے کا ارادہ رکھتے ہوں

گھر پر ایک ویرانی سی طاری ہو گئی تھی

ایک نہیں، دو نہیں تینوں بچے گھر پر نہیں تھے

ولائت علی شاہ کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا عاشا اپنے گھر چلی گئی تھی روشن کی طبعیت بھی

پہلے سے بہتر تھی کم از کم چلنے پھرنے تو لگی تھی مگر زندہ لاش سی لگنے لگی تھی باوں میں برش تک نہیں

کرتی تھی دونوں میاں بیوی اپنے اپنے ذات کے گڑھوں میں اترے ہوئے تھے جب سے

ولائت علی شاہ سعودیہ سے آئے تھے روشن نے اپنے آپ سے ان سے کوئی بات نہیں شروع

کی تھی وہی کچھ بات کر لیتے تو خود بھی بات کر لیتی تھی پھر یوں چپ ہو جاتی جیسے کچھ یاد کرنے کی

کوشش کر رہی ہو یا کسی سوال کا جواب سوچ رہی ہو

ولائیت علی شاہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے شرٹ کے بٹن لگا رہے تھے وہ کمرے میں

داخل ہوئی گلابی پھولوں والے شلوار سوٹ میں وہ بغیر دوپٹے کے بہت ویران نظر آ رہی تھی

کہیں جا رہے ہو

ہوں

کہاں

آج کل مجھے کیا کام ہو سکتا ہے انہوں نے الٹا سوال کر دیا

کیا آپ مجھ سے بدظن ہیں (اندر سے ضمیر نے جیسے ان کا دل نچوڑ ڈالا)

اگر ہو بھی جاؤں تو اس کا فائدہ انہوں نے جھک کر رسٹ واچ اٹھائی

اگر آپ مجھ سے بے نیاز ہوئے نا تو میں اس کے اشک بہنے لگے

پاگل ہو میرا تمہارا دکھ ایک ہے ہمیں ایک دوسرے کی ہمت بندھانا ہے مضبوط ہو

روشنی انہوں نے اس کے اشک صاف کیے

اگر

مجھے اگر کے ساتھ نہیں انشااللہ کہہ کر رخصت کیا کرو

شامیر ادل نہیں بہلتا آنسو پھر رواں ہو گئے

انہوں نے اس کے وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں کا سہارا دیا

اللہ پر بھروسہ رکھو ہم سب اسی کا مال ہیں ہم ہمارے بچے بھیہ ہمارے ایمان کا بھی

امتحان ہے

ہائے یہ سادہ لوح صاحب ایمان وایقان شخص کہاں میری آلودہ روح وہ تڑپ کر ان سے

دور ہو گئی

انھوں نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر چابیاں اٹھا کر باہر نکل گئے

وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی

اس موڑ کا تو وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کتنی لمبی پٹی لگنے لگی تھی اس نے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر ڈالا اور باہر نکل آئی شام ڈھلنے والی تھی وہ دیر تک یہاں وہاں چہل قدمی کرنے لگی

معا اس کی نظر سامنے والے کوٹھی کے گیٹ پر پڑی بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی اس کا دل دھڑکا آہستہ روی سے ان کے قریب چلی آئی

تمام بچے ہمسایوں کے تھے اسے اپنے نزدیک دیکھا تو بیک وقت کئی آوازوں میں اسے سلام آئے

کیا بات ہے

آنٹی ٹوٹو کی بلی کو چوٹ لگ گئی ہے بلیڈنگ ہو رہی تھی ٹو بینڈ" کر رہا بیچا نور بے زبان ہوتے ہیں ناں آنٹی ان کا خیال رکھنا ہماری ڈیوٹی ہے بے چارے نہ بول سکتے ہیں نا رو سکتے ہیں ایک بچہ جذبہ ہمدردی میں سرتاپا غرق تھا

لوگ جانوروں تک پر رحم کھاتے ہیں روشن آرا اس کے اندر کوئی بولنے لگا تھا اندھیرا اوپرا معصوم بچا اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے تھے

اسے کیا ہو گیا تھا

اسے احساس ہوا کہ حرص والالچ بے کنار سمندر ہیا ور

خود غرضی نفسیاتی بیمار نفس کی ہر کمزوری انسانیت کے تابوت میں کیل کی طرح ہے دیکھو اسے دودھ پلاتا اور مارجرین لگا سلائس بھی کھلاتا بچے ٹوٹو کو مشورہ دے رہے تھے

کتنا خوش نصیب ہے یہ بلی کا بچہ بشر سے بھی زیادہ جس کے ساتھ جانے اندھیرے میں اسے چکر آنے لگے وہ بمشکل خود کو گھسیٹ کر گھر کے اندر داخل ہوئی منور کو آواز دینا چاہی تو آواز نہ نکل سکی

احساس بے بسی کے ساتھ وہ وہیں گیٹ پر سر تھام کر بیٹھ گئی

گھر بھی وہی تھا پیسے کی کمی بھی نہ تھی لیکن وہ مسرت جو گھر کو دیکھ کر اور پیسے کو چھو کر ہوتی تھی اس کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا

نوکر اندر گھر میں مصروف تھے اور اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما ٹوٹو کی بلی کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے بچوں میں سے ایک کی نظر پڑی تھی

عامیر وشن آنٹی اس طرح گیٹ پر کیوں بیٹھ گئی ہیں سومی نے فکرمندانہ انداز میں پوچھا سب بچے اس کی طرف متوجہ ہو گئے

ان کے بچے دراصل کہیں گم ہو گئے ہیں اس لیے بے چاری پریشان ہیں ایک بچے نے ہمدردی کے جذبے سے معمور لہجے میں وجہ بتانے کی کوشش کی سب بچے ٹوٹو اور اس کی بلی سمیت روشن کے پاس آ گئے تھے والایت علی شاہ کی روشنی جو آہستہ آہستہ مدھم پڑ رہی تھی

واٹ ہیپنڈ آنٹی (کیا ہوا آنٹی) ٹوٹو نے پہلے اپنی بلی کو سنبھالا پھر گھٹنوں کے بل جھک

کر روشن آرا کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا

اس نے نفی میں سر ہلایا

شاید آنٹی کو چکر آ گیا ہیا وہ ہم سب آنٹی کو ان کے بیڈروم میں پہنچا آتے ہیں شاہ انکل
کہاں ہیں انہی کو بلا لیتے ہیں ٹوٹو نے روشن کا بازو تھام کر ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر اپنی
رائے کا ردعمل بھی دیکھا

نہیں میں ٹھیک ہوں ابھیں خود چلی جاؤں گی میرے بیٹیو ٹو اور دوسرے بچوں کا معصومانہ
سلوک دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا

بیٹے (آہ وہ جو ولایت علی شاہ کا خون تھے اس کے سر کے تاج کا وجود انہیں بیٹا کہتے
ہوئے اس کی زبان پتھرا جاتی تھی اور یہ بچہ جس سے خون کا کوئی رشتہ کسی ابتدائی پشت میں بھی
نہیں ملتا اس کو کس گداز سے بیٹا کہہ رہی ہو روشن)

بیٹیوہ بولی آپ لوگ جائیں میں ٹھیک ہوں

وہ آپ کا بٹلر آ رہا ہمیں اسے کہہ دیتا ہوں وہ ڈاکٹر کو فون کر دے ٹھیک ہے نا آمیزرخ
ہونٹوں والے معصوم سے سومی نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا

تو اس نے سومی کی ہتھیلی چوم کر آہستہ سے کہا او کے

(میں تمہاری یا اس کائنات میں بسنے والی کسی ذی روح کی ہمدردی کے قابل نہیں ہوں
بچوں) وہ بمشکل بیڈ تک آئی تھی بلکہ بچے با قاید وا سے بیڈروم تک رخصت کر کے گئے تھے

میرے الجھے کیوں کر چین آئے گا میری بکھری زند گی بھٹکتی گڑیا اسے بازوؤں کے
گھیرے میں محسوس ہوئی تو نا قابل بیان درد اس کے جگر سے پھوٹ نکلا

آ گیں اور دکھ کے انہی لمحوں میں اس پر ولایت علی شاہ کا دکھ بھی منکشف ہوا تمہارے لہو کا
ایک قطرہ اور ولایت علی شاہ کے تین جگر پارے

اسے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا اب اسے چین نہیں آئے گا کڑھے گی یا روئے گی مگر قرار
کسی طور نہ آئے گا

اسی دم فون کی گھنٹی بجی اس کا دماغ پھٹنے لگا حالانکہ اس کے بیڈروم میں جو فون آپریٹس تھا
اس کی بیل بہت باریک اور کم آواز تھی

لیکن اسے یہ معمولی سی آواز بادلوں کی گرج سے کہیں زیادہ محسوس ہوئی

بمشکل ریسیور اٹھایا

دوسری طرف اس کی ماں تھی

عایشہ اپنے گھر جا چکی ہے اماں اس کے بچے اسکول جاتے ہیں بہت نقصان ہو رہا تھا ان
کا

ولایت علیوہ آتے ہی ہوں گے بتا کر نہیں گئے کہ کہاں جا رہے ہیں

نہیں نہیں اماں خدا کے لیے آپ یہاں نہ آیئے گا اور نہیں فون بھی نہ کیجیے گا میں پریشان
ہو جاتی ہوں پلیز اس نے اکتاہٹ اور بیزاری سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا

ماں تمہارا ابھی کیا قصور جب انسان خود ہی بھٹکنے کو تیار ہو تو

اس نے سلیپنگ پلز نکال کر پانی کے ساتھ نگل لیں اسے غفلت کی ضرورت تھی

جاگتے میں تو اس کا ذہن ناسور بنا رہتا تھا جس سے ملال اور احساس جرم کا مواد رستا رہتا تھا

تھوڑی دیر میں ہی وہ غافل ہو چکی تھی۔ عجب سفر تھا اس کی زندگی کا۔ غفلت سے غفلت کا سفر۔ پہلے شعوری غفلت اب لاشعوری غفلت میں پناہ چاہتا تھا۔

ولایت علی نے رات کے پہلے پہر تھکن سے چور چور اپنی خواب گاہ میں قدم رکھا تو وہ سو رہی تھی۔ آڑی ترچھی بیڈ پر دراز تھی۔ وہ یکدم گھبرا گئے۔ آگے بڑھ کر اس کی نبض تھامی اور سکھ کا گہرا سانس لے کر لباس تبدیل کرنے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔

انہیں بھی نیند نہیں آتی تھی۔ انہوں نے بھی نیند آور گولیاں نگلیں اور دراز ہو گئے۔ نیند کا پہلا مرحلہ تھا۔ شعور اور لاشعور متوازن تھے۔ تب ہی انہوں نے روشن کی چیخ سنی۔

معصوم بچہ ہے۔ رہنے دو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ اندھیرا ہے۔ مگر مجھے سانپ نظر آ رہا ہے۔ بشیر پیچھے ہٹ جاؤ۔ بشیر۔۔۔ اس کی چیخ اتنی دلدوز تھی کہ ولایت علی کا وجود لرز کر رہ گیا۔

روشنی۔ انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

اتنے لوگ کھڑکیوں کے کنارے بیٹھے تھے۔۔۔ کوئی تو دیکھ لیتا۔۔۔۔ کوئی تو دیکھ لیتا۔۔۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

آہ کوئی تو۔

روشنی۔۔۔ ہوش میں آؤ۔

کوئی تو دیکھ لیتا۔۔۔ میرے ہاتھ کاٹ دیتا۔۔۔ تو یہ ناگ عمر بھر کے لیے میرے کلیجے پر بیٹھ کر مجھے نہ ڈستا۔

روشنی۔۔۔ ہوش میں آؤ۔۔۔ کوئی ناگ نہیں ہے۔۔ سانپ نہیں ہے تم اپنے گھر میں ہو اپنے بستر پر ہو۔۔ میں تمہارے پاس ہوں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔

انہوں نے اس کے الفاظ سننے اور غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کے لیے پیش نظر تو اس کی وحشت تھی۔

روشن ہوش میں آ گئی تھی۔ اس کا چہرہ۔ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔

ولایت علی شاہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا۔ اس میں پانی تھا وہ اٹھے باتھ روم میں پانی پھینک کر آئے اور جگ سے پانی انڈیل کر اس کے لبوں سے لگا دیا۔

(سارے سکھ چھین لیے اس سادہ سے انسان کے)

ولایت علی شاہ کے چہرے پر کوئی الجھن یا کوئی کوفت نہیں تھی بلکہ وہ بہت ہمدردی اور تشویش سے روشن آرا کو دیکھ رہے تھے۔ کچی نیند سے اٹھنے کے سبب آنکھیں سرخ ہو رہی

تھیں۔

آئی۔ایم۔ساری شاہ میں کل سے دوسرے بیڈروم میں سوجایا کروں گی۔آپ ڈسٹرب ہوتے ہیں ناں۔دن بھر ویسے ہی پریشان رہتے ہیں اور رات کو میں۔

میں تمہیں الگ کمرے میں کبھی سونے نہیں دوں گا۔تمہاری حالت ایسی نہیں کہ۔۔میں خود غرض نہیں بن سکتا۔

روشنی۔ایسے نہیں سوچا تو بس تم ہی ہو،میری دولت،میرا خزانہ۔میرا گھر۔میرا سب کچھ۔انہوں نے اس کی پیشانی پر بکھری لٹیں سمیٹیں۔

اور روشن آرا کے اندر اس کا ضمیر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

ایک دم اس کا جی چاہا وہ۔۔۔کچھ کرے۔

پہلے بستر سے اترے۔۔۔اور نیچے بیٹھ جائے۔

پھر بستر پر دراز ولایت علی شاہ کے پاؤں تھام لے۔اور پھر اتنا روئے۔

اتنا روئے۔۔۔کہ ولایت علی کا جگر پانی پانی ہو جائے۔

شاہ کے وجود سے تمام منفی جذبات اس کے اشکوں میں بہہ جائیں۔

کہ۔۔۔پھر وہ اس کا بھیانک ترین اعتراف سن کر بھی موم بنا رہے۔

پہلے۔۔

وہ ولایت علی کے دل سے نفرت۔انتقام۔بدلہ۔دھو ڈالے۔۔بس اسے مخلص مٹی کر ڈالے۔

پھر اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی اور حیران کن خبر سنا ڈالے۔

مگر پہلے اس کے پاؤں تھام کر اشک تو بہا لے۔کہ سب سے زیادہ الم رسیدہ تو یہی ہے۔

سب سے زیادہ سادہ۔۔۔۔۔کہ نقیب تو اس نے خود اپنے گھر میں بسایا تھا۔

اس نے ولایت علی شاہ کا چہرا دیکھا۔بہت کم آمیز اور کم سخن سا آدمی۔یہ سادہ اور بھروسے کرنے والا انسان ہے۔روشن۔

تلخ حقیقتیں اس کا دماغ الٹ دیں گی۔

اس کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا۔

پھر یہ ولایت علی شاہ نہیں رہے گا۔روشن۔پھر یہ صرف۔۔روشن آرا کا وجود لرز کر رہ گیا۔

اس کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔

آپ سو جائیں شاہ۔میں ٹھیک ہوں۔اس نے کروٹ بدل کر شاہ کو تسلی دی۔

وہ تو شام سے پہلے ہی گھر آ چکا تھا۔

گھر میں صرف عثمان اور رمضان تھے۔باقی تمام لوگ شادی کی پہلی قسط دیکھنے یعنی مایوں میں گئے ہوئے تھے۔

اسے گھر میں غیر معمولی سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ خود ہی چائے بنا کر پی اور دونوں بھائیوں کو بھی دی پھر حسب معمول مغرب کی نماز کے بعد اپنے نقشے پھیلا کر بیٹھ گیا۔

بھائی میاں۔ سب تو چلے گئے ہیں ہمارے کھانے کا کیا ہوگا۔؟ عثمان اس کے سامنے سے گزرے تو اس نے فکر مندی ظاہر کی۔

لیکن کھانا تو ہمیشہ اماں جان بناتی ہیں سب تو نہیں۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے تو واقعی وہ ٹپٹا گیا۔

ہاں۔ میرا مطلب ہے اماں جان۔ وہ جلدی سے بولا۔

شاکر آیا تھا سب کو لینے تو کہہ رہا تھا گھر میں رہنے والوں کے لیے کھانا پھوپھی جان بھجوائیں گی۔

تب اس نے اطمینان اور انہماک سے کام شروع کر دیا۔ اسے اپنے روٹین میں کسی بھی قسم کا اتار چڑھاو پسند نہیں تھا۔

رات نو بجے کے بعد غلغلہ اٹھا۔ کھٹاک کھٹاک گاڑیوں کے دروازے بند ہونے کی آوازیں آئیں تو وہ پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

فوزیہ۔ وریہ۔ اماں جان۔ شاکر۔ حسیب۔ فاروق ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے حسیب کے ہاتھ میں بندھا ہوا کھانا تھا۔

شکر ہے خدا کا آگئے آپ لوگ، یہاں تو کھانے کے انتظار میں۔

ثوبیہ کہاں ہے؟ اس کی بات ادھوری رہ گئی ثوبیہ کو غیر موجود پا کر۔

ارے اسے لڑکیوں نے روک لیا۔ کہہ رہی تھیں گانے والے گائیں گی۔

صرف اسی کو کیوں روکا۔؟ اس کا موڈ بدل گیا۔

بھئی مزاج ملنے کی بات ہے۔ تمہاری پھوپھی نے تو فوزیہ اور وریہ کو بھی روکا تھا مگر یہ رکی نہیں۔ اماں جان کھانا گرم کرنے چلی گئیں۔

شاکر جانے لگا تو طارق اس کے پیچھے ہولیا۔ پھر پلٹ کر آیا اور اپنی بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

ابھی آتا ہوں اماں جان۔ میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ میں بھی رونق دیکھ آؤں پھوپھی جان کے ہاں۔

تم بائیک پر کیوں جا رہے ہو طارق؟ گاڑی لایا ہوں ناں میں۔

واپسی میں بھی غلبا میں تمہاری گاڑی میں آؤں گا۔ لامحالہ پھر تم گاڑی کی وجہ سے مجھے چھوڑنے آؤ گے۔

اس کے بعد میں ازراہ اخلاق و انسانیت تمہیں چھوڑنے جاؤں گا۔ پھر تم مجھے

شاکر مسکرا دیا۔ اچھا بابا تم بائیک پر ہی آجاؤ ہمارے ہاں رونق دیکھنے۔

وہ زچ سا ہو کر بولا۔

جب وہ پھوپھی کے ہاں پہنچا واقعی وہاں خوب ہنگامہ بپا تھا۔ رنگین آنچل کھنکتے قہقہے۔

خوشبوئیں اور مسرتیں۔ثوبیہ غالباً اندر حمیرا کے پاس تھی۔

پھوپھی نے اسے دیکھتے ہی پہلے کھانے کے لیے پوچھا۔

کھالوں گا پھوپھی جان۔پہلے ذرا حمیرا سے تو مل لوں۔وہ سیدھا حمیرا کے کمرے میں چلا گیا۔

سامنے ہی ثوبیہ ڈھول لیے بیٹھی تھی سرخ شلوار کرتے میں بڑی مگن سی تھی جیسے ان لوگوں سے برسوں کی آشنائی ہو۔طارق کو دیکھ کر حیران ہو کر ڈھول بجانا ہی بھول گئی۔

یہ لیجیے اب آرہے ہیں طارق بھائی کسی کزن نے تان لگائی۔

ارے بڑے ہوشیار ہیں۔سوچ رہے ہوں گے ابٹن ختم ہو گیا ہوگا۔اب کیا خطرہ ہے مگر طارق بھائی ابٹن باقی بچا ہوا ہے ابھی۔یہ جو آپ کی وہائٹ شرٹ ہے ناں ہم اسے پیلا کر کے دم لیں گے۔اس کی ایک اور کزن چیخی۔

ارے وہ واقعی گھبرا گیا۔اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔میں وعدہ کرتا ہوں کل میں خود ابٹن لگوانے آجاؤں گا۔وہ بڑے عجز سے بولا۔

جی۔اپنا ہی بیوقوف سمجھا ہے ہم کو۔

اسی دم پھوپھی جان اندر آگئیں اور بولیں

ارے لڑکیوں اسے تنگ نہ کرو تمہارا بہن سے ملنے آیا ہے۔کھانا تک تو کھایا نہیں۔اس نے۔تب جا کر اس کی گلو خلاصی ہوئی۔

اس نے ثوبیہ کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔وہ جلدی سے اس کے پیچھے چلی آئی۔

بھئی وہ فوزیہ کی طبیعت خراب ہے۔اس نے فوراً کہیں ہے۔

وہ بری طرح گھبرا گئی۔

کیا ہوا فوزیہ آپی کو۔۔؟

پتا نہیں۔ایک دم کیا ہو گیا وہ پریشانی سے گویا ہوا۔

وہ تو ایک دم دوپٹہ سنبھال کر شوز پہن کر تیار ہو گئی۔چلیے۔جلدی چلیے۔

پھوپھی بیچاری باہر تک کھانا کھانا کرتی آئیں مگر وہ۔۔ثوبیہ کو بائیک پر بٹھا یہ جا وہ جا۔

یہاں سے تو بالکل ٹھیک گئی تھیں۔وہ پریشانی سے بولی۔

وہ خاموش رہا۔

کیا وومیٹنگ وغیرہ ہو گئی ہے۔؟

وہ پھر خاموش تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے اڑتے بال سنبھالے دوسرے سے اس کا کندھا ہلایا۔

کیا پوچھ رہی ہوں میں۔آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔وہ روہانسی ہو گئی۔طارق کی خاموشی سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

طارق نے بائیک آہستہ کر دی۔

پہلے بتاؤ شور تو نہیں مچاؤ گی۔؟وہ بولا

کیا مطلب؟ وہ حیران ہوئی۔

دراصل ثوبیہ بات یہ ہے کہ ان چار پانچ دنوں میں ہمارے گھر کے در و دیوار تین لڑکیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔

در و دیوار؟

چلو۔ ہم بھی۔ ہمیں بھی شامل سمجھ لو۔ بات سنو وہاں گھر پر یہ مت بتانا۔

کہ آپ مجھے پتا کرلائے ہیں۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ جل کر اس کی بات کاٹ دی۔

ارے کچھ خدا کا خوف کرو۔ وہ دن کبھی نہ آئے جب میں کسی کو۔

سچ طارق بھائی آپ کے مذاق نے تو میری جان ہی نکال دی۔

واپس بھی تو ڈال دی ہے۔ وہ مسکرایا۔

کیا تم نے برا مانا؟

نہیں خیر۔ مذاق تو آپ کی عادت ہے مجھے پتا چل گیا ہے۔ وہ اسی سادگی سے بولی جو اس کی فطرت تھی۔

مگر ایسے مذاق نہیں کرنا چاہئیں۔ جن سے کسی کی جان پر بن جائے۔ وہ بڑے بزرگانہ انداز میں بولی۔

بعض اوقات تو بغیر مذاق کے بھی جان پر بن جاتی ہے۔ اس نے آہستگی سے موڑ کاٹا۔

ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ ہیں بہت selfish (خود غرض) وہاں میں اتنا انجوائے کر رہی تھی کہ کیا بتاؤں۔

بتانا بھی نہیں۔ کہیں میں تمہیں دوبارہ وہیں نہ چھوڑ آؤں جذبات میں آ کر۔ کمزور دل ہے میرا۔

سچ طارق بھائی میرا تو خود دل چاہتا ہے کہ ہر تفریح آپ کے ساتھ کروں۔ آپ کے بغیر تو میں بور ہو جاتی ہوں۔ تمام رونقیں آپ کے دم سے ہیں۔

شکریہ۔ وہ شرارت سے مسکرایا۔

اور آپ شام کو کیوں نہیں آئے تھے۔ سچ اتنا مزا آیا۔ اتنا مزا آیا کہ بتا نہیں سکتی۔ آپ فوزیہ آپی اور ردیہ پیا سے پوچھے گا۔ وہ فورِ جذبات سے مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

چلو تم خوش ہو گئیں کافی ہے۔ لاہور جا کر یاد تو کرو گی۔

ہائے سچ۔ جانے کیا کیا یاد کروں گی۔

حمیرا کی شادی۔ آپ کے گھر کا ڈسپلن، خوشی اور سکون، حبیب کی حماقتیں، فاروق بھائی کی شرارتیں اور آپ کی تمام باتیں۔

مثلاً کیا؟

کوئی ایک تو ہے نہیں جو بتاؤں۔ ویسے سچ آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔ آپ سے مل کر تو آپ کو کوئی بھلا ہی نہیں سکتا۔ وہ معصومانہ انداز میں بولی۔

دیکھو ذرا۔ دھیرج کہیں میں خوشی سے پھول کر پھٹ نہ جاؤں۔

ثوبیہ کھنک دار ہنسی ہنسنے لگی۔

سچ طارق بھائی لاہور جانے کے بعد میرا تو مہینوں دل بھی نہیں لگے گا۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس لاول ابھی کچھ دیر پہلے طارق بھائی سے شاکی تھا جو بہانہ بنا کر اسے محفل میں سے نکال لایا تھا۔

گھر کے سامنے بائیک رکی تو ثوبیہ چونک پڑی۔ اور اچھل کر اتر گئی اور آگے بڑھ کر کال بیل کا بٹن پش کرنے لگی۔ گیٹ حسیب نے کھولا۔ ثوبیہ کو دیکھ کر حیرانی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پھر حسیب نے طارق کو دیکھا تو سمجھ گیا اور ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دیا۔

چین نہیں پڑا آپ کو۔۔۔؟

میاں الفاظ کے انتخاب میں ذرا احتیاط کیا کرو۔ وہ بائیک اندر لاتے ہوئے ناصحانہ انداز میں حسیب سے گویا ہوا۔

ثوبیہ کھٹ کھٹ کرتی اندر چلی گئی تھی۔

سب لوگ ابھی تک طارق کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ثوبیہ کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

ہائیں یہ تم کہاں سے آ گئیں؟ فوزیہ حیرانی سے بولی۔

جہاں آپ لوگ چھوڑ کر آ گئے تھے۔ وہ بے نیازی سے شوز اتارنے لگی۔

کیوں آ گئیں۔ دل نہیں لگا۔؟ دریہ نے بغور ثوبیہ کی شکل دیکھی۔

یہی سمجھ لیں۔ بس شاید اس گھر کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ لاپرواہی سے بولی۔

اسی لیے کہتے ہیں۔ عادتیں نہیں بگاڑنی چاہئیں۔ طارق برآمدے میں چلا آیا تھا جھٹ ٹکڑا لگا دیا۔

ثوبیہ نے شکایت آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ نظر چرا گیا۔

اب مزا آیا ناں سب پورے ہو گئے۔ وہ ایک کرسی پر ڈٹ گیا۔

کہاں پورے ہوئے ابھی دو کی کمی باقی ہے۔ حسیب پھر بے سوچے سمجھے بول گیا تھا۔

ثوبیہ سمجھ نہ سکی لیکن فوزیہ اور دریہ پہلے جھینپیں پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔ چند لمحوں تک تو اماں جان کو الفاظ نہ سوجھے کہ کس طور حسیب کو جھاڑ پلائیں۔ وہ پاندان میں چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی تھیں۔ سیدھی سادھی سی عورت تھیں۔ بھتیجیوں سے شرم آنے لگی تھی انہیں۔۔

اور یہ تمہیں کیا ہوا کہ اٹھا لائے بچی کو۔۔۔ بھلا اگر۔۔۔

نہیں پوچھو طارق بھائی مجھے اٹھا کر نہیں لائے پہلے میں ان کے پیچھے پیچھے باہر آئی پھر بائیک پر بیٹھ گئی۔ ثوبیہ نے اطمینان سے اپنے پرس سے سپاری نکالی اور پھانک لی۔

تو کیا دل نہیں لگا بیٹی۔؟

بس نیند آنے لگی تھی وہاں تو ابھی دور دور تک سونے کا پروگرام نہیں تھا کسی کا۔

مجھے دوپہر کو سونے کی عادت ہے۔ آج دوپہر کو سو نہیں سکی تو اب جلدی نیند آنے لگی تھی۔

بھائی میاں سو گئے کیا؟ طارق نے عثمان کی غیر موجودگی محسوس کی تو جلدی سے موضوع بدل دیا۔

کچھ پڑھ رہا ہے۔ ذرا آہستہ بولو تم لوگ۔ اماں جان نے انہیں تلقین کی۔

یہ لیجیے۔ آج میر بیت بازی کا پروگرام تھا اور بھائی میاں پڑھنے لگے۔۔۔۔۔ سب سے زیادہ اچھے اشعار تو انہی کو آتے ہیں۔

مجھے تو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں۔ فوزیہ بے زاری سے بولی۔

وہ مجھے اندازہ ہو ہی گیا آپ کے انداز و اطوار سے۔ میں بتا سکتا ہوں آپ کو کیا شوق ہے۔

اچھا بتائیں۔ وہ اشتیاق سے تھوڑی ہاتھ کے پیالے میں ٹکا کر بولی۔

آپ کو تو بس ہی شوق ہو سکتا ہے لوہے کا کیلوں والے جوتے پہن کر کاندھے پر بیگ لٹکا کر کے۔ ٹور کریں۔

ایگزیکٹ۔ وہ سرخوشی کے عالم میں بولی۔

واہ صاحب۔ کیا مردم شناسی ہے۔ دریہ نے طارق کو سراہا۔

اب بھلا آپ خود ہی بتایئے کے ٹور پر شعر و شاعری کا کیا کام۔؟ فوزیہ نے طارق سے سوال کیا۔

اور آپ کے بغیر تو وہاں کام رکے پڑے ہیں۔ طارق نے تمسخر سے کہا۔

اگر آپ انویسٹ کریں تو میں ایک فلم بنا ڈالوں۔ ہمالیہ بلا رہا ہے۔ فاروق نے فوزیہ سے کہا۔

اللہ۔۔ اللہ کریں فاروق بھائی۔ لاسٹ ایر غالباً ہمالیہ ہی نے آوازیں دی تھیں۔ چھ مرتبہ جھٹکے محسوس ہوئے تھے کراچی میں۔ حسیب جلدی سے بولا۔

نہیں سچ مذاق نہیں۔ اس فلم میں ہیروئن آپ ہی ہوں گی۔ سیونٹی فائیو پرسنٹ شوٹنگ ہمالیہ پر ہی کریں گے۔

چپ کر لڑکے۔ ہمارے خاندان کی لڑکیاں فلموں میں کام نہیں کرتیں۔ اماں جان سچ مچ سنجیدہ ہو گئیں۔ تو سب ہنس دیے۔

بلائیں نا عثمان بھائی کو بیت بازی میں تو بہت مزا آتا ہے۔ دریہ بولی۔

لیکن آپ کو تو انگریزی اشعار سے شغف ہوگا اردو سے آپ کو کیا علاقہ۔ طارق نے چھیڑا۔

ہائے نہیں طارق بھائی۔ سچ دریہ آپی تو یہاں بہت چینج ہو گئی ہیں۔ کیسی اچھی اردو بولتی ہیں ہم نے گھر پر کبھی ان سے اتنی اچھی اردو نہیں سنی، ہے ناں۔۔۔۔۔ ایپا اس نے فوزیہ سے تائید چاہی۔

اماں جان پلیز کھانا دے دیجیے پہلے۔ طارق کو یکدم کھانا یاد آ گیا۔

ہائیں وہاں سے بھی بھوکا آ گیا وہ تعجب سے گویا ہوئیں۔

بھوکا کہہ رہی ہیں آپ کو۔ فاروق نے شرارت سے طارق سے کہا۔

کون کس کو کیا کہہ رہا ہے عثمان از خود ان لوگوں کے پاس چلے آئے۔

اماں جان کہہ رہی ہیں پھوپھی جان کے گھر سے کوئی بھوکا چلا آیا ہے۔ فاروق نے شریر انداز میں طارق کو چھیڑا۔

ارے ایسی کیا آفت اتر رہی تھی۔ تسلی سے یہاں یا وہاں کھانا تو کھا لیتا بھلا یہ کوئی وقت ہے۔ وہ بڑبڑاتی کچن کی طرف چلیں۔

آپ بیٹھیں پھپھو۔ میں دے دیتی ہوں کھانا۔ ثوبیہ کو اچھا محسوس نہ ہوا کہ وہ تینوں بیٹھی رہیں اور پھپھو کام کریں۔

جبکہ فوزیہ اور دریہ کو اس چیز کا سینس ہی نہیں تھا۔ ان کے خیال میں وہ تو مہمان تھیں اور گھر کے کام پھپھو ہی کے زمہ داری تھے۔ ان کے مقابلے میں ثوبیہ بہت حساس ارزمہدارقسم کی لڑکی تھی۔

وہ پھپھو کے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔ طارق نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی۔

عثمان کو بیت بازی کا پروگرام بتا دیا گیا۔ وہ تیار ہو گئے۔ طارق نے کھانا کھا لیا تو باقاعدہ پروگرام شروع ہو گیا۔

اماں جان۔ آپ یہاں بیچ پر بیٹھ جائیں بطور ریفری۔ حسیب نے اماں جان کو مخاطب کر کے کہا۔

عثمان اور فاروق کے بیچ میں اماں جان کو بٹھا دیا۔ اور ان کے مقابل فوزیہ اور دریہ، حسیب، طارق تھے۔ ارمغان نے معزرت کر لی تھی۔ وہ فوزیہ گروپ میں شامل تھے۔

چلیے عثمان بھائی آپ شروع کیجیے۔

عثمان مسکرائے۔ سنیے جناب۔

اک حقیقت کہی فردوس میں حوروں کا وجود

حسن انسان سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں

واہ واہ۔ فاروق نے شاید پہلی مرتبہ سنا تھا پھڑک کر کھڑا ہو گیا۔

ابھی سے نگاہ حوروں پر

کون زاہد کو پارسا جانے

ارمغان نے ٹکڑا جڑا اور شرارت سے عثمان کو دیکھ کر مسکرائے۔

آپ نے کیوں پڑھا۔ کیوں۔۔۔۔۔جب آپ مقابلے میں شامل نہیں ہیں۔ ثوبیہ نے سخت برا مان کر ارمغان سے کہا۔

غلطی ہو گئی۔ وہ دلکشی سے مبہم سا مسکرائے۔

چلیے بھئی نون کا شعر ورنہ خود ہی پڑھ کر مقابلہ جیت جاؤں گا۔ عثمان نے وارننگ دی۔

نہ جانے کون سا دکھ زہر بن کے پھیلا ہے

جسے بھی دیکھو وہی شخص ہے اداس بہت

ارے خدا نہ کرے اللہ سب کو خوشیاں دے۔یہ کیا روتے پیٹتے شعر سنا رہے ہو طارق

۔اماں جان بڑی ہی احتیاط سے کرارے پان چھانٹ کر الگ کرتی ہوئی بولیں تو سب مسکرا دیے۔

تو نے سینچا تھا امیدوں کے لہو سے جس کو

تیرے احساس کا وہ نخل بھی شاداب نہیں

اللہ اتنے مشکل شعر۔ثوبیہ نے حبیب کے منہ سے شعر سن کر مارے حیرت و تشویش کے سر تھام لیا۔

چلو تم کوئی آسان سا سنا دو۔مثلاً۔

رب کا شکر ادا کر بھائی

جس نے ہماری گائے بنائی

حبیب جل کر بولا تو قہقہے بلند ہو گئے۔ثوبیہ شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔

یہ آپ بھائیوں کو کیا ہو رہا ہے۔نون کے اشعار کے پیچھے ہی پڑ گئے۔دریہ کو نون کا شعر یاد نہ آیا تو جھلا کر بولی۔

نہ سنگ میل تھا کوئی نہ کوئی نقش قدم

تمام عمر ہوا کی طرح سفر میں رہے

نون کا شعر فاروق نے پڑھ دیا۔

یہ دل ہے درد و غم کے خزانے لیے ہوئے

اس چور چور شیشے کی قیمت نہ پوچھیے

ثوبیہ نے بڑی سنجیدگی سے ی کا شعر سنایا۔

واہ بھئی۔تم سب سے اچھی تو ثوبیہ جا رہی ہے۔ارمغان نے تعریف کی۔

بس اب کوئی ایسے شعر نہ سنائے ورنہ میں رو پڑوں گا۔فاروق نے الٹی میٹم دیا۔طارق نے فوراً شور مچایا۔

دیکھو بھئی شعر آ رہا ہے ثوبیہ کے شعر کے سامنے۔اماں جان جانے کن سوچوں میں سامنے کمرے کی جانب بڑھی تھیں۔ایک دم ٹھٹک گئیں پھر خود ہی تہہ میں اتر کر پھر آگے چل پڑیں۔توبہ توبہ۔کیا بچے ہیں یہ۔

ی۔کا دریہ نے جوش میں بھرے ہوئے طارق کو یاد دلایا۔

جی۔۔۔۔مجھے پتا ہے۔سنیے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اک خواب حسیں دیکھا ہے

اور اس خواب کی رنگین سی تعبیر تم ہو

طارق نے بہت مدھم سے انداز میں شعر سنایا۔

ویرانیاں دلوں کی بھی کچھ کم نہ تھیں ادا

کیا ڈھونڈنے گئے ہیں مسافر خلاؤں میں

ثوبیہ نے فوراً جواب میں شعر پڑھ دیا۔

کیا آپ دونوں ہی شعر پڑھتے رہیں گے نجیب بولا۔ یہ دریہ آپی نے تو ایک شعر بھی نہیں سنایا۔

ارے کوئی بھی پہلے کہہ دے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ رونے کا مقام تو یہ ہے کہ پھر نون۔ فاروق نے بے چارگی سے کہا۔ خدا کی قسم اتنے اچھے اچھے اشعار آتے ہیں لیکن اس نون نے مروا دیا۔

نہ پڑھا عشق میں تکمیل کا سامان کرنا

ہاتھ خود سیکھ گئے چاک گریبان کرنا

عثمان نے بڑے اطمینان سے نیم دراز لیٹے لیٹے شعر سنا دیا۔

الف کا میں سناؤں گی۔ دریہ نے ہاتھ پھیلا کر سب کو روکا۔

ابتدا میں تو گمان تک نہ ہوا تھا مجھ کو

بازیٔ عشق میری مات بھی ہو جائے گی

اماں جان دوبارہ آ کر بیٹھ گئیں۔

حقیقت یہ تھی کہ بچوں کے یہ عشق و عاشقی والے اشعار سے سخت شرم اور کوفت محسوس ہو رہی تھی انہیں، محض مروت تھی اور ساتھ ہی یہ خیال کہ کسی بات کے سبب لڑکیوں کے دل برے نہ ہو جائیں۔ ان کی خواہش تھی کہ مہمان خوشی خوشی وقت گزار کر رخصت ہوں۔ حالانکہ دریہ اور فوزیہ کی کئی باتوں سے انہیں سخت کوفت اور الجھن محسوس ہوتی تھی کہ وہ سادہ مزاج اور مراتب و مقام کو اولیت دینے والوں سے میں تھیں۔ انہیں تمام رشتوں اور مرتبوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنا پسند نہیں تھا۔

وہ اس نام نہاد روشن خیالی کے سخت خلاف تھیں۔ ارمغان سے تو کوئی یوں بھی غیر ضروری ہمکلام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ عثمان بھائیوں سے بہت فرینک تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کو اتنا باشعور تو ہونا چاہیے کہ وہ مقابل کی اہمیت، حیثیت، مقام اور عمر کے تفاوت کو خود محسوس کر کے بات چیت کا معیار مقرر کرے اور ان کا خیال تھا ان کے بھائی شرارتی، برجستہ گو ضرور ہیں۔ لیکن گستاخ اور احمق نہیں ہیں۔

اس لیے وہ ان کے درمیان ہمیشہ بے تکلف انداز میں نظر آتے تھے اس کے باوجود کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہر انداز میں شریک ہوتے تھے لیکن ان کی وسعت قلبی کا کبھی کسی نے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔

اس کا اندازہ اماں جان کو بخوبی تھا لیکن انہیں لڑکیوں کا اس قدر بے باک ہونا پسند نہیں تھا۔

مگر یہاں مقام مجبوری تھا۔ وہ چپ تھیں مگر اب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔

چلو بچوں اب جا کر سو جاؤ رات بہت ہو چکی ہے۔

ابھی تو اماں جان صرف۔۔۔۔ حسیب کی آواز منہ ہی میں رہ گئی اماں جان نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا تھا۔عثمان نے ماں کی نظر پہچان لی تھی۔

ہاں بھئی اب سو جانا چاہیے۔انہوں نے ماں کی تائید کی۔

طارق کو پروگرام ادھورہ رہ جانے پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

بھائی میاں۔دس منٹ میں مقابلہ فائنل ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عثمان نے صرف نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔نظر سادہ تھی مگر بول رہی تھی۔طارق کا جملہ ادھورہ رہ گیا۔

ہاں ٹھیک ہے۔پھر صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔وہ سب سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ تینوں متعجب سی بیٹھی رہ گئیں کہ یکا یک کیا ہوا۔

مگر میزبانوں کے انداز بدستور تھے جو وہ روز اول سے دیکھ رہی تھیں۔تمام لوگوں کے رویے حسب سابق تھے لہٰذا انہیں یقین کرنا پڑا کہ واقعی ان سب کو نیند آ رہی ہے۔

تم بھی عجیب ہو ثوبیہ۔کہاں تو تمہارا اس قدر دل لگ گیا تھا کہ کہتے کے ساتھ ہی رک گئیں۔اور کہاں اب بے وقت وہاں سے اٹھ آئیں۔کیا سوچیں گے وہ لوگ فوزیہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔اس نے ثوبیہ سے استفسار کیا۔سب لوگ سونے کیلیے جا چکے تھے۔

بس ایسا۔مجھے نیند آنے لگی تھی میں نے سوچا یہاں تو دو تین بجے سے پہلے سونے کا موقع نہیں ملے گا اس لیے چلی آئی۔

طارق برآمدے میں واش بیسن کے سامنے کھڑا تیزی سے برش کر رہا تھا دانت صاف کر رہا تھا اس نے آئینے میں ثوبیہ کو دیکھا۔اس کے چہرے پر بچکانہ سی سادگی و معصومیت تھی۔کوئی اداکاری یا بناوٹ اس کے لہجے میں نہیں تھی۔

غالبا اس نے طارق کی بات رکھی تھی شاید اس لیے کہ اسے طارق کی خوشی عزیز تھی اس کا خیال تھا وہ طارق بھائی کی بات مانے گی تو وہ خوش ہو جائیں گے۔اسی طرح ہنساتے رہیں گے۔گھر میں رونق کا سبب بنے رہیں گے۔

کراچی میں گزارے تمام دن وہ تا زندگی نہیں بھولے گی۔خاص طور پر طارق بھائی اور ان کی باتیں۔

فوزیہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ جھکا ہوا کلی کر رہا تھا۔سر اٹھایا تو پیچھے ثوبیہ کو کھڑا پایا۔

اس نے اسٹینڈ سے تولیہ کھینچ کر اس کی جانب دیکھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔

میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میری ساری تفریح،سارا مزا۔آپ نے کرکرا کیا ہے۔اچھا بتائیں اگر میں سچ بات بتا دیتی تو کیا پھوپھی آپ کو ڈانٹتیں۔

طارق نے تولیے سے اپنا چہرہ تھپتھپایا پھر مڑ کر اسٹینڈ پر پھیلا دیا۔پھر اپنی مخصوص دلنوازی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

بہت۔

تو پھر سن لیجیے اگر آپ نے مجھے کراچی کے بہترین پکنک اسپاٹس نہیں دکھائے ناں تو۔

وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ پھر پلٹ آیا۔

اے انوسینٹ بلیک میلر۔ کیا بھائی میاں اپنا قیمتی وقت تم بہنوں پر نچھاور نہیں کر رہے۔۔

تھینک ہم۔ لیکن میں نے آپ کے ساتھ جانا ہے۔ وہ بچوں والی ضد سے بولی۔

کیوں بھیا سے اور اک تھا اپنی اٹریکشن کا لوگوں نے اسے احساس دلا دیا تھا بن کر پوچھا۔

آپ ہنساتے جو رہتے ہیں۔

تم نے مجھے جوکر سمجھ لیا ہے۔ ویسے اگر تم مجھے پرکشش سیلری آفر کرو تو میں تمہارے ساتھ لاہور چلنے لے لیے تیار ہوں۔ ویسے تم اس قدر ہنسنا کیوں چاہتی ہو۔

وہاں لاہور میں ہمیں اس طرح گھر میں ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع جو نہیں ملتا۔ پپا بے انتہا مصروف ممی ان سے زیادہ مصروف۔ آپی ان سے زیادہ فوزی اپیا ان سے زیادہ۔

تم ان سے زیادہ۔ اس نے ثوبیہ کی بات کاٹ دی۔

نہیں خیر، میں تو بس بور ہی ہوتی رہتی ہوں۔

ایک چھٹی کا دن ہوتا ہے اس دن سب دوپہر تک پڑے سوتے رہتے ہیں۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

پپا کہتے ہیں ہمارا گھر پورے ایریا میں سب سے زیادہ عالیشان ہے۔ ہمارے گھر کی وجہ سے وہ علاقہ پہچانا جاتا ہے۔ لیکن کیا فائدہ۔ گھر والے تو دونوں اکٹھے بیٹھ کر ایک دوسرے کا حال نہیں پوچھتے۔ اسی لیے تو مجھے آپ کا گھر اس قدر اچھا لگا۔ سچ

کچھ طارق کی زبان پر آتے آتے رہ گیا۔ مگر وہ سنبھل گیا۔

فکر نہ کرو۔ بہت اچھی اسپاٹس ہیں یہاں۔ چلیں گے۔ مجھے یقین ہے تم بہت انجوائے کرو گی۔

جاؤ اب تم سو جاؤ۔ وہ زینے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

وہ سو کر اٹھا تو تمام اطراف سورج کی کرنوں کا راج تھا۔

پہلے تو وہ سمجھ نہ پایا کہ آخر وہ کہاں ہے۔ لیکن جیسے ہی ہوش وحواس ٹھکانے آئے وہ بڑی پھرتی سے بستر سے اترا۔ اس کا دل نہایت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گڑیا گڑیا وہ بڑی بوکھلاہٹ میں باہر آیا۔

سامنے صحن میں گڑیا بہت مگن انداز میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے کئی خوبصورت کھلونے پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی عمر پر نظر پڑی وہ سب بھول بھال گئی اور اس کی طرف بازو پھیلا دیے اس نے گود میں اٹھا لیا۔

اٹھ گیا میرے بچے۔ بڑھیا باورچی خانے سے ہاتھ پونچھتی باہر آئی۔ دودھ پلا دیا ہے میں نے۔ تیری بہن

کو تو فکر نہ کر۔

تھینکس۔ وہ تشکر سے گویا ہوا۔

تو منہ ہاتھ دھولے۔ میں نے تیرے لیے پوریاں اور چنوں کا سالن بنایا ہے۔ میرے بچے کی صورت نکل آئی کھانا کھا کر اور آرام کر کے۔ پتا نہیں کب سے پریشان اور تھکا ہوا تھا میرا بچہ۔ بڑھیا نے شفقت سے عمر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس لہجے اور اس محبت کو تو اس کا روم روم ترسا ہوا تھا۔ جو شخص جس چیز کے لیے ترستا ہے وہ اس چیز کے نام پر بکنے کو تیار ہو جاتا ہے کبھی کبھار۔

اس نے گڑیا کو واپس پلنگ پر بٹھا دیا اور خود بڑھیا کی رہنمائی میں باتھ روم میں چلا گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا تو بڑی بی چھوٹی سی ٹیبل پر ناشتہ لگا چکی تھیں وہ ناشتہ کرنے لگا تو اسی دم مین گیٹ کے راستے سے فیروزہ اور ستارہ آتی دکھائی دیں۔ عمر، گڑیا اور پھر بڑی بی کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرائیں۔

ناشتہ ہو رہا ہے۔ ہمارے مہمان کیسے ہیں اماں۔۔ فیروزہ بولی۔

جیسے ہیں تیرے سامنے ہیں۔ بڑھیا نے دودھ کا کپ عمر کے سامنے رکھا۔

ستارہ نے جھک کر نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا۔ اف اتنا مزیدار ناشتہ۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

خیر ہی۔ بڑھیا نے فیروزہ کو جانچا۔

یہ تو ہمارے خیر کی عمر ہے اماں۔ وہ بڑھیا کے شانے تھام کر کھلکھلائی۔

کیا بتایا تھا تجھے اس نے۔ بڑھیا نے عمر کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

کیا تم نے اس سے کچھ پوچھا اماں۔ وہ بھی آہستگی سے گویا ہوئی۔

خود ہی تو منع کر گئی تھی اشارے سے۔ میں چپ رہی جتنے کیا بات ہے۔

فیروزہ بڑھیا کو اندر لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی دونوں باہر آگئیں۔

اماں۔۔۔۔ یہ کھلونے کہاں سے آئے۔ ستارہ نے دو چوٹیوں والی گڑیا اٹھا کر دلچسپی سے دیکھا۔

تمہارے ہی ہیں اور کس کے ہوں گے۔ دیکھو کیسے سنبھال کر رکھی ہیں میں نے تمہاری چیزیں۔ دونوں ہنس دیں۔

آپ کی پارٹی کیسی رہی آنٹی۔ عمر نے معصومیت اور بے تکلفی سے مہربان آنٹی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھی۔

بہت اچھی۔ فیروزہ نے گڑیا کو اچک لیا۔

کیا یہ تمہاری ممی جیسی ہے۔ فیروزہ نے گڑیا کا رخسار چوما۔

نہیں۔ یہ زیادہ پیاری ہے۔ ممی اتنی پیاری نہیں ہیں۔ اس نے وثوق سے کہا۔ اس کی نظر کے سامنے بدسلوکی کا دھواں تھا۔ وہ روشن کا واضح حسن محسوس کرنے سے قاصر تھا۔

اچھا تو کیا تمہیں گڑیا سے بہت پیار ہے۔ فیروزہ بولی۔

عمر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بڑے سنجیدہ اور بزرگانہ انداز میں گویا ہوا۔

ظاہر ہے آنٹی سب کو اپنے بہن بھائیوں سے پیار ہوتا ہے۔ مجھے بھی گڑیا سے، بشر سے۔ اس کے ہاتھ میں نوالہ جوں کا توں رہ گیا۔ آپ نے بشر کے لیے۔ اسے اپنا مقصد حیات یاد آ گیا۔

پہلے ناشتہ کرلو شہزادے۔ بھوکے رہو گے تو کمزور ہو جاؤ گے اور کمزور آدمی بھلا کوئی کام کر سکتا ہے۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ فیروزہ نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

محبتیں تو بجائے خود تسلی ہوتی ہیں۔

اس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔ لیکن بشر کی صورت نظروں کے سامنے کیا آئی وہ رغبت سے ناشتہ کرنا بھول گیا۔

اگر بشر نہیں ملا تو میں گڑیا کو کبھی ممی کے پاس لے کر نہیں جاؤں گا۔ جوش انتقام سے اس کا معصوم چہرہ ایکدم سرخ پڑ گیا۔ وہ کتنا پریشان ہے جبکہ وہ بڑا ہے اور بشر تو کس قدر رو رہا ہوگا۔ وہ تو بہت چھوٹا ہے۔ اس کو بھائی کی سسکیاں قریب سے سنائی دیں۔

آنٹی اس نے فیروزہ کو مخاطب کیا۔

جی جان۔ فیروزہ کو اس کی بزرگانہ سنجیدگی پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

میں آپ کو فون نمبر اگر دوں تو کیا آپ۔۔۔ مگر نہیں کہیں آپ مجھے چیٹ (دھوکہ) نہ کریں۔

ارے نہیں۔ وہ اس کی احتیاط پر ہنس پڑی۔ ستارہ بھی مسکرائی تھی۔

بہت پورا ہے ماں۔ فیروزہ نے آہستگی سے بڑھیا سے کہا۔

ارے کسی دل والے کی اولاد ہے۔ قد دیکھو، عمر دیکھو اور حوصلے دیکھو۔ ستارہ نے بظاہر شرارت سے مگر بڑی مشتاقی سے دل کی بات کہی۔

میں نے تم سے پرامس کیا ہے۔ فیروزہ نے گڑیا کو ہوا میں اچھالا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ خاموش کچھ سوچتا رہا۔

ہم تمہارے بہت کام آ سکتے ہیں۔ تم باہر نکلو گے تو تمہیں پتا چلے گا کہ کتنے خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں۔

فیروزہ کی بات سن کر اس کی خاموشی ٹوٹی۔ اچھا میں آپ کو فون نمبر دے دوں گا آپ یہ معلوم کیجیے گا کہ پاپا آ گئے ہیں یا نہیں

اگر آ گئے تو تم کیا کرو گے

تو میں ان سے ممی کی شکایت کروں گا کہ انہوں نے بشر کو گم کر دیا ہے۔ وہ برہمی سے بولا۔

اور جیسے انہیں یقین آ جائے گا۔ فیروزہ نے سنجیدگی سے کہا۔ انہیں کبھی تمہاری بات کا

اعتبار نہیں آئے گا۔

کیوں۔ وہ الجھ گیا۔

اس لیے کہ تم چھوٹے ہو۔ الٹا وہ تمہیں ہی چار چوٹ کی مار۔ ماریں گے کہ تم گڑیا کو لے کر گھر سے کیوں نکلے۔

اچھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

پھر کیا کرنا ہے۔ وہ بڑے مدبرانہ انداز میں جیسے خود ہی سے مخاطب تھا۔

ارے۔ میرے بچے۔ ہم سب اسے مل کر تلاش کریں گے۔

وہ۔۔۔کیا۔۔۔ہاں۔۔۔بشر کو۔ بڑھیا بولی۔ عمر کو ذرا دھیان نہ رہا کہ اس نے بڑھیا کو رازدار نہیں بنایا تھا۔ وہ محبتوں میں بہل گیا تھا۔

اور جب تمہارے پپا واپس باہر چلے جائیں گے۔ تمہاری ممی تمہاری تکہ بوٹی کر کے چیل کووں کو کھلا دیں گی۔ ستارہ نے ٹکڑا لگایا۔

چشم تصور سے اس نے روشن کی خون آلود نگاہیں دیکھیں اُسے جھرجھری آ گئی۔

تم پریشان نہ ہو چندا۔ ہم ذرا لباس وغیرہ بدل لیں تھوڑی دیر سو لیں پھر تمہارے مسئلے کا حل سوچیں گے۔

ہم ممی نہیں ہیں شہزادے۔ سکھ ہی دیں گے دکھ نہیں دیں گے۔ تمہاری اتنی مدد کریں گے کہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ باہر موقع شناس بھیڑیے ہیں جو چھوڑ دیں گے نہیں بلکہ تمہیں بھی بھیڑیا ہی بنا دیں گے۔ گڑیا بھی چھین لیں گے۔ فیروزہ بڑھیا سے متفق ہو چکی تھی۔ یہ خاموش اتفاق تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے پتہ پھینکا۔

وہ معصوم سا بچہ سہم کر رہ گیا۔

گھر کی سمت دیکھتا تو اپنا حشر سامنے آ جاتا۔ باہر نکل کر بشر کو ڈھونڈنے کے حوصلے اس خاندان نے چھین لیے تھے۔

ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ بشر ضرور ملے گا۔ اطمینان رکھو۔ فیروزہ نے اس کے باہر جانے کا تمام راستے بند کر کے پھر محبتیں پیش کیں۔

ناچار اسے بھروسہ کرنا پڑا۔

تم اپنا ایڈریس اور فون نمبر دے دینا۔ میں کسی نہ کسی طرح معلوم کرتی رہوں گی کہ بشر واپس آ گیا یا نہیں یا تمہارے ابو آ گئے ہیں۔

پپا آ جائیں گے تو کیا ہوگا وہ مایوسی سے بولا

بھی وہ تم لوگوں کو ڈھونڈیں گے۔ پولیس کو انفارم کریں گے۔

ارے خدا معلوم اس عورت نے بچے کو کہاں چھوڑا۔ کن ہاتھوں میں دیا۔ کیا معلوم جان سے مروا دیا ہو۔ بڑھیا زمانے کھیلی ہوئی تھی۔ وہ ڈھب سے کہہ گئی۔

اور عمر بڑھیا کی محبتوں میں بھول گیا تھا کہ جب اول جوار بھاٹے اٹھے تھے تو اس نے کیا سوچا تھا۔

اگر ہم دونوں کو پولیس نے گھر پہنچا دیا۔۔اس نے گھبرا کر فیروزہ سے پوچھا۔

پھر خود ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

تو میں پولیس کو بتا دوں گا کہ انہوں نے میرے بھائی کو جان سے مار دیا۔ اشک رخساروں پر بہہ نکلے۔اور پھر جب میں بڑا ہو جاؤں گا ناں۔تو میں ممی کو شوٹ کر دوں گا۔ وہ مارے جذب کے کھڑا ہو گیا۔

ستارہ سے اس کا رونا نہ دیکھا گیا۔وہ کھڑی ہو گی۔

ہائے ماں کیوں رلا دیا۔ انشاءاللہ تمہارا بھائی تمہیں ضرور ملے گا۔ وہ زندہ رہے گا۔ وہ تو اماں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔لوگ اسی طرح کرتے بھی ہیں۔لیکن ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔

ستارہ نے اسے سینے سے لگا کر پیار سے سمجھایا۔ادھر گڑیا نے بھی بھائی کو روتے دیکھا تو خود بھی رو پڑی۔ جانے ان بچوں میں کیا بات تھی یا ان بچوں کے نصیب بہت اچھے تھے۔ وہ تینوں ہی اپنی اغراض سے ہٹ کر بھی اپنے دل میں خلوص محسوس کر رہی تھیں۔ان کے اغراض و مقاصد اپنی جگہ۔لیکن یہاں شقاوت اور سفاکی نہیں بلکہ محبتوں سے کام نکالنے کا عزم تھا۔

دیکھو جان۔۔۔رو نہیں ورنہ ہم سب رو دیں گے۔ بڑھیا نے روتی ہوئی گڑیا فیروزہ سے لے لی۔

ہاں۔ہاں۔اور کیا۔اس نے بھی ستارہ کی ہاں میں ہاں ملائی اور گڑیا کو بہلانے لگی۔

مگر اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

فیروزہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گی تھی۔کھڑے ہوئے عمر کے اس نے ہاتھ تھام لیے۔ بچے کا رونا اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ اتنا بہادر۔حساس و جری سا بچہ۔ چھا جانے والا۔ حسن اور بولتی ہوئی شخصیت رکھنے والا غیر معمولی سا بچہ۔اسے رات سے لے کر محبت اور محبت بھرے الفاظ اس قدر ملے تھے کہ اندر کی آگ پر چھینٹے سے پڑنے لگے تھے۔

بڑی بی نے گڑیا کو سلا دیا تھا۔

وہ دونوں بھی کمرہ بند کر کے سو گی تھیں۔ بڑھیا نے عمر کا تفصیلی انٹرویو شروع کر دیا تھا۔

اُن کی نیند پھر ٹوٹی تھی۔اس نے چیخ ماری تھی۔بشر۔۔

وہ سر پٹک رہی تھی۔اندھیرا۔۔۔روشنی کر دو۔بچہ ہے ڈر جائے گا۔

ہائے اللہ۔۔یہ کتے ہیں یا بھیڑیے۔۔۔کیسی سرخ زبانیں ہیں جیسے کسی کے خون میں منہ مار آئے ہوں۔

بشر۔۔تم ادھر جھاڑیوں میں چھپ جاؤ بشر وہ اتنی زور سے چیخی تھی کہ اس کی آواز پھٹ گی تھی۔

روشنی۔۔زندگی۔۔۔انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

وہ جاگ گی تھی۔اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔وہ اُٹھ کر بیٹھ گی تھی

انہوں نے پانی کا گلاس اُس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

اپنے آپ کو سنبھالو روشن۔ مجھے کل ضروری دادو بھی جانا ہے۔ زمینوں پر جھگڑا ہو گیا

ہے۔ اگر میں وہاں نہیں پہنچا تو بہت بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ ہمارے ایک ہاری پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے۔ روشن میری مدد کرو۔ میں چاروں طرف سے پریشانی میں گھر گیا ہوں۔

وہ واقعی اب شل ہو گئے تھے۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ مجھے صبح منہ اندھیرا جانا ہے تاکہ رات تک واپس آسکوں۔ وہ زچ سے ہو کر بولے۔

تب وہ کروٹ کے بل لیٹ گئی۔ وہ بہت خاموش تھی۔ اس نے شاہ سے کچھ نہیں کہا۔

وہ اب سو نہیں سکتے تھے۔ انہیں اب صبح کا انتظار تھا۔ خواب آور گولیوں سے لائی گئی نیند اڑ چکی تھی۔ اب وہ اپنی تقدیر کے اس خوفناک موڑ پر نئے سرے سے غور کرنے لگے تھے۔ جہاں ان کے اعصاب اور حواس دونوں ان کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے تھے۔

جو آدمی دادو سے خبر لے کر آیا تھا انہوں نے اسے ٹھہرا لیا تھا۔ اسے تو ناشتا کرا دیا تھا اور خود صرف ایک کپ چائے پی کر اتنے لمبے سفر پر نکل کھڑے ہوئے تھے۔

گاڑی وہ خاصی رفتار سے چلا رہے تھے۔ غلام سونگی ان کی پریشانی اور دکھوں سے بےخبر مقامی سندھی ہفت روزہ پڑھنے میں مگن تھا۔ وہ رات گئے آیا تھا۔ اس سے زیادہ بات چیت نہیں ہو سکی تھی۔

ہمارے کتنے آدمی گرفتار۔۔۔۔۔ وہ گاڑی چلانا بھول گئے تھے۔ ان کے سامنے بشر کی تصویر تھی۔ وہ اچھی خاصی سندھی جانتے تھے۔ تصویر کے اوپر عبارت درج تھی۔ یہ کس کا بچہ ہے۔۔۔

کار غیر متوازن ہونے لگی۔

غلام محمد گھبرا گیا۔ کیا ہوا سائیں۔

مگر جیسے ان کا رشتہ اس دنیا سے کٹ گیا ہو۔ انہوں نے غلام محمد کی بات نہیں سنی۔

وہ اپنی اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر تھے۔ یہ ان کے اپنے معصوم و چاند جیسے بیٹے کی تصویر تھی۔ کیا یہ دھوکہ ہے۔ وہ قطعی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

انہوں نے کار روک دی تھی۔ غلام محمد سونگی بہت پریشان نظر آنے لگا تھا۔

سائیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے

انہوں نے بغیر کچھ کہے ہفت روزہ میگزین اس کے ہاتھ سے لیا۔

غلام محمد نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ وہ اپنی جگہ خود ٹھٹھک کر رہ گیا۔

یہ فوٹو دیکھ رہے ہیں سائیں۔ بالکل اپنے بشر سائیں جیسا ہے۔ وہ بولتا چلا گیا۔ ولایت علی شاہ نے میگزین اس کی طرف بڑھا کے کار پھر اسٹارٹ کر دی تھی۔

ایک لفظ۔۔۔۔۔ منہ سے نہ نکالنا غلام محمد۔ میرا سر پھٹ جائے گا۔ سنا تم نے۔ خاموش بیٹھے رہو۔ میں جو کروں۔ جہاں جاؤں۔ میں کوئی سوال برداشت نہیں کر سکوں گا۔ انہوں نے گیئر بدلتے ہوئے بےحد ترش لہجے میں اس کو حکم دیا۔ گاڑی کی اسپیڈ بھی بڑھ چکی تھی

غلام محمد سخت اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور وہ کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کار کے اندر ایک مکمل سکوت تھا۔

انہیں سفر کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

غلام محمد پیچھے تھرمس میں چائے ہے اور لنچ بکس بھی۔ کچھ کھالو۔

آپ بھی کسی مناسب جگہ ٹھہر کر آرام کر لیں سائیں، کچھ کھا پی لیں۔ بیگم صاحبہ میرے کو بولی تھی۔

جو میں نے کہا ہے تم وہی کرو۔ ان کے لہجے میں تحکم بھی تھا اور قطعیت بھی۔

وہ بیچارا چپ چاپ حکم بجالانے لگا۔ پیچھے سے لنچ بکس اٹھایا اور بہت احتیاط سے کھولا۔ سینڈوچ تھے۔ ایک حصے میں علیحدہ سے شامی کباب تھے۔

اسے اپنے بھوک پیاس اور تھکن سے ستائے مالک کے سامنے کچھ کھاتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ مگر وہ مالک کے حکم کے سامنے بے بس تھا۔

جسے اتنا تو احساس ہو گیا تھا کہ برابر بیٹھے ملازم کو بھوک لگی ہو گی لیکن خود سے کس قدر غافل تھا۔ غلام محمد نے تھوڑا بہت کھایا اور لنچ بکس بند کر دیا۔

چائے پی لو۔ غلام محمد یہ اس میں پانی ہے۔ انہوں نے براؤن فلاسک کی طرف اشارہ کیا۔

میرا خیال نہ کرو سائیں۔ آپ بھی تو۔ اس نمک خوار سے برداشت نہ ہو سکا۔

اگر تم خاموش رہو گے تو یہ تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔ ان کا لہجہ سرد ہو گیا۔

(پتا نہیں شاہ صیب کیدر سے گاڑی لے جا رہے ہو۔ آج۔ مگر میں بولوں گا نہیں چپ رہوں گا)

(یہ کیدر گاڑی جا رہی ہے۔ شاہ سائیں بھول تو نہیں گئے۔ مگر میں کچھ نہیں کہوں گا۔ بالکل چپ رہوں گا)

(یہ تو بالکل نیا راستہ ہے۔ شاہ سائیں پہلے کہاں جائیں گے۔ پوچھوں گا نہیں۔ شاہ سائیں نے منع کیا ہے۔ بالکل خاموش رہوں گا۔)

حکم زباں بندی اپنی جگہ، خلوص و جذبہ رہنمائی اپنی جگہ۔ وہ اپنی جگہ عجیب و غریب اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

گوٹھ کی سب سے نچین ہڈی کو شاہ صاحب گھنٹوں سے خاموش بٹھائے ہوئے تھے۔ منزل قریب آ چکی تھی۔

اس لیے اب صبر آ رہا تھا۔ مگر شاہ صاحب نے یہ موٹر کار اس سڑک پر کیوں ڈال دی۔ بہت دنوں میں آئے ہیں۔ کہیں بھول تو نہیں رہے وہ بولنا چاہتا تھا۔ مگر شاہ صاحب کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسے تھے کہ اس کی ہمت نہ ہو سکی۔

معاً گاڑی دھچکے سے رک گئی۔ کوئی شہر نما قصبہ تھا۔ اس کے ایک ہائی اسکول کے سامنے شاہ صاحب نے گاڑی روکی تھی۔ وہ۔۔۔ اسے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اسکول کا گیٹ پار کر گئے۔ ہیڈ ماسٹر کے آفس میں آ کر بہت عجلت میں علیک سلیک کی اور مرتضیٰ لاشاری کا پوچھا۔

ہیڈ ماسٹر نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور بیل بجائی۔ چپراسی اندر آیا۔

مرتضیٰ صاحب کو بلاؤ۔

شاہ صاحب کی حالت ناقابل بیان تھی۔ وہ صبح پانچ بجے سے گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ تھکن سے علیحدہ بری حالت تھی۔

اسی دم چپراسی ایک تنومند نوجوان کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک نظر ہیڈ ماسٹر صاحب پر اور دوسری نظر ولایت علی شاہ پر ڈالی۔

اسلام علیکم اس نے آگے بڑھ کر شاہ صاحب سے ہاتھ ملایا۔

یہ مرتضیٰ لاشاری ہیں جناب یہ آپ سے ملنے آئے ہیں مسٹر لاشاری۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے دونوں کے مابین اجنبیت بھانپ لی تھی۔ سو تعارف کرا دیا۔

میں نے میگزین میں اشتہار دیکھا تھا جو آپ نے شائع کرایا تھا۔ بچے کی بابت۔

اوہ۔ اچھا اچھا۔ آپ بچے کے۔

میں باپ ہوں اس کا۔ شاہ صاحب نے تھکے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

آپ۔ لاشاری جھجکا۔

ارے آپ مجھے تو لے چلیے اس تک۔ وہ خود مجھے پہچان لے گا ور انسانوں کے جذبات پڑھنا تو آپ سیکھ ہی چکے ہوں گے۔ ان کے لہجے میں ترشی آ گئی۔ اسی سے لاشاری نے ان کی صداقت کا اندازہ لگا لیا۔

ابھی چھٹی ہونے والی ہے جناب۔ میں آپ کو لے کر گوٹھ چلوں گا۔ بچہ میرے پاس نہیں بلکہ میاں صاحب کے پاس ہے۔

میاں صاحب شاہ صاحب الجھے۔

بزرگ ہیں ہمارے جناب۔ اللہ والے آدمی ہیں۔

لیکن میرا بچہ ان تک کیسے پہنچا وہ پھر الجھے۔

یہ تو جناب وہی آپ کو بتائیں گے۔ میں کلاس میں جا رہا ہوں۔ دس منٹ چھٹی میں۔ آپ یہیں تشریف رکھیے۔ لاشاری باہر نکل گیا۔

آپ کا بچہ کیسے گم ہو گیا تھا اب ہیڈ ماسٹر صاحب کو تجسس ہوا۔

میں ملک سے باہر تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ حادثہ کیسے اور کب ہوا۔ بلکہ جواب بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تو وہ بھی نہیں بتا پا رہے۔ تعجب اور حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ تینوں بچے اکٹھے گم ہوئے تو میاں صاحب کے پاس صرف بشر۔ وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب انتہائی دکھ اور صدمے سے اس چٹان صفت آدمی کو دیکھنے لگے۔ وہ بات کرنا بھول گئے تھے۔ نظریں شاہ صاحب کی طرف تھیں مگر ذہن کہیں اور۔ عجیب گنگ سی کیفیت تھی۔

تینوں لڑکے ہیں سائیں اب وہ شہری تکلف سے پُر لہجے کے بجائے اپنے نیچرل انداز

میں بولے۔

نہیں۔ایک بچی ہے۔بہت معصوم۔بہت چھوٹی۔شاہ صاحب کی آواز بھرا گئی۔وہ خود پر قابو پانے لگے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب ہونق سے ہو کر چشمہ اتارنے لگے۔ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس الم رسیدہ صاحب حثیت انسان کو کس طور تسلی دیں۔

بعض المیے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تسلی کے لیے آج تک کوئی لفظ ایجاد نہیں ہوا۔ان المیوں کا سامنا ہو تو انسان اپنا کردار سوچتا رہ جاتا ہے کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔

یہی صورت حال اس وقت ماسٹر صاحب کو درپیش تھی۔

چلو سائیں۔یہ بچہ مل گیا ہے۔باقی کا پتا بھی انشاءاللہ مل ہی جائے گا۔کافی دیر بعد انہیں یہ جملہ سوجھا۔وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔مگر ان کی طرف دیکھ کی خاموش ہو رہے۔

انشاءاللہ۔وہ پست آواز میں بولے۔

کافی دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے۔یہاں تک کہ چھٹی کی بیل ہو گئی۔پورے اسکول میں شور سا ہونے لگا۔چند منٹوں بعد مرتضی لاشاری اندر آ گیا۔

چلیں جناب وہ آتے ہی بولا۔میرے پاس موٹر سائیکل ہے۔

میرے پاس اپنی گاڑی ہے۔ساتھ میں میرا ایک ملازم بھی ہے۔آپ موٹر سائیکل بند کر کے ہمارے ساتھ چلیں۔شاہ صاحب بولے تو لاشاری سوچ میں پڑ گیا۔چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔ٹھیک ہے۔آیئے۔

شاہ صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے مصافحہ کیا اور لاشاری کے ساتھ اس طرف آ گئے جہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی۔

غلام محمد حیران پریشان حالت میں میگزین کا وہ صفحہ کھولے بیٹھا تھا جس میں بشر کے متعلق استفسار چھپا تھا۔شاہ صاحب کی حالت کے پیش نظر اس نے اشتہار کو پڑھا تھا کیونکہ اس اشتہار کو دیکھ کر ہی شاہ صاحب کا پروگرام تبدیل ہوا تھا۔

اشتہار میں بچے کا نام بشر پڑھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔حالانکہ اس نے تصویر دیکھی تھی تو یہی سمجھا تھا کہ بشر سائیں سے ملتا جلتا کوئی بچہ ہے۔اس نے اشتہار پڑھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔لیکن جب شاہ صاحب کا پروگرام اس اشتہار کو دیکھ کر تبدیل ہوا تو یہ اشتہار پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

اسے یقین نہیں آیا تھا کہ شاہ صاحب اس المیے سے دوچار ہیں۔وہ رات سے شاہ صاحب کے ہاں مقیم تھا مگر اسے بھنک بھی نہیں پڑھی تھی کہ اس گھر پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔

اب وہ سارا معاملہ سمجھ گیا تھا کہ کیوں شاہ صاحب زمینوں پر جانے کی بجائے یہاں آ گئے۔غلام محمد تم پیچھے بیٹھ جاؤ۔وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

وہ جلدی سے اُتر کر پیچھے بیٹھ گیا۔مرتضی لاشاری شاہ صاحب کے برابر میں بیٹھ گیا۔

غلام محمد الجھن میں تھا کہ بشر سے اس اسکول اور اس شخص کا کیا تعلق ہے مگر غلام محمد

خاموش ہی رہا۔

سائیں۔ یہ سیدھا روڈ ہمارے گوٹھ کی طرف جا رہا ہے۔ مرتضیٰ لاشاری نے راستہ بتایا۔

تو شاہ صاحب نے اس روڈ پر گاڑی ڈال دی۔

میاں صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے شاہ صاحب نے پوچھا۔

وہی جو تمام انسانوں کا ایک دوسرے سے ہے۔ تمام انسان اس بات کو اس رشتے کو بھول رہے ہیں۔ میاں صاحب کو یاد ہے۔

شاہ صاحب اس کا یہ فلسفیانہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

اۓ ہۓ۔ بات کچھ ہوان کے شور شرابے بھی رہتے ہیں۔

شور شرابے کیا اماں جان مہمانوں کا سامان پیک کر رہے ہیں۔ ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ویسے یہ مہمانوں کی رخصتی کے وقت اسی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ طارق نے فاروق کی جانب اشارہ کیا۔

اور آپ۔۔۔ دریہ نے مسکرا کر پوچھا۔

ان کی تو کچھ مت پوچھیے۔ ان کا ایک دوست ایئرپورٹ سیکورٹی میں ہے۔ یہ پاس حاصل کر کے رن وے تک جاتے ہیں اور جہاز کا دروازہ خوب کس کے بند کر کے آتے ہیں بلکہ سیڑھیوں تک خود دھکیل کر ایک طرف کرتے ہیں۔ حسیب نے فاروق کی بات کاٹ کر کہا۔

تو طارق، فاروق، ثوبیہ، فوزیہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھے۔

یعنی اتنی مصیبت سمجھتے ہیں یہ مہمانوں کو۔ دریہ نے برا مان کر کہا۔

آپ جو سمجھ لیں۔ وہ مسکرا دیا۔

ارے نہیں بیٹی۔ مذاق کر رہے ہیں۔ اماں جان جلدی سے بولیں۔ مبادا دریہ سچ ہی سمجھ لے۔

ایئرپورٹ جا کون کون رہا ہے انہوں نے پوچھا۔

میں اور حسیب۔ فاروق بولا۔

ارے نہیں بھئی۔ حسیب نہیں جا رہا۔ میں جا رہا ہوں طارق نے جلدی سے کہا۔

میں بھی چلوں گا۔ حسیب بچوں کے انداز میں ٹھنکا۔

تو پھر ایسا کرو۔ حسیب کو ڈکی میں رکھ دو۔ کیونکہ وہیں تھوڑی سی جگہ باقی بچی ہے۔ طارق نے شرارت سے کہا۔

اے بس۔ یہ دونوں تو جا رہے ہیں۔ تو کیا کرے گا بیٹے اماں جان نے حسیب کو سمجھایا۔

غالباً یہ رخصتی گائے گا۔ کہہ رہا تھا دریہ آپا کو میری آواز بہت پسند آئی ہے۔ اس دن غسلخانے میں گا رہا تھا ناں۔

میرے پیا گئے رنگون۔ کیا ہے وہاں سے ٹیلی فون۔

یہ پیا والے گانے گاتے ہیں۔ ثوبیہ ہنسی۔

ہاں۔ اے پیا کی مونث نہیں معلوم۔ بس کام چلا لیتا ہے۔ فاروق نے ہنس کر ایک لیڈر

بیگ حسیب کو تھمایا تو وہ خفا خفا سے پورچ کی سمت چلا گیا۔

اسے لے جاؤ اسے بھی، بچہ ہے۔ اماں جان کو اس پر ترس آ گیا۔

فاروق۔ تم بائیک پر آ جاؤ۔ حسیب ہمارے ساتھ بیٹھ جائے گا۔ فوزیہ نے فوراً حل پیش کر دیا۔

ٹھیک ہے

پھوپھو آپ آئے گا نا لاہور۔ فوزیہ نے اماں جان کے ہاتھ تھام لیے۔

جب اپ کا بٹلر چھٹی پر جائے تو۔

اماں جان نے تیز نظروں سے فاروق کو گھورا تو وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

کیا مطلب ثوبیہ کو ادھوری بات سے اُلجھن ہوئی۔ اُلجھن تو اس بات پر فوزیہ اور دُریہ کو بھی ہوئی تھی۔

ارے کچھ مطلب نہیں۔ کیوں نہیں، میں لاہور جلد ہی آؤں گی۔ ماشائاللہ کیا چاندنی اُتری ہوئی تھی میرے گھر میں تم تینوں سے۔ خدا خوش رکھے۔ جلدی جلدی آتی رہا کرو۔ تمہارا اپنا گھر ہے بیٹی۔ خدا نصیب اچھے کرے میری بچیوں کے بہت اچھی ہیں میری بچیاں۔ انہوں نے باری باری تینوں کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

ویسے پی آئی۔ اے والوں نے لاہور روانگی کا ٹائم بہت غلط رکھا ہے۔ بھری دو پہر میں پھوپھا جان عثمان بھائی ارمغان بھائی بھی گھر میں نہیں ہیں۔ ثوبیہ نے کہا۔ اتنے سے دنوں میں اسے اس گھر والوں سے بہت انسیت سی ہو گی تھی۔

اس کے لہجے میں اپنائیت سے اس کا صاف پتا چلتا تھا۔

صبح صبح ناشتے پر ہی انہیں خدا حافظ کہنا بہت عجیب سا لگا۔ فوزیہ بولی۔

میرا خیال ہے پلین گھڑوں سے پک نہیں کرتا۔ صرف رن وے سے اسٹارٹ لے کر اُڑ جاتا ہے۔ طارق نے گھڑی پر نظر ڈال کر بہت خوب جتایا۔

اب ایسی بھی دیر نہیں ہوئی۔ فوزیہ نے کلائی پر بندھی نازک سی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

آپ کو کیا پتا۔ چھوٹے بھائی کتنے فکر مند ہیں۔ اگر آپ لیٹ ہو گئیں اور پلین فلائی کر گیا۔

ارے نہیں طارق نے ثوبیہ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پہلی مرتبہ وضاحت کے انداز میں ارے نہیں کہا۔ وگرنہ اس نے آج تک کسی غلط سے جملے کی جو اس سے منسوب کر دیا جاتا تھا، تردید نہیں کی تھی۔ بس مسکرا دیتا تھا۔ اب کوئی جو چاہے سمجھ لے۔

دریہ کو بھی اس انداز پر حیرت ہوئی تھی۔

آپ بھی کبھی ہمارے ہاں تشریف لایئے گا۔ میرا مطلب ہمارے غریب خانے پر۔ دریہ نے طارق سے کہا۔

ہاں سنا ہے آپ کا غریب خانہ پورے علاقے میں مشہور ہے اور یہ کہ غریب خانہ دو ہزار کنال تک پھیلا ہوا ہے بس۔ سنا ہے آپ کا بٹلر ڈرائیور، مالی، چوکیدار سب اس غریب خانے

میں رہتے ہیں۔طارق کا لب ولہجہ اسے شروع سے ہی کاٹ دار محسوس ہوتا تھا۔

چلیں آپ جو چاہیں کہہ لیں۔ہم تو آپ کو انوائٹ کر رہے ہیں۔وہ تحمل سے مسکرائی۔

وہ کہنا تو چاہتا تھا خونی رشتوں کے مابین اس قدر لیٹ انوٹیشن مگر وہ ماں کی ناراضگی کا خیال کر کے چپ ہو گیا۔

اماں جان نے واقعی بڑی اداسی سے انہیں رخصت کیا۔

خط لکھنا ہمیں تو بیٹی۔۔انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

جی پھوپھو۔عثمان بھائی کہہ رہے تھے آپ کے ہاں جلد ہی فون لگنے والا ہے۔بس فون لگ جائے تو آپ فوراً اطلاع دیجیئے گا۔میں آپ کو ہر ہفتے فون کیا کروں گی۔

وہ اپنی فطری سادگی سے بولی۔

سچ پھوپھو۔آپ لوگ مجھے بہت یاد آئیں گے۔حمیرا باجی کو ان کی امی کو بھی سلام کہیے گا۔انہیں کہیے گا کہ میں نے ان کی شادی بہت انجوائے کی۔کراچی آنے کا مزہ آ گیا۔

یہ اور بات ہے کہ مایوں۔۔۔اس نے شرارت سے رک کر طارق کو دیکھا۔طارق نے مسکراہٹ روک کر منہ پھیر لیا۔

کیا کہہ رہی تھیں تم کہ مایوں۔۔۔

کچھ نہیں پھوپھو بس۔وہ ہنس پڑی۔

اچھا جی۔خدا حافظ۔

فی امان اللہ انہوں نے باری باری تینوں کو پیار کیا۔

گاڑی آرام سے چلانا طارق انہوں نے معمول کا جملہ دہرایا۔

فکر نہ کریں اماں جان۔گاڑی میں ہم خود بھی ہوں گے۔طارق نے تسلی دی۔سب ہنستے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گاڑی کے پہیوں میں حرکت ہوئی تو اماں جان کا دل بجھ گیا۔انہیں اپنے گھر میں ایک نامانوس سناٹے کا احساس ہوا۔حالانکہ وہ اس سناٹے کی عادی تھیں۔برسوں سے لڑکے اسکول، کالج، یونیورسٹی اور اب دفتروں میں جا رہے تھے جو عموماً شام گئے لوٹا کرتے تھے۔اور وہ مکمل خاموش گھر میں تنہا بیٹھی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں۔

لوگ بیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس عورت کو خوش بخت مانتے ہیں جو صرف بیٹوں کی ماں ہو اور بیٹے بھی نیک اور لائق ہوں۔

مگر وہ سوچ رہی تھیں۔بیٹیوں کی اپنی رونق ہوتی ہے۔بیٹیاں گھر میں روشنی سی کرتی محسوس ہوتی ہیں۔

پیاری پیاری خوش مزاج اور چہکتی ہوئی بیٹیاں۔

عید تہوار کو اس گھر کی الگ ہی چھب ہوتی ہے جہاں بیٹیاں چاند دیکھ کر سلام کرتی ہیں۔

چلو خیر۔اب بیٹوں کی شادی ہو گی تو بیٹیاں بھی آ جائیں گی۔لیکن کیا میری بیٹیاں بنیں

گی۔یا بہوئیں ہی رہیں گی۔انہیں وسوسوں آگھیرا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حسرت ہی بن جائے کہ گھر میں پیار پیاری ہنستی مسکراتی بہوئیں بیٹیوں کی طرح رہیں۔

میرا مالک میرے حال پر رحم کرے گا انشا اللہ۔

آنٹی۔آپ روزانہ پارٹیز اٹینڈ کرتی ہیں۔

ہوں۔۔

آپ اتنی پارٹیز کیوں اٹینڈ کرتی ہیں۔۔۔

اماں۔تم اسے رزق کا وسیلہ۔۔۔بنانے کا سوچ رہی ہو اور یہ ابھی سے ہمارے رزق پر لات مارنے لگا ہے۔فیروزہ نے ستارہ کے کان میں سرگوشی کی۔

ستارہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اب کیا کریں۔ہمارے دوست ہی بہت ہیں۔ستارہ نے اس کے رخسار پر چٹکی بھری۔

آپ دونوں کے دوست کامن (مشترکہ) ہیں وہ بڑے بزرگانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہوں۔۔۔۔۔

یہ تو بہت اچھی ہے۔پپا کہتے ہیں بہن بھائیوں کو مل جل کر رہنا چاہیے۔

کاش تمہارے پپا اس قدر نصیحت کرنے والے نہ ہوتے۔تو تم بہن بھائیوں کے معاملے میں اتنے حساس نہ ہوتے۔نہ خود امتحان میں پڑتے نہ ہمیں ڈالتے۔فیروزہ نے آہستگی سے کہا۔

جی۔۔۔۔۔وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔امتحان۔۔۔۔آپ کا مطلب ایگزام سے ہے

ہاں بوڑھے ابا۔ایگزام کہہ لو یا ٹیسٹ۔وہ مسکرا دی۔

آپ کے ایگزام ہو رہے ہیں اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ہاں جنم دن سے۔وہ کھوئی گئی۔

آپ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔۔۔۔اس نے فیروزہ کے قد و قامت سے درجے کا اندازہ کیا۔

ہوں۔۔۔۔

کیا یونیورسٹی میں بہت زیادہ پڑھنا پڑتا ہے۔

ہاں میرے علامہ۔بہت زیادہ پڑھنا پڑتا ہے۔وہ زچ سی ہو گئی۔

اُف ہمیں تو اسکول ہی میں بہت زیادہ پڑھنا پڑتا ہے۔بعض دفعہ مس کو غصہ آجاتا ہے تو پی۔ٹی تک بند کر دیتی ہیں اور پھر اتنا سا ہوم ورک کرنا پڑتا ہے۔جب تک میں اور بشر ہوم ورک نہیں کر لیتے ممی ٹی۔وی آن نہیں کرتیں۔اور ویڈیو کو بالکل نہیں دیکھنے دیتیں۔کہتی ہیں خراب ہو جاؤ گے۔

آنٹی۔

ہوں۔

خراب کیسے ہو جاتے ہیں وہ معصوم انداز میں پوچھ رہا تھا۔

فیروزہ جو بڑے اُچاٹ انداز میں اس کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی ایک دم چونک گئی۔ کچھ سوچنے لگی۔

زندگی۔ ہر کلاس کے کچھ اسٹینڈرڈ ہوتے ہیں۔ یہاں خراب کا معیار جاننا کچھ آسان نہیں۔

کلاس۔ وہ الجھ گیا۔ آپ کا مطلب کلاس۔ ون۔ ٹو یا مونٹیسوری وغیرہ۔ وہ بڑے مدبرانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

کہاں الجھ گئیں روز۔ اس آفت کا شجرہ تو البیرونی سے ملتا ہے بابا۔ کہاں یہ۔ کہاں ہم۔ ستارہ کھلکھلائی۔

آپ نے معلوم کیا آنٹی بشر کا۔

ہاں اشتہار چھپوا دیا ہے۔ لوگوں سے بھی کہا ہے۔ وہ تھکے تھکے انداز میں جھوٹ سچ کی طرح بولنے لگی۔

لوگ۔۔۔ وہ پھر الجھ گیا۔

ارے میرے مولا۔ بابا۔ ہمارے جاننے والاے۔ وہ بیدم انداز میں سر پکڑ کر بولی۔ وہ بے پناہ حساس بچہ تھا۔ فیروزہ کی بیزاری بھانپ گیا۔

سوری آنٹی۔ وہ دراصل بشر بہت چھوٹا ہے ناں۔ وہ بہت رو رہا ہوگا۔ جب وہ روتا ہے ناں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ میں اپنے گفٹ تمام گیمز اسے دے دیتا ہوں تا کہ وہ چپ ہو جائے۔

ویسے آنٹی۔ جب بہن بھائی روئیں تو دکھ تو ہوتا ہے ناں۔ اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ فیروزہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

تُو تو اتنی قیمتی۔ اتنی پیاری چیز ہے کہ تیرے بدلے تو ریاست بھی قبول کرنے کو جی نہ چاہے۔ جان ہم بہت خود غرض لوگ ہیں لیکن تو ہمیں بہت پیارا ہو گیا ہے۔ ہائے وہ شقی عورت جس نے یہ دولت ٹھکرائی۔ عمر چندا۔ ہم تمہیں ملے ہیں ناں۔ ہوسکتا ہے بشر کو بھی کوئی مل گیا ہو اسے اپنے ساتھ لے گیا ہو۔

کیا وہ بھی بشر سے اس طرح پیار کر رہا ہوگا۔

کہہ نہیں سکتے۔ یہاں جتنے انسان ہیں اتنے ہی ان کے رنگ۔

اُف اسے تو شاید گھر کا ایڈریس بھی نہیں معلوم۔ وہ پریشانی سے بولا۔

لیکن اسے فون نمبر تو یاد ہے۔

تم تو کہہ رہے تھے اسے ممی نے گم کر دیا ہے۔ ستارہ نے اسے ٹوکا۔

جی۔ ممی اسے دادو کے گھر لے گئی تھیں گڑیا کو بھی۔ بس مجھے نانی اماں کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

نانی اماں۔ فیروزہ چونکی۔

جی۔ممی کی ممی ہیں۔ممی انہیں اماں کہتی ہیں۔

مجھے تو پورا پروگرام لگتا ہے۔ستارہ نے سرگوشی کی۔

پھر۔

پھر جب ممی داود سے واپس آئیں تو ان کے ساتھ صرف گڑیا تھی۔بشر نہیں تھا۔کہہ رہی تھیں کھو گیا ہے۔ڈھونڈ رہے ہیں۔اگر ممی اس کا خیال رکھتیں تو وہ کیوں کھوتا۔انہوں نے خود کھویا ہے۔وہ ہمیں مارتی بھی بہت ہیں۔ذرا ذرا سی بات پر۔

جب تک مجھے بشر نہیں مل جاتا میں بھی گڑیا کو لے کر نہیں جاؤں گا۔اس نے پھر اپنا انتقامی عزم دہرایا۔

ویری گڈ۔تم تو بہت اسٹرونگ۔بہت بریو ہو بالکل کسی جنرل کی طرح۔دونوں نے اسے شیشے میں اتارنا شروع کر دیا۔

اگر خدانخواستہ بشر نہ ملا۔فیروزہ نے ڈرتے ڈرتے اس کی صورت دیکھی۔مارے جذب کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

تو میں گڑیا کو ممی سے کبھی نہیں ملاؤں گا۔وہ روتی رہیں گی ہمیشہ۔وہ رونے لگا۔

ارے ہمارا آئرن بوائے۔۔۔۔۔روتا ہے۔بلکہ آئرن جنرل۔فیروزہ نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

آنٹی۔۔۔۔بشر کیا کیا ہے ممی نے اس کا؟اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔بجلی کا کوندہ کے دماغ میں لپکا۔

گیا کیا ہے؟ظالم عورت نے؟ایک روح فرسا خیال تھا جو اس کے دماغ کے ہر رگ و ریشے میں جذب ہو گیا تھا ستارہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔یہ تو پروگرام ہی معلوم ہو رہا ہے۔

رو نہیں عمر۔۔۔۔۔۔تم کوئی عام بچے تو نہیں ہو۔تم تو ایک بہادر اور نیک بچے ہو۔رونے والے تو کمزور اور ہار جانے والے لوگ ہوتے ہیں زندگی۔

وہ اسے بہلاتی رہی اور وہ امڈ امڈ کے آنے والے اشک ہتھیلی سے پونچھتا رہا۔

گھر یاد آ رہا ہے؟اس نے عمر کی پیشانی سے بال سمیٹے۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

چھوڑ آئیں تمہیں۔خونخوار اور ڈائن عورت کے پاس؟فیروزہ نے پوچھا۔وہ چپ رہا۔

فیروزہ کے ان سوالات سے بڑھیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔کئی اشارے کنائے کرنے۔مگر فیروزہ نے نظر انداز کر دیئے۔

تم تو مرد ہو عمر۔تمہیں تو چاہیے تم بڑے ہو کر اس عورت سے بدلہ لو۔ساری زندگی اس کو بچی کی صورت سے ترسا دو تا کہ اسے پتا چلے کہ دوسروں کو دکھ دینے کا انجام کیا ہوتا ہے؟

ہاں۔۔۔۔۔۔اور کیا۔بڑھیا کی جان میں جان آئی۔

اور مرد تو وہ ہوتا ہے عمر جو ایک بار فیصلہ کر لے تو چٹان کی طرح اڑ جائے جیسے کہ تم نے گھر سے نکلتے وقت فیصلہ کیا تھا اور ابھی تک اس پر قائم ہو۔ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔بشر کو یہاں

وہاں ڈھونڈیں گے۔نہیں ملا تو عورت سے انتقام لیں گے بڑا سخت کہ بس یاد کرے تمام عمر۔

اس کے لفظوں میں اکساہٹ کی آگ تھی۔جو اس نے عمر کے لہو میں اتار دی تھی۔

اس گھر سے اچھا تو یہ گھر ہے آنٹی۔ہمیں کوئی ڈانٹتا بھی نہیں ہے۔اور آپ کی امی کتنی اچھی ہیں۔آپ کو کبھی نہ ڈانٹتی ہیں نہ کچھ کہتی ہیں۔اس نے حسرت سے کہا۔

بڑھیا نے جو پروگرام سوچا تھا وہ دونوں لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا

ستارہ اور فیروزہ نے معمولی سے اختلاف کے بعد اس پروگرام کو تسلیم کر لیا تھا۔

گڑیا نیند کی وادیوں میں گم تھی۔

کیا ذرا سی بچی ہے۔ماں اور ایک ایک نقش بات کرتا ہے اس کا۔فیروزہ نے جھک کر اسے پیار کر لیا۔

وہ لاشاری کی راہنمائی میں گاڑی چلاتے ہوئے اس انتہائی مختصر سے گوٹھ (گاؤں) میں آگئے تھے۔

گاڑی کا دروازہ کھولنے سے پیشتر مرتضی لاشاری نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی پھر شاہ صاحب کی طرف دیکھا وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہے تھے لیکن یہ انہی کو معلوم تھا جو ان کی حالت تھی۔

میاں صاحب اس وقت مسجد میں ہوتے ہیں وہ لاشاری کے ساتھ مسجد کی سمت بڑھ گئے غلام محمد سولنگی کو انہوں نے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تھا۔مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دونوں نے جوتے اتارے۔اس عمل کے دوران انہوں نے قرآن پڑھتے بچوں کو دیکھنا شروع کیا۔نظر انتہائی بیتاب تھی۔

مگر وہاں بچوں میں نہ تھا۔پوری مسجد میں کلام الہی کا ورد کرتی آوازیں تھیں۔عجیب سا سماں تھا۔

معاً انہیں کونے میں بشر نظر آ گیا جو بزرگ کے شانے سے چپکا بیٹھا تھا۔

بشر کی نظر بھی اسی وقت باپ پر پڑی۔چند لمحوں کو معصوم بچے کو یقین نہیں آیا کہ اس کے سامنے اس کے پپا کھڑے ہیں۔وہ آگے بڑھے تو وہ ہمک کر ان کی جانب آیا۔

پپا۔بس یہی کہہ سکا۔

شاہ صاحب خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ہزار خود کو سمجھانے پر بھی واہموں نے انہیں کیسے کیسے ستایا تھا۔وہ تو خود اچھی خبر کے ساتھ ساتھ بدترین خبر کیلئے بھی تیار کر رہے تھے۔اب ان کے دل کو ڈھارس بندھی تھی۔

یقیناً اب ان دونوں کا کچھ سراغ لگے گا انشاللہ۔

گھر میں کھیلتے پھرتے تو گمان تک نہیں ہوتا تھا کہ ان سے متو زندگی کے رابطے ہیں۔

نہ کبھی ایسا خوفناک خیال آیا نہ کبھی خود کو ٹٹولا تھا۔

نہ ہی اپنی محبتوں کی پیمائش کرنا ضروری سمجھا تھا۔احساس تو اب ہوا تھا کہ۔۔۔زندگی کی ساری بہاریں انہی کے دم سے ہیں۔

ساری خوشیاں انہی کے حوالے سے باقی ہیں۔

ساری روشنیاں۔۔۔۔۔۔ آسودگی کی لذتیں۔ خوشحالی کا سرور سب کچھ ان معصوموں کی موجودگی کا محتاج ہے۔ وگرنہ یہ سب کچھ ہیں اپنی جگہ ہے۔ بس یہی تو نہیں ہیں اور سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

ایک خوشی ملی ہے۔ نئی خوشیوں کے نشان ملے ہیں۔

جانے کتنی دیر انھوں نے بشر کے وجود کو اپنے سینے سے لگا کر محسوس کیا۔ میاں صاحب نے یہ نظارہ دیکھ کر دوگانا نفل نماز بطور شکرانہ پڑھنا شروع کر دی تھی۔

ان کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے تھے۔ وہ دعا میں کہہ رہے تھے۔

تعریف کے جتنے رنگ ہیں سب تیرے لئے ہیں میرے معبود۔ تو نے میرے بھروسے کی شرم رکھی۔ تو نے میرے یقین کو اور طاقت دی۔ میں تیری مہربانیوں کے بوجھ تلے پہلے ہی کیا کم دبا ہوا ہوں۔ تو مجھ پر یہ احسان نہ کرے تو میں تیرہ کیا بگاڑ سکتا ہوں۔ میں تو اتنا بے بس ہوں۔ تو نے پیدا کیا، پیدا ہو گیا۔ تو موت بھیجے گا تو مر جاؤں گا۔ نہ تیری قدرتوں کا احاطہ ہے نہ علم کا۔ تو مجھ پر اتنا احسان کر رہا ہے۔ میں اس قابل کہاں ہوں۔

میں تجھ سے کچھ مانگوں اور تو دے یہ تیری بندہ پروری ہے۔ کرم نوازی ہے۔ اگر نہ دے تو تیری سلطنت میں کوئی بگاڑ نہیں ہوگا۔ میری بیقراری کیسے تسکین پائیگی؟ لھذا تو دے تو تیرے احسان کو محسوس بھی کرنا چاہئے اور ماننا بھی چاہئے۔ تو مان بھی رہا ہوں۔ میری زندگی کی ہر سانس تیرے ذکر تیری حمد کے نام۔

ان کی ڈاڑھی آنسوں سے تر تھی۔ درحقیقت ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

ان کی خوشی تھوڑی تھی کہ اس بچے کو اس کی سچی چھاؤں مل گئی تھی۔ دوئم اللہ نے ان کے بھروسے اور یقین کی شرم رکھی تھی۔ ان کی روح کہتی تھی۔ ان کا دک کہتا تھا۔

کہ خدا اس بچے پر اپنی مہربانی ضرور کرے گا۔ اس کے سینے میں محبت کی ٹھنڈک ضرور اتارے گا۔

شاہ صاحب ان کہ متوجہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے بشر اب بھی ان ے بازؤں میں تھا۔

میاں صاحب مڑے۔ اسلام علیکم میاں صاحب ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی شاہ صاحب کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

وعلیکم اسلام۔ الٰہی رحمت تمہارا سایہ بنی رہے۔ اس کا حق ادا کرنے کی توفیق ملے۔

میاں صاحب۔ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اچھا۔۔۔ مگر آپ پہلے ظہر کی نماز پڑھ لیں

شاہ صاحب نے سینے سے لگے بشر کی پیٹھ تھپتھپائی اور وضو کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے وضو کر کے جب وہ صحن کی طرف پلٹے تو بشر میاں صاحب کے بازؤں میں تھا۔ وہ اسے مبارکباد دے رہے تھے۔

میرے بچے اگر تو نے ساری عمر زندگی کے اس واقعے کو یاد رکھا اور برابر اللہ کا شکریہ ادا کیا

تو کبھی نہیں بھٹک سکے گا اور صاحب یقین انسان ہوگا۔

وہ بشر سے نہیں بلکہ جیسے خود سے کہہ رہے تھے۔ اتنی آہستہ آواز تھی ان کی۔ مسجد میں اور لوگ بھی داخل ہو چکے تھے سب نے میاں صاحب کی اقتدار میں نماز پڑھی۔

نماز سے فارغ ہو کر شاہ صاحب میاں صاحب کے قریب آ گئے۔

میں جانا چاہتا ہوں میرا بیٹا آپ کو کہاں سے ملا تھا۔ ان کے روئیں سے بیتابی چھلک رہی تھی۔

یہ مجھے جنگل بیابان میں ملا تھا۔ کوئی بندہ ڈھونڈنے گاڑی سے اترا تھا۔ یہ تمہارا خزینہ ہے جو امین نہ ہوا سے امانت نہیں دیتے۔ معاف کر دینا۔ نہ تم ہمیشہ کیلئے ہو نہ اللہ کی امید۔ انھوں نے بشر کی طرف اشارہ کیا یہ تمہارے لئے مشکل ہوگا لیکن اس میں تمھاری خوشی پنہاں ہے۔ انتقام لے کر ساری عمر کے کیے کرائے پر پانی نہ پھیر دینا۔

وہ کہہ رہے تھے اور ولایت علی شاہ کا شدت ضبط سے سر پھٹنے لگا تھا۔

شر بچا تھا اسے میں صاحب کی مبہم سی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ لیکن وہ بچے نہیں تھے انہیں میاں صاحب کے ایک ایک لفظ کی تشریح کرنا آتی تھی۔ کہ وہ خود بھی صاحب یقین انسان اور بڑے ستھرے نصب کے حامل تھے۔

صاحب یقین آدمی بے لاگ ہوتا ہے۔ اسے اگرے مگر نہیں آتے۔ وہ مکار نہیں ہوتا۔

وہ کچھ دیر سوچوں میں ڈوبے رہے کافی توقف کے بعد گویا ہوئے۔

میاں صاحب مجھے آگے جانا ہے میری زمینوں پر جھگڑا ہوا ہے۔ مجھے وہاں نہ جانا ہوتا تو میں کچھ دیر اور ٹھہرتا واپسی میں آؤں گا اور آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔

ولایت علی۔۔۔ اس خوش بخت کو ملواتے رہنا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میری بینائی تیز ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ۔ میاں صاحب نے انتہائی شفقت سے بشر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

میاں صاحب۔۔۔۔۔۔ آپ ہمارے ساتھ چلئے۔ بشر نے پہلی مرتبہ کوئی مکمل جملہ بولا۔ وہ بھی اطمینان سے۔

ولایت علی شاہ بیٹے کا میاں صاحب سے اصرار دیکھ کر مسکرائے کہ مقابل چاہنے والا باپ کھڑا تھا اور اس معصوم بچے نے معصوم بچوں والی خود غرضی نہیں دکھائی۔

معصوم بچے اپنے ماں اور باپ کے سامنے کہاں کسی کو لفٹ کراتے ہیں؟

بشر کی دعوت پر میاں صاحب خوشی سے مسکرائے سب اپنے اپنے مقام پر ٹھیک ہیں۔ ہم انشاللہ پھر ملیں گے۔

ولایت علی شاہ نے بشر کا ہاتھ تھام کر میاں صاحب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ مرتضیٰ لاشاری گھر سے ہو کر بھی آ گیا۔

کہاں شاہ صاحب کھانا کھا کر جایئے گا۔ جیسا بھی ہے ہم غریبوں کا کھانا۔

ذرا سی دیر میں کتنے نئے لوگ ان کے اپنے بن گئے تھے انہوں نے لاشاری کے خلوص کو پوری صحت کے ساتھ محسوس کیا۔

آپ میری پریشانیاں اور مسائل نہیں جانتے مرتضیٰ۔ میرا وعدہ ہے جیسے ہی میں ان مسائل سے چھٹکارا پاؤں گا۔ فوراً ہی آپ کے ہاں کھانا کھاؤں گا۔

آپ اپنے مسائل ہمیں بتائیں۔ ہوسکتا ہے ہم آپ کے کسی کام آ جائیں۔

بہت بہت شکریہ یہ آپ کا۔ آپ لوگوں نے تو ویسے ہی مجھے خرید لیا ہے۔ میرے بیٹے کا پرسکون چہرہ آپ لوگوں کے خلوص کا مظہر ہے۔ جب کہ میں تو سمجھ رہا تھا یہ بہت پریشان اور ہراساں ہوگا۔

یہ میاں صاحب کا اثر ہے سائیں ہم اس قابل کہاں۔ وہ انکساری سے بولا۔

ویسے آپ کو یقین آ گیا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے؟ ولایت علی شاہ نے لاشاری کا چہرہ دیکھا تو وہ شرمندہ سا ہوگیا۔

اچھا مرتضیٰ پھر ملیں گے۔ انشاءاللہ۔

اچھا میاں صاحب۔ انہوں نے احترام سے میاں صاحب کے ہاتھ تھام کر کہا۔

ہمارے لائق کوئی کام ہو تو حاضر ہیں۔ نور محمد بھی مسجد کے اندر چلا آیا تھا۔ لاشاری خیاں کا بھی تعرف کرایا۔

ولایت علی شاہ یہ تمام تکلفات نبھا رہے تھے۔ مگر وہ ذہنی طور سے بے انتہا بے سکون تھے۔ ویسے تو پُرسکون رہنا اور مطمئن نظر آنا اس معاشرے کا چلن بن چکا ہے لیکن واقعی اس وقت ان کی اندرونی حالت قابلِ رحم تھی۔

یہ آپ کے لاشاری انکل ہیں۔ بشر ان سب کو بتا دو کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ تاکہ ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ انہوں بشر کے تیل میں چپڑے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ میاں صاحب نے ولایت علی شاہ کہ شانے پر ہاتھ رکھا۔

رشتوں کی تشریح نہیں ہوتی ولایت علی۔ زمانہ پڑھا ہے ہم نے۔ مسجد میں اتنے بچے بیٹھے ہیں مگر بشر کے علاوہ کون تمہارے سینے سے لگا ہے آ کر۔

وہ تو میں ایسے ہی کہہ رہا تھا میاں صاحب۔ بلکہ مجھے تو لاشاری کی احتیات پسند آئی۔

وہ بشر کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئے۔ نور محمد اور لاشاری دونوں انہیں ان کی گاڑی تک چھوڑنے آئے۔

مالک کے حکم کے مطابق غلام محمد سونگی گاڑی کے شیشے نیچے کیئے ان کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس کے تو گمان میں نہیں تھا کہ وہ ایک پریشانی لے کر کراچی جا رہا ہے اور کئی ساتھ لگا کر لائے گا۔

ایک سچے نمک خوار کی حیثیت سے اسے اپنے مالک سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

اس طرح اب بشر کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ پا سکا۔ دروازہ کھول کار سے باہر نکلا اور بشر کو اچک لیا۔

کدھر کی سیر کر رہے ہو سائیں۔ سارے لوگ پریشان کر دیئے۔ اس نے بشر سے کہا۔

جلدی سے بیٹھ جاؤ غلام محمد۔ مجھے آج ہی کراچی واپس جانا ہے۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

بشر کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر غلام محمد خود پیچھے بیٹھ گیا۔

آج ہی سائیں۔۔۔۔اتنی جلدی سب کچھ کیسے ہوگا۔۔۔۔؟ معاملہ کچھ چھوٹا نہیں ہے۔ دو بندے مرے ہیں۔ کچھ زخمی ہیں ان کے خاندان والے رات سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں سائیں۔

میں سمجھتا ہوں غلام محمد تم ذرا یہاں کا دھیان رکھنا۔ میں کل رات کو پھر آ جاؤں گا۔

بہت ضروری کام ہے کراچی میں؟ غلام محمد الجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہوں۔ ان کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور نظروں سے خون ٹپک رہا تھا۔

وہ بشر سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔ لیکن پیچھے بیٹھے ملازم کی موجودگی کا احساس تھا۔

یہ تمہارا خزانہ ہے امانت اس کے سپرد کرتے ہیں جو امین ہوتا ہے۔

میاں صاحب کے کہے ہوئے جملے اعصاب میں توڑ پھوڑ مچا رہے تھے۔

آپ اگر مجھ پر گزر جانے والی قیامتیں جان جاتے تو شاید میرے حوصلوں کی بے بسی بھی سمجھ جاتے میاں صاحب۔ انہوں نے ہونٹ بھینچ کر موڑ کاٹا۔

روشن اگر یہ تمہارا کیا دھرا ہے تو جان لینا تمہارا خون میرا قرض ہے۔

میاں صاحب اجنبی ہو کر معاملے کی تہہ میں اتر سکتے ہیں تو میں کیسے حسن ظن سے کام لوں روشن

مجھے اولاد سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی عزیز نہیں۔ اگر تم نے میری شہ رگ پر ہاتھ رکھا تو اپنی بدقسمتی کو آواز دی ہے۔ روشن تم ولایت علی کو بہت غلط سمجھی ہو۔ اگر واقعہ یہی ہے جو میاں صاحب نے مجھے بتایا ہے تو روشن جان جاؤ گی کہ ولایت علی تمہارے خون کا پیاسا ہو چکا ہے۔

ان کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

بشر کا واقعہ یہ ہے تو ان دونوں گمشدہ بچوں کا واقعہ کیا ہے؟ یہاں آ کر ان کی سوچ ٹھٹک رہی تھی۔

ان دونوں بچوں میں ایک تمہارے وجود کا حصہ ہے جو تمہاری زندگی کا حاصل ہے۔ روشن میں کس پر لگا کر کراچی پہنچوں اور اس راز کی انتہا پاؤں۔ انہوں نے چہرہ موڑ کر برابر میں بیٹھے ہوئے بشر کو دیکھا۔

بغیر استری کے دھلے ہوئے کپڑے پہنے وہ سکون اور اطمینان کے عالم میں تھا۔ بالوں میں تیل لگا تھا اور آنکھوں میں کاجل کی دو کان۔

ابھی تک اس نے باپ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ذہن کی آگ بجھانے کیلئے بشر سے کچھ سوال کرنا چاہ رہے تھے۔

راستے میں انہیں دوکانیں نظر آئیں تو انہوں نے گاڑی روک لی۔

غلام محمد ایک سگریٹ کا پیکٹ لاؤ۔ انہوں نے جیب سے نوٹ نکال کر پیچھے بیٹھے غلام محمد سونگی کی طرف بڑھایا۔

وہ حکم کی تعمیل کیلئے فوراً گاڑی سے اتر گیا۔ اسے اپنے مالک کے برانڈ کا علم تھا۔ اس لئے اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا جیسے ہی وہ آگے بڑھا وہ بشر کی طرف متوجہ ہوئے۔

یہاں کیسے آئے تھے بشر۔

کہاں پپا۔

میاں صاحب کے پاس۔

پپا میاں صاحب یہاں تھوڑا ہی رہتے ہیں۔ وہ تو ایک اور جگہ رہتے ہیں۔ بہت چھوٹا سا گھر ہے ان کا۔ ہماری گاڑی جتنا۔ وہاں لائٹ بھی نہیں ہے۔ اور گیز بھی نہیں ہے۔ جب می نے مجھے کہا کہ میرا پرس گر گیا ہے ذرا ڈھونڈ کر لاؤ تو میں اتر گیا۔ مجھے می کا پرس نہیں ملا اور ٹرین چلی گئی مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ وہاں بہت اندھیرا تھا ناں پپا۔ میں بہت رو رہا تھا تو میاں صاحب وہیں رہتے ہیں انہوں نے شاید میری آواز سن لی تھی وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔

پپا۔۔۔ میاں صاحب کے گھر میں کوئی بیڈ بھی نہیں ہے۔ وہ نیچے سوتے ہیں۔ مجھے انوں نے اپنے بستر پر سلا دیا تھا۔

پپا۔۔۔ میاں صاحب کے گھر میں۔

کراچی سے آتے ہوئے تمہارے علاوہ می کے ساتھ اور کون تھا؟

بس۔۔۔ میں اور گڑیا اور می۔ وہ معصومیت سے بولا۔

اور عمر۔۔۔؟ انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔

نہیں عمر بھائی کو می نہیں لائی تھیں۔ می نے ان سے کہا تھا کہ تم اپنا ہوم ورک کرنا۔ وہ اسٹیشن تو آئے تھے مگر نانی اماں انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

نانی اماں؟ ولایت علی شاہ کے ذہن کو جھٹکا لگا۔

جی۔۔۔

شاہ سائیں یہ برانڈ یہاں کسی دوکان پر نہیں ہے۔ غلام محمد واپس آکر کھڑکی میں سر ڈال کر بولا۔

ولایت شاہ کو ایک عجیب سی الجھن کا احساس ہوا۔

اچھا۔۔ اچھا کوئی بات نہیں بیٹھو۔

انوں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بیزار کن انداز میں کہا۔

اس کا مطلب ہے گڑیا کو دوشن اور روشن کی ماں نے چھپا رکھا ہے اور دونوں بچوں کی گمشدگی میں ان دونوں ماں بیٹی نے کردار ادا کیا ہے۔

بشر روشن کے ساتھ اور عما اس کی ماں کیساتھ ہوں۔ اب بات سمجھ میں آئی ہے گڑیا کو اس لئے چھپایا گیا ہے کہ ان پر شک نہ کیا جا سکے۔

اب یقیناً چند دن بعد روشن یا اسکی ماں گڑیا کو ساتھ لے کر یہ کہتی ہوئی آتیں کہ گڑیا تو فلاں جگہ سے مل گئی لیکن۔۔۔ وہ اپنے طور پر حل تک پہنچ گئے تھے۔

یہ میں نے کیا کیا۔ اپنے ہاتھوں اپنے گھر کی بربادی کا سامان کیا؟ پچھتاوے کا ناگ ان کے ذہن میں ڈنک مارنے لگا۔

ممی نے کہا تھا اگر ٹرین چل پڑی تو میں زنجیر کھینچ لوں گی۔ مگر انہوں زنجیر نہیں کھینچی اور ٹرین چلی گئی۔

اچھا۔۔۔ اب تم خاموش ہو جاؤ۔ ہمارے ساتھ ہمارا ملازم ہے۔ انہوں نے آہستگی سے کہا۔ گاڑی کی اگلی سیٹوں کی اونچی

پشتوں کی وجہ سے پردہ رہ گیا۔ بشر باپ کی بات سن کر یکدم چپ ہو گیا۔

بس اب میں نے ارادہ کر لیا ہے اس سال کے اندر اندر تمہاری اور ارمغان کی شادی کر دوں گی۔ اماں جان نے عثمان کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے حتمی انداز میں اعلان کیا۔

ہیں۔ یہ آپ کو کیا ہوا صبح تک تو بالکل خیریت تھی۔

طارق کو اماں جان کے اعلان پر حیرت ہوئی۔

اماں جان۔ یہ سکھ کے موسم ہیں۔ لمبے کھینچ لیں۔ فاروق واش بیسن کے سامنے کھڑا رگڑ رگڑ کر چہرہ دھو رہا تھا۔ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا۔

تو تم لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ تمہارے بھائیوں کی باراتیں ہوں گی۔ گھر میں بھاوجیں آئیں گی۔ اماں جان کو بیٹوں کا انداز پسند نہ آیا۔

خیر سے گھر میں بہوئیں آئیں گی تو گھر میں رونق ہوگی۔ پیارے پیارے بچے کھیلیں گے۔ ہنسیں گے۔ روئیں گے۔

پھر شیخ چلی کے سر سے انڈوں کی ٹوکری گر جائے گی۔

حسیب کچھ فاصلے پر بیٹھا جرنل پر اسکیچ بنا رہا تھا۔ سر اٹھائے بنا ماں کے جملے میں اضافہ کر دیا۔

باقی چاروں ہنسنے لگے۔

ہے نامراد۔ مجھے شیخ چلی کہہ رہا ہے۔ وہ برہم ہو گئیں۔

اور ہاں دیکھو۔ اگر تمہاری کہیں مرضی ہے تو بتا دو۔ بعد میں نہ کہنا کہ ماں نے زبردستی کی ہے۔ وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے کہتی گئیں۔

اماں جان۔ رائے دہی کا طریقہ کیا ہمارے زمانے تک باقی رہے گا طارق نے شرارت سے پوچھا۔

اے تیری شادی تو میں بالکل اپنی مرضی سے کروں گی۔ تجھ سے رائے لے کر میں کیا اپنی شامت بلاؤں گی۔ جیسا خود ہے ویسی ہی پسند ہوگی۔

جیسی روح ویسی فرشتی۔ فاروق نے چہرہ تولیے سے رگڑتے ہوئے شریر انداز میں کہا۔

تمہاری گرامر بہت ہی غلط ہے۔ فرشتے کی مونث ابھی آسمان سے نہیں اتری تو تم نے

کیوں ایجاد کی۔ کوئی اور مثل کہہ دیتے۔ طارق نے کھنچائی کی۔

مثلاً۔ فاروق نے پوچھا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ عثمان بھی شریر ہوئے۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی میاں۔ انسانوں کو ان کے کیے کا پھل دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

آپ نے اللہ کا فیصلہ نہیں پڑھا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

نیکوکاروں کے لیے نیکوکار بیبیاں۔ روزیداروں کے لیے روزیدار بیباں۔ پرہیز گاروں کے لیے پرہیز گار بیبیاں۔

اچھا بس بس۔ اب اگر آگے بولے تو ہتک عزت کا دعوی دائر کردوں گا۔

اور اپنی طرف بھی غور فرمائیے گا۔ مجھے تو لگتا ہے تمہارا جوڑ تو جنگل میں اترا ہوگا۔ طارق سے مزید برداشت نہ ہوسکا۔

ایک تو ان سب کے سامنے کوئی بات کرنا مشکل ہے۔ ادھر کوئی بات منہ سے نکلی۔ اور انہوں نے اپنا گل شروع کیا۔ پھر بات کروں گی میں تم سے اکیلے میں۔ جب یہ تینوں کہیں باہر ہوں گے۔

مگر یاد رہے کوئی فیصلہ ہم تینوں کے ووٹ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ چاہیے اکیلے میں بات کریں یا دوکیلے میں۔ حسیب نے اپنا جرنل بند کرتے ہوئے یاددہانی کروائی۔

ہاں۔ تو تو کہیں داروغہ لگا ہوا ہے اس شہر کا۔ تجھ سے پوچھے بغیر بھلا کوئی کام کیوں ہونے لگا۔ وہ جھلا کر تیز پیاز کاٹنے لگیں۔

بھائی صاحب آپ تو اماں جان سے تنہائی میں بالکل کوئی بات نہ کیجیے گا۔ ورنہ پھنس جائیں گے۔ ایک مرتبہ۔

میں نے سنا تھا اماں جان کہہ رہی تھیں کہ آپ کے لیے کوئی سیدھی سی لڑکی لائیں گی۔ مجھے تو سارے شہر میں کوئی سیدھی لڑکی نظر نہیں آتی۔ وکیل صاحب کی نوکرانی کو اماں جان کہتی ہیں سیدھی ہے۔ ٹھیک ہے۔ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ دوسری شادی کا نام نہیں لیا۔ مجھے تو خطرہ ہے۔ طارق نے ارمغان کو چھیڑا۔

اسلام علیکم ابا جان نے اندر برآمدے میں قدم رکھا۔ سب ایک دم محتاط ہوگئے۔

وعلیکم سلام۔ آج تو دیر کردی۔ تھوڑی دیر بعد۔ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔ خیریت تو ہے۔ وہ شوہر کی احوال پرسی کرنے لگی تھیں۔

پھر مخصوص ضروری فرائض کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

آج کتابیں لے کر نہ بیٹھ جائیے گا۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ اماں جان نے ایڈوانس بکنگ کرائی۔

ارے اماں جان تو واقعی سنجیدہ ہیں۔ طارق واقعی مذاق سمجھ رہا تھا۔

مبارک ہو آپ دونوں کو۔ وہ صبح کے اخبار کو سطر سطر چاٹ چکا تھا۔ تہہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

ارے بھئی بچو، تم لوگ شام کو گھر میں بند ہو کر کیوں بیٹھ جاتے ہو۔ شام کے وقت تو پارک گراؤنڈ میں جانا چاہیے تم لوگوں کو۔ ایکسر سائز وغیرہ کیا کرو۔ صحت عمدہ ہو تو ذہنی کارکردگی بڑھتی ہے۔ ابا جان نے اپنے بیٹوں کو حکیمانہ نصیحت کی۔

کچھ دن جاتے ہیں بس پھر تو ہم باہر ہی پائے جائیں گے۔ فاروق نے آہستگی سے کہا۔

اگر اماں جان اپنے پروگرام میں واقعی سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ طارق نے اس سے اتفاق کیا۔

عثمان اور ارمغان مسکرا دیے۔

اگر تم لوگوں کو واقعی خطرہ ہے تو چلو ہم منع کر دیں گے۔ عثمان نے طارق کو محبت سے دیکھا۔

ارے نہیں بھائی میاں آپ کے مستقبل کا سوال ہے۔ وہ جلدی سے بولا تو سب ہنس دیے۔

اماں جان اور ابا جان نے چونک کر ان کے ہنستے چہرے دیکھے۔ پھر یہ سوچ کر کہ ہو گی کوئی ان کی اپنی بات۔ دوبارہ اپنی باتیں کرنے لگیں۔

فیروزہ لڑکا تیرا ہے۔

اور ستارہ لڑکی تیری۔

بڑھیا جیسے شیرینی میں جسے لگا رہی تھی۔

تو خود بھی جان گئی ہو گی کہ لڑکا تیرے نام کیوں کیا ہے۔

یہ تو جان گئی ہو گی۔ پر مجھے تو بتا دو۔ ستارہ کو اشتیاق ہوا۔

اسے شرافت کے دورے پڑتے رہتے ہیں اکثر۔ بڑھیا کے لہجے میں تمسخر تھا۔ ایسے میں لڑکا ہی کام آئے گا اس کے۔

شاید تجھے یاد نہیں سولہ کا سن تھا اس کا جب ایک جہاز اُڑانے والے کی باتوں میں آ گئی تھی۔ اس اس کے گھر کی ملکہ بننے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ زمانے سے لڑنے کی بات کر رہا تھا۔ ماں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ایسا چمپت ہوا مانو زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا۔ اس کے ہوش اب بھی ٹھکانے نہیں آئے تھے۔ پھر ایک مارواڑی کے جھانسے میں آ گئی۔ میری دعائیں پوری ہوئیں وہ بھی نو سو کھا کر حج کو چلا گیا۔ بہت سمجھایا اسے۔ ارے یہ نام نہاد شریف زادے منہ مارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ذرا دیر کو دل میں تو بساتے ہیں گھر میں نہیں بساتے۔ پر اس کی عقل میں کب آئی تھی۔

ہاں اماں۔ بڑی پارسائی کا زمانہ تھا جب میں نے ان نیکیوں کے چپنے دیکھے تھے۔ یہی عورت کو تماشا بناتے ہیں۔ یہی پھر تھوکتے ہیں۔ اماں تم سے اس لڑکے کے لیے میں نے ہی کہا تھا کل رات کو۔ میں ان شریفوں کے ساتھ وہ کروں گی کہ یاد کریں گی ان کی ہزار پشتیں۔

بڑھیا نے ماضی دہرایا تو فیروزہ کے لہو میں طوفانی جھکڑ چلنے لگے۔

یہ تو میں اب بھی کہتی ہوں ماں۔ کوئی ہاتھ تھام لیتا تو من چاہی گزار لیتی۔ کسی ایک روز تجتی۔ چولھے کی گرمی دھول مٹی سب سہہ لیتی۔ اماں گھر کی عورت کتنی حسین چیز ہوتی ہے۔ یہ

لوگ گھروں کے لیے اور باہر کے لیے اور کیوں رکھنا چاہتے ہیں وہ افسردہ ہو گئی۔

تیری عقل میں یہ باتیں آجاتیں تو اتنی ٹھوکریں نہ کھاتی۔ دیکھا ستارہ اب بھی اس کے ارمان وہی ہیں۔ بڑھیا نے ستارہ کو شریک کیا۔

میں ان دوغلوں کو خوب جان گئی ہوں روزی۔ وقت کیوں برباد کریں۔ کل کون جیے گے خبر۔ وہ اپنے سفید وسڈول بازوؤں پر لوشن ملتے ہوئے بیفکر انداز میں بولی۔

چلو اماں۔ تم نے میرا بڑھاپا تو سیف (محفوظ) کر دیا۔ بہت شکریہ۔ وہ نفگی سے ہنسی۔ اس ہنسی میں شرارت بھی تھی۔

تم اس چھوکرے سے کیا کام لوگی روز ستارہ نے فیروزہ سے سوال کیا۔

اے بزازی دوکان پر بٹھادے گی۔ ہفتے لے آیا کرے گا۔ دونوں ہنس پڑیں۔

یہ وہ زمانہ نہیں اماں۔ جب تمہارے ادھر ادھر سے کمینے چھوکرے ہفتہ لا دیتے تھے۔ وہ اور چیز تھے یہ اور چیز ہے۔

بعد میں منصوبہ بناتی رہنا پہلے فکر کرو۔ اچھے گھر کے بچے ہیں۔ مار پولیس تھانے بادشاہ وزیر ہو رہے ہوں گے۔ اور جو آ گیا ہو گا ان کا باپ۔ اس نے تو ریت کی طرح پولیس بچھا دی ہو گی اور وہ ڈائن بیٹی کی جدائی میں کہیں مری نہ گئی ہو۔ تو اور طوفان اُترے گا۔

بڑھیا تجربوں کی بھٹی میں تپی ہوئی تھی۔ زمانے کھیلے بیٹھی تھی۔ دل نام کا لوتھڑا پتھر ہو چکا تھا۔

تم کل رات کی گاڑی سے نکلنے کی فکر کرو۔ ٹھنڈے دماغ سے کام نکالنا۔ کوئی گڑبڑ نہ کر دینا۔ بھاگ کھلے ہیں۔ لکشمی آئی ہے بدعقلوں۔ خولجہ کو اطلاع کرا دینا وہ حفاظت سے چھوڑ آئے گا سوات۔ سنا

سن لیا اماں۔ فیروزہ بیزاری سے بولی۔

بڑھیا نے انجانے خدشے سے اس کا تھکا ہوا بیزار چہرہ دیکھا۔

کچھ دُکھ اُٹھا کر سکھ ملتے ہیں۔ اس نے سمجھایا۔

ابھی تو آرام ہی سے گزر رہی تھی۔

کل کی تیاری آج سے کرنا ہوتی ہے۔ نا سمجھ نہ بن۔ اس نے فیروزہ کو جھاڑا۔

دونوں کو ایک دم الگ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ سنا اول تو چند دنوں بعد میں خود بھی پہنچ جاؤں گی۔ بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ یہ بچہ نہیں پیدائشی سور ماہے۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

مگر ہے تو بچہ۔ ستارہ نے اس کمرے کی طرف دیکھا جہاں عمر اور گڑیا سوئے ہوئے تھے۔

اچھا اماں۔ آج ہماری چھٹی ہے سونے دو۔ باقی کل۔ فیروزہ نے کروٹ بدلی۔

تمہارا ہی بھلا ہے۔ میرا کیا ہے۔ میری تو کٹ گئی۔ کچھ اور کٹ جائے گی۔

بڑھیا بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کتنی با اثر شخصیت تھے۔

ان کی وساطت سے لوگ کتنے کام نکلواتے تھے اپنے۔ اور ان کا اپنا وقت تھا تو پیچیدگیاں تقدیر کی ڈوری کی گرہیں بن چکی تھیں۔

وہ مقامی نہیں تھے وہ سینتالیس میں پاکستان آئے تھے۔ اپنے والدین ایک چچا کے ہمراہ وہاں بمبئی میں ان کے والد کا پھیلا ہوا کاروبار تھا۔ وہیں ان کے والد کی دوستی ایک سندھی لینڈ لارڈ سے پروان چڑھی جس نے چمڑے کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ اسی سلسلے میں اس کا بھی آنا جانا رہتا تھا۔ ولایت علی شاہ کے والد سید اکرام علی شاہ اور رسول بخش سومرو کی دوستی مثالی دوستی تھی۔

جب پاکستان بنا اور اکرم علی شاہ نے پاکستان میں قیام کو ترجیح دی تو رسول بخش سومرو نے حق دوستی ادا کیا۔

اس نوزائیدہ ملک میں انہیں پاؤں جمانے کے مواقع دیے۔ ہر طرح سے ان کا خیال رکھا۔ اس وقت تجارت کے لیے حالات موزوں نہیں تھے۔

رسول بخش سومرو ہی کے مشورے سے انہوں نے اپنے جمع شدہ اثاثے سے زمینیں خرید کر زمینداری کا آغاز کر دیا۔

ولایت علی شاہ کے والد کی باقی تمام عمر اندرون سندھ ہی گزری۔ مگر ولایت علی شاہ اور عائشہ کو تعلیمی سلسلے میں ہوسٹلز میں رہنے کی وجہ سے شہری زندگی کی عادت ہو چلی تھی۔ بمبئی تو ولایت علی شاہ کو یاد نہیں تھا۔

کیونکہ وہ اس وقت صرف سال بھر کے تھے۔ جب پاکستان کی حد میں داخل ہوئے تھے۔ پاکستان میں ان کے رشتے دار پہلے ہی سے موجود تھے۔ باقی بھی آ چکے تھے۔ لہذا تعلیم سے فراغت کے بعد دونوں بہن بھائیوں کی شادی رشتہ داروں میں ہوئی۔

ولایت علی شاہ کے والدین ان کی شادی کے فوراً بعد انتقال کر گئے تھے۔ عائشہ کی نسبت طے تھی۔ یہ فرض ولایت علی شاہ کو ادا کرنا پڑا۔ کیوں کہ ماں تو بہت پہلے داغ مفارقت دے چکی تھیں۔ اس وقت عائشہ بمشکل سات آٹھ سال کی ہوں گی۔

وہ مقامی نہیں تھے مگر مقامی انہیں مقامی ہی سمجھتے تھے۔ ان کی زمینوں پر کام کرنے والے انتہائی پس ماندہ تھے۔ سیدھے سادھے اور سادہ لوح مقامی وڈیروں کی زمینوں پر کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔

یہ امر واقعہ تھا ان کی زمینوں پر کام کرنے والے ہاری (کسان) نسبتاً آسودہ اور مطمئن تھے کیونکہ ان کا لینڈ لارڈ سیاست سے عملاً کوئی دل چسپی نہیں رکھتا تھا۔ اس وجہ سے ان کے ذمے کوئی پارٹ ٹائم کام بھی نہیں ہوتا تھا۔

انہی دنوں ولایت علی شاہ پر منکشف ہوا کہ وہ فولادی اعصاب کے مالک ہیں۔ وگرنہ یہ

حادثے اتنے شدید تھے کہ انہیں پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔

جھگڑا بہت طول پکڑ چکا تھا۔ ان کا ذہن دو جگہ بڑی شدت سے مصروف تھا۔

وہ شام چھ بجے تک کراچی جانے کے لیے پھر تیار ہو چکے تھے۔ غلام محمد سولنگی نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اسے ان پر ترس آ رہا تھا۔

شاہ سائیں بہت تھکے ہوئے ہیں۔ کراچی کوئی بالکل پاس بھی نہیں ہے۔ اتنی دیر پہلے موٹر چلائی اور اب پھر۔

غلام محمد میں جس حادثے سے دوچار ہوں اس میں نہ نیند آئی ہے نہ آرام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر کیوں نہ مصروف ہی رہوں۔ وہ پُرسکون انداز میں رسٹ واچ کلائی پر باندھتے ہوئے بولے۔

اللہ کرم کرے گا شاہ سائیں۔ آخر اس نے آپ کی مدد کی، پریشانی دور کی۔ بشر سائیں مل گئے۔ ایک بات کا دُکھ ہے آپ نے ہم کو خبر نہیں دی۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کیوں تکلیف اُٹھائیں۔ مالکن بہت پریشان ہوں گی۔ میں مانتا ہوں۔ میں انہیں ٹیلی فون کر دیتا ہوں جا کر۔ خوش خبری سنا دیتا ہوں۔ پر آپ آرام کر لیں آج کی رات۔

خوش خبری۔ ہونہہ۔ میں نے بہت عیش کیے ہیں بہت آرام کیا ہے غلام محمد۔ انہی کا کفارہ ادا کرنے کا وقت آیا ہے یہاں ہاریوں کو حوصلہ دینا۔ میں کل شام آؤں گا پھر رات یہیں گزار دوں گا۔ بشر کے لیے آؤ اندر سے۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔

اس وقت وہ اس گھر کے احاطے میں کھڑے تھے جہاں ان کے بچپن کے ابتدائی سال گزرے تھے۔

غلام محمد اندر چلا گیا۔ وہ احاطے سے باہر آ گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بشر کے ہمراہ کراچی کی طرف گامزن تھے۔

بشر بہت چپ تھا۔

انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ کیا بات ہے بیٹے بہت چپ ہو

میں کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

انہیں اس کی معصوم سی سنجیدگی پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔ اپنا بازو اسٹیرنگ سے ہٹا کر اس کے شانوں رکھ کر خود سے قریب کر لیا۔

کیا سوچ رہا تھا میرا بیٹا۔ انہوں نے اس نعمت مترقبہ کو پھر نظر بھر کر دیکھا۔

ممی نے آپ کو فون کیا ہوگا۔ تب ہی تو آپ آئے ہیں۔ انہوں نے زنجیر تو کھینچی ہوگی۔ بعض دفعہ چیزیں خراب بھی تو ہو جاتی ہیں۔ ہے ناپاپا۔

(بعض دفعہ تو بنیاد ہی سے خراب ہوتی ہیں۔ ہر داؤ پیچ۔ ہر مکر و فریب کے ادراک سے دور سوچ رکھنے والا یہ بچہ۔ روشن میں تمہیں۔

پاپا۔ آپ عمر بھائی کو بھی لے آتے۔ ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جاتے۔ آپ کا موڈ تو ٹھیک نہیں ہے۔

ارے نہیں۔ میرا موڈ بالکل ٹھیک ہے۔ مجھ سے باتیں کرو۔

اچھا بتایئے۔ کیا عمر بھائی کو پتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

نہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

اچھا آپ ان کو حیران کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا دل رکھنے کو مسکرا دیے۔

پپا۔ میاں صاحب کا گھر بہت چھوٹا ہے۔ ہم انہیں اپنے گھر لے آئیں گے۔ ٹھیک ہے

ٹھیک ہے۔ انہوں نے سنسان سڑک دیکھ کر رفتار بڑھا دی۔

وہ دنیا کے بہت سے دھندوں میں مصروف تھے مگر ان کا ذہن ابھی تک ایک نقطے پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اگر روشن نے گڑیا کو کہیں چھپایا ہے تو اس کی حالت مردوں کی سی کیوں ہو رہی ہے۔ وہ اس قدر رنجیدہ اور پریشان کیوں ہے۔

کیا اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ ضمیر کی چبھن ہو رہی ہے۔ کہیں عمر کو۔ ان کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ گئے۔

اب اس طرح سوچنے سے تو انہیں جواب ملنے سے رہے تھے۔ لہذا بڑے ضبط سے انہوں نے یہ کئی گھنٹے پر محیط مسافت طے کرنا تھی۔

پپا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں پیچھے چلا جاؤں۔ وہ نیند سے بے حال ہو رہا تھا۔

ہاں تم سو جاؤ۔ وہ بولے۔

پپا۔ آپ کو بھی تو نیند آ رہی ہو گی

انہیں اپنے بچے پر پیار آ گیا۔ جسے اتنی مدہوشی میں بھی باپ کا خیال آ گیا تھا۔

انہوں نے گردن موڑ کر اپنی خوشیوں کی اساس کو دیکھا۔

تم آرام سے سو جاؤ بیٹے۔ مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔ انہوں نے تسلی دی۔

بشر جاگ رہا تھا تو دوئی کا احساس تھا۔ وہ سو گیا تو دل و دماغ پر پھر سے وحشت چھانے لگی۔ رات بہت گہری ہو چلی تھی۔

کوئی پرائیوٹ گاڑی یا لدا ہوا ٹرک پاس سے گزر جاتا تو جامد سناٹا ایک لمحے کو ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا۔

روشن تھک کے چور ہو رہا ہوں۔

اعصاب چیخ رہے ہیں۔ لیکن آج رات کتنی ہی گزر جائے تم سے حساب صاف کیے بغیر کوئی اگلا کام نہیں کروں گا۔

جس وقت انہوں نے اپنے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی۔ رات ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ انہوں نے کئی بار ہارن پش کیا۔ ملازم تو یقیناً سب سوئے ہوں گے۔ وہ عائشہ کو آج رات یہاں آ کر ٹھہرنے کے لیے کہہ گئے تھے۔ روشن کی حالت کے پیش نظر۔ ان کا خیال تھا گیٹ عائشہ کھولے گی۔

مگر واکی ٹاکی پر روشن کی نیند سے بوجھل آواز ابھری تھی۔ کون ہے

ولایت علی۔ انہوں نے بےتاثر انداز میں جواب دیا۔

ایک منٹ۔ روشن کی آواز ابھری اور خاموشی چھا گئی۔

وہ گیٹ کے سامنے پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔

کچھ دیر بعد روشن نے گیٹ کے پٹ وا کیے۔ وہ شب خوابی کے لبادے میں تھی۔ بال سمیٹ کر ربڑ بینڈ میں کس رکھے تھے۔ غنودگی اور رونے کا تاثر اس کی ہر ادا سے ظاہر تھا۔

ولایت علی شاہ گیٹ کھلتا دیکھ کر گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔ تیزی سے گاڑی پورچ میں لے گئے۔ انہوں نے روشن سے اور روشن نے ان سے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تو اس تیزی سے گاڑی اندر لے کر گئے تھے کہ روشن کو چونک کر ایک طرف ہونا پڑا تھا۔ گاڑی کی اندرونی لائٹس بند تھیں۔ روشن واپس پلٹ کر گیٹ بند کرنے لگی تھی۔ جب وہ گاڑی سے باہر نکلے تو وہ سرخ کارپٹ سے ڈھکے زینے طے کر کے برآمدے میں جا چکی تھی۔

انہوں نے پلٹ کر بشر کو دیکھا۔ کس قدر گہری نیند سو رہا تھا کہ گاڑی کے دروازے کی دو مرتبہ کی کھٹاک بھی اس کی گہری نیند پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔

انہوں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ چند لمحات توقف کرنے کے بعد اسی طرح کھلا چھوڑ دیا اور بشر کو اٹھائے بغیر اندر کی سمت بڑھ گئے۔ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو روشن دوبارہ بیڈ پر گر چکی تھی۔

کیا سو گئی ہو؟ ان کی سرد آواز نے کمرے میں ارتعاش پیدا کیا۔

ہوں۔ وہ اسی انداز میں لیٹے لیٹے بولی۔

اٹھ کر بیٹھو۔ انہوں نے قمیض کے اوپری بٹن کھولتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔ روشن نے چونک کر آنکھوں پر سے بازو ہٹایا۔ وہ اس کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھے۔

اس قدر اجنبی لہجہ۔

بلکہ خوفناک لہجہ۔

اس کا دل کانپا۔۔۔ (کیا ہوا۔۔ کیا ہو گیا)

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ پلٹے۔ اس کی متورم اور نیند سے بوجھل آنکھوں میں ایک لمحے کو دیکھا۔ جانے ان نظروں میں کیا تھا۔ روشن کے پورے وجود پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ یہ تو وہ شخص ہرگز نہیں جو کل رات تک تھا۔

یا الٰہی۔ بعض اوقات مرد باہر سے آتا ہے تو کتنا بدلا بدلا لگتا ہے۔ اس نے سوچا۔ اسے ولایت علی شاہ سے ایک عجیب سا خوف محسوس ہوا۔

آ۔۔ آ۔۔ آپ۔۔۔۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی لفظ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہو۔

روشن۔۔

جی۔۔۔

گڑیا۔۔ کہاں ہے صاف اور صحیح جواب دو۔ یہ سوچ کر کہ اب تمہارا زور ٹوٹ چکا ہے۔ نقاب ہٹ چکا ہے۔ میں تمہاری اصلی صورت دیکھ چکا ہوں۔

جی۔۔۔وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ساکت بیٹھی رہ گئی۔

ہیں۔۔۔یہ کیا ہو گیا۔ یہ تو دادو گئے تھے۔ کہاں سے آرہے ہیں۔۔۔احساس جرم کے عفریت نے پھر پر پھڑ پھڑائے۔

گڑیا۔۔۔وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہاں چھپایا ہے گڑیا کو۔ انہوں نے دانت پیسے۔

کیا ہو گیا ہے شاہ آپ کو۔۔۔وہ سہم کر دیوار سے جا لگی۔

بکواس بند کرو۔ مجھے صرف اپنے سوال کا جواب چاہیے۔ کہاں ہے میری بچی

وہ آپ ہی کی نہیں میری بچی بھی ہے۔ کیوں خوامخواہ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اگر تم نے ایک منٹ مزید اداکاری کی تو میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔ انہوں نے پلٹ کی بیلٹ کھینچ لی۔

روشن نے مارے خوف کے اپنا دل بند ہوتا محسوس کیا۔ (ضرور کچھ ہوا ہے)

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے روشن۔ وہ آگے بڑھے۔ ان کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

آپ جو چاہے قسم لے لیں۔ مجھے اپنی کچھ خبر نہیں۔ آپ کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے لرز کر جگہ بدلی۔

تو پھر میرے ساتھ آؤ۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ روشن کو شدید اذیت محسوس ہوئی۔ وہ اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے پورچ تک لائے۔

پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

جو چیز بھی پچھلی سیٹ پر ہے باہر نکالو۔

روشن تیزی سے پچھلی سیٹ کی طرف بڑھی۔ گویا ذرا دیر ہو گئی تو ولایت علی شاہ قیمہ کر دیں گے۔

پورچ میں بہت مدھم روشنی تھی۔ پھر بھی کار میں لیٹا ہوا بچہ اس نے دیکھ لیا۔ وہ ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی۔

ڈرو نہیں۔ یہ تمہاری طرح زہریلا نہیں ہے۔

یہ۔۔۔یہ کون ہے وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بے انتہا خوفزدہ انداز میں بولی۔

یہ کوئی روح نہیں بنی بلکہ یہ روح ہے مگر جسم کے ساتھ۔ ان کا زہریلا لہجہ ہو چکا تھا۔

انہوں نیا یک بار پھر اس کا گداز بازو اپنے مضبوط شکنجے میں کس کر دوبارہ گاڑی کی سمت دھکیلا۔ اور ساتھ ہی خود ہی آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔

اسے دیکھو روشن اور پہچان کر مجھے اس کا نام بتاؤ۔

بشر۔۔۔وہ اسے دیکھ کر اور کانپ کر پھر پیچھے ہٹ گئی۔

انہوں نے اسے مزید کچھ نہیں کہا اور خود بمشکل اسے باہر نکالا۔ وہ تھوڑا سا کسمسایا۔ پھر

ان کے بازوؤں میں غافل ہو گیا۔ وہ روشن کی طرف پلٹے۔

بشریٰ ہے ناں۔ انہوں نے روشن کے دُھلے ہوئے لٹھے جیسے سفید چہرے کو غور سے دیکھا۔

یہ تو بشر ہے۔ اس کا دماغی توازن بگڑنے لگا۔

تم پہچاننے میں غلطی بھی کر سکتی ہو مگر میں نہیں۔ کیونکہ میں اس کا حقیقی باپ ہوں، اس کا بیڈروم کھولو۔ انہوں نے پھر حکم دیا۔

وہ آگے چل پڑی اور شاہ صاحب اس کے پیچھے بشر کو بازوؤں میں اُٹھائے ہوئے۔ اس نے بچوں کا بیڈروم کھول دیا۔ اور کھڑی ہو گئی۔

تم بھی اندر چلو۔ وہ غرائے۔ روشن نے پھر تعمیل کی۔

انہوں نے بشر کو بیڈ پر ڈال دیا اور پنکھا چلا دیا۔

اور غور سے دیکھ لیا۔ وہ بولے۔

وہ بالکل خاموش رہی۔ نہ نگاہیں ان کی جانب کیں۔

چلو اب۔ اپنے بیڈروم میں۔

وہ پھر روبوٹ کی طرح چل پڑی۔ شاہ صاحب اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

اندر داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بولٹ کر دیا۔

عائشہ کہاں ہے۔

وہ گیارہ بجے چلی گئی تھی۔ اس کے بچے کی طبیعت کافی خراب ہے۔ روشن نے کانپتی آواز میں بتایا۔

اور گڑیا کہاں ہے

وہ چونک پڑی۔ پھر ہونٹ کاٹ کر بولی۔ خدا کی قسم مجھے نہیں پتا۔

خدا کو بیچ میں مت لاؤ۔ اگر تم خدا پر ایمان رکھتیں تو آج۔ ویسے پوچھو گی نہیں۔ بشر کہاں سے مل گیا۔ باقی دو بچے کیوں نہیں ملے۔ ان کا کچھ سراغ لگا یا نہیں۔۔ حالانکہ یہ سوال تو تمہیں بشر کو دیکھتے ہی فوراً کرنے چاہیے تھے۔ شاید تم ڈرامہ کرتے کرتے بھول گئیں۔ چلو میں نے تمہیں یاد دلا دیا ہے۔ اب پھر سے شروع کر دو۔

شاہ۔۔۔ آپ۔۔۔

دیکھو روشن میں طویل بحث میں پڑے بغیر صرف یہ جاننا چاہتا ہوں گڑیا کہاں ہے اور میرے معصوم بچے عمر کا تم نے کیا کیا ہے۔ کہاں ہیں دونوں۔

میں خود تباہ ہو چکی ہوں شاہ۔ یہ مجھ سے آپ کا رویہ۔ بھلا اگر مجھے پتا ہوتا تو۔۔

میں نے تمہیں ڈرامہ کرنے سے منع کیا ہے۔

چٹاخ۔ ان کا بھرپور ہاتھ روشن کے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔

اب جب بشر مل چکا ہے تو تمہیں۔ یہ بے اثر سوانگ رچانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

چٹاخ کی دوسری آواز ابھری۔ شاید روشن کے سوئے ہوئے حواس بھی جاگ اٹھے۔

ٹھیک تو کہہ رہے ہیں۔ بھلا بشرے انہوں نے سوالات نہیں کیے ہوئے ہوں گے۔ بشر نے پوری تفصیل نہ سہی ہیڈ لائنز تو ضرور بتائی ہوں گی۔

لیکن یہ بشر انہیں کہاں سے مل گیا۔۔۔

کھیل کامیاب نہیں ہوا روشن۔ ڈراپ سین ہو چکا ہے۔ تم بھی شکر مناؤ کہ ضمیر میں پیوست نشتر نکلا۔

(یہ سب کچھ جان چکے ہیں۔تم سراسر ان کی گرفت میں ہو)

وہ معاً شاہ صاحب کے قدموں میں گر گئی۔

میں آپ سے معافی مانگتی ہوں شاہ۔ جو چاہے سزا دے دیجیے۔ بلکہ مجھے جان سے مار دیجیے۔شاہ جو چاہے سلوک مجھ سے کیجیے۔ (آپ سے بھی پہلے قدرت میری سزا شروع کر چکی ہے) مگر اللہ گواہ ہے۔

شاہ صاحب کے چہرہ رنگ پر رنگ بدل رہا تھا۔

وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر رہی تھی۔

اپنے بے بسی اور کم مائیگی کا اعتراف کر رہی تھی۔

قدرت کی قوت کا اعتراف کر رہی تھی۔

(اور اب یہ اللہ کو گواہ کر کے کیا کہنے جا رہی ہے) انہوں نے ٹھوکر سے اس طرح پرے کر دیا گویا کوئی معمولی پتھر ہو۔

میں صرف تمہارے منہ سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ میرے دونوں بچے کہاں ہیں

یہی بتا رہی ہوں۔ مجھے ان دونوں کا کچھ پتا نہیں۔

تم باز نہیں آؤ گی۔ انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر مقابل کھڑا کیا۔

اس بار ولایت علی شاہ کے تیور کڑے اور ارادے سنگین تھے۔

اس کی تمام حسیات تیز ہو گئیں۔

میرے ساتھ کوئی اگلا اذیت ناک عمل کرنے سے پہلے میری پوری بات سن لیجیے میں آپ کی مجرم ہوں۔ اس کے بعد جو چاہے مجھے سزا دیجیے۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ گڑیا اور عمر کس طرح غائب ہوئے۔

وہ سسکاری بھرتے ہوئے بولی۔ خوف اور احساس جرم نے اس کی دماغی حالت عجیب و غریب سی کر دی تھی۔

وہ جس کی قربت اس کے لیے باعث افتخار تھی۔

آج اسی کی قربت سے خوف آ رہا تھا۔ اس میں تو اتنا حوصلہ بھی نہ تھا کہ نظر اٹھا کر ولایت علی شاہ کو دیکھ ہی لے۔ کانپتی آواز میں بتانے لگی۔

وہ۔۔۔ جب بشر کے گم ہونے کے بعد۔۔۔

بشر کو گم کرنے کے بعد۔ ولایت علی شاہ نے اس کی بات کاٹی اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

روشن نے ان کا تصحیح شدہ جملہ دہرایا نہیں بلکہ کچھ توقف کے بعد کہانی آگے سے شروع

کر دی۔

آؤ۔ آؤ۔۔۔ لیہ۔ خیر رہی۔ بڑے دنوں بعد آئیں اماں جان نے نند کا پرجوش انداز میں سواگت کیا۔

خیر میں تو آ ہی جاتی ہوں۔ آپ تو پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھی رہتی ہیں۔ وہ شکایتی انداز میں کہتے ہوئے بھاوج کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

کس میں ڈالیں گی بھنڈیاں انہوں نے اماں جان کے بھنڈیاں کاٹتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

گوشت میں ڈالوں گی۔ روزانہ کا پکانا کھانا اور سب تو ہر چیز کھا لیتے ہیں۔ طارق کے نخرے بہت ہیں۔ یہ پسند نہیں۔ وہ پسند نہیں۔ وہ بیزار سے انداز میں بولیں۔ بچوں کی پسند کا دھیان رکھنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ کیا فائدہ اتنی محنت سے کچھ پکانے کا جب خوشی سے کھایا ہی نہ جائے۔

نظر نہیں آ رہے۔ کہاں ہیں سب بچے۔۔ بھائی جان بھی شاید ابھی نہیں آئے۔

ہاں سب اپنے اپنے دھندوں سے ابھی نہیں لوٹے۔ طارق البتہ گھر میں ہے۔ نہا رہا ہے۔

آپ کو بھی مبارکباد دینے والے۔ بس اللہ کا احسان ہے۔ اب فی دھن لگ گئی ہے۔ نوکری کی درخواستیں ٹائپ کر کر کے لاتا ہے۔ راتوں کو بیٹھا جانے کیا کیا لکھتا رہتا ہے۔ صبح کو ڈاک خانے کی طرف دوڑتا ہے۔ انہوں نے طارق کی مصروفیات بتائیں۔

اللہ نے چاہا تو بہت اچھی ہی ملازمت ملے گی۔ بہت اچھے نمبروں میں پاس ہوا ہے۔ شاکر بتا رہا تھا۔

ہاں اللہ سے نیک ہی امیدیں ہیں۔ اور گھر میں سب خیریت ہے۔ حمیرا کا خط وط آیا۔ امریکہ سے انہوں نے بات آگے بڑھائی۔

ہاں خط بھی آتے رہتے ہیں اور ٹیلی فون بھی۔ خوش ہے اپنے گھر۔ آپ سب کو بھی سلام کہتی ہے۔

لیہ۔ بیگم نے اماں جان کا پاندان آگے سرکایا۔

ٹھہرو۔ میں چائے بنا لوں۔ پھر کھا لینا پان۔ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

بیٹھیں تو سہی آپ۔ چائے بھی پی لیں گے۔ تھوڑی دیر میں بچے آ جائیں گے اور بھائی جان بھی۔ سب ساتھ ہی پی لیں گے۔ انہوں نے اماں جان کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا لیا۔

اور تم لاہور بھی تو گئی تھیں اپنے جیٹھ کے ہاں

وہاں بھی گئی تھی اور احسان بھائی کے ہاں بھی ذرا دیر کو گئی تھی۔ ثوبیہ سے وعدہ تھا میرا۔

اچھا۔۔۔ کیسی ہیں بچیاں اور احسان بھائی اور ان کی دلہن۔۔۔ اماں جان نے خوشی اور اشتیاق کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ہیں۔ بہت یاد کر رہی تھیں آپ سب کو۔ اور آپ کی بھابھی جان تو اس مرتبہ بہت ہی بدلی ہوئی لگیں مجھے۔ بہت حیران ہوئی میں۔ کئی سال پہلے انہیں لاہور میں اپنی نند شمسہ کی شادی میں دیکھا تھا۔ توبہ کیا لیا دیا انداز تھا۔ ایسے چپ بیٹھی رہیں مانو بولیں تو ٹوٹ جائیں گی۔ اب کے تو۔

انہوں نے پورا زور لگا کر تعجب کے تاثرات اپنے چہرے پر جمع کیے تو حیران تو اماں جان بھی بہت ہوئی۔

کچھ کہہ رہی تھیں۔۔ اماں جان کے لہجے میں بہت بیقرار سا اشتیاق تھا۔

کچھ۔۔۔ انیسہ بیگم نے حیران نظروں سے بھاوج کو دیکھا۔

سارا وقت آپ ہی لوگوں کی باتیں کرتی رہیں۔ کہہ رہی تھیں جلد ہی کراچی جاؤں گی۔ مجھے بہت اصرار کر کے کھانے پر روکا۔ مانو ان کی تو کایا ہی بدل گئی ہے۔ انیسہ بیگم پر حیرانی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ اب تصور ہی تصور میں احسان علی کے گھر میں پہنچ گئی تھیں۔ اور پیش آنے والے واقعات کا از سر نو اعادہ کر رہی تھیں اپنے ذہن کے پردے پر۔

بھابھی جان ایک بات کہوں وہ رازداری کے اسٹائل میں گویا ہوئیں۔

ہوں۔۔ اماں جان مشتاق ہوئیں۔

مجھے تو لگ رہا ہے وہ آپ کے لڑکوں پر ریجھ گئی ہیں۔

تم بھی جانے کہاں رہتی ہو۔۔ برسوں سے انہوں نے لڑکوں کو نہیں دیکھا۔

تو لڑکیوں نے یہاں سے جا کر ماں سے باتیں نہیں کی ہوں گی۔ انیسہ بیگم نے نشانے پر تیر چلایا۔

لڑکوں کی۔۔ اماں جان نے تعجب سے پوچھا۔

بھئی سب ہی کی ہوں گی۔۔ وہ بولیں۔

وہ تو میں باتھ روم ہی میں سمجھ گیا تھا کہ پھوپھی جان آئی ہیں۔ زمین کانپی تھی تھوڑی سی۔ طارق تولیے سے سر رگڑتا آ موجود ہوا۔ اسلام علیکم۔

موٹی کہہ رہا ہے مجھے۔ پھوپھی جان رنجیدہ ہو گئیں۔ پھر بولیں۔ وعلیکم السلام۔

ارے نہیں۔ ماشاءاللہ تمہارے آنے سے رونق ہو جاتی ہے۔ یوں کہہ رہا تھا۔ ماں نے بیٹے کی طرف صفائی پیش کی۔ ساتھ ہی بیٹے کو گھورا۔

اور پھوپھی جان کیسی ہیں آپ۔ کیسا رہا آپ کا دورہ پنجاب۔ لاہور کیسا تھا۔ وہ ماں سے نظر چرا کر پھر شریر ہوا۔

جیسا تھا ویسا ہی ہے لاہور۔ کیا کھانسی بخار ہونا تھا لاہور کو لو اور سنو کہ لاہور کیسا تھا۔ انہیں اس کی بات احمقانہ سی لگی تھی۔

خود جا کر رکھ آؤ بیٹے۔ ویسے بھی تمہاری ممانی جان تمہارے نام کی مالا جپ رہی ہیں۔

ان کے جینے کا فائدہ میں تو مجرم ہوں ان کا۔ وہ شرارت سے ہنس پڑا۔

پہلے تو ان لڑکیوں نے جی ہو گی تب ہی تو ماں پر اثر ہے

وہ بھی اس کی پھوپھی تھیں. شوخی پر اتر آئیں تو وہ واقعی ماں کے سامنے پھوپھی کی معنی
خیز بات پر جھینپ سا گیا. اور سامنے کمرے کی طرف بڑھ گیا.

ہاں تو اماں تم کیا کہہ رہی تھیں؟ اماں جان نے وہیں سے سلسلہ جوڑا جہاں سے منقطع ہوا
تھا. بس یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کی بھاوج بہانے کی تلاش میں بیٹھی ہیں. کوئی بہانہ ہاتھ لگے اور
وہ کراچی آئیں

اے ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں میرے بچوں میں. انہیں رشتوں کی کیا کمی غلط
سمجھتی ہو تم

وہ تو آنے والا وقت بتائے گا کون غلط سمجھتا تھا، وہ قطعیت کے انداز میں بولیں

سچی بات تو یہ ہے انیسہ. لڑکیں میرے اپنے خاندان کی ہیں اور بہت اچھی ہیں. مگر ہمارا
ان کا کوئی جوڑ نہیں ہے ہم مال دولت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے

کیوں کیا کمی ہے ہمارے بچوں میں تعلیم میں شرافت میں خاندان میں کس چیز کی کمی ہے
ان میں؟

تم میری بات نہیں سمجھیں، اماں جان نے انہیں سمجھایا، بات ہے ماحول کی جس ماحول
میں ان بچوں نے آنکھ کھولی ہے وہ ہمارے گھر سے بالکل مختلف ہے

میں نے مانی آپ کی بات. میں تو جو وہاں جو دیکھ کر آئی ہوں. اس نسبت سے بات کر
رہی تھی. باتوں باتوں میں کہہ رہیں تھیں نور جہاں بھابھی. رشتے تو لڑکیوں کے بہت ہیں مگر ہر
کوئی ہماری دولت اور حیثیت میں حصہ لگانے کی نیت سے آتا ہے. سب کو پتا ہے بیٹا ہمارا کوئی
ہے نہیں. سب کچھ ان لڑکیوں کا ہے. اب لالچیوں میں اپنی بیٹیاں دے کر گویا ساری عمر کے
عزاب خریدوں

اے لو، اچھا ہوا تم نے یہ بتا دیا. کیا خبر میں وہاں کل کو پیغام ڈالنے کی نیت کر ہی لیتی. وہ
تو ہمیں بھی لالچی سمجھیں گے. خیر اگر میں ایسا کوئی قدم اٹھاتی بھی تو بہت سوچ سمجھ کر برسوں
سے وہ کبھی میرے گھر آئیں نہ گئیں. ہو سکتا ہے جو وہاں بیٹھی سوچ رہی ہوں ہمارے ہاں
آئیں تو مایوس ہو جائیں

اماں نے دلائل کے ساتھ وزن دار بات کی

ہوتی ہیں تو ہو جائیں. مطلبی تو خود ہیں. اب انہیں نند بھی یاد آ رہی ہے اور بچے بھی.
ہمارے بچوں کو رشتوں کی کیا کمی جہاں اللہ نے اتنا دیا ہے اور دے گا. وہ بیٹھی اپنی دولت
اوڑھتی بچھاتی رہیں. انیسہ بیگم نے کمال بے نیازی اور تھوڑی نخوت سے کہا

یہ تو اپنے ظرف اور فطرت کی بات ہے. ان کا مزاج ان کے ساتھ ہمارا ہمارے ساتھ.
خاندان میں رشتے ناتے ہوں تو اس سے اچھی کیا بات ہے انیسہ. ایک بات جو میرے دل کی
ہے تمہیں بتا رہی ہوں. کہیں ذکر نہ کر دینا، انہوں نے مخصوص زنانہ ہدایت کی

ارے نہیں بھابھی جان. مجھے اپنے گھر کی باتیں ادھر ادھر کرنے کی کیا ضرورت. گویا
کرتا اٹھا کر اپنا پیٹ دکھانا، انیسہ بیگم مارے اشتیاق کے نزدیک آ گئیں

بات یہ ہے مجھے تینوں لڑکیاں ہی بہت اچھی لگیں مگر جو بات ثوبیہ میں ہے دونوں میں نہیں مگر ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔ اور اگر میں اس کا پیام ڈالوں تو یہ اپنی بے عزتی کروانے والی بات ہے۔ اگلوں نے تو یہی کہنا ہے کہ دونوں بڑی بچیوں میں کیا عیب ہے؟

یہ تو ہے۔ انیسہ بیگم نے نند کی تائید کی

میں تو خیر ثوبیہ کے لئے بھی شاید آگے نہ بڑھتی۔ وہ تو تم نے بھابھی جان جان کی چند باتیں بتائیں تو میں نے تمہیں اپنے دل کی بات بتادی

گویا آپ اب وہاں کسی کے لئے بھی پیغام نہیں ڈالیں گی؟

میرا تو محض خیال تھا اب ان کی پیش رفت دیکھ کر شاید جڑ پکڑے۔ میری تو دعا ہے انہیں اچھے بر مل جائیں۔ عثمان ارغمان کی بھی ہو ہی جائیں گی۔ انہوں نے بات ڈالی

بہت آسانی سے کہہ رہی ہیں بہوئیں ڈھونڈنے نکلیں گی تو پتا چلے گا

بہوئیں شوکیسوں میں سجی نہیں ملتیں۔ ہزاروں لڑکیاں دیکھ کر بھی بعض دفعہ لوگوں کی ایک سمجھ نہیں آتی۔ حالانکہ ایک سے ایک خوبصورت ہوتی ہیں ان میں

ہماری پڑوسن سات سال سے بہو ڈھونڈ رہی ہیں۔ پچھلے دنوں اب کے ہاں دعوت ہوئی تو خدا جھوٹ نہ بلوائے تیس پینتیس کنواریاں نظر آ رہی تھیں۔ مگر انہیں کوئی بھی لڑکی سمجھ میں نہیں آئی۔ رات رشتے لے جانے کا سوچتی ہیں صبح جانے کیا خیال آتا ہے۔ چھوڑو کہہ کر گھر کے دھندوں میں لگ جاتی ہیں، انیسہ بیگم نے بھاوج کو جوش دلایا

خیر میں تمہاری پڑوسن کی طرح نہیں ہوں۔ جس لڑکی کے لئے عثمان ہاں کر دے گا وہی میرا انتخاب بھی ہوگا۔ میری خوشی بھی ہوگی۔ اب بچوں کی خوشیوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اور عثمان ماشاءاللہ بانکے چھبیلے نہیں ہیں۔ سمجھدار ہیں وہ خالی حسن نہیں چاہیں گے امید اللہ نے میری مدد کی ہے آئندہ بھی کرے گا

آپ نے یہ کیسے کہہ دیا بھائی میاں صرف حسن نہیں چاہیں گے طارق بڑی خاموشی سے اب کی گفتگو سن رہا تھا۔ آخر چپ نہ رہ سکا۔ کب سے کھڑا ہوا تھا

تم سے کچھ کہا ہے عثمان نے؟ اماں جان کا تم، ان کی سنجیدگی کی انتہا ظاہر کر رہا تھا

کہا تو نہیں ہے مگر اللہ نے بندے کو آنکھیں تو دی ہیں، وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا

ہاں بیٹے آنکھیں تو تمہیں ہی ملی ہیں جانے کس سامری جادوگر کی۔ وہ جھلا گئیں

ہمیں تو اپنے بچے میں ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دی بھیا۔ کل اتنا پوچھا تھا۔ چپ ہی رہا

،انہیں اپنے بیٹے کی سعادتمندی پر پیار آ گیا

انہیں پتا تھا آپ سوئی کھلتی کھلتی نشانے پر پہنچ ہی جائیں گی، وہ مسکرایا

تو تو ہی بتا دے اس کا ٹھیک نشانہ۔ انہیں سچ مچ غصہ آ گیا۔ محض اس بات پر کہ انہیں اصل حقیقت کیوں پتہ نہیں چل رہی

وہ تو میں آپ سے ایسے ہی کہہ رہا تھا احتیاط کے طور پر۔ وہ مجھ سے کبھی اس قسم کی باتیں کریں گے۔ وہ تو مجھ سے زیادہ شرمیلے ہیں، وہ شریر ہوا

اے ہاں اور سن لو، اب یہ شرمانے بھی لگے ہیں. باقی تو سب کچھ کر بیٹھے. اماں جان کو ہنسی آ گئی. خیر ہم ماں بیٹے کے درمیان ایسی کوئی دیوار نہیں کہ وہ مجھے حقیقت نہ بتا سکے، وہ اطمینان سے بولیں،

بھابھی جان دریہ کیلئے تو کچھ کرو دیکھئے گا عثمان سے کس قدر خوبصورت لڑکی ہے اوپر سے اس کا پہننا اوڑھنا، انیسہ بیگم تو مزید لٹو ہو چکی تھیں

بات تو میں اپنے لڑکے سے تب کروں گی جب مجھے کسی طرح ان کی سوچ کا پتہ چل جائے. ویسے میرا دل ڈرتا ہے انیسہ، وہ پھر لائین بسلنے لگیں

چلو میں نے تمہاری بات سے اتفاق کر بھی لیا کے بھابھی جان کے کچھ اس طرح کے خیالات ہیں. وہ لالچی داماد نہیں لائق داماد چاہ رہی ہیں تب بھی مشکل ہی ہے. وہ ہمارے ماحول میں کھپ نہیں سکتی. اور یہ میرا ارمان ہے، کم از کم عثمان کی دلہن تو میرے ساتھ رہے. میری بیٹی بن کر ہے دریہ ہے تو خوبصورت لیکن اس کا مزاج میری سمجھ میں نہیں آیا. ثوبیہ البتہ

ارے اماں جان ثوبیہ تو بہت چھوٹی ہے ابھی، طارق جلدی سے بولا

چلو ابھی چھوٹی ہے جب تک تمہارا نمبر لگے گا اس وقت تو سمجھدار ہو چکی ہوگی

انیسہ بیگم نے اسے چھیڑا تو واقعی بغلیں جھانکنے لگا. اسے امید نہیں تھی پھوپھو جان ایسی من چاہی بات بھی کر سکتیں ہیں

اماں جان نند کے اس جملے پر خاموش رہیں تو طارق کے وجود میں خون کے ہمراہ سکھ بھی دوڑنے لگا

اچھا باقی باتیں تمہارے بھائی کے آنے کے بعد بچے بھی آنے والے ہیں، میں چائے بنالوں

ارے ہاں بیٹے تمہاری وجہ سے تو میں دس کام چھوڑ کر آئی. بہت بہت مبارک ہو تمہیں. اللہ اسی طرح تمہیں زندگی میں کامیابیوں سے نوازے ارے وہ باسکٹ کہاں گئی؟ ایسا دماغ ہے میرا،

انہوں نے جھک کر باسکٹ اٹھائی اور ایک بڑا سا مٹھائی کا ڈبہ نکال کر سامنے بڑی کرسی پر رکھا اور ایک ہاتھ میں تھاما ہوا ایک پیکٹ کھولنے لگیں. یہ اخبار میں لپٹا ہوا سرخ پھولوں کا ہار تھا. انہوں نے طارق کے گلے میں ڈال دیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا

خدا بہت سی خوشیاں دکھائے تمہیں،

یہ خود ہی پہن لیں گے. آپ دے دیجئے گا بس، فاروق جانے کب آوارد ہوا تھا کیونکہ بائیک طارق کے تصرف میں تھی. اور آج وہ پوائینٹ سے گیا تھا اسی لئے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب اندر چلا آیا.

السلام علیکم

وعلیکم السلام جیتے رہو. لو ماشاء اللہ اب تھوڑی دیر بعد رونق پھوٹ پڑے گی. بھائی جان کے گھر، وہ مسکرائیں

یہ حبیب کہاں ہے. وہ تو ایک بجے تک آ جاتا ہے. انہیں اچانک دھیان آیا.

اپنے کسی دوست کے ہاں گیا ہوا ہے. امتحان ہونے والے ہیں. ساتھ بیٹھ کر پڑھتے ہیں. کبھی حبیب چلا جاتا ہے کبھی وہ آ جاتا ہے.

انہوں نے کچن میں کھڑے کھڑے جواب دیا. ہاتھ بدستور کام میں مصروف تھے.

ہالی ڈے ان فون کر دیا تھا کہیں وہ شیخ نئے دور کا مجنوں مشہور نہ ہو جائے. ویسے بھی یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے، فیروزہ نے کہا

. کر دیا تھا فون بتا دی تھی اپنی مجبوری، ستارہ نے قمیض کی آستین کہنیوں تک سمیٹ کر اطمینان سے جواب دیا کچھ کہہ رہا تھا

کہنا کیا ہے وہی کہے گا جو کہنا چاہیے تھا یعنی کوئی تگڑی تازہ پارٹی مل گئی ہے. بعض مرد تا نے بھی عورتوں کی طرح دیتے ہیں، وہ طنز سے ہنسی

حالانکہ وہ پاکستانی مرد نہیں ہے، وہ پھر ہنسی

ایشیائی تو ہے، فیروزہ نے اسے غور سے دیکھا

ہوں کہہ رہا تھا میں صرف تمہاری وجہ سے پاکستان میں اتنے عرصے سے ہوں

جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا. تم ہو ہی ایسی چیز، فیروزہ نے پرس کھول کر سپاری نکالی اور پھانک لی

اچھا. ستارہ تشکر سے ہنسی

چلو خیر. میں تو بہت اطمینان محسوس کر رہی ہوں. میرے حق میں تو یہ بچے بہت رحمت ثابت ہوئے ہیں، فیروزہ نے سوئے ہوئے عمر کے بال پیشانی سے سمیٹے

یہ بچی بہت چھوٹی ہے روز مجھے پریشانی ہوگی، ستارہ نے فکرمند انداز میں کہا

سوات پہنچ کر کوئی انتظام کر لینا. کوئی مقامی عورت رکھ لینا اس کی نگہداشت کے لئے، یہی کرنا پڑے گا، ستارہ نے آمادگی ظاہر کی

آنٹی آپ سوئی نہیں، عمر نے غنودگی کے عالم میں قطع کلامی کی

لو اٹھ گیا تمہارا القراط. ستارہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

نیند نہیں آ رہی ہے جان، اس نے پیار سے اس کے رخسار چھوئے

آپ کو اپنی امی یاد آ رہی ہیں؟ اس نے بھولپن سے پوچھا

جانے کون کون یاد آ رہا ہے ہمیں. وہ مسکرائی.

مگر آپ کے گھر میں تو صرف آپ کی امی تھیں. ۔وہ حیران ہوا.

ارے اس شہر کی اتھارٹیز میں سے ہیں ہماری گھر والے. وہ ہنس پڑی.

میں سمجھا نہیں وہ الجھ گیا.

اس کے سسرال والے، ستارہ نے ہنس کر شرارت سے کہا پھر دونوں کا مشترک قہقہہ بلند ہوا.

تم سو جاؤ زندگی ہم بھی سو رہے ہیں وہ اس کے سوالوں سے بچنے کے لئے اوپر برتھ پر

چڑھ گئی، ستارہ گڑیا کے پہلو میں لیٹ گئی۔

فیروزہ اپنی زندگی پر غور کرنے لگی۔اس کی تقدیر اتفاقات کی کہانی بن کر رہ گئی تھی۔

اس کی ماں نے اس کی پرورش بہت نازونعم سے کی تھی۔جس کی وہ اولاد تھیں۔اس نے تاوان کے طور پر اس کی ماں کو بہت نوازا تھا منظر عام پہ نہ آنے کی منہ مانگی قیمت دی تھی اس کی ماں نے بتایا تھا وہ بگڑا نواب نہیں تھا لیکن ایک ساہوکار کی اولاد تھا۔

اس کی ماں اپنے ماحول میں خوش تھی اسے فیروزہ کی طرح چہار دیواری کا شوق نہیں تھا اس کا مزہب ایمان مقصد صرف پیسہ تھا۔

اس کی ماں نے بتایا جب ستارہ پیدا ہوئی تو وہ چوالیس برس کے لگ بھگ تھی جب کہ ظاہری طور پر بمشکل تیس کی نظر آتی تھی۔وہ بیماریوں کا شکار ہوگئی اور ایک دم جھٹک گئی اور عمر کے اصل پردے پر ظاہر ہونے لگی۔تب وہ الگ تھلگ ہوگئی اور ان دونوں کی پرورش میں منہمک ہوگئی پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن جب فیروزہ بڑی ہوئی تو خزانے کی کھرچن چل رہی تھی مگر فیروزہ کے سبب خزانہ پھر ابلنے لگا۔

فیروزہ کو یہ زندگی پسند نہیں تھی اس نے کئی بار رسیاں توڑنے کی کوشش کی مگر تقدیر میں ناکامی رقم تھی مگر اس کو ایک خطرے کا احساس ہر دم رہنے لگا وہ کھلے خرچے کی عادی تھی دوسرے ماں ہونے کے ناتے اسے دونوں کے مستقبل کی فکر دامن گیر تھی وہ آج کل اسی سوچ میں تھی کہ کیا کرنا چاہئے۔

کہ قسمت نے خود اس کے دروازے پر دستک دی اس کے ذہن میں ایک پروگرام خودبخود ترتیب پا گیا اور اب یہ طویل سفر اسی پروگرام کا ایک حصہ تھا

سوات میں اس کی ماں کا ایک مکان تھا جو اس کی جوانی کی یادگار تھا بلکہ اس ساہوکار کی اولاد کی یادگار تھا۔

اس کا خیال تھا ان بچوں کا باپ بڑا آدمی ہے۔اس سے پہلے کہ پولیس اصل راہ تک آئے بچوں کو شہر سے باہر پہنچا دیا جائے۔اس کی ماں کا ایک مصاحب مالاکنڈ کی پہاڑیاں کا باسی تھا۔آجکل سوات میں ایک قہوہ خانہ چلا رہا تھا۔اس کی وجہ سے دونوں مطمئن تھیں کہ وہاں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور وہ بچوں کا مسئلہ حل کر کے وہ واپس کراچی واپس آجائیں گی گاہے گاہے بچوں سے ملنے جایا کریں گی۔

بڑھیا یہ کام خود بھی کر سکتی تھی مگر وہ چاہتی تھی کہ دونوں لڑکیاں کل کی زمہ داریاں آج سے سمجھیں۔بچے ان سے مانوس ہو جائیں تاکہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

اماں میں تمہاری مزید کوئی نہیں مانوں گی۔اب وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔

میں اس بچے کی اسی طرح پرورش کروں گی جیسے کوئی ماں کرتی ہے۔

مجھے اس بچے سے کیا واسطہ ہے۔

مگر اس میں میرے کسی جزبے کی تسکین ہے نا آسودگیوں کا ازالہ ہے۔

میرے خوابوں کا سوال ہے۔

میرے اندر کی عورت کا تقاضا ہے۔اس نے برتھ کے نیچے جھانک کر سوئے ہوئے عمر کو دیکھا۔

پھر چشم تصور میں ایک مضبوط اور شاندار اٹھان والے عمر کو دیکھا۔جس دیکھنے والے نظر لگا رہے تھے۔

ہوں۔ولایت علی شاہ نے ایک لمبا سا ہوں کیا۔

یہ بلکل سچ ہے۔گزرتا وقت یہ ثابت کر دے گا کہ یہ سچ ہے۔آخر گڑیا کو ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھپایا جا سکتا اللہ کرے عمر جلد آ ملے تا کہ،

مت کرو یہ بے اثر دعائیں یوں کہو کہ صرف مجھے میری گڑیا مل جائے وہ زہر لہجے میں گویا ہوئے

روشن نیچے بیٹھی ہوئی تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں موٹی موٹی سی محسوس ہو رہی تھیں۔

کیا تمہاری ماں اس میں شریک ہے

روشن خاموش رہی۔

تم نے میرے دل پر ہاتھ ڈالا ہے مجھے اجاڑا ہے میں تمہیں وہ سبق دوں گا کہ تمہیں ہر سزا کے لیے تیار ہوں وہ کانپ کر کھڑی ہو گئی۔میں تم دونوں ماں بیٹی کو جیل بھی بھجوا سکتا ہوں مگر میں تمہیں جیل نہیں بھجواؤں گا میں اپنی عزت تمہارے عوض نیلام نہیں کروں گا میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا۔انہوں نے نفرت سے کہا۔

میں ہر گھڑی ہر لمحے تمہیں سزا دوں گا روشن کچھ سزا قدرت نے تمہارے لیے مقرر کر دی ہے باقی میری زمہ داری ہے تمہیں بھوک لگے تو نوٹ چبانا، اپنے زیورات چبانا، پیاس لگے تو بھی، جن چیزوں کو تم نے تسکین کا زریعہ سمجھا تھا میں تمہیں وہی چیزیں دوں گا۔

میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا روشن اور میں تمہیں آسانی سے مرنے بھی نہیں دوں گا میں اپنے بچوں کی محبت سے اپنے ظرف کی پیمائش نہیں کر سکتا یہاں اس مقام پر ایک منتقم اور اسفل آدمی ہوں۔

چابی کہاں ہے انہوں نے سامنے بنے نسبتا کم چوڑے دروازے کی طرف اشارہ کیا

روشن نے کچھ نہیں کہا بس آنکھیں پونچھتی واڈروب کی طرف بڑھی اور چابیاں ولایت علی شاہ کے حوالے کر دیں۔

ولایت علی نے دروازہ کھولا، وہ کوئی باہر نکلنے کا راستہ نہیں تھا اور کوئی ملحق روم بھی نہیں تھا ، بلکہ اس دروازے سے نیچے کی طرف زینے جا رہے تھے جو ایک تہہ خانے میں جا کر تمام ہوتے تھے، اور اب ولایت علی شاہ نے ایک بٹن پش کر کے تہہ خانے کی لائیٹ جلا دی تھی۔

یہاں گھر کا اہم اور نا استعمال ہونے والا سامان پڑا ہوا تھا اور مخصوص جگہ پر ایک آہنی تجوری تھی، جس میں ان کی ماں کے بشمول عمر کی ماں کے قیمتی زیورات تھے جواب روشن کے تصرف میں تھے۔

میرے ساتھ آؤ روشن۔انہوں نے روشن کو زینے کی طرف اشارہ کر کے نیچے اترنے کو

کہا۔اس نے غایت درجہ دہشت زدہ ہو کر شاہ کی صورت دیکھی۔نگران کا چہرہ پتھریلا اور سپاٹ تھا۔

میں کہتا ہوں نیچے چلو۔وہ گرجے۔

وہ گرتی پڑتی زینے کی طرف بڑھی۔پھر آہستہ آہستہ زینے کی اترنے لگی اس کے پیچھے ولایت علی شاہ نے قدم بڑھائے مگر اس سے پہلے انہوں نے دروازہ بند کرنا یاد رکھا۔

یہ اوپر بنے دو کمروں کے رقبے پر پھیلا ہوا کشادہ تہہ خانہ تھا۔اور بے حد ٹھنڈا تھا۔یہاں پڑی ہر چیز کو چھونے سے ٹھنڈک کا احساس ملتا تھا، گویا قدرتی ایسی تھا

حالانکہ میرا دل چاہتا ہے یہاں یہاں دوزخ جیسی تپش ہو مگر میں مجبور ہوں بلکل اسی طرح جیسے تقدیر کے اور فیصلوں کے سامنے مجبور رہا، یہ تمہاری قید تنہائی ہے، یہ تو پھر بھی گھر کا حصہ ہے۔

یاد کرو روشن وہ رات جب ایک پانچ سال کے معصوم بچے کو بیابان میں اتارتے ہوئے نہ تمہارا کلیجہ پھٹا نہ دل کانپا تھا اور نہ خدا کا خوف طاری ہوا تھا۔تم عورت ہو کر معصوم بچے پر رحم نہیں کھا سکیں اور پھر میں تو مرد ہوں اور تم کوئی بچہ نہیں ہو اور سب سے بڑھ کر کسی جنگل میں نہیں ہو

تمہاری ماں سے نمٹنا میرے اگلے فرائض میں سے ہے اور میرا تمہارا تعلق۔اس دن سے ختم سمجھو جس دن

دوسرا حصہ:

صفحہ 101 سے صفحہ 200 تک

تم نے بشر کو اپنی فطرت کی درندگی دکھائی تھی۔

روشن پھٹی پھٹی آنکھوں سے جاتے ہوئے ولایت علی شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

یہ اتنا موم آدمی۔

یہ اتنا پانی آدمی۔

یہ اس قدر سادہ آدمی۔

منتقم، شقی، جابر بھی بن سکتا ہے؟

ولایت علی شاہ کا موجودہ روپ اس کے ذہن کے پردے پر کبھی خواب میں بھی نہیں آیا تھا۔

اندر سے دل نے کسی پیر کامل کی طرح سمجھایا۔

روشن یہ اس قدر سخت اور شقی بنا ہی اس لیے ہے کے بے حد نرمی، لچک، انسانیت و حساسیت اس کی فطرت ہے۔جتنی شدت عمل میں ہوگی اتنی ہی ردعمل میں۔بیوقوف عورت یہ تو بہت آسان سی بات ہے۔

شاہ۔۔۔اس نے قدم آگے بڑھائے۔

وہ رک گئے مڑے نہیں۔

اس سزا کی معیاد کتنی ہے۔؟ تنہائی کے احساس سے اس کی روح کانپ گئی۔

جب تک میرے تینوں بچے اکٹھے ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہنستے مسکراتے نظر نہیں آتے۔

شاہ۔۔۔۔ آپ مجھے شوٹ کر دیجئے۔ یا جیل بھجوا دیجئے کم از کم وہاں لوگوں کی آوازیں

تو آئیں گی۔۔۔۔ کوئی دکھائی تو دے گا۔

دوسرے معنوں میں وہ رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

یہ انداز فکر آج پیدا ہوا ہے یا بشر کو بیابان میں ڈالتے ہوئے چند لمحے کے لیے یوں سوچا

تھا۔؟ انہوں نے پلٹ کر نفرت بھری نظر اس پر ڈالی۔

اور رہی شاٹ کرنے کی بات تو سن لو اگر میں زندہ رہوں گا تو تمہاری زندگی میں کبھی وئی

آسان نہیں آنے دوں گا۔ ہاں اگر مر گیا تو تمہاری قسمت۔

انہوں نے دو تین زینے طے کیے۔

پھر رک گئے۔

روشن کے سینے میں دل دھڑ دھڑ بجنے لگا۔

روشن تمہیں قبول کرنے کا قانونی طور پر عمل یہ تھا کہ گواہان کی موجودگی میں، میں نے

نکاح کے فارم پر کیے تھے۔ اپنی بدقسمتی کو آواز دی تھی۔

اس سے زیادہ میں پچھتا نہیں سکتا۔

اور اس سے زیادہ تمہاری ذات کی توہین کیا ہوگی۔

میری بدقسمتی کا گراف دیکھو، پھر میرا عمل دیکھو، اور پھر اپنی سزا پر راضی ہو جاؤ۔

وہ بڑھ گئے۔

مجھے معاف کر دیجئے شاہ۔ خدا مجھ سے خود بدلہ لے گا۔ وہ ہزیانی انداز میں آگے بڑھی۔

مگر میری تسکین کیوں کر ہوگی۔ آگ جو اندر دہک رہی ہے اس پر چھینٹے کیوں کر پڑیں

گے۔ مجھ سے سکون حاصل کرنے کے حقوق تو تم چھین نہیں سکتیں۔

وہ دو پر چڑھنے لگے یہاں تک نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔

گڑیا نے ہلکے سروں میں موسیقی شروع ہی کی تھی۔ جلدی سے فلاسک سے دودھ فیڈر

میں ڈالا اور گڑیا کے منہ میں لگا دیا۔

آنٹی۔۔۔ ستارہ جانے کن خیالوں میں گم تھی بےتحاشہ چونک پڑی۔

اٹھے ہوئے ہو شیطان۔ وہ مسکرائی اس سے اوندھا لیٹا ہوا اور غور سے دیکھتا ہوا

عمر۔۔۔۔ اسے بہت پیارا لگا۔

تھینکس آنٹی۔

بنڈل آف تھینکس آنٹی۔

کس لیے؟ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

آنٹی جتنا خیال آپ کرتی ہیں ناں گڑیا کا۔ اتنا خیال کرنے کی ہماری گورنس ون تھاؤزنڈ

ایک ہزار لیتی ہے۔

آپ تو ہمارا اتنا خیال رکھتی ہیں اور کچھ لیتی بھی نہیں ہیں۔ ویسے اگر آپ کچھ لیتیں بھی تو

میں دیتا کہاں سے۔؟ کیوں کہ میں تو سروس بھی نہیں کرتا۔

وہ بڑی یاسیت بھری بزرگانہ معصومیت سے گویا ہوا۔

فکر نا کرو بیٹا ہم اکٹھا ہی لے لیں گے۔اوپر برتھ سے فیروزہ کی آواز آئی تو ستارہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھی۔جاگی ہوئی ہو روز۔؟

ہوں۔اس ٹرین کی تاتھیا میں نیند کس کو آتی ہے۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

جی آنٹی واقعی ٹرین بہت شور کرتی ہے۔عمر نے تائید کرنا ضروری خیال کیا۔

ایک مرتبہ ہم دادو گئے تھے ٹرین میں۔پپا سعودیہ میں تھے اور ہمارا ڈرائیور چھٹی پر تھا اس لیے ہمیں ٹرین سے جانا پڑا تھا۔ویسے مزا بہت آتا ہے۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا کھڑکی سے سر نکال کر باہر جھانکنے لگا۔

باہر مت نکالو عمر۔فیروزہ نے اوپر سے ٹوکا۔

عمر نے سر اندر کر لیا۔

ابھی تو سٹیشن بہت دور ہے۔بہت اندھیرا ہے باہر۔وہ پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جب ڈرائیور بھی موجود تھا تو ممی ٹرین سے کیوں گئیں۔گاڑی کیوں نہیں لے گئیں۔

لو بھئی پھر۔ستارہ نے گہری سانس لی۔

اچھا آنٹی۔کیا بشر سوات میں مل سکتا ہے۔؟

عمر۔۔۔میں نے تمہیں ایک ایک بات سمجھا دی ہے پھر بھی۔فیروزہ کی اوپر سے ناراض سی آواز آئی۔

سوری آنٹی۔وہ چپ ہو گیا۔وہ ان محبتوں سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا چاہے کچھ ہو جائے۔

میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔آنٹی جیسے سوات جا سکتے ہیں ویسے ہی کراچی بھی واپس جا سکتے ہیں۔ہے ناں۔؟اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

ظاہر ہے۔فیروزہ کی آواز آئی۔تم اپنے وعدے پر تو قائم ہو ناں کہ اگر بشر نا ملا تو تم اپنی ممی سے بدلا لو گے۔

جی آنٹی۔وہ تو اب ویسے ہی بہت پریشان ہونگی گڑیا کو جو لے آیا ہوں میں۔شاید وہ رو بھی رہی ہوں۔

انہیں رونا بھی چاہیئے انہوں نے تمہیں اور بشر کو بھی تو رلایا ہے۔ستارہ نے کہا۔

اور کیا۔ویسے آنٹی۔وہ بولتے بولتے یکدم چپ ہو گیا۔

ویسے کیا۔؟فیروزہ نے نیچے جھانک کر پوچھا۔

بشر بہت پریشان ہوگا۔

ہاں اگر تمہاری ممی نے اسے زندہ چھوڑا ہوگا۔فیروزہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔عمر کی شریانوں میں لہو ابلنے لگا۔

کیا ممی کو پولیس پکڑ نہیں سکتی۔؟ وہ تپ اٹھا۔

پکڑ سکتی ہے اگر پولیس کو پتا چل جائے۔ مگر پولیس کو پتا لگے تب ناں۔ ستارہ نے کہا۔

میں ذرا بڑا ہو جاؤں میں انہیں خود پکڑوا دوں گا۔ میں پولیس کو بتا دوں گا کہ انہوں نے میرے بھائی کو مار دیا ہے۔

اس کی آواز بھرا گئی۔

تم پھر رونے لگے۔ تمہیں بتایا ہے ناں مرد روتے ہیں بدلہ لیتے ہیں۔ فیروزہ نیچے اتر آئی۔

نہیں میں رو تو نہیں رہا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں مسل ڈالیں۔

فیروزہ اس کے برابر میں آ بیٹھی۔ اور اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

کیا تمہیں ابھی تک پتہ ہی نہ چلا کہ ہم تمہیں کتنا پیار کرنے لگیں ہیں۔ اپنے تمام فرینڈز، کمپنیز چھوڑ کر تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ بشر کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

مجھے پتہ ہے آنٹی۔ آپ مجھ سے، گڑیا سے بہت پیار کرتی ہیں۔ آئی لو یو ٹو۔۔ (میں بھی آپ سے پیار کرتا ہوں)۔

تو پھر رویا نا کرو میری جان۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ محبت کرنے والوں کو تکلیف نہیں دیتے زندگی۔ فیروزہ نے عمر کی پیشانی چوم لی۔

محبت کا لمس ملا تو اندر کے تمام شعلوں پر پانی سا آ پڑا۔

محبت محض بہلاوہ ہوتی ہے۔

نہ یہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ چھوئی جاتی ہے۔ مگر توانائی بن کر محسوس ہوتی ہے۔

محبت انسان کا سب سے بڑا تقاضہ نہ ہوتی تو زندگی بہانوں کی محتاج نہیں ہوتی

محبت زندگی کا خوبصورت بہانا ہوتی ہے۔

قوت حیات بڑھاتی ہے۔

دل کی دھڑکنوں کی تعداد بڑھاتی ہے۔

بازوؤں کو فولاد بناتی ہے۔

دنیا کی پہلی تعویل محبت ہی ہے۔

صبح ازل کی پہلی شعاع محبت ہے۔

ہر حرف دعا محبت کا محتاج ہے۔

ہر اثر محبت کی بیساکھی چاہتا ہے۔

انسان محبت چاہتا ہے۔

رب کائنات بلا شرکت غیر محبت چاہتا ہے۔

یہ کائنات دراصل محبت ہی کی تشریح ہے۔

جب ہی تو یہاں جو محبت نہیں کرتا تباہ ہو جاتا ہے۔ تنہا رہ جاتا ہے۔

جو محبت کے راستے سے منہ موڑتا ہے آخر دم پھر بہت پچھتاتا ہے۔

یے فیروزہ کے گلے لگ کر سکون مل جاتا تھا۔

اسے فیروزہ کے لمس سے زندگی کا حوصلہ مل جاتا تھا۔

ننھا منا سا بچہ آہن بن جاتا تھا۔

فیروزہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

لمس، لہجہ، لحن، محبت کا یہ اظہار کریں تو انسانی وجود پر گلیشیئر کی طرح چھا جاتے ہیں۔

انسان پگھلنے لگتا ہے۔

یہ لڑکیاں غرض میں لپٹی محبتوں کا اظہار کر رہی تھیں۔

لیکن جس نے کبھی غرض میں لپٹی محبت بھی نہ پائی ہو وہ غرض و بے غرض کی تفریق سے بے نیاز ہوتا ہے۔

محبت کیوں کے گونگی ہوتی ہے یا اندھی ہوتی ہے بہری ہوتی ہے اس لئے بیل کی طرح ہو جاتی ہے جو کہ ہر قریب کی چیز سے لپٹ جانا چاہتی ہے۔ پانی بن جاتی ہے جو بہاؤ چاہتا ہے۔

اگر محبت کو زبان لگ جائے۔

کان مل جائیں۔

آنکھیں میسر آ جائیں تو انسان قیامت تک نقل و اصل یلگ کرتا رہ جائے

بچے اور جانور کیونکہ لمس و لہجے کی نرماہٹ کو محبت کا عنوان دیتے ہیں۔
اس لیے سادگی سے بہل جاتے ہیں۔

یہاں اگرچہ غرض تھی مگر لمس و لہجے کی نرماہٹ بھی تھی۔ بہلا وہ بے حد مضبوط تھا۔

چندا۔ تم اوپر جا کر لیٹ جاؤ۔ تھوڑا سا سو جاؤ۔ ورنہ تھک جاؤ گے۔ کوئی اسٹیشن آیا تو میں تمہیں اٹھا دوں گی۔ فیروزہ نے اس کا رخسار چوم لیا۔ وہ خاموشی سے سیٹ سے اٹھا اور اوپر چڑھنے لگا۔

اماں کہہ رہی تھیں ہمیں سال دو سال کراچی سے باہر تو ضرور گزارنا پڑیں گے۔ ستارہ نے گڑیا کو سیٹ پر لٹا دیا۔

ہاں کیونکہ گڑیا بہت چھوٹی ہے۔ فیروزہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

مگر اس طرح تو بہت لاس (loss) ہوگا۔

ان دونوں سالوں کا لاس ہمیں تیس برس کے فائدے بھی تو دے گا۔ یہ بھی سوچا؟ فیروزہ مسکرائی۔

ارے یہاں سے پشاور کیا دور ہے۔ اور پشاور سے افغانستان کیا دور ہے۔ فیروزہ شرارت سے مسکرائی۔

طورخم سے کراچی تک ہماری رسائی ہے۔ تمہیں یاد نہیں دوہا میں ایک بیتاج بادشاہ میرا دوست تھا۔ وہ آج کل کابل میں ہوتا ہے۔ سلیپنگ پلز کھا کر سوتا تھا۔ بیوی کی بیوفائی کے قصے سناتا تھا۔ صبح کو دو رنگ کے کپڑے پہن کر بغیر ڈریسنگ کے باہر آ جاتا تھا۔ ناشتہ کرنے۔ ذہنی

طور پہ بہت ڈسٹرب رہتا تھا نا۔ دو سال وہ فائیو اسٹار ہوٹل میں مقیم رہا۔ کوئی حد ہو گی اس کی دولت کی۔

ہم کہیں چلے جائیں ہمارے دوست ہر جگہ سے سبزے کی طرح اگ آتے ہیں ستارہ۔ تم فکر نا کرو۔ اماں کبھی کوئی کام بغیر سوچے سمجھے نہیں کرتیں۔

ستارہ فیروزہ کے برابر آ بیٹھی تھی۔ دونوں سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔

لیکن یہ بات ہے ہمیں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایک تو اس لئے کی یہ بچہ بہت بوڑھا ہے دوسرے اس لئے کے بڑے آدمی کی اولاد ہے۔

لیکن ستارہ۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کے مستقبل میں یہ بچے ہمیں محنت مزدوری سے بچائیں گے۔

مجھے ان عورتوں پر رشک آتا ہے جو پہلے باپ کی کمائی پر عیش کرتی ہیں۔

پھر شوہر کے گھر روٹیاں توڑتی ہیں۔

پھر بیٹوں کی کمائی پر ناز کرتی نظر آتی ہیں۔

فرصت اور ذہنی فراغت۔۔۔ کیا مزے کی زندگی ہے۔

ایک ہم کنواں کھودیں تو پانی پئیں۔ وہ یاسیت سے بولی۔

یوں بھی نہ کھو روز۔۔۔ باپ کے گھر میں کتنے دن رہتی ہیں۔ پھر شوہر کی آمریت میں آجاتی ہیں پھر بچے ہو جاتے ہیں۔

تو ایک مستقل فکر ان کے مستقبل کے متعلق لگ جاتی ہے۔ مگر تفکرات اور ذمہ داریوں سے بیچاریاں قبل از وقت بوڑھی ہونے لگتی ہیں۔ ستارہ کا بہت قریب کا مشاہدہ تھا۔ آزادی کو ترستی ہیں بیچاریاں۔

ہونہہ بے چاریاں۔۔۔ فیروزہ نے حقارت سے کہا۔

تم اس لیے جیلس ہو رہی ہو کہ جو تم چاہتی تھیں وہ انہیں مل رہا ہے۔ ستارہ نے سائیکاٹرسٹ کا منصب سنبھالا۔

کیوں نہ جیلس ہوں۔ کیوں نہ سلگوں۔ آخر انہی لوگوں نے تو مجھے۔۔۔

چھوڑو، مت جان جلاؤ اپنی۔ ماشاءاللہ اب تو تمہارا بیٹا ہے اسے اس قابل بنا کر کسی صوبے میں آئی جی لگوا دینا

دولت، اختیار، زور، عزت سب کچھ مل جائے گا۔ پھر تم پودوں کو پانی دیا کرنا اور مزے مزے کے کھانے بنا کر اس کا انتظار کرنا ستارہ شرارت سے مسکرائی۔

تو فیروزہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

ڈائریکٹ آئی۔ جی لگوا دیا تم نے تو۔

میں تو چیف آف آرمی لگوا دیتی۔ مگر تھوڑی کسر رکھنا چاہئے۔ ایمانداری سے کہو بے نہیں زوردار چیز۔ وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھنے لگی۔

فیروزہ مطمئن انداز میں مسکرا دی۔

کہیں سن تو نہیں رہا؟ ستارہ نے سر اوپر کر کے دیکھا۔

کہیں آفت کی پُڑیا اریسٹ ہی کرا دے۔ اور ہم سنہرے خوابوں سمیت جیل میں پتھر توڑیں۔

کیا بدفالیں نکال رہی ہو۔ کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے۔ فیروزہ نے لتاڑا مگر میں۔

ہاں بیٹی۔ وہی دھندے ہیں روز کے۔

طارق؟ ہاں گھر پر ہی ہے نوکری کی تلاش میں جوتیاں چٹخا رہا ہے آج کل۔ تمہاری ماں کا بھی رات فون آیا تھا بتا رہی تھیں بلڈ پریشر رہنے لگا ہے۔

بہت افسوس ہوا۔ خیر آج کل تو ہر بیماری کا علاج ہے۔ اللہ کرم کرے گا۔

طارق؟ ہاں اس کی تو وہی شرارتیں ہیں۔ بس ذرا دیر کو باپ کے سامنے کان دبا کر بیٹھ جاتا ہے۔

طارق بیٹے۔ یہ دریہ پوچھ رہی ہے تمہیں۔

آپ انہیں کہہ دیں میں بھی انہیں پوچھ لوں گا۔

ارے سن تو ذرا اس کی بات۔

اماں جان ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر طارق سے مخاطب تھیں اور دریہ دونوں ماں بیٹے کے مکالمے بخوبی سن رہی تھی۔

طارق نے ماں کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

محترمہ۔ اس وقت ریسیور میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

کیسا ہوں؟ جیسا چھوڑ کر گئیں تھیں اب تک ویسا ہی ہوں بس تھوڑا گورا ہو گیا ہوں۔

میں آپ کا حال پوچھ کر کیا کروں گا۔؟ فون آپ نے کیا ہے آپ حال بھی پوچھیے۔ اور وہ مس ایڈونچر کہاں ہیں۔ پولو کھیلنے لگی ہیں۔ اف وہ کھیل جو مردوں کے پسینے چھڑا دیتا ہے۔ انہیں کہیے بلکہ سمجھائیے آج کل تو اچھی بھلی لڑکیاں رخصت ہو کر نہیں دے رہیں۔ مصنوعی ٹانگ لگ جاتی ہے مگر آدمی پھر بھی چلتا لنگڑا کر ہی ہے۔ اور یہ بھی بتائیے ہاتھ بہت بڑی نعمت ہیں۔ دیکھیں ناں اگر ہاتھ نہ ہوں تو انسان نوالہ کیسے بنائے کیسے منہ میں ڈالے۔ اگر کچھ ہو گیا تو کوئی گھڑا بھی قبول نہیں کرے گا۔

ہنسیے نہیں۔ کسی کے مستقبل کا سوال ہے بلکہ کسی کے کیا آپ کی حقیقی بہن کے مستقبل کا سوال ہے۔

شکریہ۔ شکریہ فوزیہ آخر میری کزن ہیں ان کی بھلائی کے لیے میں نہیں سوچوں گا تو کیا گھوڑے سوچیں گے۔؟

آپ ہنس رہی ہیں۔؟ ہنس لیجیے۔ مگر محکمۂ ٹیلی گراف یہ نہیں دیکھے گا کہ ایک منٹ تک ہنسی تاروں میں دوڑی تھی یا کوئی بات۔ بل وقت کا آتا ہے باتوں کا نہیں۔

ویسے ٹیلی فون کا استعمال یوں نازیبا ہے۔ یہ ضرورت کی چیز ہے تفریح کی نہیں۔

یہ لو ایک تو بچی نے اتنی دور سے فون کیا اور یہ اس کو شرمندہ کر رہا ہے۔ اماں جان ناراض ہوئیں۔

ثوبیہ نہیں ہے گھر میں۔؟

اچھا۔ آپ اس وقت رنگ کیا کریں جب سب گھر والے موجود ہوں۔

مثلاً۔ ماموں جان، ممانی جان، فوزیہ اور ثوبیہ۔

شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ مشورے دینا میری ہابی ہے۔ وہ انکساری سے اعتراف کر رہا تھا۔

اچھا خدا حافظ۔ اس نے فون رکھ دیا۔

بھلا کیا ضرورت تھی بتی الٹی سیدھی باتیں کرنے کی۔؟ اماں جان نے خبر لی۔

کیا سوچ رہی ہوگی بے چاری بچی۔ انہیں فکر ہوئی۔

انسان کو سوچنا بھی چاہیے پھر کیا گھوڑے سوچیں گے۔ وہ پھر روانی میں کہہ گیا پھر ایک دم خجل سا ہو کر بولا۔ سوری اماں جان۔

یہ آج تم نے کیا گھوڑے گدھے کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اور ٹیلی فون پر بھی گھوڑا گھوڑا کر رہے تھے۔ اماں جان کا تکلف ان کا حقیقی غصہ ظاہر کرتا تھا۔

وہ فوزیہ آج کل گھوڑے پر بیٹھ کر ہاکی کھیلنے لگی ہیں۔ اس نے اماں کے سامنے پولو کی تشریح کی۔

ہیں۔؟ گھوڑوں پر بیٹھ کر بھی ہاکی کھیلی جاتی ہے۔؟ وہ واقعی حیران ہو گئیں۔ اپنی سمجھ میں آج کل کے بچوں کی کوئی بات۔۔۔ نہیں آتی۔

طارق۔

جی اماں جان۔

دیکھو بیٹے آج میں تمہارے باپ سے بہت ضروری بات کروں گی۔ میں تو ان سے الگ بات کرنا چاہتی ہوں مگر وہ کہتے ہیں بچے بڑے ہو گئے ہیں ہر بات ان کے سامنے کیا کرو گھر میں لوگوں کو ایک دوسرے سے بندھے رہنے کا احساس ہوتا ہے اور یوں گھر کا کوئی فرد دوسروں کو ایک دم چھوڑنے یا ان سے دور ہونے کا حوصلہ نہیں پاتا خود میں۔ خونی رشتوں کی یہ قربت ہمارے خاندان کا ورثہ بھی ہے اور روایت بھی۔

لیکن احسان ماموں۔؟ وہ کچھ کہنے لگا۔

تم پھر بیچ میں بولے۔ بھلا وہ احسان ماموں کی پچھلی باتیں۔ وقت وقت کی بات ہے کسی کی حماقت کو اپنے جی کا جنجال نہیں بناتے۔ اپنی الگ سوچ اور الگ نظریہ ہونا چاہیے۔ میں تمہارے ابا جان سے آج احسان بھائی کی دریہ کے بارے میں رائے لوں گی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے ایسے بلا وجہ اتنی باتیں نہیں کر سکتیں۔

تو آپ دریہ کا رشتہ مانگنے جائیں گی۔؟

ابھی رشتہ کون مانگنے جا رہا ہے۔ آئندہ کے پروگرام آج ہی سے بنانا پڑتے ہیں۔

میری سوچ ادھر اس لیے جا رہی ہے کہ غیروں سے تو بہتر ہو گا کہ اپنی بچی لے آئیں۔ اب خاندان میں لڑکیاں تو ہیں مگر وہ عثمان کو پسند نہیں۔

دریہ پسند ہیں۔؟ طارق نے اشتیاق سے پوچھا۔

پسند و ناپسند کیا کہوں پوچھا تھا میں نے۔ پوچھا بھی کیا تمہاری پھوپھی جان کی باتیں دوہرائی تھیں تو چپ رہا۔ اگر خیال نہ ہوتا تو منع کر دیتا جیسے اور لڑکیوں کے لیے انکار کیا تھا کیوں۔؟

جی اماں جان۔ میں نے تو آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔ بھائی میاں کو دریہ پسند آ گئی ہیں۔ میرا خیال ہے بھائی میاں حسن پرست ہیں۔ سوائے حسن کے دریہ میں اور کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے بھائی میاں خود بہتر سمجھتے ہیں۔

آج کل سب سے خاص بات حسن ہی تو ہے۔ اماں جان بولیں۔

آپ تو خیر ہیں ماں۔ چاندی بھولانے کے لیے آپ کا اپنا دل تڑپ رہا ہے۔ اس نے ماں کو چھیڑا مگر وہ اچھے موڈ میں تھیں اس کے مزاق پر توجہ نہیں دی۔

تو میں یہ کہہ رہی تھی۔ تم لوگ بات مذاق میں نہ اڑا دینا سن رہے ہو۔ ادھر کوئی بات شروع ہوتی ہے اور تم لوگ اپنے تماشے دکھانے لگتے ہو بیٹے وقت کی نزاکت دیکھ کر بات کرتے ہیں۔

ویسے اماں جان۔

ہوں۔؟ وہ تکیوں میں غلاف چڑھانے میں مشغول ہو چکی تھیں۔

آج آپ مجھ سے بڑی اپنائیت سے باتیں کر رہی ہیں۔ خیریت تو ہے۔؟ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

تو بیٹا ہے میرا تجھ سے اپنائیت نہیں ہو گی تو کیا دیواروں کو ہو گی۔؟ وہ پیار بھری خفگی سے بولیں۔

ارے بیٹے یہی تو کمی ہے میرے پاس بیٹی ہو تو ماں بیٹی ایک دوسرے سے ہزار دکھ سکھ کی باتیں کرتی ہیں مگر کسی سے کہہ نہیں سکتی۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مردان کی باریکی اور نزاکت نہیں سمجھتے پھر بڑی گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔

چلیں تھوڑی دیر کے لیے آپ مجھے اپنی بیٹی سمجھ لیا کریں۔ اس نے ماں کی گھٹن کا بہت شدت سے احساس کیا مگر اوپر سے ہنس کر شریر انداز میں ماں سے کہا۔

جیتا رہے میرا بیٹا۔ تو بیٹا میرا لاکھوں پر بھاری مشااللہ۔ خدا نظر بد سے بچائے۔

اتنی تعریفیں کیوں کر رہی ہیں۔؟ ابھی تو کہیں سے انٹرویو لیٹر تو نہیں آیا۔۔۔۔ محبتوں میں ڈوبی ماں پر بے انتہا۔۔۔۔ پیار آ گیا۔ مگر شرارت اس کی فطرت تھی۔

ماں مطلبی نہیں ہوتی بیٹے۔ کوئی ماں کے دل و ذہن کو نہیں پڑھ سکتا سوائے کسی دوسری ماں کے۔ انہوں نے میلے کپڑے سمیٹنا شروع کیے۔

اسی وقت کال بیل بجی۔

کون آ گیا اس چلچلاتی دھوپ میں۔؟ وہ بڑبڑایا اور ہاتھ میں تھاما ہوا اخبار پلنگ پر بے توجہی سے پھینک کر اٹھ کر کھڑا ہوا۔

شکر خدا کا کہیں سے تو انٹرویو کال آئی۔ اس نے ایک نظر خط پر ڈالتے ہوئے ماں کو آگاہ کیا۔

مگر گڑبڑ ہوگئی ہے۔ وہ کچھ فکر مند سا نظر آیا۔

اماں جان کا دل سہم گیا۔ ہیں۔ کیا ہوگیا۔؟

ارے ایسی کوئی بات نہیں۔ بس لاہور جانا پڑے گا۔ کیوں کہ انٹرویو وہیں ہوگا۔

تو کیا نوکری بھی وہیں ملے گی۔؟ وہ اس کی جدائی کے خیال سے پریشان ہوگئیں۔

کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کیوں کہ یہ بین الاقوامی سطح کی تعمیراتی کمپنی ہے۔ چلیں خیر یہ تو ابھی آغاز ہے۔ کتنی درخواستیں تو میں نے کراچی میں دے رکھی ہیں اسلام آباد میں دے رکھی ہیں۔ بلوچستان میں دے رکھی ہیں۔

تو کیا اتنی جگہ مارے مارے پھرو گے۔؟ وہ الجھ گئیں۔

نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ کہیں سے تو کال آجائے۔ بے کاری میں وقت نہیں گزرتا۔

ہاں یہ تو ہے۔ وہ بھی تم جیسی بے چین ہڈی کا۔ خیر اگر لاہور کی بات ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ وہاں تو کئی گھر ہیں۔ تمہاری پھوپھی کے سسرال والے ہیں۔ احسان بھائی ہیں تمہارے تایا جان افتخار احمد ہیں۔ کوئی ایک گھر جہاں رکنا چاہو رک جانا چند دنوں کی تو بات ہے

کیوں۔؟

جی۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہ انٹرویو لیٹر واپس لفافے میں ڈالتے ہوئے بولا اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

صبح کی نوخیزی ابھی برقرار تھی جب شالیمار لاہور اسٹیشن پر پہنچی۔ فوزیہ کا فون آیا تو اماں جان نے باتوں باتوں

میں تذکرہ کردیا تھا طارق کی انٹرویو کال کا۔ وہ تو سنتے ہی خوشی سے جھوم اٹھی تھی اور بصد اصرار کہا تھا کہ طارق ان کے گھر آ کر ٹھہرے۔ اماں جان نے اس کے اصرار سے مجبور ہو کر وعدہ کرلیا تھا کہ طارق انہی کے گھر ٹھہرے گا۔

وہ بھیڑ سے راستہ بناتا ہوا جب کھلی فضا میں آیا تو وائٹ سوٹ وشوز میں ملبوس وریہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سفید فریم کے گاگلز سر پر ٹکائے ہوئے تھی۔ مسکراہٹ بے حد دوستانہ و استقبالیہ تھی۔

ہیلو اوہ سوری۔۔ السلام علیکم جناب طارق احمد فاروقی صاحب۔۔۔۔

وعلیکم السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ وہ سیاہ لیدر بیگ نیچے رکھتے ہوئے مسکرایا پھر دائیں بائیں دیکھ کر گویا ہوا۔

پروٹوکول کی اس قدر خلاف ورزی۔۔۔ باقی افراد کہاں ہیں؟

وہ۔۔ بینڈ کا انتظام کرنے گئے ہیں۔ آخر آپ کو گارڈ آف آنر بھی پیش کرنا ہے کہ

نہیں۔؟ وہ ہنسی کے جلترنگ بجا کر بولی اور جھک کر طارق کا بیگ اٹھانے لگی۔

ارے۔۔ یہ نہیں کریں۔ ویسے میں شرمندہ ہونا بھول چکا ہوں لیکن آپ کیوں یاد دلانے لگی ہیں، اس نے تیزی سے بیگ اٹھالیا۔

اور یوں بھی انسان کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا چاہیئے۔

اوکے۔ چلیے۔۔ اس طرف۔۔ گاڑی اس طرف کھڑی ہے۔ وہ طارق سے پہلے۔ ریڈ لانسر کی طرف بڑھی اور پرس سے چابی نکال کر ڈگی کھولنے لگی۔

یہ بیچارہ تو پیچھے بھی سما سکتا ہے۔ طارق نے اپنے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

سما تو یہ آپ کی گود میں بھی سکتا ہے۔ مگر بات ہے قاعدے کی۔ اس نے کور اوپر اٹھایا۔

طارق نے بیگ ڈگی میں رکھ دیا۔ دریہ نے ڈگی میں لاک نہیں لگایا۔ بلکہ بڑی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آئی۔

طارق کو کیونکہ راستہ معلوم نہیں تھا۔ اس لیے وہ ناچار دریہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔ وگرنہ اسے اس بات سے سخت کوفت ہوتی تھی کہ خاتون کار ڈرائیو کر رہی ہو اور کوئی محترم جدی پشتی نمک خوار کے تاثرات چہرے پر سجائے ساتھ بیٹھے ہوں۔ کم از کم وہ تو یہی محسوس کرتا تھا۔

آپ کے ہاں ڈرائیور تو ہوگا۔؟ دریہ نے گاگلز آنکھوں پر چڑھا لیے تھے۔ شہادت کی انگلی سے گاگلز بیلنس کرتے ہوئے دلکشی سے مسکرائی۔

آپ کو خاتون ڈرائیور پسند نہیں۔۔؟

یہ بات نہیں، عورت تو کار چلاتے ہوئے ایکسٹرا آرڈنری (غیر معمولی) سی چیز لگتی ہے۔

مگر صرف اس وقت جب وہ کار میں تنہا ہو۔

اچھا یہ بات۔۔۔ وہ مرر میں دیکھتے ہوئے کار بیک کرنے لگی تھی۔

اس سے تو آپکی روایتی حاکمیت پسندی اور دور عرب کے ابتدائی مرد کی جاہلانہ سی انا صاف محسوس ہو رہی ہے۔

ہر انسان اپنے خیالات کے سلسلے میں آزاد ہے جو چاہے سوچ لیں۔ آپ نے پسند کی بات کی تھی سو بتادی۔ اس نے دریہ کے جگمگاتے اور مسکراتے چہرے کی طرف ایک سرسری سی نظر کی۔

اور گھر میں سب لوگ خیریت سے تھے۔؟ اب گاڑی ایک شفاف سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

گھر میں سب خیریت سے تھے۔ آپ کی خیریت۔۔ میرا مطلب ہے سب کی خیریت نیک چاہتے تھے۔

تھینکس، آج میں گاڑی لونگ وے سے لے جا رہی ہوں۔

رعب ڈال رہی ہیں کہ آپ ایک عمدہ ڈرائیور ہیں۔؟ وہ طنز سے ہنسا۔

نہیں۔ طارق سامنے تھا اور دریہ پر ایک بار پھر جبر کا موسم آیا تھا کہ اس قدر نازک مزاج لڑکی کہاں اس۔۔ حیثیت کی تلخیاں۔ پھر تحمل سے بولی۔

مقصد یہ ہے کہ باتیں بھی کریں گے اور ساتھ ہی آپ کو جدید لاہور بھی دکھائیں گے۔

کیا میں نے آپ سے خواہش ظاہر کی۔؟ میں نے تو قدیم لاہور بھی نہیں دیکھا۔ تو جدید لاہور کو کیوں ترجیح دینے لگا۔

چلیں قدیم بھی دکھا دیں گے۔ یہ ملتان روڈ ہے طویل ترین روڈ۔ اس طرف علامہ اقبال ٹاؤن کے بلاکس شروع ہو جاتے ہیں۔ دو ہی چوک یہ اس علاقے کی بہت مشہور جگہ ہے۔ یہ چناب بلاک کے فلیٹس ہیں۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد دریہ نے کمنٹری شروع کر دی۔ اب دریہ جس روڈ پر گاڑی ڈالتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں سے بھی طارق کو متعارف کرا دیتی تھی۔

ویسے یہ علاقہ یعنی اقبال ٹاؤن ہمارے گارڈن ٹاؤن سے بہت بعد کی اسکیم ہے۔ یعنی بہت ہی جدید ترین لاہور ہے۔ یہ بات ہے کے لاہور مرکز سے یہ علاقے بہت فاڈلے پر ہیں اور گارڈن ٹاؤن بھی ڈبل ہے۔ یہ ہمارا کینال بینک والا گارڈن ٹاؤن نیو کہلاتا ہے۔ دریہ اس کی قربت میں بے حد مگن تھی۔

خدا کرے آپ کے خواب سچ نکل آئیں۔ طارق نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا دیے۔

کیا مطلب ہے۔؟ دریہ واقعی حیران ہوئی۔

جس انداز سے آپ لاہور کی اینٹ اینٹ متعارف کرا رہی ہیں اس سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کی آپ نے کوئی سچا خواب دیکھا ہے۔ جس میں اس بات کے اشارے تھے کہ میری ملازمت لاہور ہی میں پکی ہو گئی ہے۔ اور یہ راستے میرے پاؤں تلے آنے کو بیتاب ہیں۔

اچھا دریہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

ویسے میں خواب واب نہیں دیکھتی۔ بقول فرائیڈ خواب نا آسودہ خواہشات کا مظہر ہوتے ہیں۔ اور میرے کوئی خواہش نامکمل نہیں جو لیٹسٹ (تازہ ترین) سوچا ہے، وہ بھی یقین پورا ہو جائے گا۔ وہ بڑے مغرور انداز میں گویا ہوئی۔

انشاءاللہ بھی ساتھ کہا کریں کہ اس لیے کی ہم خدائے وحدہ لاشریک کے پابند ہیں۔

آپ نے اگر کلام الہی پڑھا ہے تو یہ ضرور پڑھا ہوگا کہ اللہ نے نبی کو تلقین کی تھی کہ وہ اس بات کا وعدہ نہ کیا کریں جو ان کی دسترس سے دور ہو۔ بلکہ اگر کسی کام کی ذمہ داری لیں تو انشاءاللہ کہا کریں کی کوئی بھی عمل خدا کے چاہنے کے نہ آغاز ہوتا ہے نہ تکمیل پاتا ہے۔ اب طارق بھی اپنے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھا چکا تھا۔

اف کہاں یہ خوبصورت سفر، حسن وخوشی۔ کہاں یہ مولانا دریہ پر کڑی گزر گئی۔ پھر اس نے یہ کہہ کر خود کو سمجھایا۔

مجھے چڑانے کو ایسا کر رہا ہے۔ اس کی تو عادت ہے کہ ایسا ماحول پیدا کرے کہ انسان اپنی نظروں میں شرمندہ ہو کر رہ جائے۔ وہ چپ ہو گئی تھی یکدم۔

طارق نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اسے احساس ہوا۔ وہ اکثر اس کے ساتھ زیادتی کر جاتا ہے۔

اگرچہ اماں جان نے ابھی فائنل نہیں کیا مگر کیا عجب یہی فیشن ایبل اور مغروری لڑکی

اس کی معتبری بھابھی بن جائے۔

فوزیہ، ثوبیہ وغیرہ کیا کر رہی تھیں آئیں نہیں فوزیہ، فون پر تو اتنی پُرزور پُراشتیاق دعوت تھی کہ مارے جذبات کے میرا بس نہیں چلا کہ تاروں میں دوڑنے لگوں۔ کیونکہ قدر دان قسم کا بندہ ہوں۔ اس قدر خلوص پر آنکھیں بھیگ جایا کرتی ہیں میری۔

حسرت ہی رہے گی۔ کبھی آپ کی آنکھیں بھی نم دیکھوں۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

دشمنی میں آپ یہاں تک آگئیں کہ میرے آنسو دیکھنے کے ارمان پالنے لگیں۔

معاذ اللہ۔ اس نے شرارت سے اس کا تنا ہوا چہرہ دیکھا۔

وہ خاموش رہی۔ اس نے بغور دریہ کو دیکھا۔

وہائٹ سوٹ اور بہت باریک جالی کے ہم رنگ جوتے میں بلاشبہ وہ کوئی شے لگ رہی تھی۔

ہے تو واقعی زوردار بھائی میاں نے یونہی نہیں چُن لیا بڑی بھابھی کو تو واقعی زوردار ہی ہونا چاہیے، مضبوط، پُراعتماد اور بڑے باضابطہ اطوار کی مالک۔ چلو ٹھیک ہے۔ طارق نے گویا پاس کر دیا۔

کیا دیکھ رہے ہیں اس نے مسکرا کر موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ ایک الوہی سی چمک اس کے رخساروں پر اتر آئی تھی۔

کچھ نہیں۔ وہ چونک سا گیا حُسن ہمسفر کی بےخبری پر نشے میں چور چور ہو گیا۔ وہ مدھم سا مسکرا رہی تھی۔

فوزیہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

رات اسے فلو ہو گیا۔ وقت بےوقت سوئمنگ کرتی ہے۔ وہ تو کہہ رہی تھی میں نے ہی منع کر دیا۔ ثوبیہ سو رہی تھی۔ بس میں نے اُٹھایا نہیں۔ دریہ کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔ اس نے کیسٹ لگا دی۔

پنکج کی نئی غزلیں سنی ہیں آپ نے 88 کی وہ بولی۔

نہیں، ایک تو مجھے فرصت نہیں ملتی۔ غزلیں وغیرہ انتخاب کرنے کی۔ دوسرے اس کی بسم اللہ ہی شراب سے ہوتی ہے۔ میں ٹھہرا مسلمان بندہ۔ وہ اسے محض ستا رہا تھا ورنہ وہ چھوڑتا کیا تھا۔ غزلیں تو یوں بھی میوزک میں اس کا اولین انتخاب ہوتی تھیں۔

کلام تو کسی مسلم ہی کا ہوتا ہے۔ عموماً۔ دیکھیے اس کا کور۔ اس نے کور طارق کی سمت بڑھایا۔ آواز ہی تو ہوتی ہے بیچارے کی۔ اس نے گویا طارق کو نیچا دکھایا۔

کلیوں جیسا روپ، شگفتہ پھولوں جیسی کایا ہے

نیندیں اُڑ گئیں سب لوگوں کی جب سے شہر میں آیا ہے۔

یہ کیوں سنا رہی ہیں کیا میرے لیے کہا گیا ہے اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

اس قدر زنانہ تعریف میں نے کسی مرد کی آج تک نہیں سنی۔ وہ ہنس پڑی۔

ویسے مجھے آج کل جگجیت کی غزلیں زیادہ پسند آرہی ہیں۔ وہ میں سامنے رکھی دیکھ بھی رہا

ہوں۔ مگر مجبوری ہے کہ اپنا انتخاب آپ کو نہیں سنا سکتا۔ اس نے گردن موڑ کر دُر یہ کو دیکھا۔

پھر کسے سنانے کا ارادہ ہے۔ وہ بے نیازی سے بولا۔

جو ابھی انتخاب بھی نہیں ہوا۔ اس کے لیے غزلیں منتخب کر چکے ہیں کیا آئیڈیل ہے کوئی

اس نے رفتار ہلکی کر دی۔

ارے نہیں۔ ایسے خبطی نہیں ہیں ہم۔ ہو نہہ دیا۔

دریہ کے چہرے پر اطمینان کے سائے پھیل گئے۔

دیکھیں یہ کینال آ گئی اور وہ رہا سامنے ہمارا گھر۔ وہ اسٹیرنگ سے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنے لگی۔ چند منٹوں بعد ہی وہ وہائٹ کوٹھی کے وہائٹ گیٹ کے سامنے تھے۔ باوردی چوکیدار نے گاڑی پر نظر پڑتے ہی گیٹ وا کر دیا۔ دُر یہ تیزی سے گاڑی اندر لے گئی۔

سامنے ہی دریہ کی امی یعنی اس کی ممانی سرمئی ساڑی میں ملبوس ان کی منتظر تھیں۔ وہ گاڑی سے اترا تو وہ نزدیک آ گئیں۔

اسلام علیکم وہ مودبانہ بولا۔

وعلیکم السلام۔ گاڈ بلیس یو۔ انہوں نے بجائے سر پر ہاتھ پھیرنے کے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

وعلیکم اسلام کا مطلب بھی تقریباً یہی ہے۔ وہ شریر ہوا۔

ویل وہ مسکرا دیں۔ اور ٹھیک ہوا انہوں نے اپنے سرخ چھوٹے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

الحمد وللہ

ڈریہ اس کا بیگ نکال کر قریب آ چکی تھی۔

اور ڈریہ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی

نومی۔ میں اندر گئی ہی نہیں کیونکہ مجھے پتا تھا یہ اسی طرف آئیں گے۔

فوزی، ثوبی اٹھ گئیں ممی اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

نہیں فوزی ابھی نہیں اٹھی۔ بے بی (ثوبیہ) باتھ لے رہی ہے۔

طارق نے بیگ دریہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

تینوں اندر کی طرف بڑھے۔

سامنے سے ثوبیہ بھرپور خوشی چہرے پر سجائے آتی نظر آئی۔ وہ سلیولیس شرٹ اور تنگ پائجامے میں ملبوس تھی۔ اور دوپٹہ ندارد۔ گویا واقعی بے بی بنی ہوئی تھی۔

طارق اسے اس انداز میں دیکھ کر چونکا تھا۔ اس کے سفید سڈول بازو دیکھ کر اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ کم عمر ضرور تھی مگر اٹھان بہت غضب کی تھی۔

اللہ۔ آپی مجھے لیے بغیر چلی گئیں اُٹھا دیا ہوتا مجھے۔ اُف مجھے تو رات کو نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ کل طارق بھائی آ رہے ہیں۔ سچ ممی بہت مزہ آتا ہے۔ ان کے ساتھ بہت جولی ہیں۔ وہ سلام ولام بھول بھال، مسرت سے جھوم اُٹھی۔ طارق کو سامنے پا کر۔

جس دن سے کراچی سے آئی ہو۔ طارق ہی کی باتیں کررہی ہو۔

گویا میرا ذکر مجھ سے بہتر ہے۔ وہ مسکرایا۔

صاحب کا بیگ اوپر بیڈروم میں لے جاؤ۔ اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے رات کو آپ کا کمرہ سیٹ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا۔ آپ کا کمرہ میں خود سیٹ کروں گی۔ وہ چاروں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے۔

ہاں واقعی اس نے آپ کا بیڈروم بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے۔

ارے اس قدر تکلیف کیوں کی چند ہی دن کی تو بات تھی۔ وہ واقعی شرمندہ ہو گیا۔ اس قدر گرم جوشی۔ وہ واقعی متاثر سا ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ ماضی بھول گیا اور ممانی کی سابقہ مہربانیاں بھی۔

چند دنوں کی کیوں بات ہے میں تو دعا کر رہی ہوں آپ کو یہ جاب مل جائے۔ ثوبیہ نے کہا۔

پھر تو مجھے مستقل رہنا پڑے گا۔ جب کہ مہمان تین دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ اس نے کہا۔

آپ کو مہمان کون کاؤنٹ کر رہا ہے اب دریہ بولی۔

پھر کیا کاؤنٹ کر رہی ہیں وہ دریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پلٹا تو دریہ سے بے حد قریب ہو گیا۔ اس کے وجود کی گرمی اور خوشبو نے چند لمحے کے لیے دریہ کو لب بستہ کر دیا۔

تم تو ہمارے اپنے بیٹے ہو۔ ممانی جان نے بیٹی کی مشکل آسان کر دی۔

اور کیا۔ ثوبیہ نے اضافہ کرنا ضروری خیال کیا۔

شکریہ۔ ممانی جان بیٹھیں تو وہ بھی بیٹھ گیا۔

ٹرین کا سفر تو بہت تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ تم باتھ وغیرہ لے لو پھر سب ناشتہ کریں گے مل کر پھر تم آرام کر لینا۔

ماموں جان کہاں ہیں اسے ایک دم خیال آیا۔

وہ چار پانچ دن کے لیے ٹورانٹو گئے ہیں۔ پرسوں گئے تھے اور بس اب آنے والے ہیں۔

اچھا۔

جاؤ دری طارق کو اس کا بیڈروم دکھاؤ اور رقیہ سے کہہ کر اس کی وارڈروب تیار کرا دو۔

او۔۔۔کے ممی۔۔۔۔آئیے طارق

وہ دریہ کے پیچھے نکل گیا۔

ثوبیہ نے بھی جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

تم ٹھہرو ثوبی میری بات سنو بیٹی۔ انہوں نے بیٹی کو روکا اور نظر سے سمجھایا۔

پپا شاید سو رہے ہیں نانی اماں بشر فون پر کہہ رہا تھا۔

جی میں بشر ہی بول رہا ہوں۔ رات ہی آیا ہوں میں پپا کے ساتھ۔ بس پپا نے مجھے

ڈھونڈ لیا۔ہم گوٹھ (گاؤں) بھی گئے تھے۔

ممی میں نے ابھی تک ممی کو نہیں دیکھا۔شاید وہ بھی سو رہی ہیں۔پپا کو میں نے سب بات بتا دی تھی۔ممی نے چین کھینچی ہو گی مگر شاید وہ خراب تھی۔ٹرین رکی نہیں تھی۔اتنا اندھیرا تھا وہاں نانی اماں مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا جب آپ گھر آئیں گی تو میں آپ کو سب بتاؤں گا۔

اچھا کیا عمر بھائی آپ کے ہاں ہیں

کس کا فون ہے بابا نا بٹلر نے اس کے نزدیک آ کر پوچھا۔

کسی کا بھی ہو تمہیں کیا۔وہ ناراضگی سے بولا۔اس وقت وہ اپنے بھائی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

تم ممی سے چھپ کر فون کرتے ہو کہیں، میں کہتا ہوں اسے واقعی غصہ آ گیا تھا مداخلت پر۔

بٹلر شانے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔اسے تعجب تھا۔وہ پوچھنا بھی چاہتا تھا کہ وہ اتنے دن کہاں رہا لیکن

آپ کے ہاں نہیں ہیں عمر بھائی ہاں عائشہ آنٹی کے ہاں ہوں گے۔بٹلر آگے بڑھا تو اس نے پھر بات شروع کی۔مگر دوسری طرف فون بند ہو چکا تھا۔

اس نے دوبارہ نمبر پش کیے۔دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی مگر کسی نے فون نہیں اُٹھایا۔

اس نے پھر عمل دہرایا۔

اس مرتبہ بھی وہی ہوا مگر اب تھوڑی دیر بعد کسی نے فون اٹھایا۔بشر نے نانی کا نام لیا۔

وہ یہاں نہیں ہیں۔کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔

وہ منہ بسور کر ڈائننگ ہال میں آ گیا۔اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔اس نے سوچا ناشتا کر کے پھر عائشہ آنٹی کے ہاں رنگ کرے گا۔اور عمر کو سب باتیں فون پر ہی بتا دے گا۔اس نے خود ہی چیئر کھینچی اور اُچک کر بیٹھ گیا اور پھر بڑے زور و شور سے بیل بجائی۔

ملازمہ دوڑی ہوئی آئی۔

ملازموں کو بھی ٹریننگ حاصل تھی کہ جب ولایت علی شاہ گھر میں ہو تو بچوں کو کس طرح خیال رکھنا چاہیے وہ آٹومیٹک جان چکے تھے۔یہ ٹریننگ انہوں نے روشن سے نہیں بلکہ وقت سے حاصل کی تھی۔

جی بابا

ناشتا۔۔۔اور کیا۔وہ جھلایا۔پپا کی موجودگی میں وہ بہت نڈر ہو جاتا تھا۔

کیا لیں گے

ہاف بوائل ایگ ود ملک۔

آپ دودھ پئیں گے ملازمہ کو حیرانی ہوئی۔اس کی تو دودھ پیتے ہوئے جان جاتی تھی اور آج اپنی خوشی سے دودھ طلب کر رہا تھا۔

ہمارے میاں صاحب کہتے ہیں بچوں کو دودھ پینا چاہیے۔وہ جلدی سے بڑے ہو جاتے

ہیں۔اس نے مدبرانہ انداز میں ملازمہ کو سمجھایا۔

میاں صاحب وہ حیران ہوئی۔آج سے پہلے اس گھر میں کسی میاں صاحب کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔

یہ کون ہیں جی

ہیں کوئی بس۔ہمارے میاں صاحب ہیں بہت اچھے۔اس نے ذرا اترا کر گردن مٹکائی۔

اچھا جی اس بیچاری کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اچھا جی کہہ کر چل پڑی۔اس نے ٹانگیں ہلا ہلا کر وقت کاٹنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ملازمہ اس کی مطلوبہ چیزیں لے آئی پیچھے پیچھے بٹلر بھی تھا۔

بس یہی ناشتا کریں گے بابا آپ وہ آ کر مؤدب انداز میں پوچھنے لگا۔

ہوں۔اس نے بے نیازی سے ہوں کہہ کر ناشتا شروع کیا۔

مارملیڈ لگا دوں ٹوسٹ پر وہ پھر بولا۔

نہیں نہیں۔میں ابھی چھوٹا ہوں۔اس لیے تھوڑا کھاتا ہوں۔آیا سمجھ میں

جی وہ گردن ہلا کر واپس پلٹ گیا۔جیسے وہ واقعی سب کچھ سمجھ گیا۔اور جیسے اسے اب سے پہلے پتا نہیں تھا کہ وہ چھوٹا ہے۔

اس نے جلدی جلدی ناشتا کیا۔پھر نیپکن سے منہ پونچھ کر فوراً فون کی طرف آ گیا۔پہلے ریسیور اٹھا کر کچھ لمحے تفکر کیا۔پھر نمبر پش کیے۔

ہیلو عائشہ آنٹی میں بشر بول رہا ہوں۔السلام علیکم۔

جی واقعی میں بشر بول رہا ہوں۔آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا۔وہ متعجب ہوا۔

جی مجھے پپا لے کر آئے ہیں۔نہیں میں گم نہیں ہوا تھا۔میں تو میاں صاحب کے گھر چلا گیا تھا۔پپا جانتے ہیں میاں صاحب کو۔

اچھا بتایئے عمر بھائی آپ کے ہاں ہیں انہیں بلا دیجیے۔

نہیں ہیں۔پھر کہاں ہیں نہیں مجھے تو پتا نہیں۔وہ میرے ساتھ تھوڑا ہی تھے۔نہیں میرے ساتھ نہ عمر بھائی تھے نہ گڑیا۔

ہاں، وہ ممی اور گڑیا تو ٹرین میں میرے ساتھ تھیں اور۔۔۔۔

اس کا باقی جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔اس کے ہاتھ سے کسی نے ریسیور لے لیا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے پپا تھے۔

کس کو فون کر رہے تھے انہوں نے بھاری آواز میں اور بڑے رسان سے پوچھا۔

عائشہ آنٹی کو۔

ہیلو وہ ریسیور کان سے لگا کر بولے۔

ہاں عائشہ میں ہوں۔ٹھیک ہو تم

ہاں فی الحال بشر ہی ملا ہے۔اس پر بھی مالک کا شکر ادا کرتا ہوں۔

نہیں ابھی عمر اور گڑیا کا کچھ پتا چلا۔

بشر گھر آؤ گی تو بتادوں گا سب کچھ۔ کب آ رہی ہو

ٹھیک ہے آ جاؤ۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

پھر وال کلاک کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ گیارہ بج رہے تھے۔ تقریباً دوپہر ہی ہو چلی تھی۔

ناشتا کر لیا بیٹے انہوں نے بشر کو شانوں سے تھام کر پوچھا۔

جی پپا

پپا وہ عمر بھائی کہاں ہیں نہ وہ نانی اماں کے ہاں ہیں، نہ عائشہ آنٹی کے ہاں۔ وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

بتادوں گا بیٹے بتادوں گا۔ وہ اس کے شانے تھپتھپا کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے۔

پھر ایک دم اس کی طرف واپس آئے۔ تم نے اپنی نانی کو فون کیا تھا یا ان کا فون آیا تھا وہ کچھ پریشان سے نظر آئے۔

میں نے کیا تھا۔ اس نے معصومیت سے انہیں دیکھا۔ فون کرنا کوئی ایسی عجیب بات تو نہیں تھی۔ وہ تو اکثر فون کیا کرتا ہے۔

کچھ کہہ رہی تھیں وہ از حد متفکر ہو گئے۔

نہیں۔ وہ سب کچھ بھول بھال چکا تھا۔

دیکھو تم باہر مت جانا اور نوکروں کی کسی بات کا جواب نہ دینا اور نہ ان سے بات کرنا۔

کیوں وہ حیران ہوا۔

یہ کیوں کیا ہوتا ہے۔ بس کہہ دیا۔ وہ سختی سے بولے۔

بشر یکدم چپ ہو گیا۔

اوکے پپا۔ یہ کہہ کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ولایت علی شاہ نے آگے بڑھ کر بیل بجائی۔ ملازمہ دوڑی آئی۔

تمام ملازموں کو یہاں جمع کرو۔ ڈرائیور اور چوکیدار کے گھر والوں کو بھی۔

جی۔ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

جو تم نے سنا ہے وہی کہا ہے۔ جلدی کرو۔ وہ برہمی سے بولے۔

وہ بیچاری گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔ ولایت علی شاہ اپنے گاؤن کی ڈوریاں ڈھیلی کرتے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے۔

ان کی پیشانی پر لکیروں کا جال بن گیا تھا۔ اور باریک ہونٹ بھینچ کر معدوم ہو رہے تھے۔

وہ اپنی وارڈروب سے کپڑے انتخاب کر کے باتھ روم میں چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد بڑی نک سک سے تیار ڈائننگ ہال میں آئے تمام ملازمین اور چند ایک مع اہل و عیال جمع ہو چکے تھے۔

انہوں نے سب پر ایک تفصیلی نظر دوڑائی۔ ان سب کے چہروں پر خوف اور پریشانی کی

پرچھائیاں واضح تھیں۔

کیا چوری ہوگی ہے وہ آپس میں سرگوشیوں میں پوچھ رہے تھے۔

بند کرو یہ شور۔ ولایت علی شاہ گویا برس پڑے۔

ہال میں ایک ہیبت ناک سا سناٹا طاری ہوگیا۔ بشر بھی آگیا تھا مگر وہ داخلی دروازے ہی میں کھڑا ہو گیا تھا۔

انہوں نے اشارے سے اسے بلایا تو اس نے بغور ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے اور ان کے قریب آ گیا۔ ولایت علی شاہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا پھر ملازمین کو بغور دیکھا۔

تم میں سے ایک بھی ملازم ایسا نہیں جسے میں نے انٹرویو کر کے رکھا ہو۔ کیوں جی کی آوازیں آئیں۔

ظاہر ہے تم اپنی مالکن کا انتخاب ہو۔ میں تمہارا کیا لگتا ہوں وہ انہیں باری باری دیکھ رہے تھے۔

آپ جی ہمارے مالک ہیں۔ آقا ہیں۔ مالی کھگھیایا شاید وہ ان سب میں سب سے زیادہ بیچارہ تھا۔

بچ صرف مالکن سے بولنا ہے یا مجھ سے بھی دل کی بات کہہ سکتے ہو وہ نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

آپ مالک ہیں جی اور وہ مالکن آپ کا حکم ہو یا ان کا ہمارے لیے ایک ہی بات ہے

ڈرائیور نے بہت عاجزی سے کہا۔

تو پھر بتاؤ۔ عمر اور گڑیا کے بارے میں کیا جانتے ہو یاد رکھو اگر کسی نے جھوٹ بولنے یا اداکاری کرنے کی۔۔۔ کوشش کی تو ایسا سبق دوں گا کہ تمہاری اگلی پچھلی نسلیں پناہ مانگیں گے۔

میں اپنے بچوں کی قسم کھاتی ہوں مالک۔ ملازمہ عرف بانو ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھ آئی۔ میں دونوں بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ کمزور غریب عورت مارے خوف کے رو پڑی۔

میں آپ کو بتاتا ہوں صاحب ڈرائیور نے کہا۔

ہوں۔ وہ بظاہر اسی موڈ میں رہے مگر اندر سینے میں دل دھڑک اٹھا۔ اس نے تفصیل سے کہنا شروع کیا۔ سب ہی ہمہ تن گوش ہوگئے۔

صاحب جس دن بیگم صبیہ واپس آئیں ان کے ساتھ صرف گڑیا بی بی تھی۔ مجھے انہوں نے اسٹیشن سے واپس بھیجتے ہوئے کہا تھا کہ دو بچے یعنی عمر بابا اور بشر بابا بیگم صبیہ۔۔۔ کی امی کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن جب بیگم صبیہ واپس آئیں تو گھر میں عمر بابا اور گڑیا بی بی تو نظر آئے مگر بشر بابا معلوم نہیں پڑے۔ میں نے سوچا وہ بیگم صبیہ۔۔۔ کی امی کے پاس ہوں گے۔ اگلے دن شور سنا کہ عمر بابا اور بی بی دونوں گھر میں نہیں ہیں بس میرے کو اتنا ہی معلوم ہے۔ سب کا انہماک ٹوٹ گیا۔ ایسی ادھوری تفصیل۔ انہوں نے سوچا۔

اور تم کیا جانتے ہو وہ بٹلر کی طرف متوجہ ہوئے۔

جی مجھے کچھ نہیں پتا۔ بٹلر دلیری سے جھوٹ بول گیا۔ شاید احسان شناس تھا۔ وگرنہ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ بتا دے کہ ماسٹر بیڈ روم کے دروازے کے اس پار سے معصوم سسکیاں میں نے خود سنی ہیں۔

اور تم کہاں تھیں تمہیں بچی کی نگہداشت کے لیے رکھا گیا تھا یا رسالے پڑھنے کے لیے۔ وہ گورنس کی طرف پلٹے۔ گورنس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔

سر میں فیڈر تیار کر رہی تھی۔

کتنا ٹائم لگتا ہے فیڈر کی تیاری میں غالباً دس گھنٹے۔ انہوں نے جلتی ہوئی نظریں گورنس کے چہرے پر ٹکائیں۔

نہیں سر۔ ایسا تو نہیں۔ میں تو بہت جلد بے بی کے پاس گئی تھی۔ مگر آتی میں پتہ چلا کہ بے بی وہاں اپنے روم میں ہے ہی نہیں اور پھر بٹلر نے بتایا کہ عمر بابا بھی نہیں ہیں۔ باتھ روم کے ٹب کا ٹیپ کھلا ہوا تھا۔ جب بانو برتن لینے گئی تو دیکھا کھانا اسی طرح رکھا ہوا تھا اور باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے آوازیں دیں پھر دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھلا ہوا تھا۔ گورنس یہ بتا کر چپ ہو گئی۔

ہوں۔ ولایت علی شاہ گہری سوچ میں تھے۔

اچھا مسٹر بٹلر یہ بتایئے کیا عمر کی طبیعت خراب تھی جو کھانا اس کے بیڈ روم میں پہنچایا گیا اس نے ڈائننگ ہال میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کیوں نہیں کھایا

سر یہ مجھے نہیں معلوم۔ میم صاحب نے جیسے مجھے آرڈر دیا، میں نے کر دیا۔ اس نے اپنی جان چھڑائی۔

بشر باپ کے ساتھ چپکا ہوا بڑی حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ لیکن ایک بات وہ بہر حال سمجھ چکا تھا کہ اس کے بہن بھائی لاپتا ہیں۔ اس کا معصوم ذہن جیسے جامد سا ہو گیا تھا۔

ولایت علی شاہ نے سر جھکا کر سب کو جانے کو کہا۔

بہر کیف اب انہیں یقین آ چکا تھا کہ روشن نے انہیں سچ ہی بتایا ہے گویا وہ ہتھیار ڈال چکی ہے۔

معاان کا ذہن روشن کی طرف چلا گیا۔

وہ نیچے تہہ خانے میں ہے۔ وہ سنگدل اور شقی مجرمہ ہے مگر ذی روح ہے۔ بہت سے فطری تقاضے اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو اس قدر فطری ہیں کہ ان سے نظر چرانا خود فریبی ہے۔

وہ آخر کب تک تہہ خانے میں رہ سکے گی۔ بھوک پیاس، نینداور دیگر حقیقی ضروریات۔

اس وقت تو وہ غصے میں اندھے ہو رہے تھے۔ گویا ساری عمر اب تہہ خانے ہی میں رہے گی۔ اپنی دانست میں یہ اس کی سنگدلی کا بہترین جواب تھا۔

لیکن اب اعصاب پُرسکون ہوئے تو ان پر حقیقت واضح ہوئی۔ مگر رحم نہ آیا کہ حواس پر اب بھی گڑیا اور عمر غالب تھے۔

دوسرے وہ غیروں کو تو ٹال سکتے تھے مگر گھریلو ملازمین اور رشتہ دار و کیا گارنٹی ہے کہ وہ تہہ

خانے میں چیخیں نہیں مارے گی۔ یا دروازہ نہیں پیٹے گی

اور پھر اس کے فطری مسائل

پپا۔ عمر بھائی اور گڑیا کہاں ہیں بشر معصوم ذہن اُلجھ چکا تھا۔ باپ کا نوکروں کو اکٹھا کرنا پھر عمر ور گڑیا کے بارے میں سوالات کرنا۔ جب کہ وہ خود جب سے اٹھا تھا اپنے بھائی کے لیے پریشان تھا۔ اب جو باپ کا تفتیشی انداز دیکھا تو کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہیں۔

بیٹے تمہارے بھائی عمر اور بہن گڑیا دونوں کا کچھ پتا نہیں۔ کافی دنوں سے ڈھونڈ رہے ہیں انہیں۔ تم رونا نہیں اور پریشان بھی نہ ہونا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جس طرح تم یہاں گھر میں کھڑے نظر آ رہے ہو وہ بھی کسی دن مل جائیں گے۔

ممی سو رہی ہیں پپا اس نے گردن اُٹھا کر باپ کو دیکھا۔

اس کا سوال بہت نوکیلا تھا۔ سوئے ہوئے ناگ کو بہت چبھا۔

جگہ تو بہت اچھی ہے روز۔ اور گھر بھی بہت کھلا اور خوبصورت ہے۔

ہوں پہاڑوں پر بنے ہوئے مکانات کی شیپ بیرونی طور پر تو ایک سی لگتی ہے۔ بس ابھی ادھر ڈیکوریشن کا مسئلہ ہے۔ فرنیچر بہت اولڈ اور اوڈ ہے۔ سچ مجھے تو دو راتوں سے ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی۔ دیکھا تم نے میری اسکن (جلد) پر بھی اس کا اثر ہوا ہے۔ فیروزہ کو اپنے حسن کی فکر لاحق ہوئی۔

پھر۔۔۔ ستارہ نے اسے دیکھا۔

پھر کیا۔ خواجہ جیپ لینے گیا ہوا ہے۔ کل صبح جاؤں گی۔ فرنیچر پسند کر کے پھر گاڑی دیکھنے بھی جانا ہے۔ اگر تمہیں میری پسند پر شک ہو تو ساتھ چلنا۔ اس نے بہن کے تاثرات دیکھنا چاہے۔

نہیں روز۔ بس تم ہی کرو یہ سب کچھ۔ بس میرا کمرہ اچھا سا ڈیکوریٹ کرا دینا۔ بہت مہربانی ہوگی۔ ایک تو یہاں دل پتا نہیں کب لگے گا۔

ٹھیک۔ اب یہ مسئلہ بھی ہے کہ میں عمر کو مری کونونٹ میں ایڈمٹ کراؤں گی۔ پھر ابتدا میں مجھے جلدی جلدی اس کے پاس جانا ہوگا اور ویک اینڈ پر لانا ہوگا۔ اس لیے کوئی پرابلم نہیں ہونا چاہیے۔ ذرا سی چوک ہو گئی اور اسے ذرا شک ہو گیا تو سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

تو پھر مری ہی میں کیوں نہ گھر لے لیں فی الحال کرائے پر۔ ستارہ نے اپنی دانست میں زوردار آئیڈیا دیا۔

یہ بات میں نے اماں سے کہی تھی۔ انہوں نے منع کر دیا تھا۔

وجہ۔۔۔

یہی کہ جس کلاس کا یہ بچہ ہے مری شاہراہ عام ہے اس کلاس کی۔ لوگ گرمیاں گزارنے کی بجائے مہینوں وہاں ڈیرے لگاتے ہیں۔ ہاسٹل کی بات اور ہے اگر گھر ہوگا تو وہ آزادی مانگے گا۔ گھومنا پھرنا چاہے گا۔ ذرا کچھ دن خیریت سے نکل جائیں۔ تو پھر۔۔۔ فیروزہ نے وجہ

بتائی۔

کیا اسے کونونٹ میں ڈالنا ضروری ہے یہاں بھی تو بہت اچھے سکول ہیں۔ ستارہ نے پھر کہا۔

ہوں۔۔ اچھے سکول تو ہیں۔ مگر میں نے اس پر اپنے سارے ارمان پورے کرنا ہیں۔ اتنی شاندار چیز بناؤں گی۔ اگر کسی موڑ پر قسمت سے اس کے باپ سے مڈبھیڑ کرا دی تو وہ شکوہ نہیں کرے گا بلکہ میرا احسان اُتارنے کے طریقے سوچے گا۔

فیروزہ کے انداز میں عجیب سا تیکھا پن آ گیا۔

کیا اچھا ہوتا اگر تمہارا اپنا کوئی بچہ ہوتا۔ ستارہ تک اس کا کرب پہنچ گیا۔

بالکل بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اور یہ کون سی ناممکن بات تھی۔ مگر اپنے سے وابستہ روح کی ذلت اور شرمندگی اور سب سے بڑھ کر گمنامی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔ کسی انسان کو اس کی اپنی نظروں میں گرانے کا۔ کوئی نام نہاد شریف انسان میرا ہاتھ تھام لیتا تو۔۔ میں ہلدی پیاز کی بو اپنے وجود میں بسا لیتی۔ اس کے بچوں کو اس معاشرے کے نمایاں انسان بناتی۔ ان کی فکروں میں اپنا سارا حسن، اپنی ہڈیاں گھلا دیتی۔ وہ آزردہ ہو گئی۔

تمہارا خیال ہے عمر راضی ہو جائے گا کونونٹ میں ایڈمیشن کے لیے ستارہ کو اس ازلی کی فکر لاحق ہوئی۔

میں اسے سمجھا سکتی ہوں اب۔ فیروزہ خود اعتمادی سے بولی۔

مگر گڑیا سے دور وہ کیوں کر ہو گا۔ دیکھا نہیں اس کے سلسلے میں کس قدر الرٹ رہتا ہے ہوں۔ پتا ہے۔ اسی طرح تو اسے گڑیا سے دور رہنے کی پریکٹس ہو گی۔ اور۔ بات یہ ہے تارو۔ یہ ہمارے اپنے دل کے چور ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ وہ ہم پر بھروسا کرنے لگا ہے۔ ہماری محبتوں پر ایمان لا چکا ہے۔ سوچو تو سہی تارو۔ ایک بچہ ہی تو ہے معصوم سا۔

کاش ولایت علی شاہ اس سنگدل عورت کی بجائے میں تمہارے گھر میں ہوتی۔ کم از کم تمہارے بچوں کو تو پیار سے پالتی۔ دولت سے سیراب ہیں۔ تمنائیں مکمل ہیں۔ اس دولت پرست عورت کی طرح تمہارے بچے کو تو نہ مارتی جان سے۔ (شک تو یہی ہے۔)

تم لوگ ہمیں جدی پشتی گناہوں کی سزا دیتے ہو۔ ہماری روح میں نہیں جھانکتے۔ ہمیں اچھوت سمجھتے ہو۔ پھر تم جیسے لوگوں کی یہی سزا ہے۔ نام نہاد گھروں کی لالچی عورتیں گھروں میں بساؤ اور اپنے بچے گنواؤ۔

کیا سوچنے لگیں روز ستارہ اس کی اس قدر گہری خاموشی سے پریشان ہو گئی۔

کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔

پتا نہیں کہاں لے گیا خواجہ عمر کو۔ اس نے کھڑے ہو کر اطالوی طرز کے دریچے سے باہر جھانکا۔

رات بادل ٹوٹ کر برسا تھا۔ باہر سبزے پر بے پناہ نکھار تھا۔ بستی کے ناخواندہ لوگ اور ان کے ننگ دھڑنگ اپنے اپنے دھندوں میں مگن تھے۔ دور بالائی سرسبز سطح سے بھیڑ بکریاں

واپس نشیبی بستی میں آ رہی تھیں اور آسمان پر سفید بادل کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

ایسے سانجھ سے کی بیلا۔ کسی رومان پسند اور جوان لڑکی کے لیے اس وقت کتنا بڑا عذاب بن جاتی ہے۔ جسے کبھی چاہا گیا ہو نہ کبھی ٹھکرایا گیا ہو۔ جس کے دل کا معبد خالی ہو۔

جو کسی اجنبی کے خاکے میں رنگ بھرنا چاہتی ہو اور رنگوں کی تلاش میں اپنا قرار کھو بیٹھی ہو۔

فیروزہ کے دل معبد بھی خالی ہے

اگر وہ جلتے توے پر بیٹھ کر اس معاشرے کو یقین دلائے تو کسی کو بال برابر بھی یقین نہ آئے۔

ستارہ باہر نکل گئی تھی۔

پتا نہیں کہاں لے گیا ہے عمر کو۔۔۔ اتنی شام تو ہو چلی ہے۔

اس نے نیم وا دریچے کو دونوں ہاتھوں سے پورا کھول دیا۔

اس کو عجیب سی پریشانی نے آ گھیرا تھا۔

معاً خواجہ اور عمر آتے دکھائی دیے۔ عمر کے ساتھ دودھ جیسا سفید بھیڑ کا بچہ تھا۔ اس کی رسی تھامے اچھلتا کودتا عمر اسے بہت پیارا لگا۔

اس نے اپنی کچھ دیر پہلے کی کیفیت پر غور کیا۔ وہ کسی خوف کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ کسی جذبے کی مظہر تھی جذبہ۔۔۔ فی الحال بے نام تھا مگر برا نہیں تھا۔ ایک عجیب آسودگی اس کی رگ و پے میں اتر گئی۔

فیروزہ نے کمرے سے باہر نکل کر وارفتگی سے اس کا استقبال کرنا مناسب خیال کیا۔

کہاں چلے گئے تھے خواجہ اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ فیروزہ فاصلے ہی سے کہتی آگے بڑھی۔

جیپ لینے ساتھ والے گاؤں گیا تھا بی بی۔ مگر پتا چلا جیپ تو کل ہی مل سکے گا۔ آپ بولو تو کہیں اور پتا کر آؤں۔ ابی (ابھی) چاہیے تو۔۔۔

جیپ تو خیر کل ہی چاہیے ہوگی۔ ویسے بھی اب تو خاصی شام ہو چکی ہے۔

جی۔۔۔ ام اسی خیال سے واپس آ گیا۔

اور تم نے ہماری عمر کو سیر کرائی۔۔ فیروزہ نے عمر کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیلیا۔

ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ جی۔ ام بولا۔ تم کو کیا پسند آیا بولا یہ بھیڑ کا بچہ۔۔۔ ہاہا۔۔ ہا۔۔

خواجہ نے خود ہی عمر کی بات دہرائی اور خود ہی ہنسنے کا فریضہ انجام دیا۔ فیروزہ بھی مسکرا دی۔

ام بولا۔۔۔ لے لو یہ بھیڑ کا بچہ۔۔۔ سب چیز آپ کے واسطے ہے۔

خواجہ پھر ہنسا۔ چالیس بیالیس سال کا تھا تقسیم ہند سے پہلے دہلی میں رہائش پذیر تھا۔ پاکستان بننے کے بعد خاصا عرصہ کراچی رہا۔ جانے پھر کیا جی میں سمائی۔ واپس مالاکنڈ اپنی جنم بھومی چلا گیا۔ تماریوں کی چاکری سے دستبردار ہو کر۔

کسی زمانے میں فیروزہ و ستارہ کی ماں کا مصاحب خاص ہوا کرتا تھا۔

اچھا تو یہ لیمب (بھیڑ کا بچہ) پسند آیا ہے تمہیں۔ فیروزہ عمر کی سمت متوجہ ہوئی۔

یس آنٹی۔ اٹس سو پریٹی (یہ بہت پیارا ہے) عمر نے نیچے بیٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

آنٹی گڑیا کہاں ہے وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اسے ایک دم بہن کا خیال آیا (حد ہے اقربا پروری کی خوشی بھی تو شیئر کرتا ہے ابھی سے)

فیروزہ نے سوچا۔ پھر بولی۔ گڑیا کو ستارہ آنٹی نے سُلا دیا تھا۔ جب اُٹھے گی تو دکھا دینا۔

او کے۔

او۔ کے۔ وہ مگن سے انداز میں بولا۔

میں گھر جاؤں بی بی خواجہ نے فیروزہ کو متوجہ کیا۔

یہ آپ کو بی بی کیوں کہہ رہے ہیں عمر کو الجھن ہوئی۔

ہماری مائیں اپنے ملازموں کو تعلیم کرتی ہیں کہ ان کی بیٹیوں کو مرتے دم تک بی بی ہی کہا جائے۔ کیونکہ بی بی چھوٹے بچے کو کہتے ہیں اور چھوٹے بچے کی ماں جوان ہوتی ہے۔ فیروزہ ہنس پڑی۔ خواجہ بھی مسکرا دیا۔

میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ عمر کی توجہ دو طرف تھی۔ ہمکتے بھیڑ کے بچے کی طرف بھی اور فیروزہ کی طرف بھی۔

ہر بات کا سمجھنا ضروری نہیں ہوتا۔ سمجھے شیطان تم جاؤ خواجہ۔ اس نے خواجہ کو جانے کا کہہ کر اندر قدم بڑھائے تو ستارہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

بہت ضروری بات یاد آئی مجھے عمر کے سلسلے میں۔

الٰہی خیر

یہ تم کیا کرنے لگی ہو اس کے سرٹیفکیٹس وغیرہ کہاں ہیں جو تم اتنے بلند ہوائی قلعے تعمیر کرنے لگ گئیں۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ واقعی تم ابھی تک بہت ناسمجھ ہو۔

فیروزہ مسکرا دی۔

دیکھیے آنٹی۔ میں بھیڑ کا بچہ لایا ہوں۔ عمر نے ستارہ سے کہا۔

ارے واہ۔ یہ تو بہت خوبصورت ہے۔ ستارہ نے جھک کر بھیڑ کے بچے کو چھوا۔

آؤ ستارہ۔ میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔ تم کھیلو عمر۔ باہر مت جانا۔ ٹھیک

جی۔۔ عمر بھیڑ کے بچے کی رسی تھامی اور اسے کھینچ کر ایک طرف لے جانے لگا۔

ستارہ فیروزہ کے پیچھے چل پڑی تھی۔ دونوں ایک کمرے میں پہنچیں۔ فیروزہ ایک میز کی طرف بڑھی جس پر دو بڑے بڑے سوٹ کیس رکھے تھے۔

اس نے اوپر والا براؤن سیمسونائٹ کا سوٹ کیس کھولا اور کپڑوں کی تہیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔ پھر ایک خاصا چوڑا فائل ٹائپ ایک بیگ نکالا۔ اور اس میں سے چند کاغذات

نکالے اور انہیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔ پھر ایک سفید کڑک سا کاغذ ستارہ کے سامنے کیا۔

لو پڑھو۔

ستارہ نے بہت اشتیاق کا مظاہرہ کیا اور تیزی سے کاغذ پر نظریں دوڑانے لگی۔

یہ ایک برتھ سرٹیفکیٹ تھا۔ بچے کا نام عمر تھا۔ سید عمر شاہ۔ باپ کا نام ولایت علی شاہ۔ یہ بچہ 10 اگست 1981 کو ایک پرائیوٹ میٹرنٹی ہوم میں صبح پانچ بجے پیدا ہوا تھا۔

ارے۔ یہ تمہیں کہاں سے ملا ستارہ کی حیرت دیدنی تھی۔

فیروزہ ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔

ہنس کیوں رہی ہو ستارہ کو اُلجھن ہوئی۔

بیوقوف مجھے بھلا کہاں سے مل سکتا ہے یہ۔ بنوایا ہے۔ اتھارٹی اپلائی کی ہے۔ تعلقات اب بھی کام نہ آتے تو کب آتے۔

مگر تم نے یہ سب کب کر لیا اس کی حیرانی بدستور اپنی جگہ قائم تھی۔

ان دنوں جب تم دو دن کے لیے سکھر گئی تھیں اس بھالو نما وڈیرے کے ہاں جس نے تمہیں بیپناہ قیمتی ہیرے کا سیٹ دے کر رخصت کیا تھا۔ فیروزہ ہنسی۔

بہت ہوشیار ہو۔ ستارہ قائل ہو گئی۔

ارے اپنے مطلب کو تو دیوانہ تک ہوشیار ہوتا ہے۔ وہ بیتحاشا ہنس رہی تھی۔

کیا تاریخ پیدائش عمر سے معلوم کی تھی ستارہ نے پوچھا۔

ہوں۔ مگر یہ میں نے اپنی پسند کی تاریخ پیدائش لکھوائی ہے۔

عمر سے میں نے پوچھا تھا اس کی برتھ ڈے کب ہوتی ہے تو اس نے بتایا تھا 9 نومبر کو۔

مجھے یہ شیر جیسا لگتا ہے اس لیے میں نے اس کا اسٹار اسد پسند کیا ہے اور سن بھی اپنی مرضی سے لکھوایا ہے۔ کم کر کے تاکہ ایج کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

اور اسے بچھو مجھے پسند نہیں۔ خاموشی سے ڈنک مارتا ہے۔ جب کہ شیر سامنے سے حملہ کرتا ہے۔ کسی کا مارا شکار پسند نہیں کرتا ہے۔ شاہ ہوتا ہے۔ خوددار ہوتا ہے۔ بہادر ہوتا ہے۔

اور مجھے عمر ایسا ہی لگتا ہے۔ اگر یہ ایسا نہیں ہے تو میں اسے ایسا ہی بناؤں گی۔

بچہ تو موم ہوتا ہے جیسے چاہے ڈھال لو۔

بہت پرفیکٹ ہو۔ ستارہ نے سراہا۔

شاید اس لیے کہ بہت منجھے ہوئے فنکاروں کے بیچ زندگی گزاری ہے۔ مگر دیکھو میں نے اس کا نسب تبدیل نہیں کیا ہے اس لیے کہ یہ بچہ اس قدر چھوٹا نہیں ہے کہ بڑا ہو تو اپنے باپ کا نام بھول جائے اور یوں بھی مجھے اس کا معزز نسب پسند آیا ہے۔ یہ میری تمنا تھی۔ میں اگر کسی بچے کی ماں بنوں تو اس بچے کا نسب بہت شاندار ہو۔ یہ دولت پرست معاشرہ نسب پرست بھی بہت ہوتا ہے اور رہی ایڈمیشن کی بات تو میرے سوات پہنچنے سے پہلے وہاں ایک فون پہنچ چکا ہوگا ہے کوئی مسئلہ۔ اس نے ستارہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

ستارہ نے غیر اختیاری طور پر نفی میں گردن ہلا دی۔

اسی دم دھڑ سے دروازہ کھلا، دونوں چونک پڑیں۔

عمر بھیڑ کے بچے سمیت اندر کمرے میں آچکا تھا۔

آنٹی آپ نے یہ تو بتایا نہیں کہ اگر میں اس لیمب سے کھیلتے کھیلتے تھک جاؤں تو اسے کہاں باندھوں۔ دیکھیے ناں اگر اسے باندھوں گا نہیں تو یہ بھاگ جائے گا۔ فیروزہ اس کی معصوم انداز پر نثار ہو گئی۔ جانے اس خود غرض لڑکی پر اس بچے نے کیسا جادو چلایا تھا۔

آؤ میرے ساتھ۔ وہ عمر کو لے کر باہر نکل گئی۔

انٹرویو سے تو وہ دوپہر دو بجے ہی فارغ ہو گیا تھا۔ بس پھر یونہی گھومنے پھرنے کی غرض سے وہ شاہی قلعے تک جا پہنچا تھا۔ پھر وہاں سے شاہی مسجد چلا گیا۔ شام کافی ہوئی تو یادگار ثوبیہ کے ساتھ دیکھنے کا ارادہ کر کے گارڈن ٹاؤن واپس ہوا۔ انٹرویو تو اس کا مسلم ٹاؤن میں تھا۔ اسے احساس ہوا وہاں گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے کیوں کہ وہ گیارہ بجے سے نکلا ہوا تھا۔ ٹیکسی لے کر وہ واپس گارڈن ٹاؤن پہنچا تو واقعی وہاں سب اس کے منتظر تھے۔

تھینکس گاڈ۔ ہم تو ڈر ہی گئے تھے۔ کہیں راوی میں۔۔۔ فوزیہ نے شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ارے راوی تو آدھا خشک ہونے کے باوجود خاصا بڑا ہے۔ مجھے تو چلو بھر کافی ہے۔ وہ بھی طارق تھا۔ کیسے چوک سکتا تھا۔

اس قدر حقیقت پسند ہو کر کوئی دکھائے۔ ڈریہ نے بھی حصہ لیا۔

پاپا آگئے ہیں۔ جناب کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ڈریہ نے اطلاع بھی پہنچائی۔ وہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

بہت ارمان تھا اسے اپنے ماموں کو دیکھنے کا جنہوں نے ان کی زندگی کے آزمائشی دور میں کبھی اپنے دست شفقت کے لمس سے نہیں نوازا تھا۔

وہ تینوں کے ساتھ ڈائننگ ہال میں چلا آیا جہاں چائے کا اہتمام تھا۔

سامنے ہی سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اس کے باوقار سے ماموں جان تشریف فرما تھے، اپنی بیگم سے بڑے باضابطہ انداز میں گفتگو میں مصروف تھے۔ ساتھ ساتھ پائپ میں تمباکو بھی بھر رہے تھے۔

نور جہاں طارق کو دیکھ کر مسکرائیں۔ آؤ۔ آؤ۔۔۔ کہاں رہ گئے تھے بھئی ہم سب بہت دیر سے انتظار کر رہے تھے تمہارا۔

السلام علیکم۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے ماموں سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے بہت پرتکلف انداز میں اس کا ہاتھ تھاما نہ ادھر گرم جوشی تھی نہ ادھر۔

والسلام (وعلیکم السلام کا شارٹ تھا غالباً)

طارق نے ان کا بھرپور جائزہ بھی لیا۔ اس نے زندگی میں بھی ایسے ماموں کا ذکر نہ پڑھا تھا نہ سنا تھا۔

بیٹھو بھی، کیسا رہا تمہارا انٹرویو۔ کیا ڈپارٹمنٹ ہے تمہارا۔

آرکیٹکچر۔ اس نے بہت مختصر جواب دیا۔

اگر کوئی پرابلم ہو تو فکر مند نہ ہونا۔ فون کر دوں گا میں۔

طارق کی خودداری کو ایک ٹھیس لگی۔ جی نہیں شکریہ۔ مجھے امید ہے کام ہو جائے گا۔ اس نے خاصی رکھائی سے کہا۔

چیئرمین کون ہے اس کمپنی کا انہوں نے اگلا سوال کیا۔

عبدالحئی عباسی۔

انٹرویو بورڈ میں تھے۔

جی مگر پلیز آپ فون وون کی زحمت نہ کیجیے گا۔ ممنون ہوں گا۔ کیریر کریڈٹ خود لینا چاہتا ہوں اپنے والد کی طرح۔

تمہارے والد یعنی فائق احمد نے کیریر کی طرف توجہ ہی کب دی تھی ان کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ طارق کو ان کا یہ جملہ سخت ناگوار گزرا۔

انہوں نے جس کام کو اپنایا تھا وہ اس میں پرفیکٹ ہیں۔

تم کہہ سکتے ہو۔ تمہیں ہو سکتا ہے برا محسوس ہو مگر شاید تمہیں پتا بھی ہو کہ تمہاری ماں کی شادی جب آفاق احمد سے طے ہوئی تو اس شادی کا سب سے بڑا مخالف میں تھا۔ میرا ایک دوست تھا کروڑپتی۔ ورلڈ لیول بزنس مین۔ میں اپنی بہن کی شادی اس سے کرنا چاہتا تھا مگر ہمارے والدین پرانے خیالات کے حامل تھے۔ انہوں نے آفاق احمد کو کزن ہونے کے ناتے ترجیح دی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ فائق احمد تعلیم یافتہ ہیں، بہت ترقی کریں گے۔ میں اس شادی پہ ناخوش تھا۔ میں اس شادی میں شریک بھی نہیں ہوا تھا۔ پرہیپس ڈو یو نو (شاید تمہیں علم ہو)

طارق کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے والدین نے تو اس سے کبھی یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اسے دوریوں کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

اس نے اپنے والدین کی عظمت کا بھی اعتراف کیا جنہوں نے احسان ماموں کے خلاف ایک لفظ اپنے بچوں کے سامنے نہیں کہا تھا۔

چھوڑیں۔ کیا بات لے کر بیٹھ گئے آپ بھی۔ ممانی جان نے طارق کا جلتا بُجھتا چہرہ دیکھ کر شوہر کو ٹوکا۔ پھر دریہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

دری۔۔ چائے کے لیے کہو۔ پھر اسنیکس کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

لوناں۔۔۔ اوہ آئی فورگوٹ۔۔۔۔ ریلی۔۔ بھئی کھانا وانا تم نے کہاں کھایا۔

کھا لیا تھا بس۔ وہ مسکرا دیا۔

تو پھر یہ برگر لو۔ اگر جوس وغیرہ پینا چاہو تو بتاؤ۔ جو فلیور (ذائقہ) پسند کرو۔

شکریہ۔۔۔ میں بیٹھا بیٹھا تھکا ہوا ہوں۔ پہلے غسل کروں گا۔ پھر چائے پیوں گا پھر ثوبیہ کی طرف متوجہ ہوا

چائے میرے کمرے میں بھجوا دینا پلیز۔ مگر آدھے گھنٹے کے بعد۔ ثوبیہ کی طرف مڑ نے

کا عمل لاشعوری تھا۔ (شاید اپنائیت کا کوئی لمحہ اس کی قربت میں تسخیر ہوا تھا کبھی) یہ کہہ کر معذرت خواہانہ مسکراہٹ سے ماموں ممانی کی طرف دیکھا اور نکل گیا۔

اس کے ماموں نے اس بلا کے خود اعتماد نوجوان کو بہت دلچسپی سے جاتے ہوئے دیکھا جو فائق احمد فاروقی کا بیٹا تھا۔

دیکھ اڑیے او کوئی یوسف ثانی تے نہیں اے نہ او نے مینوں آن جان توں روکیا۔ اے تیرے سر دی سونہہ دریہ فون پر چہک رہی تھی۔

(دیکھو دوست۔ وہ کوئی یوسف ثانی نہیں ہے اور نہ اس نے مجھے آنے جانے سے روکا ہے تمہارے سر کی قسم)

اس کے ساتھ پروگرام بنا رکھا ہے ناں ڈریہ

tomorrownotbutdoubt,nothatoffondamiyes

(ہاں میں بہت شوقین ہوں اس میں کوئی شک نہیں، لیکن کل نہیں)

اس کی دوست شاپنگ کے لیے اصرار کر رہی تھی۔ دریہ چونکہ اس کو ہر دم تیار ملتی تھی اس لیے وہ برابر اصرار کیے جا رہی تھی شاید وہ مان ہی جائے۔

سمجھ کر اڑیے او ساڈے شہر وچ پردیسی اے۔ پروہنا اے ساڈا۔۔۔ فیر چلاں گے۔ ویاہ تیرا ہُن ای تے نہیں۔ (سمجھا کرو دوست۔ وہ ہمارے شہر وچ پردیسی اے۔ پروہنا اے ساڈا۔ فیر چلاں گے۔ ویاہ تیرا ہُن ای تے نہیں۔ (سمجھا کرو دوست۔ وہ ہمارے شہر میں پردیسی ہے۔ مہمان ہے ہمارا۔ شادی تمہاری ابھی تو نہیں ہے) شاید اس کی دوست رُوٹھ گئی تھی۔

جو سمجھو لو۔ اچھا سمجھو گی تو آئی شیل تھینک فل ٹو یو۔ ثوبی کی برتھ ڈے پر آنا ناں ویدار کرا دیں گے۔

کب بتایا تو تھا۔ آن ٹیوز ڈے۔ یس۔ آف کورس۔ وینس ڈے ہوگا اس دن شاید۔

واہ سبحان اللہ۔ ماشاءاللہ۔ کیا تین زبانوں کی کھچڑی پک رہی تھی۔ اوہ۔ معاف کرنا غلط کہہ گیا۔ کھچڑی ت تو غالبا پنجابی اور انگریزی کی پک رہی تھی۔ اردو کا تو بگھار دیا جا رہا تھا۔ طارق نے جانے کب آن وارد ہوا تھا لابی میں۔

دریہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اور تھوڑا اسٹپٹا کر کہا۔

آپ کب آئے

تین مئی انیس سو۔۔۔۔۔۔۔

ارے میں آپ کی تاریخ پیدائش کب پوچھ رہی ہوں۔ وہ کہہ کر پھر فون کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہیلو زار۔۔۔ پھر فون کروں گی او کے۔ اس نے فون رکھ دیا۔

کیا روس کا کوئی زار ابھی تک بچا ہوا ہے طارق نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

جی۔ وہ واقعی پریشان نظر آئی۔

ارے آپ کو بتانا پڑے گا میں تو سمجھا تھا ساری دنیا پر آپ سیر حاصل معلومات رکھتی ہیں۔ بھئی انقلاب سے پہلے روس پر بادشاہ حکومت کرتے تھے کہ نہیں۔ اُن کا لقب ہوا کرتا تھا زار۔

اوہ یہ تو مجھے پتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

کہ لیجیے اب یہی کہیں گی۔ مجھے دل رکھنا آتا ہے میں نے یقین کر لیا۔ ویسے آپ اپنی سہیلیوں سے گفتگو بہت دلچسپ کرتی ہیں۔

آپ کب آئے تھے یہاں لابی میں اسے تھوڑی خفت محسوس ہو رہی تھی۔ آخر اس وقت سہیلیوں کی پرائیویسی چل رہی تھی۔

کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں نے کچھ نہیں سُنا۔ بلکہ زیادہ نہیں سُنا۔ میں تو اس وقت حاضر ہوا تھا جب آپ مجھے پردیسی کے خطاب سے نواز رہی تھیں۔

اوہ۔۔۔۔

میں آپ کو کافی دیر سے تلاش کر رہا تھا۔

زہے نصیب) خیریت

ریزرویشن کے لیے جانا ہے۔ وہ آپ کا ڈرائیور دستیاب نہیں ہے۔ کیا کیا جائے۔ ثوبیہ کہہ رہی ہیں ان کے پاس لائیسنس نہیں ہے۔ اور ریزرویشن آفس یہاں سے خاصا دور ہے۔

یہ اپ جاکس خوشی میں رہے ہیں دُریہ کو دھچکا لگا۔

بھئی میں ایک ہفتے کے لیے آیا تھا۔ انٹرویو کا جو بھی رزلٹ ہو گا کراچی اطلاع پہنچ جائے گی۔ پھر اگلے مراحل پلان کریں گے۔

پھر بھی چھ جولائی تک تو آپ نہیں جاسکتے۔ وہ قطعیت سے بولی۔

چھ جولائی کو آپ کی منگنی کے لڈو بٹیں گے وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

دُریہ نے ناراضگی سے اُسے دیکھا۔ (کیسی دل دہلانے والی باتیں کرتا ہے یہ پتھر) برتھ ڈے ہے ثوبی کی۔

دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار سا ارتعاش ہوا۔ ثوبی کی برتھ ڈے اٹینڈ کرنے کے لیے تو میں ریزرویشن تک کینسل کروا سکتا ہوں۔ وہ نارمل ہو کر مسکرایا۔

اوہ تھینکس۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ منتیں تو تھوڑی بہت کروائیں گے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی فنکشن سیلی بریٹ ہوگا۔

کس قدر جھک کر بولتی تھی۔ کس قدر لچک پیدا کر لیتی تھی وہ اس کے سامنے۔ اپنی طبعیت کے خلاف عمل سے وہ ایک روحانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

(ایسے کیا سُرخاب کے پر لگے ہیں تم میں کہ میری گفتگو میں گڑگڑانے کی کسر رہ جاتی ہے۔)

اس کی مٹی میں ملی ازلی نخوت کربناک انداز میں چیخ پڑی تھی۔

آئیے چلتے ہیں۔ اگر آپ تیاری کرنا چاہیں تو پانچ منٹ ہیں۔ ویسے تو آپ ہر دم

رنجیدہ نظر آتی ہیں۔

ریپرڈ وہ الجھی۔

بھی اتنی بچی سنوری، بالکل نئی چیز کی طرح جس کا ریپر بھی نہ اترا ہو۔ طارق نے وضاحت کی۔

اوہ۔۔۔ اس کا دلکش قہقہہ لابی کی دیواروں کو سعادت بخش گیا۔

کہاں چلنا ہے۔

بھی ریزرویشن کے لیے۔ چھ جولائی کے بعد تو جا سکتا ہوں ناں یا کسی اور کی۔۔

آپ انٹرویو رزلٹ کا ویٹ یہیں لاہور میں کر لیں ناں۔ پھر کال ہوئی تو۔۔ بار بار آنے جانے کی مصیبت۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

ارے نہیں یہ مصیبت نہیں بلکہ بیروزگار آدمی کی بڑی خوبصورت مصروفیت ہے۔ ویسے بھی مجھے اماں جان بڑی یاد آ رہی ہیں۔ وہ بڑی رنجیدہ سی صورت بنا کر بولا۔

ہائے۔ دریہ ہنس پڑی۔ (میں دعا کروں گی کہ یہ ملازمت تمہیں مل ہی جائے اور تم لاہور ہی آ جاؤ ہمیشہ کے لیے)

چلیں۔

چلیں۔ مگر گھر والوں کو انفارم کر دیں۔ بلکہ ایسا کریں فوزیہ اور ثوبیہ کو بھی ساتھ لے لیں۔

کیوں مجھ سے ڈر لگتا ہے وہ شرارت سے مسکرائی۔

اللہ رے خوش فہمی۔ ویسے یہ میرے علم میں اضافہ ہے کہ آپ سے ڈرا بھی جا سکتا ہے۔ وہ مخصوص کاٹ دار لہجے اور استہزائیہ انداز میں بولا۔

(حسن سے بڑا کوئی آسیب ہو تو بتاؤ) نہیں میں نے کہا شاید۔

ویسے فوزیہ کا گھوڑا بیمار ہے بلکہ تھا وہ آج اس کی رفتار اور کارکردگی چیک کرنے ریس کورس گراؤنڈ گئی ہوئی ہے اپنے دوستوں کے ہمراہ۔

ریس بھی لگاتی ہیں۔ طارق بیچارے کا دماغ گھوم گیا۔

وہ گھوڑوں سے متعلق ہر چیز میں دلچسپی لیتی ہے۔ پتا ہے پچھلے سال اس نے اپنی برتھ ڈے پر پاپا سے کیا مانگا تھا۔ این عرابک ہارس۔ (ایک عربی گھوڑا)

داڑھی مونچھ والا یا پشت پر بالوں والا چار ٹانگوں کے ساتھ۔ وہ شریر ہوا۔

دریہ کچھ نہیں نہیں بولی۔ بس ہنس دی۔

اور ثوبیہ۔

وہ لنگویج کورس کر رہی ہے بزی ہوگی۔ طارق کو محسوس ہوا در اصل وہ کسی اور کو ساتھ لیجانا ہی نہیں چاہتی۔

وہ ثوبیہ کے تصور سے اپنے دماغ کو اس قدر منور کر چکا تھا کہ آگے محتاط طبیعت بھی کچھ نہیں بجھاتی تھی۔ نہ وہ لڑکیوں میں راجہ اندر بننے کا مشتاق تھا۔ این۔ای۔ڈی کراچی میں تو لڑکیوں کی ٹڑی موجود ہوتی ہے۔ حسن و امارت کے ساتھ ساتھ بلا کی ذہانت اعتماد، خوش لباسی،

خوش روئی، خوش نوائی، چار برس وہ ان کے بیچ گزار آیا تھا۔ بڑی پارسائی اور اعتماد کے ساتھ۔

وہ ایک بامقصد زندگی پسند کرنے والا کامپلیکس سے مبرا نوجوان تھا۔

عورت کا احترام کرنے والا۔

اپنے مقصد سے محبت کرنے والا۔

اپنی زندگی میں مگن۔

مستقبل سے اچھی اُمیدیں رکھنے والا۔

وہ بہت سے نظریں پہچانتا تھا۔

مگر یوسف کی طرح دامن بچالیتا تھا۔

عورت کی عزت کی نزاکت محسوس کرنے والا تھا کبھی دوستوں کی محفل میں کسی لڑکی کا قصہ مزے لے کر نہیں سنایا۔

شاید یہ اس کی ماں کی تعلیم تھی جو اس نے بیٹے کے خون میں حلول کی ہوئی تھی۔

وہ بجس تو نہیں تھا۔ مگر آج تک کوئی حاد بن کر ملا ہی نہیں تھا۔

یہ ثوبیہ نے اس پر جادو کر دیا تھا۔

جبکہ وہ تو اس گھرانے سے بیزاری ظاہر کرتا تھا جو اس قدر خونی تعلق ہونے کے باوجود اتنی دوریوں کا حامل تھا۔

آج بھی اس گھرانے کے تمام افراد سے اسے لگاؤ نہیں تھا۔ مگر یہ ثوبیہ۔

جانے کیا ہے اس لڑکی میں۔۔ بعض اوقات وہ پریشان ہو کر سوچا بھی کرتا تھا۔

اور اُس بیچر کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔

یہ بھی بعض لوگوں کے چاہنے کا انداز ہوا کرتا ہے۔

دُریہ۔ اس کی ماں کا ارمان۔ اس کے مہربان سے بھائی میاں کی پسند بن چکی تھی۔ وہ اس سے بہت احتیاط سے پیش آتا تھا بلکہ پہلے کے مقابلے میں وہ اپنے لہجے کو بہت ہموار اور مہربان رکھتا تھا۔

مبادا اس کی کسی ایک نادانی کے سبب اس کے گھر والے فائق احمد کے تمام گھر والوں کو ریجکٹ کر دیں۔ اور سارا الزام اس کے سر آ جائے۔

پہلے تو اس کا دھیان بھی نہیں تھا۔ جب سے پھوپھی جان نے شوشہ چھوڑا کر ہمت بندھائی تھی تب سے اس کی سوچ میں تبدیلی آ گئی تھی۔

دُریہ ایک ماڈرن امیرزادی تھی۔ سب سے بولڈ ہو کر ملتی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں اس قسم کے بولڈ ماحول سے گزر چکا تھا اس لیے اُس نے اس کی کسی ادا کو غیر معمولی سمجھ کر توجہ نہیں کی تھی۔

ہاں اب وہ بعض اوقات اس کے آمرانہ قسم کے سٹائل پر کوفت سی محسوس کرتا تھا۔ مثلاً اسے پتا تھا ثوبیہ کو لے جانے سے وہ خود کترا رہی ہے۔

یہاں اس کے اپنے دل کا چور بھی آڑے آ رہا تھا کہ وہ اصرار نہیں کر سکتا تھا۔ فی الحال وہ

کسی کو بھنک تک دینے کو تیار نہیں تھا۔

پہلے اس سادہ و کم آمیز اور خاصی بیوقوف سی لڑکی کو تو پتا چلے اور یوں بھی جسے چاہتے ہیں اسے خواہ مخواہ تماشہ نہیں بناتے۔

دل کے مہمان خصوصی کے لیے کیا پروٹوکول ہونا چاہیے اس کی ترتیب اس کی اپنی تخلیق تھی۔

دل تو چاہتا تھا۔ کوئی ہمراز تو ہو جس سے اس کا معنی خیز ذکر کر کے دل ہلکا کرے مگر وہ چھوٹی موٹی سی لڑکی۔ اپنے آپ سے بھی گھبرانے لگے گی۔ اگر اس تک بات پہنچ گی۔ کیوں اسے بھی آزمائش میں ڈالے۔

پہلے اس کے قابل تو ہو جائے۔

وہ نازک اندام و دل آرام ہر کام ماں بہن سے پوچھ کر کرنے والی اپنے باپ کی حیثیت سے بے نیاز۔ اپنی سہولتوں سے پُر زندگی کی اہمیت سے بےخبر۔

معمولی معمولی بات پر غور و فکر کرنے کی شوقین۔

وقت پر میچنگ ٹاپس گم ہونے پر رونے کو تیار۔ وہ کم کم اعتماد والی زیادہ بسورنے والی کتنا دل چاہتا تھا جب تک لاہور میں رہے اس وقت تک وہ آنکھوں کے سامنے رہے ہر دم۔ ورنہ فوزیہ ہی طارق کو لیے گھومتی رہتی تھیں۔ شاید وہ خود منع کرتی ہوں گی اُسے تب ہی وہ زیادہ اصرار نہیں کرتی تھی۔

البتہ جب رات کو محفل جمتی تب وہ سب کو اچھی سی کافی بنا کر دیتی پھر اس کے سامنے بیٹھ جاتی۔ جب کارڈز کھیلنے لگتے تو اس کے چہرے پر بے حد مسرت چھا جاتی۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پیشانی سے بال جھٹک جھٹک کر کارڈز پھینکتی۔ اور تیر کی طرح سیدھی دل میں ترازو ہونے لگتی۔

اس کا خیال تھا رویزرویشن آفس سے واپسی پر کسی تفریحی مقام کو بھی کھنگال لیں گے مگر اب سارا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔

وہ بشر کے ساتھ اس کے بیڈروم میں چلے آئے۔ اسے اس کے بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئے۔

بیٹے میری بات غور سے سنو۔ ان کی آواز بہت پست تھی۔

میں سُن رہا ہوں پپا۔ وہ معصومیت سے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

اس کی پریشانی کی مظہر سنجیدگی قابل دید تھی۔

انہوں نے اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

میں خدا کا احسان مند ہوں۔ اُس نے مجھے میرے پیارے بیٹے سے ملا دیا۔ میرا بیٹا بہت بہادر اور ہمت والا ہے۔

ہے ناں

اُس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اُسی زاویے میں بیٹھے بیٹھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تو میرے بیٹے۔۔۔ مائی بریو سن۔

وہ چپ ہو گئے۔ کیسا تنے سے دل پر پہاڑ جیسا دکھ اُتاریں۔

یہ تو یقین آچکا ہے کہ تمہارے بہن بھائی تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ اب یہ سُن لو عمر اور گڑیا کو کوئی پکڑ کر لے گیا ہے مگر اُمید ہے وہ مل جائیں گے۔ دیکھو نہ تم رونا اور نہ فکر کرنا بلکہ دعا کرنا کہ وہ ہمیں مل جائیں بالکل اسی طرح جیسے تم کھو گئے تھے اور مل گئے۔ بشر بھونچکا سا بیٹھا رہ گیا۔

گڑیا کو بھی پکڑ کر لیا۔ کیا وہ بھی باہر کھیلنے گئی تھی۔ اتنا تو وہ ذہین تھا کہ جانتا تھا بچوں کو اتنے لوگوں کی موجودگی میں تو نہیں پکڑ کر لے جایا جا سکتا۔

شاید۔۔۔ دوسری بات بھی غور سے سُن لو بیٹے۔

وہ پھر بڑی سنجیدگی سے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ مگر اب اس کا دل لہو رو رہا تھا۔ بس باپ کا مان رکھ رہا تھا۔ بہادر بن کر دکھا رہا تھا۔

عائشہ آنٹی ہوں یا گھر کا کوئی ملازم۔ خواہ کوئی ہو تم کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم دادو جاتے ہوئے ٹرین سے اُتر گئے تھے۔ یا تمہیں کسی نے اُتار دیا تھا۔

کیوں

تمہارے کیوں کا میرے پاس فی الحال کوئی جواب نہیں۔

اچھا یہ بتاؤ تم کس کے بیٹے ہو۔

آپ کا بیٹا ہوں۔

تو پھر بیٹا باپ کی بات مانا کرتا ہے۔ کوئی کچھ بھی پوچھے تو صرف یہ کہہ دینا کوئی آدمی مجھے لے گیا تھا۔ جگہ کا نام نہیں معلوم۔ بس ٹھیک ہے۔

اُس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

اب جاؤ کھیلو۔ کودو۔ انہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

مگر وہ کیسے کھیل سکتا تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا۔ اس کے شعور کو تو منافقت کی رعایت بھی حاصل نہیں تھی۔ ایسی شفاف و پاکیزہ محبت اور بیریا سجاؤ سے بھائی کے رشتے کی پہچان کرنے والا معصوم بچہ۔

گھمسان کا رن پڑا تھا اس کے قلب کی زمین پر

لوگ بچوں کے متعلق خاصی خوش فہمی کا شکار ہیں۔ وہ بچوں کو کھلونے سے کچھ زیادہ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔

حالانکہ بچوں کی حسیات کہیں زیادہ متحرک اور تیز ہوتی ہیں۔ ان کے دکھ بلکہ زیادہ عظیم ہوتے ہیں کہ ان کے پاس نہ تجربوں کے بہلاوے ہوتے ہیں نہ علمی دلیلیں۔ لے دے کر اپنی معصوم سوچ اور اختراع۔ وہ بھی ناکافی۔ احاطے سے معذور۔

وہ تو اٹھ کر چلے گئے۔ پیچھے بچہ انگارہ انگارہ سلگا۔

تھوڑی دیر بعد عائشہ اور ان کے شوہر آ گئے۔ عائشہ کی بیتاب نگاہیں بشر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بھائی سے ملکر بشر کے کمرے کی طرف بڑھیں وہ اب تک گم صم تھا۔ باپ سے بہادر

بننے کا عہد کر کے۔

عائشہ نے اُسے سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں یہ پھوپھیاں اپنے بھائیوں کی اولادوں کو کتنا چاہتی ہیں۔ یہ بھی اس مشرقی معاشرے کی ایک خوبصورت حقیقت ہے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ بشر ان کے بازوؤں میں ہے۔

بس کرو عائشہ۔ بچہ پریشان ہو جائے گا۔ ان کے شوہر نے ٹوکا تو وہ بشر کے رخساروں کے کئی بوسے لے کر الگ ہو گئیں کافی دیر خود کو سنبھالتی رہیں۔

خدا کے لیے وہ دونوں بھی اسی طرح مل جائیں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں دعا کرنے لگیں۔

پھر بھائی سے پوچھ گچھ کرنے لگیں کہ کہاں سے اور کیسے بازیاب ہوا۔ دونوں بچوں کا کچھ سراغ لگا کہ نہیں بمشکل عائشہ کے سوالات کے جوابات دیے اس نے بھاوج کا پوچھا تو کہہ دیا کہ سو رہی ہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مگر اب ان کا ذہن پھر اس طرف چلا گیا۔ وہ بہت بے چینی سے عائشہ کے رخصت ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

جیسے ہی اُن کی گاڑی باہر نکلی وہ تیزی سے اپنے بیڈروم میں آئے تہہ خانے کا دروازہ کھولا۔ دو تین زینے طے کر کے نیچے دیکھا

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بالکل نڈھال اور ناتواں سی نظریں اُٹھا کر ولایت علی شاہ کو دیکھا وہ نظریں چُرا گئے۔ گزشتہ شب والی شقاوت اور سنگدلی کی انتہا کا عکس معدوم تھا مگر لہجہ وہی پتھریلا تھا۔

باہر آؤ روشن۔

اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا مگر جب وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ گئے تو وہ ہزار خوش فہمیوں کے روشن ہالے میں زینے کی طرف بڑھی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد گھر کے ملازمین نے دیکھا ان کی بیگم صاحبہ سرمئی شلوار سوٹ میں ملبوس بیمار اور مدقوق سے چہرے کے ہمراہ صاحب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل کر جانے کس منزل کی جانب دوڑ پڑی تھی۔ اس منزل کا عنوان ولایت علی شاہ کو تو معلوم تھا مگر روشن کو نہیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اچھا بھلا گھر ہوتے ہوئے سالگرہ ہوٹل میں منانے کی کیا تک بنتی ہے۔ ہزار گز کے لان میں کیا مہمان نہیں سما سکتے کیا پورا پاکستان آ رہا ہے۔ شاید یہ بھی سٹیٹس سمبل ہے۔ اس نے کپڑے نکالنے کے لیے وارڈ روب کھولی تو چونک پڑا۔ ایک بلیک سوٹ کوٹ پینٹ مع ٹائی کے تھا جس کی پشت کے اندرونی حصے میں کالر سے نیچے لندن کی اُس مشہور ٹیلرنگ کمپنی کی مہر ثبت تھی جو دنیا کی نمایاں شخصیات کے ملبوسات تیار کرتی تھی۔ اس کے ساتھ میچنگ پرفیوم ار میچنگ ٹائلٹ سوپ خوبصورت پیکنگ میں موجود تھا۔ ایک خوبصورت ڈبیہ میں کف لنکس اور ٹائی بھی موجود تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت سفاری سوٹ تھا۔ ایک چٹ اس پر لگی ہوئی تھی۔ دونوں میں سے جو پسند آئے وہ یہ

خوب سمجھتا ہوں ڈیئر بیگم۔ یہ سوٹ راتوں رات لندن سے نہیں آ گیا۔ یہ تمہارے والد محترم کی اُترن۔

وہ چند ثانیے کھڑا کچھ سوچتا رہا، پھر بیڈ کی سمت آیا اور بٹن پش کیا۔ کچھ توقف کے بعد دستک ہوئی۔

ہوں۔۔۔ آ جاؤ۔

جی۔۔ وہ مودب انداز میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

دیکھو بھی، وہ اپنی بی بی صاحبہ کو بلا کر لاؤ۔ اس کے چہرے پر ترشی کا عکس بھی تھا اور بیزاری کے سائے بھی۔ ملازمہ چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

آ جاؤ بھی۔ لہجہ بدستور بیقابو تھا۔

ثوبیہ اندر چلی آئی۔ اس کی سمت دیکھتے ہوئے پیچھے ہاتھ کر کے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔

جی۔۔

سامنے وارڈروب میں ایک ڈنر سوٹ اور ایک سفاری سوٹ لٹک رہا ہے، برائے مہربانی فوراً سے پیشتر یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔

ثوبیہ نے سخت حیرانی کے عالم میں بغور طارق کو دیکھا پھر وارڈروب کی سمت آئی۔ پٹ کھولا، چند ثانیے اندر لٹکے ہوئے ملبوسات دیکھتی رہی، پھر دونوں سوٹ اتار لیے۔ وہ ڈنر سوٹ پر چسپاں چٹ بھی پڑھ چکی تھی۔

پلٹی تو نظریں نیچی تھیں۔ وہ سمجھ چکی تھی اور طارق کے اثرات بھی جان چکی تھی۔ اس نے دونوں سوٹ اپنے بازو پر لٹکا لیے اور سمجھ میں نہ آیا کیا بات کہے اور کمرے سے نکل جائے۔

طارق نے اسے دیکھا۔ حقیقت پھر فریب کے پردوں میں چھپنے لگی۔

انسان کی ذات اور وقار سے عظیم حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

عورت اور حُسن سے بڑا فریب کوئی نہیں۔

ثوبیہ کے نرم بال اس کی پیشانی پر جھک آئے تھے۔ وہ وائٹ چکن میٹ کے لانگ ڈریس میں تھی۔ نا سمجھوں والی الجھن چہرے سے ہویدا تھی۔

وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ اس کے نزدیک چلی آئی۔

اس کے شانے پر معصومیت سے اپنا خوبصورت ہاتھ رکھ دیا۔

ساری کائنات اس کا نازک ہاتھ بن گئی۔ بہت سارا بوجھ شانے پر آ پڑا۔ بڑی غیر متوقع صورت حال تھی۔

آپ نے مائنڈ کیا ہے طارق بھائی وہ دراصل آپی نے سوچا۔۔۔۔

جو انہوں نے سوچا وہ تمہیں کیسے پتا چل گیا۔ وہ بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

وہ نظر اُٹھا کر اسے خفت سے دیکھنے لگی۔ اس کے شانے سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

وہ بڑی طاقتور ہستی تھی جس نے ناتجربہ کاری کے سن میں اس زیر کیا تھا۔اس کا یہ غرور پاش پاش کیا تھا کہ وہ خود مختار ہے۔اور زبردست قوت ارادی کا مالک ہے۔اگر وہ نہ چاہے تو مجال نہیں کسی خیال کہ وہ اس کے حواس پر چھا جائے۔

جو غرور توڑتے ہیں وہ حریف ہوتے ہیں۔

جن کے بغیر زندگی پھیکی لگے وہ رنگ آمیز انسان، دوست ہوتے ہیں۔

وہ اس کی حریف تھی۔

اور دوست بھی تھی۔

وہ زندگی کی گہرائیوں سے ناواقف لڑکی یہاں تک تو نہ پہنچ سکی کہ وہ روحانی طور پر کتنا زخمی ہوا ہے بس یہ محسوس کر سکی کہ وہ شوخ۔۔۔ سنجیدہ ہو گیا اور اس کے لیے یہ بڑی قیامت تھی۔

وہ اس کا پیارا طارق بھائی۔۔۔ نڈر، شوخ اور چھا جانے والا۔

اچھا بتائیں، آپ کا غصہ کیسے اُترے گا وہ معصومیت اور خفت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چھوٹی ہوئی مہتابی اس کے مقابل کتنے لاچار انداز میں پوچھ رہی تھی۔

دوستی کی آن اور مان کی حفاظت کرنے والے۔۔۔

اپنائیت کے اعزاز دے کر حوادث دنیا سے غافل کرنے والے مقابل کھڑے ہوں تو غصہ نہیں ہوتا محض دکھاوا ہوتا ہے۔اس کی آمد سے قبل طارق کی شریانوں میں جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا اور اب وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

بعض اوقات یاداشت اچھی ہو تو پڑھی ہوئی باتیں پوری صحت کے ساتھ سمجھ میں آتی ہیں۔جب پڑھنے والا بھی اسی قسم کے واقعے سے گزرتا ہے۔اس نے ایک مرتبہ تاریخ کی ایک کتاب میں پڑھا تھا۔

سکندر نے ایران کے بادشاہ کو عظیم شکست دی تو اس کے ساتھیوں نے اس کی توجہ محل سرا کی جانب مبذول کرائی کہ محل میں ایک بےمثل حسن کی مالک شہزادی ہے بلکہ محل میں غیر معمولی حُسن کی فراوانی ہے۔کیا مضائقہ ہے اگر وہ ان کی دید سے سیراب ہو۔سکندر نے جواب دیا۔

میں نے دارا کو اور اس کے بڑے بڑے شہزوروں کو شکست دی ہے۔میں نہیں چاہتا اب اس کی کمزور عورتوں کے ہاتھوں شکست اُٹھاؤں۔

گویا اتنا بڑا فاتح بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ کہاں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہار سکتا ہے۔

طارق نے قرنوں قبل مرے ہوئے سکندر کی کیفیت وعزم اور ایک بڑی سچی اور مردانہ غرور کو شکست دینے والی کمزوری قوت کو محسوس کیا۔

یہ دارا کی شہزادی نہیں ہے۔

میں سکندر نہیں ہوں۔۔۔

یہ محل میں محبوس نہیں ہے۔

میں نئے آسمانوں کا متلاشی نہیں۔۔

اس کے سامنے راہ فرار تھی۔۔۔

میرے سامنے نہیں ہے۔۔۔

یہ دلوں کے سنگھاسن پر خاموشی سے براجمان ہونے والی لڑکیاں اور اک نہیں رکھتیں کہ وہ مقابل کھڑے ہو کر اپنے خیر خواہ کو کس عذاب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

نہیں، میں ناراض نہیں ہوں۔ میں ناراض ہوں بھی تو تمہارے سامنے نہیں رہ سکتا۔ وہ نظریں چرا کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

تھینک یو سو مچ طارق بھائی۔ وہ پھر اس کے قریب آ گی۔

دیکھو ثوبی بات یہ ہے کہ بُری بات یہ نہیں کہ مجھے استعمال شدہ کپڑے پیش کیے گئے۔ اس میں کامپلیکس کی بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے۔

یوں بھی ہو سکتا تھا۔ ممانی جان مجھ سے کہتیں۔ طارق شاید تم کپڑے وغیرہ نہ لائے ہو عارضی قیام کی وجہ سے چاہو تو اپنے ماموں جان کے کپڑے استعمال کر سکتے ہو۔ وہ تمہارے ہی ہیں۔۔۔ اس سے اپنائیت کا احساس ملتا۔

لیکن یہ امپورٹڈ ڈریسز مجھ سے بات کیے بغیر پیش کیے گئے۔ اس عمل سے ایک قسم کی آمریت اور دوسرے انسان کو کم حیثیت سمجھنے کا احساس ملتا ہے۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ غلبہ حاصل کرنے کی بڑی احمقانہ سی کوشش تھی۔ کہہ دینا اپنی آپی سے کیونکہ مجھے خود نہیں پتا کب تک ایسا ہو کہ وہ میرے سامنے آئیں اور میں غصے میں نہ آؤں۔۔۔ اور ظاہر ہے میں غصے کی کیفیت میں ان سے کوئی بات نہ کر سکوں گا۔ بلاوجہ ہی بحث۔۔۔

آپ کو اتنا شدید غصہ بھی آتا ہے ثوبیہ نے اپنی پیشانی سے نرم تراشیدہ بال جھٹک کر سادگی سے پوچھا۔ (اس کی بات کاٹی تھی)

طارق نے چوری سے اسے دیکھا پھر مسکرا کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

دیکھو بھئی میں کوئی انٹرٹینر یا پیشہ ور مسخرا نہیں ہوں۔ میری تمام کیفیات نارمل انسانوں جیسی ہیں (اب تم جلدی سے کچھ اور بڑی ہو جاؤ تاکہ ہم کو اشارتاً ہی تم سے کچھ کہہ سکیں۔)

ویسے آپی نے اگر مجھے یہاں سے یہ کپڑے لے کر نکلتے دیکھ لیا تو پوچھیں گی ضرور، بھیج دوں آپ کے کمرے میں۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

ارے نہیں۔ خدا کے لیے۔ میرے پاس لیے بحث کے لیے ٹائم نہیں ہے۔

ثوبیہ کو اس کا انداز عجیب سا لگا۔ وہ جانے کیا سوچتی ہوئی باہر نکل گی۔

وہ کافی دیر تک ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے سامنے دیکھتی رہی۔

ولایت علی شاہ بہت تیز ڈرائیونگ کر رہے تھے۔ بعض اوقات وہ سامنے آنے والی گاڑی سے اپنی گاڑی بچاتے روشن دائیں بائیں جھول کر رہ جاتی۔

اس نے چوری چوری ولایت علی شاہ کو دیکھا۔ ان کا چہرہ سپاٹ اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ روشن کے جانے پہچانے راستوں سے گاڑی گزری تو وہ از خود سمجھ گی کہ ان کا رخ دادو کی سمت ہے۔ وہ اندر ہی اندر لرز کر رہ گی۔۔۔ کہ اسے دادو کیوں لے جایا جا رہا ہے۔۔۔

اس میں کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ ان سے اپنی سزا کے بابت بات کرنا چاہتی تھی مگر حوصلہ ہی نہ ہوتا تھا، بمشکل اس نے ہمت پیدا کی۔شاہ۔۔مجھے یہ تو بتادیں۔۔۔

خاموش رہو۔۔۔تمہاری آواز سننے سے بہتر ہے میں یہ گاڑی کہیں دے ماروں۔

وہ غرائے اور روشن اپنی جگہ کانپ کر رہ گئی۔ پھر اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کوئی بات منہ سے نکالے۔ یہاں تک کہ وہ گوٹھ(گاؤں) کی حد میں داخل ہو گئے۔

ان کی گاڑی پہچان کر کئی ہاری لپک کر گاڑی کے قریب آ گئے۔ ولایت علی شاہ نے گاڑی روک لی۔

سلام شاہ سائیں۔کئی آوازیں بلند ہوئیں۔

وعلیکم السلام۔خیریت رہی،کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟

خیریت کہاں شاہ سائیں۔اللہ بچایو اور سائیں ڈینو کو بھی رات پولیس پکڑ کر لے گئی۔

ایک ہاری ہاتھ باندھ کر کھڑکی پر جھک آیا۔

اچھا اچھا فکر نہ کرو۔جب تک معاملہ ٹھیک نہیں ہو جاتا، میں یہیں ہوں۔ ان کے لہجے میں نرمی اتر آئی۔پریشان چہرے پر رونق آ گئی۔

خیر ہو سائیں کی۔

ولایت علی شاہ نے گاڑی آگے بڑھادی اور اپنے گھر کے سامنے روکی۔

غلام محمد تقریبا دوڑتا ہوا باہر آیا۔گاڑی کا دروازہ کھولا۔ پہلے ولایت علی شاہ کی طرف کا، پھر روشن کی طرف کا۔روشن کے چہرے پر نظر پڑی تو چونک سا گیا، چمکتے ہوئے چہرے اور چڑھی ہوئی ناک والی بیگم صاحب کے بجائے جانے یہ نئی عورت کون تھی۔

سلام علیکم صاحبسلام علیکم بیگم صاحب

وعلیکم السلام...

ڈگی سے سامان نکالو غلام محمد اور پیچھے والے کمرے میں لے جا کر رکھ دو۔

اور ہاں اپنی بیگم میرا مطلب ہے اس عورت کو بھی وہیں لے جائیو۔

:غلام محمد کے سر پر جیسے بارودی گولا پھٹا تھا۔

جی؟جی مالک؟

ولایت علی شاہ نے ابرو چڑھا کر بڑی سنگین نظروں سے دیکھا۔غریب نمک خوار کانپ کر رہ گیا۔

بہتر مالک۔۔ اور جھک کر سامان اٹھانے لگا۔

ایسی ذلت سے تو وہ تہہ خانہ ہی بہتر تھا۔روشن کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

ولایت علی شاہ بڑے زہریلے انداز میں مسکرائے۔

بعض اوقات مرد جذبات میں بالکل ہی اندھا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ پرائی عورت کو اپنا آپ سونپنے سے پہلے اسے تھوڑا بہت غور تو کر ہی لینا چاہیے۔ایک پتہ اٹھا کر سنبھال کر رکھنا چاہیے۔۔کیا خبر کل کیا ہو جائے۔اب تمہیں ہی دیکھو ابھی تک ولایت علی کی معشوقہ و شریک

حیات بنی کھڑی ہو۔ گویا سزا بھی اسی طرح پسند کر رہی ہو جیسے جیولری پسند کرتی تھیں۔ اس سے تو وہ اچھا تھا۔ اس سے تو یہ اچھا تھا۔

تمہیں اتنی بات بولنے کی جرات ہی کیوں ہوئی؟ تم میرے معاملات میں مداخلت کرنے والی کون۔۔؟

وہ بری طرح غضب ناک ہو رہے تھے۔

روشن زمین پھٹنے کی دعا کرنے لگی تھی کہ غلام محمد آہستگی سے بولا۔۔

آئیو بیگم صیبہ۔

سُرمئی شلوار سوٹ میں ملبوس طارق نے ہوٹل میں قدم رکھا۔ درِیہ کی جان میں جان آ گئی۔

پیازی سلکی شلوار کرتے اور بڑے سے کامدار دوپٹے میں ملبوس ثوبیہ بھی خوشی سے سرشار آگے بڑھی۔

کہاں چلے گئے تھے آپ۔۔؟ وہ بچوں کے انداز میں شکوہ کرنے لگی۔

ایک ہجوم بیکراں تھا انسانوں کا اور وہ صرف ایک سمت متوجہ ہو گیا تھا۔

اس کی وارفتہ نظروں نے ثوبیہ کے معصوم چہرے کا بے قرار سا طواف کیا تھا۔ غیر ارادی طور پر ثوبیہ چونک پڑی اور الجھ سی گئی۔

بغیر تکلف کے برتھ ڈے میں داخل کیسے ہو سکتا تھا؟ اس نے ایک خوبصورت پیکٹ اس کی سمت بڑھایا۔

بہت شکریہ۔ ثوبیہ کچھ مدھم سی پڑ گئی تھی۔

درِیہ کچھ فاصلے پر کھڑی تھی، اس کا دل کہیں کنویں میں ڈوبنے لگا تھا۔

یہ کیا۔۔ جن نظروں کے انتظار میں وہ اپنے ہزار شوق بھول بیٹھی تھی وہ نظریں ثوبیہ کے چہرے پر۔۔؟

نہیں۔ نہیں۔ وہم ہے میرا۔۔

عورت میں قدرت نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ مرد کی ہر نظر کو صحیح پڑھ سکتی ہے۔

اگر عورت مرد کی نظر پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھتی تو۔

کبھی عورت سوہنی نہ بن پاتی

نہ ہیر بن کر وارث شاہ کو شہرتِ دوام ملنے کا ذریعہ بنتی۔ نہ عذرا بن کر امر ہوتی۔

کیسی ہے اس نظر کی بات۔

عورت جان کر انجان بن جائے وہ الگ بات ہے۔ مرد نظر سے کہہ کر مکر جائے وہ اور بات ہے۔

وگرنہ سچ یہ ہے کہ نظر کی بات سب سمجھتے ہیں۔

درِیہ تو اپنی کیفیت پر خود ہی پریشان ہو گئی۔

یہ۔۔یہ اتنا عام سا شخص۔۔میں اس کے بارے میں اتنی کانشس کیوں رہتی ہوں، یہ

تھرڈ ریٹ میں۔ہونہہ۔

خود پرست اور انا کے پہاڑی سلسلے کی سب سے بلند چوٹی پر بیٹھنے والا غریب بھوکے جتنا

حساس ہوتا ہے۔

اور وہ تو بہت خفیف حالت میں اس کی منتظر تھی۔

ثوبیہ نے دونوں سوٹ دریہ کے سامنے ہی تولا کر ڈالے تھے۔یہ کہہ کر۔

یہ لیجیے۔۔آپ نے بھی میری برتھ ڈے کے دن ان کا موڈ خراب کرنا تھا۔

وہ کتنی خجل سی تھی اب سے کچھ دیر پہلے تک مگر اب۔تو اس کے ذہن کے پردے پر وہی

ایک نظر تھی جو والہانہ ثوبیہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

سب سے زیادہ تو یہ احساس مارے دے رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے واضحکئی بار ہوئی

تھی۔

احساسِ توہین۔۔کا ہولناک طوفان تھا۔جس نے دریہ کی ذات کو جڑوں سے ہلا کر رکھ

دیا تھا۔

نہیں۔شاید میرا وہم ہے۔آج ثوبیہ کا برتھ ڈے ہے سب لوگ اس کو میرٹ امپورٹینس

دیں گے۔

اس نے ہوشمند نارمل انسان کی طرح اپنی حالیہ کیفیت کا سبب سوچا۔۔اور آگے بڑھ

آئی۔

کہاں چلے گئے تھے آپ؟

طارق لطف و سرخوشی کے احساس سے ایک دم باہر آیا۔قدرے چونکا۔

کیا آپ آخری دستخط کرتی ہیں اجازت نامے پر۔۔؟وہ طنزیہ بولا۔

نہیں،آپ اچانک چلے گئے تھے پریشانی کی بات تو تھی ناں۔؟نیا شہر ہے آپ کے

لیے۔

شہر نیا ہے۔۔مگر بچہ تو نہیں ہوں۔۔اس نے تھوڑی رسائیت پیدا کی اپنے لہجے میں۔

اُف میرے خدا۔۔حد ہے آپ سے کہاں غائب ہو گئے تھے۔جلدی سے آجائیں۔

بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔فوزیہ آندھی طوفان کی طرح ان کی سمت آئی۔

ایک ہاتھ میں طارق کا ہاتھ دوسرے میں ثوبیہ کا لے کر ٹیبل کی طرف بڑھی جہاں کئی منزلہ

کیک پندرہ موم بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔

پھر مہمانوں کی طرف متوجہ ہوئی۔۔۔یہ ہماری پھوپھو کے بیٹے ہیں طارق۔۔کراچی سے

آئے ہوئے ہیں۔۔اس لیے ان کا خاص خیال رکھنا پڑ رہا ہے۔۔یہ وضاحت میں اس لیے کر

رہی ہوں کبھی آپ میں سے کوئی یا آپ سب ہی سوچ لیں کہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر کیوں نہیں کھینچا

ان کا کیوں کھینچا؟وہ شرارت سے مسکرائی،

نہیں نہیں۔۔ہم بالکل کچھ نہیں سوچ رہے،تم بے فکر رہو۔یہاں موجود تمام لوگ جانتے

ہیں کہ تم آج کل گھوڑوں پر کام کر رہی ہو۔

ہال کے در و دیوار قہقہوں سے لرز اٹھے۔

صحیح معنوں میں طارق پہلی بار لاجواب ہوا۔

احسان فیملی کی روح رواں آج خاموش تھی مگر فوزیہ نے کمی دور کرنے کی کوشش کی تھی اور یوں بھی فوزیہ اس قدر سادہ لوح اور اپنی ذات میں مگن رہنے والی لڑکی تھی کہ اس کی کسی بات سے نہ آدمی ہرٹ ہوتا تھا نہ بُرا مانتا تھا۔ نور جہاں نے ثوبیہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کا رخسار چوم لیا۔

ہپی برتھ ڈے بے بی۔

تھینکس ممی۔۔۔ وہ معصومیت سے مسکرائی۔

ہپی برتھ ڈے ثوبی۔۔۔ طارق نے کنٹرول نہ ہونے والے جذبوں میں ڈوب کر کہا۔

دریہ اپنی تمام حسیات شارپ کیے کھڑی تھی۔ اس نے بجلی کی سرعت سے طارق کے چہرے کا مطالعہ کیا مگر اب وہ اپنی ذات اپنی گرفت میں لیے کھڑا تھا۔ ٹیبل کے چاروں طرف انسانوں کا سیلاب تھا اور پھر ان کا شور بھی اور پھر طارق یوں بھی خاصا محتاط نوجوان تھا۔

دریہ نے بھی آگے بڑھ کر بہن کو مبارک باد دی۔

آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں شاید۔۔۔ طارق نے دریہ کے غیر معمولی انداز کو محسوس کیا۔

ہوں۔۔۔ وہ سرسری سا ہوں کر کے وہاں سے ہٹ گئی۔

کتنے نوجوان دریہ کے پاس جا جا کر آ رہے تھے۔ ایک سے ایک شاندار اور خوبرو۔۔۔ جو اس کی ناز برداری بھی کر رہے تھے مگر جانے کیوں وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ تقریب کے اختتام تک اس کا وہی موڈ رہا۔۔۔ طارق نے بہت شدت سے اس کا غیر معمولی رویہ محسوس کیا۔

ڈنر کے بعد ہال سے باہر ثوبیہ ایک صوفے پر بیٹھی اپنی زلفیں گرفتار کر رہی تھی کہ طارق اس کے پاس چلا آیا۔

ثوبی۔۔۔ دریہ کہاں ہے۔۔۔؟

پتا نہیں شاید اپنی کسی دوست کے پاس ہوں گی۔۔۔ وہ اپنے مخصوص لاپروا انداز میں بولی ،طارق اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

تم نے سوٹ سے متعلق میرے الفاظ منتقل کیے تھے۔

ثوبیہ کے اوپر اٹھے ہوئے ہاتھ چند ثانیے کو ساکت ہوئے۔

منتقل۔۔۔؟ وہ الجھ گئی۔

بھئی کنوے convey وہ جھلایا۔

اوہ نہیں تو۔۔۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔۔۔ بس ان سے شکایت کی تھی کہ آپ نے میری برتھ ڈے پر طارق بھائی کا موڈ کیوں خراب کیا۔

وہ پھر اپنی لٹوں میں لگ گئی۔

تو پھر شاید اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس نے ثوبیہ کی سمت استفساری انداز میں دیکھ کر کہا۔

شاید۔۔ بس موڈی بھی ہیں آپی۔۔ یو ڈونٹ وری۔ اس نے چھوٹی سی پونی تھپتھپا کر لاپروائی سے کہا۔

ہال میں میوزیکل پروگرام شروع ہو چکا تھا۔

بہت اچھے طارق صاحب۔۔ آج کی میوزیکل پارٹی کے آپ چیف ہیں اور یہاں الگ تھلگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ فوزیہ دور ہی سے چیختی چلاتی چلی آئی۔

میں اور چیف۔۔؟ طارق واقعی ٹپٹا گیا۔

ہوش کی دوا کرو فوزیہ۔ کہیں گھوڑے پر سے تو نہیں گر گئی تھیں۔۔؟

اس نے بلیک پینٹ اور وہائٹ چیک شرٹ میں ملبوس فوزیہ کو شرارت سے دیکھا جس نے بالوں کی دو چھوٹی چھوٹی چوٹیاں بنا رکھی تھیں جو نسوانیت کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔

ثوبی۔۔

جی اپیا۔۔؟

جان۔۔ تم انہیں بہت تنگ کرو۔۔ کیوں کہ برتھ ڈے تمہاری ہے۔ یہاں تک کہ یہ گانا سنا ڈالیں۔

پہلے مجھے یہ تو بتا دیجیے کہ میں نے کب یا کس دن حالتِ نیند میں بڑے غلام علی خان، چھوٹے غلام علی خان یا درمیانے غلام علی خان سے اپنے خاندانی تعلق کا ذکر کیا تھا؟ کیوں لاہور کے معززین کے سامنے تماشا بنوائیں گی۔ وہ بے چارگی کے اسٹائل میں بولا۔

بتاؤں۔۔ فوزیہ نے شرارت سے اپنی بھوری آنکھوں کو گردش دی۔

آپ کو قسم ہے۔۔ ضرور بتایئے۔۔ وہ بناوٹی روہانسی آواز میں بولا۔

وہ اس دن جب آپ ہمیں پیراڈائز پوائنٹ پر لے گئے تھے۔ سب لوگ تو اوپر ہی تھے میں اور آپ پانی میں اترے تھے اس دن پانی میں بیٹھے کیا گا رہے تھے؟

او میرے دل کے چین۔۔ چین آئے میرے دل کو دعا کیجیے۔

طارق ہنس دیا۔۔ وہ واقعی درست کہہ رہی تھی۔ یہ نغمہ اسے ہمیشہ سے پسند تھا۔ پتا نہیں کب روانی میں گنگنا بیٹھا ہو گا۔

اب شرافت سے اٹھ جایئے، میں کمپیئر کو آپ کا نام بتا کر آئی ہوں۔ چلیے اُٹھیے، شاباش۔۔ اس نے اپنی بے تکلف اور سادہ طبیعت سے مجبور ہو کر پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

طارق اٹھ کھڑا ہوا، یوں بھی اسے نخرے اٹھوانے کا شوق نہیں تھا۔ ثوبیہ بھی خوش خوش اٹھ کھڑی ہوئی۔

پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ فوزیہ، ثوبیہ اسے لے کر اگلی سیٹوں کی طرف بڑھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد طارق کا نام اناؤنس ہوا۔ شوقیہ گانے والے کے طور پر۔

وہ پُر اعتماد تو بلا کا تھا اور یونیورسٹی سے باہر کے فنکشنز بڑی عام سی چیز ہوتے ہیں۔اس نے تو بڑے بڑے ہُوٹرز کے لب سی رکھے تھے۔

اپنی باوقار چال کے ساتھ وہ سب کے سامنے آیا۔۔اسی وقت ویٹر ایک چٹ لے کر اس کے پاس آیا۔

اس نے چٹ پر نظر دوڑائی۔کوئی اداس غزل نہیں بلکہ فاسٹ ردھم کا کوئی گیت۔ثوبیہ۔

وہ مسکرا دیا۔۔اور آگے بڑھ کر میوزیشن کو گیت کے بول بتائے۔دُھن شروع ہوگئی۔۔

اس نے موڈ بنایا۔ثوبیہ کی سمت ایک نظر ڈالی۔

مجھے عشق ہے تجھی سے۔اے جان زندگانی

تیرے پاس میرا دل ہے،میرے پیار کی نشانی

ہال کے ماحول میں ایک جوش اور تیزی پیدا ہوگئی۔حاضرین کے پاؤں تھرک رہے تھے۔

میری زندگی میں تو ہے۔میرے پاس کیا کمی ہے

جسے ڈر نہیں خزاں کا۔۔وہ بہار تُو نے دی ہے

میرے حال پر ہوئی ہے تیری خاص مہربانی

غضب کی خوبصورت اور بھرپور مردانہ آواز تھی۔لوگوں نے بے ساختہ سراہا تھا۔فوزیہ اپنی دریافت پر پھولی نہیں سما رہی تھی۔

اس نے گیت ختم کیا تو باقاعدہ فرمائشیں شروع ہوگئیں۔چند لمحے کے لیے تو پریشان سا ہوگیا۔پھر اس نے پرانا پاکستانی گیت چھیڑ دیا۔

ہال پر ایک بار پھر سکوت چھا گیا۔

دل تیری یاد سے جب بھی گھبرائے گا

کون یادوں کو زنجیر پہنائے گا

وہ گاتا رہا،ماحول ساکت رہا،پورے ہال میں اس کی دلکش آواز گونج رہی تھی۔وہ واپس آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک بار پھر زور دار تالیاں بج اٹھیں۔اس نے سامنے نظر کی تو چونک سا گیا۔سامنے انتہائی اہتمام سے سجی سنوری دُرِ یہ کھڑی تھی۔۔اس نے نیم کلاسیکل طرز میں غزل شروع کر دی تھی۔

"ارے یہ تو باقاعدہ گلوکارہ ہیں۔اس نے فوزیہ کی طرف گردن موڑ کر حیرت سے کہا۔

دیکھتے جایئے یہ کیا کیا ہیں۔

اس نے غزل سے پہلے غزل سے ہم آہنگ اشعار ترنم سے سنائے۔

یہ تیرا ضبط اور وہ شعلہ سا آدمی

سورج کے آگے موم کی دیوار مت بنا

واہ۔۔واہ۔۔ہال سے کئی آوازیں اُبھریں۔

تجھ کو احساس ہی کب ہے کسی درد کا داغ

آنکھ سے دل میں اتر جائے تو کیا ہوتا ہے

تو کہ سیماب طبیعت ہے تجھے کیا معلوم

موسم ہجر ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے

یہ دُریہ ہے۔۔؟ دریہ کے ننھیالی کزن نے تعجب سے کہا۔۔اب دُریہ نے غزل شروع کی۔

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا تیرا خیال بھی

دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ، ہوتا رہا ملال بھی

ارے دُریہ یہ سوز کہاں سے آ گیا۔۔۔؟اس کی ایک دوست شرارت سے چہکی۔

دُریہ مُسکرا دی۔

میری طلب تھا ایک شخص، وہ جو نہیں ملا تو پھر

ہاتھ دعا سے یوں گرا، بھول گیا سوال بھی

غزل کے اختتام پر اس نے فرمائش پر یہ شعر دوبارہ سنایا تھا۔کئی اور فرمائشیں ہوئیں مگر وہ مسکرا کر مائیک کے سامنے سے ہٹ گئی۔

تم کچھ نہیں سناؤ گی ثوبی۔۔؟طارق نے پہلو میں بیٹھی خوشی سے گلنار ثوبیہ کو دیکھا۔

یہ جو بیٹھے ہوئے ہیں ناں۔۔سب بھاگ جائیں گے۔اس نے مدھری ہنسی ہنس کر اپنا مذاق آپ اڑایا۔

ارے نہیں۔۔تمہاری آواز تو بہت خوبصورت ہے۔۔وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

آپ کو کیا پتا؟اس نے مخصوص انداز میں پیشانی سے بال جھٹکے۔

باتیں تو سنتیں ہیں تمہاری۔۔۔وہ جانے کس خیال کے تحت مسکرا دیا۔

باتیں۔۔ارے۔۔وہ ہنسی۔

طارق بھائی باتوں والی آواز دوسری ہوتی ہے اور گانے والی دوسری۔اس نے بڑے معصوم انداز میں اپنی علمیت جھاڑی۔

طارق اپنے بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ رکھ سکا۔

دریہ بھلا یہ قہقہہ نہ پہچانتی۔۔۔اس نے اس طرف دیکھا جہاں سے قہقہہ ابھرا تھا۔۔وہ فوزیہ اور ثوبیہ کے درمیان بہت فریش سا بیٹھا تھا۔اس نے ہتک در ہتک محسوس کی تھی نہ جانے کیوں۔اس کے سنگ گزرا ہوا اک اک لمحہ اس کے حافظے کی سکرین پر جاگ اٹھا تھا۔

سامنے ٹی وی کے ایک مقبول گلوکار نے نغمہ چھیڑ دیا تھا۔۔وہ سر جھٹک کر اس سمت متوجہ ہو گئی تھی۔

رات گئے تک فنکشن جاری رہا۔احسان صاحب اتنی رات تک فنکشنز اٹینڈ نہیں کرتے تھے۔مگر اپنی لاڈلی بیٹی کی خوشی کے لئے وہ فنکشن کے اختتام تک بیٹھے رہے۔۔واپسی میں یہ ہوا کہ لانسر میں دونوں میاں بیوی اور دریہ بیٹھ گئے تھے اور دریہ کی شیراڈ میں فوزیہ،ثوبیہ اور

طارق۔

طارق نے خاصی گہرائی سے یہ بات نوٹ کی کہ دریہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھی۔کیوں؟ شاید اس ڈر سے کہ میں لڑنا چاہتا ہوں۔ اسی سوٹ کی وجہ سے۔۔۔اس نے خود ہی سبب بھی کھنگال لیا۔

پھر سر جھٹک کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔۔لاہور انٹرکان۔۔۔سابقہ اور حالیہ پرل کانٹی نینٹل سے گارڈن ٹاؤن تک کا فاصلہ اب وہ ناپ سکتا تھا۔اس لیے اس نے اسٹیئرنگ فوزیہ سے لے لیا تھا۔لائسنس تو وہ اپنی محتاط طبیعت کے بموجب ساتھ رکھتا ہی تھا۔ثوبیہ اس کے ہمراہ تھی۔ ماحول من چاہا تھا پھر وہ کیوں دریہ کے بارے میں سوچتا۔۔؟

اگلی صبح وہ کراچی کے لیے عازم سفر ہوا تھا۔

اسٹیشن پر تینوں اسے چھوڑنے آئی تھیں۔اس نے دریہ کے رویے کے سبب کوئی نازک بات نہیں چھیڑی۔۔اور اپنی انسلٹ کرنے والوں کی تو وہ یوں بھی پروا نہیں کرتا تھا۔

کراچی اسٹیشن پر حبیب اور فاروق اس کے منتظر تھے۔حبیب بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

یار۔۔۔ہمیں بھی چیک کرنے دو۔۔۔پورے بھی آئے ہیں۔۔۔یا۔۔۔۔فاروق نے شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ویسے چھوٹے بھائی یہ سامنے ہی لاڈ لڑا رہا ہے۔(فاروق نے اپنی ماں کی اصطلاح استعمال کی) ورنہ شکر منا رہا تھا۔کہہ رہا تھا چلو کچھ دن تو سکون کے گزریں گے۔طارق نے حبیب کی پشت تھپتھپا کر قہقہہ فضا میں چھوڑا۔

تینوں ہنستے مسکراتے گھر کی طرف چلے۔

اماں جان تو خوشی سے سرشار نظر آ رہی تھیں گویا برسوں بعد وہ انہیں ملا تھا۔ بڑی سادگی سے پوچھنے لگیں۔

بیٹے نوکری مل گئی۔۔۔؟

طارق بے ساختہ مسکرا دیا۔نوکری کوئی گمشدہ چیز تو نہیں ہوتی جو ایک روز مل جائے۔آج کل تو لوگ چھین جھپٹ کر چیز لینا چاہتے ہیں مگر اس طرح میں نہیں چاہتا۔

نوکری یا ملازمت ایک باصلاحیت تعلیم یافتہ کا حق ہوتی ہے۔اس ملک میں جس کا وہ شہری ہوتا ہے۔ابھی تو میں نے حق دار ہونے کا اعلان کیا ہے۔میرے علاوہ اور بھی بہت حق دار تھے۔جو زیادہ حق دار ہوگا اسے پہلے حق مل جائے گا۔

ارے تو تو لاہور سے پورا ماسٹر ہی بن کر آ گیا۔۔۔وہ ہنس دیں۔۔۔وہ بے وقوف یا جاہل تو نہیں تھیں۔اس کی بات سمجھ چکی تھیں۔

وہ تو اس خیال سے پوچھ بیٹھی تھیں کہ دس دن لگا کر آیا ہے۔شاید فیصلہ سن کر ہی آیا ہو۔

اماں جان بس آپ دعا کریں کہ میں اس پوسٹ کا جائز حق دار بن جاؤں۔ میں کسی کا حق

چھیننا نہیں چاہتا۔۔ مگر حق دار بننے کی خواہش رکھتا ہوں۔اور پھر اماں جان جو تقدیر میں ہے وہ تو کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔جلد یا بدیر وہ میرا ہے۔۔

کون۔؟فاروق بھی اندر کچن میں چلا آیا جہاں اماں جان کھانا پکانے کے ساتھ چائے پیتے ہوئے طارق سے باتوں میں مصروف تھیں۔

وہ جان بوجھ کر کچن میں طارق کو مخاطب کر رہی تھیں۔وہ دریہ کے سلسلے میں از حد سنجیدہ ہو رہی تھیں اب وہ اپنے بھائی کے

گھریلو حالات طارق کی زبانی جاننے کی خواہش مند تھیں۔

ماموں سے ملے اپنے۔۔کیسے لگے تمھیں؟ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھیں۔اور تیزی سے ہری مرچیں کاٹ رہی تھیں۔

ظاہر ہے جیسے ہیں ویسے ہی لگے۔وہ لاپرواہی سے بولا۔

مطلب پسند آئے تمھیں۔۔۔؟

میں ان کو پسند کر کے کیا کروں گا؟وہ استہزائیہ بولا۔

ہر بات کا الٹا جواب۔وہ خفا ہونے لگیں۔وہ شرارت سے مسکرایا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

اور ہاں۔۔۔ماموں جان کہہ رہے تھے۔۔۔آپ کروڑپتی بنتے بنتے رہ گئیں۔

اماں جان کے گردش کرتے ہوئے ہاتھ چند ثانیے کو ساکت ہوئے۔بیٹا باخبر ہو کر پلٹا تھا۔فاروق مارے حیرت کے منہ بند کرنا بھول گیا۔

وہ کیسے چھوٹے بھائی؟

ارے یوں ہی اپنی ہانکے چلا جا رہا ہے۔۔یہ نہیں بتا رہا بچیاں کیسی تھیں،ٹھیک ٹھاک،خیریت سے تو تھیں۔

بالکل خیریت سے تھیں۔اور انہیں ہونا بھی کیا ہے۔اس نے کپ میں رکھ دیا۔

خدا نہ کرے انہیں کچھ ہو۔جیتی رہیں۔انہوں نے پتیلی کا ڈھکن ہٹکر اندر دیکھ صورت حال کا جائزہ لیا۔

چھوٹے بھائی اماں جان کروڑپتی بنتے بنتے کیسے رہ گئیں۔۔؟فاروق ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

چپ کر بچے۔۔کس کی باتوں پر یقین کرتا ہے۔ان کو فاروق کی بیوقوفی پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔

تمہاری ممانی جان۔۔تمھیں کیسی لگیں؟کوئی شکایت تو نہیں ہوئی ان سے۔

اگر ہو بھی جاتی بالفرض محال۔۔۔۔۔پھر کیا ہوتا؟اس نے فریج کھول کرتا کا جھانکی کی۔

وہ اس کی بات پر برہم تو ہوئیں مگر جلد ہی قابو پا کر دوبارہ بولیں۔

اگر وہ تمہارے مزاج سے دور ہیں،تو ظاہر ہے میں ایسے گھر میں اپنے کسی بھی بچے کا رشتہ نہیں کروں گی۔چاہے وہ میری قریبی رشتے دار ہوں یا دور کے۔

لیکن ابھی تو آپ بھائی میاں کے رشتے کے بارے میں سوچ رہی ہوں گی۔۔؟ وہ آڑو
نکال کر میں دھونے لگا۔

ابھی۔۔؟ اماں چونکیں۔۔کیا مطلب؟ فاروق بھی ٹھٹھکا تھا۔

کیا تمھارا ابھی پیام ڈال دوں فوزیہ کے لئے۔۔؟ ان کی جہاندیدہ نظروں نے بیٹے کو
ٹٹولنے کے انداز میں دیکھا۔

ارے اماں جان۔۔خدا کی پناہ۔ اس نے آڑو دانتوں تلے پھنسا کر کانوں کو ہاتھ لگایا
۔پھر منہ سے نکال کر خوفزدہ انداز میں گویا ہوا۔

اسے انسان نہیں گھوڑے پسند ہیں۔ اس قدر گھوڑوں کے متعلق باتیں کرتی ہے کہ انسان
اس کے پاس بیٹھ کر خود کو تقریباً گھوڑا ہی سمجھنے لگتا ہے۔ میں نے۔۔۔ بلکہ میرے باپ نے
بڑی مشکلوں سے تعلیم دلائی ہے مجھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ فوزیہ کے اصطبل میں رونق کرنا
چاہتے تھے، بلکہ اس لیے کہ میری ذات سے ان کا نام روشن ہو۔ اور پاکستان کو فائدہ پہنچے۔

اماں جان دل کھول کر طمانیت سے ہنسیں

اسی لیے اتنا یاد آ رہا تھا، گھر سونا ہو رہا تھا میرا۔ وہ محبت سے بولیں۔

چھوٹے بھائی۔۔۔ یہ بتائیے آپ کو بتایا کس نے کہ اماں جان کروڑپتی ہوتے ہوتے رہ
گئیں۔ فاروق واقعی سنجیدہ تھا۔

بات یہ ہے اماں جان سٹہ کھیلتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک نجومی نے انہیں سٹے کا نمبر بتا دیا مگر
اس دن
ہمارے نانا نے امی جان کو سٹہ کھیلنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ ایک کروڑ کی رقم لگی ہوئی تھی
اس نمبر پر۔

طارق نے نہایت سنجیدگی سے بھائی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وجہ بتائی۔

فاروق بھنا کر رہ گیا۔ اماں جان ہنستے ہوئے طارق کو بناوٹی خفگی سے گھورا۔

شرم نہیں آتی ماں کو سٹہ باز بتاتے ہوئے۔

تنگ جو کیے جا رہا ہے اتنی دیر سے پھر کیا کروں۔ بتا دوں صحیح بات۔۔۔؟ فاروق کچن
سے باہر جا چکا تھا۔

بیٹے۔ اگر تمہارے ماموں نے دوریوں کے بھید بتا دیے ہیں تو ظرف سے پی جاؤ ان
کو۔

آئندہ کبھی مذاق میں بھی اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے سگے بھائی سے دوری ایک
عذاب کی طرح محسوس کی تھی۔ برداشت کرنا شروع کی پھر صبر آ گیا۔ وہ میرا خون ہیں، ماں
جائے ہیں میرے، مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ انہوں نے اپنی مرضی سے، پسند سے
غیروں میں شادی کی تھی اپنی۔ پھر وہ خود بھی غیر بنتے چلے گئے۔ مگر وہ مجھے بھولے نہیں۔ انہوں
نے مجھے جیتے جی مرا ہوا تو نہیں سمجھا۔ ورنہ وہ اپنی بچیوں کو کبھی یہاں نہیں بھیجتے۔

اس کا مطلب ہے وہ اپنے دل میں میرے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

وہ مرد ہیں۔مرد کی انا کو تم جانو۔۔۔میں چھوٹی بہن ہوں ۔مجھے جھکنے میں شرم نہیں۔بلکہ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے درمیان دوریاں ختم ہو جائیں۔اسی وجہ سے میں تم سے معلوم کرنا چاہ رہی ہوں کہ کیا حالات ہیں، میں عثمان کا رشتہ لے کر جاؤں یا نہیں۔۔۔؟

انہوں نے بغور بیٹے کے چہرے خصوصاً آنکھوں کو دیکھا۔

حالات تو ٹھیک ٹھاک ہیں،اماں جان۔ ماموں جان بہت مصروف رہتے ہیں البتہ ممانی جان نے میرا بہت خیال رکھا۔دریہ،فوزیہ،ثوبیہ۔نہ میں نے ان میں کوئی ایسی بات دیکھی کہ جو پریشان کن ہو۔

اس نے وہ تبصرہ کیا جس سے ماں خوش ہو جائے۔

اور پھر آپ کو کامپلیکس کیا ہے۔آپ ان کی سگی بہن ہیں۔بھائی میاں اٹھارہ گریڈ کے انجینئر ہیں۔خوش شکل وخوش لباس۔سب سے بڑھ کر نیک فطرت۔ان کو بھائی میاں جیسا داماد شاید ہی ملے۔کتنے اسٹرونگ کتنے فنٹاسٹک ہیں۔انہیں تو دریہ سے بھی ہزار درجے بہتر بیوی مل سکتی ہے۔آپ کا دل چاہ رہا ہے آپ ضرور جائیں۔دشواری کیا ہے۔۔؟

اس نے گندھے ہوئے آٹے میں چاقو سے نقش و نگار بنانا شروع کر دیئے تھے۔۔۔۔۔۔اس سے اس نے واقعی اپنی ماں کو ذہنی وروحانی مضبوطی بخش دی تھی۔

پھر بھی وہ اس کے ہاتھ سے چاقو لیتے ہوئے اتنا ضرور بولیں۔

اس لیے پوچھ رہی تھی تم سے کہ تمہاری پھوپھی جان ٹھیک بھی تھیں یا نہیں۔۔؟یا ان کا ارادہ کہیں اور دینے کا ہے۔۔۔؟

یہ میں نہیں کہہ سکتا، میرے سامنے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

وہ فطری صاف گوئی سے بولا۔

اگر میرے انٹرویو کا جواب آ گیا اور مجھے لاہور پھر جانا پڑا تو آپ میرے ساتھ چلیے گا۔کر لیجیے گا بات۔۔۔ٹھیک۔۔؟

ہوں وہ بے خبر سے انداز میں ہوں کر کے رہ گئیں جانے خیالوں کی پرواز کہاں تھی۔

آنٹی میں ہوسٹل میں نہیں رہ سکتا۔اس کا لہجہ قطعی انداز لیے ہوئے تھا۔

کیوں ڈارلنگ۔۔؟فیروزہ سنگھار کرتے کرتے چونک پڑی۔

اس لیے کہ گڑیا ہوسٹل میں نہیں رہ سکتی،اور میں گڑیا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا

وہ فیروزہ کے پیچھے آ کھڑا ہوا،اس کی خوبصورت اور بے پناہ روشن آنکھیں آئینے میں فیروزہ کو دیکھ رہی تھیں

فیروزہ اسٹول پر گھوم گیا ور عمر کے دونوں ہاتھ تھام لیے چند ثانیے قدرت کے انعام کو دیکھتی رہی پھر کھینچ کر گود میں بھر لیا

میری جان، تمہارا کیا خیال ہے ہم گڑیا کا خیال نہیں رکھیں گے کیا ہم گڑیا سے محبت نہیں کرتے؟

یہ بات نہیں آنٹی وہ اس کے بازوؤں میں کسمسایا پھر بے حد سنجیدہ ہو کر کہنے لگا آپ بھی
لڑکی ہیں تارو آنٹی بھی لڑکی ہیں گڑیا چھوٹی بچی ہے

اور تم بوڑھے ابا ہو فیروزہ نے اس کی بات کاٹی بہت شریر سا انداز تھا

عمر جھنپ کر مسکرایا پھر چپکے سے فیروزہ کو دیکھا فیروزہ کے مذاق نے اسے شرمندہ کر دیا
تھا

بات یہ ہے آنٹی پپا کہتے ہیں تم بڑے بھائی ہو تمہیں اپنے بھائی کا خیال خود رکھنا چاہیے

فیروزہ کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا اسے محسوس ہوا کہ وہ پھر بشر کو یاد کر کے بے قابو ہو جائے
گا میری زندگی

کیا تمہیں ہم پر یقین نہیں تو دیکھو کتنے دن سے تم ہمارے ساتھ ہو کیا تمہیں کسی نے ڈانٹا
مارا یا کھیلنے سے روکا؟؟؟

دیکھو یہ تمہارے کتنے پیارے پیارے ڈریسز ہیں شوز ہیں یہ سب میں نے تمہارے
لیے خریدے ہیں اپنی پسند سے اور محبت سے یہ سوچ کر کہ جب میرا بیٹا انہیں پہنے گا تو کس قدر
خوبصورت لگے گا یہ ہماری محبت ہی تو ظاہر کرتے ہیں اس نے بیڈ پر پھیلے ہوئے سامان کی
طرف اشارہ کیا

لیس آنٹی اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں جھپکا کر یقین دلایا

تو پھر میری جان تم گڑیا کے لیے کیوں فکر مند ہوتے ہو؟ تم ہمارے بیٹے ہو اور گڑیا ہماری
بیٹیا یک بات کہوں؟ سنو گے؟ فیروزہ نے اس کی پیشانی سے ریشم ایسے بال سمیٹے؟ وہ ہمہ تن
گوش ہو گیا

بیٹے بہنوں کو لائق اور مضبوط بھائی کی ضرورت ہوتی ہے جاہل اور نالائق بھائی کی نہیں اگر
تم گڑیا کے شاندار سے بھائی بنو گے تو وہ تم پر فخر کرے گی لوگوں کو فخر سے بتائے گی کہ تم اس کے
بھائی ہو

اسی لیے میں تمہیں کانوینٹ میں ڈال رہی ہوں وہاں کے اسٹیجز (stages) مکمل کر لو
گے تو تمہیں سوئزرلینڈ یا امریکہ بھیجوں گی ہائر اسٹڈیز کیلئے جب میرا بیٹا پلٹ کر میرے پاس اور
گڑیا کے پاس اور تارو آنٹی کے پاس عمر نے بات کاٹ کر گرہ لگائی وہ فیروزہ کے جملوں کے
سمندر میں اب سر تک ڈوب چکا تھا ہاں ہاں تارو آنٹی کے پاس بھیجب تم ہم سب کے پاس آ ؤ
گے تو بے حد شاندار انسان بنے ہوئے ہو گے، پھر اس وقت تم میرا شکریہ ادا کرو گے بلکہ گڑیا
بھی شکریہ ادا کرے گی

آپ اس کو بھی تو ایڈمٹ کرائیں گی؟

ہاں ہاں کیوں نہیں کچھ بڑی ہو جائے پھر تمہارے ساتھ ہی کانوینٹ میں پڑھے گی

آنٹی میں پولیس جوائن کروں گا

ٹھیک ہے وہ اس کے بال سمیٹتے ہوئے بولی

پھر پتا ہے کیا کروں گا؟

کیا کرو گے؟

میں مم ی کو گولی ماردوں گا اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا

ٹھیک ہے فیروزہ اطمینان سے بولی

دیکھیے پھر تو پولیس مجھے اریسٹ نہیں کرے گی ناں کیونکہ میں خود پولیس آفیسر ہوں گا؟

اس نے چہرہ اوپر کر کے فیروزہ کو دیکھا

پولیس آفیسر تو گولی مار سکتا ہے ناں اسے allow (اجازت) ہوتا ہے؟

ہے ناں؟ وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا فیروزہ نے اس کی حیران اور معصوم آنکھیں چُوم لیں ہاں مگر میں تمہیں آرمی آفیسر بنانا چاہتی ہوں وہ پولیس آفیسر سے بھی زیادہ سُپیریر ہوتا ہے

اُسے شوٹنگ الاؤ ہوتی ہے (گولی مارنے کی اجازت ہوتی ہے)؟

وہ پوچھ رہا تھا ہاں وہ ٹالنے کے انداز میں بولی

ٹھیک ہے، اگر آرمی آفیسر پولیس سے سپیریر ہوتا ہے تو میں آرمی آفیسر ہی بنوں گا اچھا یہ بتائیں ایک آفیسر جتنی چاہے گولیاں چلا سکتا ہے؟

یہ تو اس کے رینک پر منحصر ہے جتنا بڑا رینک ہوتا ہو گا اتنی گولیاں اسے الاؤ ہوتی ہوں گی فیروزہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی

ستارہ جو نہ جانے کب سے باتھ روم کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی ان کی باتیں سُن رہی تھی اپنے قہقہے پر قابو نہ پا سکی واہ صاحب کیا رینک اور کیا گولیاں تمہیں تو ایک ہی گولی چاہیے ڈارلنگ تمہاری تو ایک ہی امی ہے یا دو چار اور ہیں؟ ستارہ کی ہنسی پھر شروع ہو گئی

عمر نے سخت بُرا مان کر ستارہ کو دیکھا

آپ کیسی باتیں کرتی ہیں آنٹی کبھی مم یاں بھی دو چار ہوتی ہیں مم ی تو ایک ہی ہوتی ہیا تو رئیل یعنی حقیقی یا پھر اسٹیپ سوتیلی اس نے بڑے معصوم انداز میں علمیت بگھاری دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑیں

تارو، بھئی جلدی تیار ہو جاؤ میں جب تک عمر کے باقی سامان کی پیکنگ کرتی ہوں گڑیا کہاں ہے؟

گل زمینہ کے پاس ہے وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی

صبح کے نو بجنے سے پہلے خواجہ کی جیپ کا رُخ مری روڈ کی سمت ہو چکا تھا فیروزہ، ستارہ عمر کو بیچ میں بٹھائے اس کے ساتھ شرارت بھری باتوں میں مصروف تھیں خواجہ جیپ چلا رہا تھا گل زمینہ گڑیا کو گود میں لیے ہوئے خواجہ کے ساتھ بیٹھی تھی گڑیا کو عمر کی وجہ سے ساتھ ساتھ رکھنا پڑتا تھا دونوں بہنوں نے یہ بات خصوصیت سے نوٹ کی تھی کہ گڑیا سے ان کا حُسنِ سلوک دیکھ کر عمر کے چہرے سے خوشی جھلکنے لگتی ہے

گڑیا اس کی سوتیلی بہن تھی مگر اسے بہن سے کس قدر دلچسپی و وابستگی تھی انہیں رشک آتا تھا عمر اس لمحے بہت خوش نظر آ رہا تھا، خوبصورت مناظر تھے، محبتیں اور پھر گڑیا بھی ہمراہ تھی

ثوبی

جی آپی؟ وہ بہن کو اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر فیشن میگزین چھوڑ کر اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی تم

نے ہمیں اپنے گفٹ تو دکھائے نہیں وہ اس کے پاس بیٹھ گئی

سچ آپی ابھی تو میں نے خود بھی نہیں دیکھے بس دو چار کے ریپر اتارے ہیں، یہ رکھے ہیں

اس نے سامنے قالین پر پڑے چند پیکٹس کی جانب اشارہ کیا

دُریہ انتہائی اشتیاق سے اس جانب بڑھی جہاں گفٹ پیکس رکھے تھے

اس نے گفٹ اُٹھا اُٹھا کر دیکھنا شروع کیے ساتھ ساتھ وہ پھٹے ہوئے ریپر پر دینے والی

کے نام کی چٹ بھی دیکھ رہی تھی

ثوبیہ لاپرواہی سے دوبارہ فیشن میگزین لے کر بیٹھ گئی تھی وہ یوں بھی اپنی آپی کی کسی

مصروفیت میں دخل در معقولات نہیں کرتی تھی

دُریہ نے مایوس انداز میں کھولے ہوئے گفٹ ایک طرف کیے اور کھڑی ہوگئی

باقی گفٹ کہاں ہیں؟ اس نے بچوں جیسی معصوم سی، بے خبری بہن پر ایک نظر ڈالی

وہ ڈریسنگ روم میں ہیں

وہاں پہنچا دیے؟ جاؤ اٹھا کر لاؤ ابھو ثوبیہ کے بیڈ پر بیٹھ گئی

ثوبیہ میگزین رکھ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور پھر پیکٹس اُٹھا اُٹھا کر لانے کا سلسلہ

شروع کر دیا

دُریہ ہر پیکٹ کی چٹ پر نظر دوڑا کر اسے واپس رکھ رہی تھی بنا کھولے، یکدم اس کے

چہرے سے جوش سا ظاہر ہوا نظریں روشن سی ہوئیں

اس کے ہاتھ میں ہلکے گلابی ریپر والا چھوٹا سا پیکٹ تھا، اس نے بے تابی سے ریپر

پھاڑ ڈالا سامنے خوبصورت سی ریسٹ واچ چمک رہی تھی

انتہائی خوبصورت اور نازک سی ریسٹ واچ تھی جس کا ڈائل بھی دلکش چمک دمک کا حامل

تھا اور کناروں پر باریک باریک سفید نگینے جڑے ہوئے تھے

اس کے ہمراہ گلابی ہی رنگ کا چھوٹا سا برتھ ڈے کارڈ تھا جس پر سنہری چڑیا منہ میں

سنہری پھول لیے اُڑ رہی تھی اس نے کارڈ کھول کر دیکھا دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی لکھا تھا وو

بیسٹ وشز یور طارق یور (your) لکھ کر کاٹ دیا گیا تھا مگر دریہ نے محنت کر کے پڑھ لیا تھا

اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اور اُلجھ بھی گیا تھا وہ کوئی سراغ نہ لگا پائی کہ معاملہ کہاں تک ہے

اس کے ذہن پر وہ آنکھیں ابھی تک محفوظ تھیں جو غیر معمولی جزبوں کے ساتھ ثوبیہ کی طرف

متوجہ تھیں

صرف یور سے تو بات نہیں بنتی

اس نے ثوبیہ کو تھکا مارا تھا لہٰذا باقی تمام گفٹس بھی دیکھنا پڑ گئے ہر چند کہ اس کا قطعی موڈ

نہیں تھا

ارے آپی کتنی پیاری ریسٹ واچ ہے ثوبیہ آخری پھیرا لگا کر پلٹی تو فور شوق سے

ریسٹ واچ کی جانب متوجہ ہو گیا ور ریپر پر لگی چٹ پڑھنے کے لیے ریپر الٹ پلٹ کرنے لگی

طارق کی طرف سے ہے یہ گفٹ اس نے عجیب سے تڑ کے ہوئے لہجے میں کہا

ضرور ہو گا ان کی پسند بہت اچھی ہوتی ہے

میں کل فون کر کے ان کا شکریہ ادا کروں گی کہ مجھے ان کا گفٹ بہت پسند آیا

اس نے ریسٹ واچ باقاعدہ کلائی پر سجانا بھی شروع کر دی اظہار پسندیدگی اس کی اک اک ادا سے مترشح تھا

تمہارے پاس تو بے تحاشہ اور ایک سے ایک خوبصورت ریسٹ واچز ہیں دُر یہ کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا

مگر طارق بھائی کا دیا ہوا گفٹ ہے، ہم کیونکہ انہیں پسند کرتے ہیں، اس لیے ان کے دیے ہوئے گفٹ کی امپورٹینس ہی اور ہے اس نے کلائی پر بندھی ریسٹ واچ کو کئی زاویوں سے دیکھا یہ حقیقت تھی کہ اس کی کلائی جچ گئی تھی

دُر یہ نے بغور اس کے چہرے، اس کے الفاظ، اسکی اداؤں کا مطالعہ کیا پھر اُٹھ کھڑی ہوئی

آپی آپ کو پسند نہیں آئی؟ ثوبیہ نے دُر یہ کی خاموشی محسوس کی

نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بہت اچھی ہے اس میں شک نہیں

ثوبی

جی آپی

دیکھو دُر یہ یہ جو شیخ صاحب نے کرسٹل کا گلدان گفٹ کیا ہے ناں، اسے میرے بیڈ روم میں بھجوا دینا وہ جو جبار انکل جاپان سے پھول لائے تھے ناں وہ اس میں سجاؤں گی میں اسی ٹپ میں چاہتی تھی، کہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا، بڑے گلدان سے بیڈ روم کی ڈیکوریشن اور ہی لگے گی اس لئے

لے لیجیے آپکو کوئی بات نہیں وہ سمجھی شاید دُر یہ وضاحتیں کر رہی ہے، وہ رسٹ واچ احتیاط سے رکھنے میں مگن تھی

یہ کارڈ بھی تو دیکھو جو ریسٹ واچ کے ساتھ تھا دُر یہ نہیں چاہتی تھی یہ کارڈ اس کے جانے کے بعد دیکھا جائے

ثوبیہ نے اشتیاق سے پھیلے ہوئے سامان پر نگاہ کی اور پنک کارڈ اٹھا لیا اظہار پسندیدگی اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوا

یہ انہوں نے کیا لکھ کر کاٹا ہے؟ وہ کارڈ روشنی کے مرکز کی جانب کر کے بغور دیکھنے لگی

ارے لکھنے میں غلطی ہو جاتی ہے تو کاٹ بھی دیتے ہیں دُر یہ نے ثوبیہ کی توجہ کٹے ہوئے لفظ سے ہٹانا چاہی تھی اس کا لہجہ غیر معمولی تھا

اور ثوبیہ نے بھی آنکھوں کو زحمت دینے سے اجتناب کیا اور دونوں چیزیں ایک طرف سنبھال کر رکھ دیں اور باقی تحائف سمیٹنے لگی دُر یہ باہر نکل گئی تھی

ولایت علی شاہ جب گوٹھ آئے تھے انہیں گھڑی بھر کی فرصت نہیں ملی تھی جو ہاری قتل

ہوئے تھے اور جو گرفتار ہوئے تھیان کے اہل خاندان ولایت علی شاہ کی سمت مدد و ڈھارس کے لیے دیکھ رہے تھے

انہوں نے گرفتار ہاریوں کے اہل خاندان کو فوری طور پر رقم مہیا کی، ان کے پڑھنے والے بچوں کا ماہانہ مقرر کیا

گرفتار ہونے والوں کی ضمانتیں کرائیں، ان کو بحال کیا، تحفظ کا احساس دلایا، ان کے ہاریوں کے مسائل حل ہوئے تو قدرے سکون کا احساس ہوا

جب سے ہوش سنبھالا تھا، جانے کتنے قتل سنے اور دیکھے تھے زمینیں خون کی پیاسی ہوتی ہیں، انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا

انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو مجبور نہیں کریں گے کہ وہ زمینداری جاری رکھیں نہ چاہیں تو بیچ ڈالیں ان کی پدرانہ محبت اس بات سے خوفزدہ تھی کہ ان کے بچوں کو زمینوں کے لیے خراج نہ دینا پڑے

ان کے باپ کے ہم عصر وڈیرے ان کے ہم عصروں کے مقابلے میں کہیں بہتر تھے

آنے والا اچھا وقت اچھے انسانوں کی نہیں صرف انسانوں کی خوشخبری لاتا ہے اچھا اور برا انسان سابقہ پڑنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے

لیکن یہ انہیں یقین ہو چلا تھا ان کے بچوں کے ہم عصر وڈیرے حالیہ وڈیروں سے زیادہ انتہا پسند ہوں گے

زمینیں بیچنے میں انہوں نے عجلت اس لیے نہیں کی تھی کہ زمینیں انسان کے پیروں کو مضبوطی سے جمائے رکھنے کا ہنر دیتی ہیں

لیکن اب انہیں دنیا کی ہر بات کھوکھلی اور غیر اہم معلوم ہونے لگی تھی

انسان کا دل اُجڑ جائے تو زمینیں کیا کر لیتی ہیں؟

السلام علیکم۔ انہوں نے حقیقی مسرت سے معمور جذبات میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔

وعلیکم السلام اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ انہوں نے ولایت علی کا شانہ آہستگی سے تھپتھپایا۔

ولایت علی شاہ ممتاز لاشاری کی طرف متوجہ ہوئے تو اسے کشادہ بازو کیے توجہ کا منتظر پایا۔

وہ اس سے بہت خلوص سے گلے ملے۔

آپ لوگوں نے تو حیران کر دیا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ آپ بھی کبھی میرے غریب خانے پر تشریف لائیں گے۔

کتنے عرصے بعد ولایت علی شاہ کے وجود سے سچی مسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ انتہائی ادب و احترام سے میاں صاحب کو آرام دہ نشست کی جانب لائے اور ساتھ ہی لاشاری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میاں صاحب کے ہاتھ محبت سے تھام کر ان کے برابر ہی بیٹھ گئے۔

آپ یقین کریں میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے، آپ کو سامنے پا کر۔

یہ تمہاری محبت اور مہربانی ہے ولایت علی۔ میں تو گزشتہ کئی ہفتوں سے تمہارے شہر میں

ہوں۔ آنکھوں کے آپریشن کے لیے آیا ہوا تھا۔ میں تو وہیں حیدرآباد میں علاج کرانا چاہتا تھا۔ سکھر میں بھی اچھا علاج ہوتا ہے۔ مگر لاشاری نہیں مانا، کہنے لگا، کراچی میں آنکھوں کا ایک ماہر ڈاکٹر ہے۔ بہت صاف آپریشن کرتا ہے۔ آنکھوں کا معاملہ ہے۔

لاشاری نے بہت اچھا کیا میاں صاحب، آنکھیں تو بہت اہم ضرورت ہیں۔ اگر یہ خراب ہو جائیں تو زندگی میں بہت مشکلات آسکتی ہیں۔

ہاں ولایت علی درست ہے مگر دل کی آنکھ خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں، میں اس سے بصیرت کا نور طلب کرتا ہوں۔ میں اس کا ہوں ولایت علی۔ اس سے زیادہ میرا کوئی خیال نہیں کر سکتا۔ میں اس کی چیز ہوں۔ اس کی ذمہ داری ہوں۔

ان کے لہجے کے بھروسے، یقین و توکل نے ولایت علی شاہ کو پھر اس سائبان کے نیچے لا کھڑا کیا۔ جہاں ان دیکھی تجلیوں کے لطف تھے۔

گویا آج تم سب ایک ہو گئے ہو میرا ساتھ کوئی نہیں دے گا؟ وہ سامنے واش بیسن کے اوپر لگے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگے

لاہور میں ایک بندے سے بات ہوئی ہے، کہہ رہا تھا میں ساتھ دینے کو تیار ہوں

فاروق نے ہمت کر کے مذاق میں حصہ لیا

خدا تمہاری زبان مبارک کرے بیٹے اماں جان کچن سے نکل کر پھر ان میں آ بیٹھی تھیں

اماں جان آپ بھی؟ عثمان نے مسکرا کر ماں سے کہا

بھائی میاں میں بھی؟ حسیب کتابوں سمیت اندر داخل ہوا

گیا میں بھی؟ سب متعجب ہوئے

میں بھی لاہور جاؤں گا وہ قریب کی کرسی پر ڈھے گیا

ٹھیک ہی کہتے ہیں جب سمجھداری تقسیم ہو رہی تھی تم چھلنا لئے ہوئے بیٹھے تھے فاروق نے لتاڑا میاں پوری بات سن کر اظہار تمنا کیا کرو

بے ساختہ کئی قہقہے بلند ہوئے

حسیب برا مان گیا میں سمجھا آپ لوگ چھوٹے بھائی کے ساتھ لاہور جا رہے ہیں

ہم سب؟ یہ نوکری کے لیے جائیں گے، کسی سیاسی جلسے میں نہیں فاروق پھر بولا

اے چھوڑو اس کا پچا بچہ ہے دیکھو کتنی نیک امیدیں لگائے بیٹھا ہے جبکہ اسے تو پتہ بھی نہیں کہ طارق کے انٹرویو کا کیا جواب آیا اسے خوشخبری تو سنا دو حسیب بیٹے اپنے بھائی کو مبارکباد دو، خیر سے ملازم ہو گیا ہے

حسیب کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا چھوٹے بھائی زندہ باد چلیے مٹھائی کھلایئے

بھائی تنخواہ تو ملنے دو اماں جان اور بھائی میاں نے جو پیسے دیے تھے سب لاہور میں خرچ ہو گئے کچھ آنے جانے میں کچھ سیر و تفریح میں پھر ثوبیہ کے لیے ایک ریسٹ واچ لی بالکل چھڑا ہوا کراچی اسٹینڈ پر اترا تھا

ثوبیہ کے لیے ریسٹ واچ؟ سب کے ذہن چونکے مگر پوچھا فاروق ہی نے

برتھڈے تھی اس کی

اوہ

فکر نہ کرو ابھی تمہارے ابا جان آئیں گے مٹھائی کی دکان لگا دیں گے اماں جان خوش ہو رہی تھیں

ادھر گھر کی لائٹیں جگمگائیں اور فائق احمد نے گھر میں قدم رکھا اماں جان کے وجود میں اُجالے بکھر گئے

یہ ٹھیک ہے میں اور تمہارے ابا جان ہو آتے ہیں حالات کا اندازہ بھی ہو جائے گا

اور تم کیا کرو گے ابھی سے جا کر تقریبا بارہ دن ہیں تمہارے پاس آج اٹھارہ ہے، پہلی کو تم نے اپنی سیٹ سنبھالنی ہے

ارمغان نے طارق کو سمجھایا

ٹھیک ہے جو آپ لوگ مناسب سمجھتے ہیں، کریں

ہفتے بھر کے لیے تمہاری پھوپھی آ کر رہ جائیں گی میرا میکے آئی ہوئی ہے آج کل

ٹھیک ہے پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں

میں تو دعا کر رہا ہوں اللہ کرے وہ لاہوری منڈی ہماری بھابھی بن جائے۔حسیب نے خشوع وخضوع سے دعا کی۔

منڈی نہیں لڑکی، طارق نے تصحیح کی۔

فضا میں فلک شگاف قہقہے بکھر گئے۔

یار جس راہ کا پتہ نہ ہو وہ راہ چلتے نہیں ۔اور پھر آفت تو نہیں آئی کہ تم پنجابی ضرور بولو ،فاروق نے شفقت سے حسیب کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

حسیب ان کے قہقہوں پہ روٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔آپ میرے ساتھ مزاق نا کیا کریں فاروق بھائی۔

اماں جان اور ابا جان لاہور چلے گئے۔پھوپھی جان آ گئیں۔اماں جان صرف مسکرایا کرتیں تھیں مگر اب پھوپھی جان کی مخصوص ہنسی بھی ان کی شرارتوں میں شریک رہنے لگی تھی۔

عثمان عموماً نشانے پر رہتے تھے۔ان کے بھائیوں سے زیادہ تو پھوپھی جان ان کی خبر گیری کر رہی تھیں۔

ایسا لگتا تھا خوشیاں رنگ بن کر برس رہی ہوں۔

سب نے بیتابی سے پوچھا تھا کیا ہوا؟ اماں جان ہنس دیں تھیں۔

ارے ابھی تو رشتہ ڈالا ہے سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔

یہ تو نہ کہیں بھابھی جان۔سوچ سمجھ تو انہوں نے خوب لیا، پھوپھی جان نے وجہ ماننے سے انکار کر دیا۔

پھر بھی انیسہ۔لڑکی والوں کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں، انہوں نے تسلیم کیا۔

دن بڑی بے تابی سے گزر رہے تھے مگر وہاں سے کوئی بے جواب نہ آیا تھا، یہ عجیب اتفاق تھا جس دن طارق لاہور روانہ ہوا۔ احسان صاحب کی بیگم کا خط اماں جان کے نام آ گیا۔ خط کھولتے ہوئے اماں جان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ان کی بھابھی نے لکھا تھا۔

پیاری بہن عابدہ

اسلام علیکم

آپ کی خیریت کی دعا سے بات شروع کرتی ہوں۔ آپ ہمارے ہاں آئیں۔ ہم سب بے حد خوش ہوئے۔ اپنا آخر اپنا ہوتا ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آپ نے میری اور احسان صاحب کی کوتاہیوں کو معاف کیا، یہ آپ کی اعلا ظرفی ہے، احسان صاحب اور میں دونوں ہی اس بات کے خواہشمند ہیں کے ہماری بچیاں اپنوں میں جائیں۔ باہر شادیوں کے کئی کیسیز سننے میں آئے۔ دل ڈرتا ہے۔ میں آپ کو کیونکر مایوس کر سکتی ہوں۔ مگر ایک بات ہے۔ شاید آپ نے اپنے تمام بچوں کو بٹھا کر اس رشتے کو ڈسکس نہیں کیا ورنہ آپ دریہ کو کبھی عثمان کے لئے نہ مانگتیں۔ کم از کم طارق سے خصوصیت سے پوچھتیں۔ اب یہ اچھا نہیں لگتا طارق اور دریہ کی انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہو اور عثمان سے شادی ہو جائے۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔ اجازت چاہتی ہوں۔ فائق بھائی کو سلام۔ بچوں کو بہت سا پیار۔

آپ کی نور جہاں۔ لاہور

چند ثانیے کے لئے تو وہ گویا زمان و مکان کی قیود سے آزاد کسی اور جہاں میں پہنچ گئیں۔

وہ بہت کچھ سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

ان کی کیفیت صرف وہی عورت سمجھ سکتی تھی جس نے گھر کے ہر چھوٹے بڑے سکھ کی خاطر اپنی ذات کے ہر تقاضے کو نظر انداز کیا ہو۔ جس کی ہر سانس اپنے وابستہ زندگیوں کے لئے، ان کی خوشیوں کے لئے، ان کی مسکراہٹوں کے لئے دعا کرتی ہو۔

یہ کیا ہو گیا۔ ہیں۔۔۔؟ وہ خود سے مخاطب تھیں۔

بہت شکر ہوا گھر میں کوئی نہیں تھا۔

ان کے ہاتھ پیروں کی توانائی کہیں چلی گئی تھی۔ ذہن سن۔ حواس بستہ۔ بلکہ مفلوج ہو گئے تھے۔ یہ بات اتنی معمالی نہیں تھی جتنی بظاہر تھی۔ ان کے دور اندیش دماغ نے آنے والے وقت کی سرخیاں ان کی نظروں کے سامنے گزارنا شروع کیں۔

وہ نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئیں۔ یکدم۔

وہ خوفزدہ سی ہو گئیں کہ انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ جز وقتی ملازمہ کام کر کے جا چکی تھی۔ وہ بمشکل فون تک آئیں کوئی نمبر ڈائل کر کے منتظر سی کھڑی رہیں۔ کرسی خاصی دور پڑی تھی۔ جیسے ہی شوہر کی آواز کانوں میں آئی۔ انہوں نے اپنے وجود میں نئے سرے سے قوت دوڑتے محسوس کی۔ ایک آزاد سانس اپنے سلگتے سینے سے خارج کیا۔ میں بول رہی ہوں عابدہ۔

جی، دیکھئے آپ اسی وقت گھر آ جائے۔ میرا دل پریشان ہے یونہی۔

مجھے نہیں پتہ۔ بس آپ کو آنا ہے نوکری جائے یا آئے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میرا

خیال ہی نہیں آپ کو۔ کام۔ کام۔ کام۔ مہینوں ہو جاتے ہیں آپ کو ڈھنگ سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جی؟ جی نہیں، وہ کچھ ناراض ہوئیں جس وقت میری عمر تھی، میں نے اس وقت اپنے لئے آپ سے خصوصی حصہ نہیں مانگا۔

۔ پورے پانچ بیٹوں کی ماں ہوں۔ اب کیا تمنا رکھوں گی آپ سے وقت لینے کی

وہ اپنے، ہمدم، رفیق، اور نصف بہتر جس نے حقیقت میں انہیں مکمل کر دیا تھا کی آواز سن کر پتہ نہیں کیوں رو پڑی تھیں۔

وسوسوں نے ان کی سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت منجمد سی کر دی تھی۔

ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ وہیں کارپٹ پر سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

نظروں کے سامنے کبھی عثمان کا چہرہ آتا کبھی طارق کا۔

نہیں میرا بچہ۔ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کر سکتا، کسی کونے میں سوتے اونگھتے اعتماد نے سر اٹھایا۔

یقیناً بھابھی جان سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔

مگر کیوں۔؟

کیا کوئی ماں اپنی بیٹی کے ساتھ اس قسم کی بات وابستہ کر سکتی ہے؟

لیکن طارق؟ وہ تو دل و جان سے اس رشتے کا خواہاں نظر آتا ہے۔

اس کی ایک ایک حرکت اس کے جذبات کا اظہار ہے۔ پھر یہ بھابھی جان نے کیا لکھ دیا

معاً ان کے ذہن میں بجلی کی سرعت سے یہ خیال کوندا

شاید عثمان کی خاطر اپنے بھائی میاں کی خوشی کی خاطر، وہ اپنی خوشیوں سے دستبردار ہو رہا ہے۔ بھابھی جان ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں گی۔

وگرنہ عثمان جیسے اعلیٰ عہدے دار نوجوان کے مقابلے وہ طارق جیسے نوآموز کا نام کیوں لیتیں؟ اگر وہ ہمارے گھرانے میں رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتیں تو کوئی اور بہانہ کرتیں۔ طارق کا نام کبھی نہ لیتیں۔

اب کیا کریں؟ یہ خط کیا ہے سنگ باری ہے میرے گھر پر۔ میں نے اپنے بچے جان مار کر اس لئے تو پروان نہیں چڑھائے کہ ایک دوسرے سے، دلی طور پر دور ہو جائیں۔ نفرتوں کے رشتے قائم کریں۔ وہ بھی کسی عورت کے پیچھے۔ میرے محبتوں کے نور سے دمکتے گھر کی یہ قیمت تو بہت معمولی ہے۔

سوچتے سوچتے ان کا دماغ پھٹنے لگا۔

جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہیں۔

معاً کال بیل جرس کے آہنگ میں بج اٹھی۔ وہ بمشکل خود کو اٹھا کر گیٹ تک آئیں۔ گیٹ وا ہوا۔ فائق احمد نے قدم اندر رکھنے سے پہلے بیوی کا بنظر غائر جائزہ لیا۔

خیریت؟ ہاں، خیریت ہوتی تو فون کیوں کرتی۔ اندر تو آ جائیں پہلے، وہ ایک طرف ہو گئیں۔

وہ اندر آ گئے، کوئی آیا ہے؟ وہ خاصے بے چین دکھائی دیئے۔

نہیں انسان تو کوئی نہیں ایک کاغذی طوفان البتہ ضرور آیا ہے۔

فلیق احمد کے آگے بڑھتے قدم ساکت ہو گئے۔ کیا مطلب۔؟

اندر تو چلیں۔ ان کی آواز پھر بھیگ گئی۔ نہ جانے کیوں ان شوہر کو دیکھ کر ان کا دل پہلے سے زیادہ بھر بھر آنے لگا تھا۔

جس دامن میں منہ چھپا کر، رو کر انسان ہلکا کرنے کا ارمان کرتا ہے کسی خزاں نصیبی کے موسم میں۔ وہ ان کے پاس تھا۔ مگر زندگی بہت باضابطہ گزری تھی۔

وہ خود پر قابو پا کر ان کے پیچھے چلی آئیں۔

جانے کیوں ان کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ بات معمولی نہیں ہے۔

فلیق احمد کرسی پر بیٹھ کر اب بیوی کو بڑی تفصیل سے دیکھ رہے تھے۔

وہ کچھ دیر کھڑی کچھ سوچتی رہیں پھر فون کے پاس پڑے ادھ کھلے خط کو اٹھا کر ان کو تھما دیا۔

زندگی میں پہلی دفعہ فلیق احمد کو محسوس ہوا کہ کاغذ بھی وزنی ہو سکتا ہے۔

ان کا دل بھی پریشان تھا۔ ان کی بیوی نے کبھی انہیں اس طرح نہیں بلایا تھا۔

ان کے ہاں پانچ بیٹے تولد ہوئے تھے۔ مگر انہیں یاد نہیں تھا کہ انہوں نے کبھی کسی ان کے وقت ہاتھ پیر پھلائے ہوں۔ انہوں نے اپنے اعصاب مضبوط کر کے خط پر نظر دوڑائی خط پڑھ کر انہوں نے تہہ کر دیا۔ ان کے چہرے پر خاصا اطمینان تھا۔ وہ تو شاید کوئی اندوہناک قسم کی خبر پڑھنے کے لیئے خود کو تیار کر چکے تھے۔

اس میں تو ایسی کوئی خاص بات نہیں، انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

عابدہ بیگم نے انہیں یوں تعجب سے دیکھا گویا ان کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔

مطلب۔؟

مطلب یہ کہ ہم کسی لڑکے کا بھی رشتہ ان کے ہاں نہیں کریں گے۔ انہوں نے پرسکون انداز میں کہہ کر خط پرزے پرزے کر دیا۔

گویا قصہ ہی ختم۔ انہوں نے چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا تھا۔

انہوں نے چند ثانیے شوہر کی سمت دیکھا۔ پھر آگے بڑھ آئیں اور معمول سے بھی زیادہ آہستگی سے بولیں۔

اگر طارق چاہے تب بھی نہیں؟

اگر اس نے کچھ چاہنا ہوتا تو بہت پہلے کہہ چکا ہوتا۔ خود کو قربان کرنے کا فیصلہ نہ کرتا۔

جیسا کہ تم بتا رہیں تھیں کہ وہ عثمان اور دریہ کے رشتے پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

لیکن ہم ایک دم اس طرح بات ختم کر کے نہیں بیٹھ سکتے بتائیے میں یہ کیسے وہاں کہلوا سکتی ہوں کہ ہم اب آپ کے ہاں رشتہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ بھائی ہیں میرے۔ جب وہاں سے صاف لکھا ہوا آیا ہے کہ، وہ چپ ہو گئیں۔

تو پھر اصل بات طارق سے ہی پتہ چل سکے گی۔

تو گویا آپ کے خیال میں بھائی جان کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔؟

ہو سکتا ہے، فائق احمد جتنے پرسکون نظر آ رہے تھے اتنے تھے نہیں۔

اگر حقیقت وہی نظر آئی جو اس خط میں ہے۔؟

تو پھر تم وہی کرنا جو حقیقتاً ہونا چاہیے۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی، وہ واقعی نہیں سمجھیں۔

مطلب یہ کہ دریہ طارق کے لئے مانگ لینا،

قیامت تک نہیں، وہ شوہر کی بات کاٹ کر تیزی سے بولیں۔

کیا برائی ہے، لڑکی تمہیں پسند ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ عثمان کی دلہن بنے یا طارق کی بہو تو وہ تمہاری ہی ہو گی، فائق احمد نے سمجھایا۔

میری پسند کی بات تو رہنے دیں، اس کا تو ذکر ہی نہ کریں، عابدہ بیگم سلگ کر بولیں، مزید بولیں آپ جان کر انجان نہ بنیں، میں نے آپ سے کھل کر بات کی تھی۔ اور آپ سمجھ بھی رہے ہیں کہ معاملے کی اصل

نزاکت کیا ہے۔

ایک لڑکی ہمارے دونوں بیٹوں کا انتخاب بن گئی ہے۔ آپ نے کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ طارق کے لئے مانگ لینا۔ فی الحال تو وہ ابھی حقدار بھی نہیں ہے۔ یہ وہ گرہ ہے اگر دونوں بھائیوں کے درمیان کے پڑ گئی تو کبھی نہیں کھلے گی۔ آپ آخر اس بات کی اہمیت کیوں نہیں سمجھ رہے

اگر عثمان کو بھنک بھی پڑ گئی تو کیا رائے ہو گی اس کی طارق کے بارے میں۔؟ اگر میرے بچے۔

دیکھو عثمان بڑا ہے، سنجیدہ ہے، وہ بات کی تہہ تک اترنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ، کہ تمہارے چھوٹے بھائی تمہارا حق مارنا سیکھ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون کرو، وہ جل کر بولیں۔

فائق احمد خاموش ہو گئے۔۔

میں کہہ رہی ہوں سن رہے ہیں آپ۔۔؟

ہوں، ان کی ہوں میں خاصی اداسی تھی۔

رشتہ تو ہمیں ان کے ہاں بہر حال کرنا ہے۔ کیونکہ ہم اس معاملے میں کود چکے ہیں۔ اب میں ہمیشہ کی دشمنیاں نہیں پال سکتی۔

کیا کرو گی۔۔؟

میں لاہور جا کر طارق سے بات کروں گی۔ وہ میری بات نہیں ٹال سکتا۔

یعنی تم اس کی پسند کو اس کی بڑی بھابھی نانے کا کارنامہ سرانجام دو گی۔؟ شاید تم اپنی بھابھی کے لکھے ہوئے الفاظ بھول گئیں۔؟

ہم اپنے بیٹے کو مجبور کر سکتے ہیں لیکن ان کی بیٹی مجبور نہیں ہو سکتی۔ اتنے دنوں میں تمہیں اپنے بھائی کے گھریلو ماحول کا اندازہ تو یقیناً ہو ہی گیا ہوگا؟ دیکھو عابدہ اب تم نے اپنے سارے اگر مگر، یہ، وہ، ختم کر لئے۔ اب ذرا تحمل سے میری بات سنو۔

وہ ہمہ تن گوش ہوئیں۔

دیکھو اب اس کے بعد بھی خط میں واضح لکھا ہے کہ بچے ایک دوسرے کو منتخب کر چکے ہیں۔ ہمارا یہ اصرار کہ ہمیں دریہ عثمان کے لئے چاہئے۔ عین حماقت اور جہالت ہے۔ گویا ہم الٹا اپنے ہی بچوں کو تماشہ بنا دیں۔ عثمان کی اس کے ساتھ کوئی انڈراسٹینڈنگ نہیں کیونکہ اس نے بچیوں کے ساتھ بہت ہی کم وقت گزارا ہے۔

اے ہاں، جب ہی دریہ طارق ہی کو ہر جگہ لے کر جاتی تھی بلکہ طارق خود، بے دھیانی میں ان کے منہ سے نکل گیا خیال آیا تو رک گئیں۔

ہم کسی بھی بچی پر انگلی اٹھانے کے مجاز نہیں ہیں عابدہ۔ ہمارا بچہ اس میں برابر کا شریک ہے، فائق احمد نے ان کے غیر سنسر شدہ جملے پر اعتراض کیا۔

آپ صحیح کہہ رہے ہیں، انہوں نے تردید نہیں کی۔

بات پریشانی کی ہے مگر ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔

جی۔،،

مجھے تو یہ خیال پریشان کر رہا ہے۔ عثمان طارق کے بارے میں کیا سوچے گا۔ وہ پریشانی میں گویا ہوئیں۔ آخر اسے پتہ تو چل ہی جائے گا ناں، ہر صورت میں۔

ہم دریہ کے لئے از خود پیچھے ہٹیں تو بھی۔ وہ خود انکار کر دیں تو بھی۔ یہ باتیں بھی کہیں چھپتی ہیں۔؟

عثمان میرا بیٹا ہے۔ اس کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اسے یہ سمجھنے کی کوشش کروں گا کہ

۔۔۔۔ کہ۔۔۔ عابدہ بیگم انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

میں بہت پریشان ہوں آپ کو اندازہ نہیں ہے اگر بات یکطرفہ کی ہوتی تو بھی بات نہیں تھی۔ مشکل تو یہ ہے دریہ خود بھی۔

ہمارے بچوں نے تو کبھی اس سے پہلے ایسی کوئی حماقت نہیں کی۔

اس حماقر کا کوئی وقت نہیں ہوتا عابدہ بیگم۔ تم بھی ہماری پہلی نظر کا انتخاب تھیں یہ دور یہ موسم انسانوں پر آتا ہی ہے۔ کچھ لوگ خاموشی سے گزرنے دیتے ہیں وگرنہ عموماً جوان ہیں عابدہ۔ ہمیں بے پناہ تحمل سکون، اور ہوش مندی سے کام لینا ہوگا۔

جیون ساتھی کا انتخاب کرنا ہر انسان کا فطری حق ہے ہم محض اس بات کی وجہ سے اپنے کسی بچے کو اس کی اپنی ہی نظروں میں زلیل نہیں کر سکتے۔ ہمارے بچے حد سے پھلانگنے والے نہیں اتنا تو مجھے بھروسہ ہے۔ بس تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کیسے ہو جائے گا۔ کہیں ایک لڑکی کی وجہ سے میرے بچے ایک دوسرے سے دور نہ ہو جائیں۔ آپ کو کیسے

بتاؤں یہ میری برداشت سے بڑی بات ہے۔ اسی لئے تو میں نے گھبرا کر آپ کو بلایا۔ بچوں کی موجودگی میں اس طرح بات کہاں ہو سکتی ہے۔ اتنی تفصیل سے (اپنے ذہن میں اٹھنے والا ہر سوال آپ سے کیا ہے تو دل کچھ ہلکا سا محسوس ہوا

خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اکیلی کسی معرکے سے نہیں نمٹ رہی۔ خدا تا حیات آپ کو صحت وعافیت عطا فرمائے۔ میرے سر کا آنچل سلامت رہے۔ خدا کرے مرتے دم نزع کے عالم میں بھی میرے سامنے آپ ہوں۔ میں مرتے مرتے بھی اپنے رب کا اور آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا اول فرض سمجھوں گی۔ کتنا سکھ، کتنا پیار، کتنا حوصلہ دیا ہے آپ کے ساتھ نے۔ اے خدا ہم اسی طرح قدم سے قدم ملا کر چلتے رہیں۔ آخر تک۔ آپ کی ذات سے مجھے یہ اعتماد نہ ملا ہوتا تو آج زندگی کے اس نازک ترین موڑ پر اپنے ذہن میں اٹھنے والے طوفان کے ہاتھوں میں شاید پاگل ہو جاتی)

فکر مند ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے عابدہ۔ تم تسلی رکھو۔ فائق احمد بیوی کو سوچوں میں گم دیکھ کر باطنی طور پر بے چین ہوئے۔

چند دن اور گزر جانے دو۔ کہ اتنی جلدی جلدی جانا مناسب نہیں۔ پھر لاہور جا کر طارق سے تفصیل سے بات کرنا۔ تاکہ معلام ہو سکے قصہ کیا ہے۔ تب ہی سوچا جائے گا کہ وقت کیا چاہتا ہے۔ اور ہم تقدیر کے فیصلوں سے کتنا اتفاق کرنے کے قابل ہیں۔ بس تم پریشان مت ہونا۔ اپنا خیال کرو عابدہ۔ بلکہ میرا خیال کرو، جب تک کوئی نتیجہ خیز بات نہیں ہو جاتی، دل تو پریشان رہے گا ناں، وہ بولیں۔

تم پڑھی لکھی عورت ہو عابدہ، مسلم عورت، قرآن کا یہ سبق یاد رکھا کرو۔ اے لوگو مصیبت میں نماز اور صبر سے کام لیا کرو۔ نماز تم پڑھتی ہو۔ صبر کی نیت کرو گی تو صبر کا پھل بھی مل جائے گا۔

خیال کرنا فی الحال اس خط کی بھنک کسی بچے کو نہ ملے۔ ورنہ مسئلہ الجھ سکتا ہے۔

فکر نہ کریں آپ، وہ ناچار اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا دل بجھ چکا تھا۔

آپ نہا دھو کر آرام کریں۔ میں کھانا لے آتی ہوں، وہ گھر کے کھلے حصے کی طرف بڑھ گئیں۔

آخر آپ بتائیں تو سہی، اتنی افراتفری میں کیوں لاہور جا رہی ہیں۔۔؟ فاروق پیچھے پڑ ہی گیا تھا۔

دم لے لڑکے، ہزار کام ہوتے ہیں انسانوں کے ساتھ۔

فاروق بھائی، کمال ہے آپ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے، ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اماں جان اسی لئے جا رہی ہیں ذرا ان کی خبر گیری کو۔ حسیب بولا۔

ارے نہیں۔ اماں جان کو چھوٹے بھائی جان کی فکر ہے۔ شاید ان کو سیٹ کرنے جا رہیں ہیں یعنی ان کا گھر بنانے جا رہی ہیں، فاروق نے پھر قیاس لگایا۔

گھر بنانے نہیں، بسانے۔۔ حسیب پھر بے سوچے بول گیا۔

اماں جان کا دل ان کے سینے میں بڑے زور سے دھڑکا۔

کیا الٹی سیدھی ہانک رہا ہے حبیب کبھی تو سوچ کر بولا کر۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔

اللہ رکھے اس سے دو بڑے موجود ہیں۔ پہلے ان کے گھر بسیں گے۔ انشاءاللہ، وہ اپنا سامان سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے بولیں۔

اماں جان میں بھی چلوں گا۔ حبیب بچوں کی طرح ٹھنکا۔

لے جائیں اماں جان، فوزیہ کے گھوڑے کو چارہ ہی ڈال دیا کرے گا۔ فاروق نے چھیڑا۔ حبیب منہ بسور کر بیٹھ گیا۔

میرے بچے میں میں جلدی میں زرا اپنے کام سے جا رہی ہوں۔ اب تو طارق وہاں ہے۔ میں آ جاؤں گی تو تم دو چار مہینے امتحانوں کے بعد اس کے پاس گزار آنا۔ جی چھوٹا نہیں کرتے۔ مجبوری بھی سمجھتے ہیں۔

کوئی اور موقع ہوتا تو انہیں حبیب کے ساتھ چلنے پر کما حقہ، اعتراض نہ ہوتا مگر وہ نہیں چاہتی تھیں

وہاں کے مزاکرات، کی بھنک بھی ان میں سے کسی کے کان میں پڑے۔

اماں جان اس بار بات فائنل کر کے ہی آیئے گا، فاروق نے کہا۔

انشاءاللہ، وہ آہستگی سے بولیں۔

دیکھو گھر کا دھیان رکھنا۔ اور اپنے ابا جان کا بھی۔ نفیسہ سے کپڑے دھلوا لینا اور استری بھی کروا لینا۔ کھانا وہ شام کا پکایا کرے گی۔ میری بات ہو گئی ہے اس سے۔ اس کے ساتھ زیادہ ہنسی مذاق کی ضرورت نہیں۔ سن لیا؟

جی، دونوں کورس کے انداز میں بولے۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اتنے دن میں آپ نے ایک بار بھی آ کر نہیں جھانکا، ثوبیہ اس کے سامنے کھڑی بگڑ رہی تھی۔

جھانکنا تاکنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، وہ شریر ہوا۔

اچھا بتائیے آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھہرے۔؟ وہ بسوری

دیکھو بھئی وہ تھا مہمانداری کا زمانہ، ہم ٹھہر گئے تھے۔ اب ہو گئے ہیں ہم اس شہر کے مستقل باشندے۔ لاہور میں میرے سگے تایا موجود ہیں جب میں وہاں نہیں ٹھہرا اتنے اصرار کے باوجود۔ جبکہ وہ تقریبا میرا ہی گھر ہے۔

تو گویا ہمارا گھر آپ کا نہیں ہے۔؟ وہ خفا ہو کر بات کاٹتے ہوئے بولی۔

گھر تو سارے ہی میرے ہیں۔ دراصل میں اس وقت بر ہلنگ سے قاصر ہوں، وہ لاچاری سے بولا۔ اس کا مطلب ہے، آپ کے یہ دوست ہم سے بھی اچھے ہیں، وہ معصومیت و خفگی سے گویا ہوئی۔

تم سے اچھے۔؟ کچھ الفاظ اس کے زہن میں کلبلائے، رگ شرارت زور سے پھڑکی۔ پھر مصلحتا دب گئی۔

وہ سیاہ شلوار میں ملبوس اپنی موٹی انگلیاں چٹخاتی اسے آزمائش میں ڈال رہی تھی۔تم سے اچھا تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا، وہ مسکرا دیا اور تاثرات چھپانے کے لئے اخبار تہہ کرنے لگا۔

اب بنائیں نہیں۔ہم خوب سمجھتے ہیں، آپ ہمیں اپنا سمجھتے ہی نہیں، وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیٹھو یار وہ ہمارا خانساماں بڑی عمدہ سی چائے بنا کر تمہیں خوش کرنے بس آنے ہی والا ہے۔بس اپنے ہی پاس رکھیں اپنی چائے۔وہ بگڑی۔

تم ناراض ہو کر یہاں سے نہیں جا سکتیں ثوبیہ۔مجھے اس طرح پریشان نہ کرو ثوبیہ۔

اسی وقت دریہ نے پردہ اٹھا کر اندر قدم رکھا۔

طارق اور ثوبیہ دونوں ہی چونک پڑے۔

اسلام علیکم دریہ کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

میں نیچے لانسر دیکھ کر بڑی حیران ہوئی تھی۔ڈرائیور نے بتایا کہ تم آئی ہوئی ہو یہاں، گھر میں تو بتایا ہوتا، اس کا لہجہ ناقابل فہم تھا۔

ممی کو بتا کر آئی ہوں آپی شاید انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔

یعنی آپ ہی گھر میں اطلاع دیے بغیر یہاں آئی ہیں، جب ہی ثوبیہ کی آمد سے لاعلم ہیں اب آپ ہی سمجھائیں۔کیا مجھے اپنا ذاتی گھر نہیں بنانا۔اب ساری زندگی تو آپ کے گھر پڑاؤ نہیں ڈال سکتا۔

کیوں۔۔۔؟ وہ دریہ کی سمت متوجہ ہوا۔

میں کیا کہہ سکتی ہوں، وہ شانے اچکا کر بولی۔

کہنے کو آپ کیا نہیں کہہ سکتیں۔بہرحال تشریف رکھیے۔

دونوں بیٹھ گئیں۔۔۔

اوکے۔اچھا اللہ حافظ۔

خدا حافظ طارق صاحب، دریہ کس قدر پر تکلف نظر آنے لگی تھی۔وہ خدا حافظ کہنے زینے تک آیا تھا۔

ارے میڈم روز آپ یہاں کیسے۔؟ وہ ترت پھرت و چلتا پرزہ قسم کی لڑکی نما خاتون تھی۔ جو اس کی جانب بڑھی تھی۔

ہم پانی کے پودے ہیں ہماری جڑیں نہیں ہیں۔کہیں بھی نظر آ سکتے ہیں، فیروزہ ہنسی۔

ایٹ اے ٹائم تو نہیں۔؟ اجنبی خاتون نے ہنس کر پوچھا۔

ارے نہیں۔جادوگرنی ضرور ہوں۔مگر، وہ، والی، فیروزہ نے قہقہہ لگایا۔درمیان میں اجنبی خاتون کا قہقہہ بھی شریک ہو گیا۔

تیرے جادو کا زور نہیں ٹوٹا ابھی تک۔

خدا نہ کرے، فیروزہ نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

آج کل تو بڑی اونچی شہ جا رہی ہے۔ہر دوسری فلم میں مہ پارہ ہے۔

ارے رب کی عنایتیں ہیں، مہ پارہ کے لہجے میں تشکر تھا۔

اورتم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو۔؟ فیروزہ نے پوچھا۔

شوٹنگ ہو رہی ہے۔ کالام میں۔ ہمارے ہیرو صاحب رات بیمار ہو گئے آج کا شیڈول کینسل ہو گیا۔ ہیر تفریح کے لئے آج یہاں آ گئے۔

اچھا یہ بتا ہیرو صاحب کو بیماری سردی سے لگی یا۔ فیروزہ نے چھیڑا۔

ہم تو وادی کیلاش کی برف پوش پہاڑیوں کا موسم ہیں۔ لوگ ہمیں دور سے دیکھتیں ہیں اور مونیہ عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہیرو صاحب ہمارے بیمار تو عرصے سے ہیں۔ مگر سرد ہواؤں سے کل ہی ہوئے ہیں۔

وہ ہنسی۔

ستارہ کہاں ہے۔؟ اس نے موضوع از خود بدل دیا۔

وہ بھی یہیں ہے، میرے ساتھ۔ یعنی سوات میں۔

بن باس کاٹ رہی ہو۔؟ تمہارے رام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ ذرا دھیان رکھنا آج کل جو، رام، بن کر ملتے ہیں وہی راکشس بن جاتے ہیں بعد میں۔ مہ پارہ نے احتیاط کے راستے بھی بجھائے۔

فکر ہی نہ کرو۔ اب ایسے کچے ہم بھی نہیں۔ فی الحال تو بن باس اکیلے ہی کٹ رہا ہے ستارہ کا بھی۔ ہوں حالانکہ اسے تو بڑی نگری آفر آئی تھی شادی کی۔ پچھلے دنوں ستارہ۔ کا ایڈ نہیں چلا وہ ٹائلٹ سوپ والا؟ اس کمپنی نے ستارہ کی ٹرانسپیرسی لگائی تھی اپنے کیلنڈر پر۔ شیخ نے دیکھا تو گرتا پڑتا پاکستان آیا۔ مگر وہ مانی ہی نہیں۔ کہنے لگی۔ میں حرم کی کنیز بننے سے۔۔ اپنی یہ آزادی قائم رکھنا پسند کرتی ہوں۔ اماں نے تو بہت سمجھیا مانی ہی نہیں۔ فیروزہ نے شانے اچکائے۔

وقاعی آزادی ہی تو ہے۔ اور پھر اسے کمی بھی تو کوئی نہیں۔ مہ پارہ بولی۔

میڈم آ یہاں۔ ہم دور دور آپ کو ڈھونڈ آئے۔ لائٹ مین سرور خان ان کے نزدیک چلا آیا۔ پیٹ بھر کا فربہ تھا۔ اس لئے زیادہ چلنے کی سبب سانس دھونکی کی مانند چل رہا تھا۔

ڈھونڈنے کی ایسی خاص ضراوت تو نہیں تھی۔ بچی تو نہیں ہوں۔ ہر دفع کے دیکھے ہوئے راستے ہیں۔ مہ پارہ تڑک کر بولی

فلمساز کون ہے اس فلم کا۔؟ فیروزہ نے لائیٹ مین کو اہمیت نہ دی اور بات جاری رکھی۔

ہے ایک شوقیہ۔ وہی جواریوں کی نسل کا۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

ہدایت کون دے رہا ہے۔؟ فیروزہ نے فلم کے قد، کا اندازہ کرنا چاہا۔ وہ فلم انڈسٹری کے سب ہی، بڑوں سے واقف تھی۔

وہی اپنے مسٹر ہٹلر۔ وہ بھی شرارت بھری سرگوشی میں بولی۔

مہ پارہ یوں ہنسی گویا آج سے قبل اس نے ایسا دلچسپ لطیفہ نہیں سنا تھا۔

فیروزہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔ اے۔ دیکھو آ رہا ہے، وہی ہے ناں۔

ارے۔ ہاں۔ وہی ہے۔ ذرا دیر میری فرقت گوارا نہیں۔

اب بھی ۔؟فیروزہ ہنسی۔

چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔؟

بڑی اونچی پارٹی ہے۔رسک نہیں لے سکتی۔اور پھر جتنی اچھی فلمیں بن رہی ہیں، اسی کے بینر تلے ہیں۔کروگی اس کے ساتھ کام۔؟مہ پارہ نے فیروزہ کو ٹٹولا۔

ارے نہیں۔مجھے بھی اس قسم کا شوق نہیں رہا۔میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی کیونکہ ہدایت کار کے نام سے بھی ہیروئین کی مارکیٹ ویلیو کا اندازہ ہوتا ہے۔

تم دس سال سے اس چوٹی پر ہو۔کسی نے ہلایا نہیں تمہیں۔فیروزہ نے ایک انداز میں سراہا تھا۔

دعوت تو دے رہی ہوں تمہیں کہ مجھے ہلا دو۔بلکہ میری جڑوں پر آری رکھو۔جتنی بے ہنگم مہ پارہ تھی اتنے ہی بے ڈول اس کے مذاق تھے۔

اتنے میں ہدایت کار صاحب ان کے نزدیک آ چکے تھے۔

وہ جو کہتے ہیں۔کس پر چلی آری۔؟وہ آ کر دونوں کی طرف باری باری دیکھ کر گویا ہوئے۔

آپ تو اب چھری کے متحمل نہیں ہو سکتے۔آری تو بہت بڑی ہوتی ہے، فیروزہ شرارت سے بے ساختہ کہہ بیٹھی، اور ساتھ ہی ہنس دی۔

ہدایت کار موصوف اسے ہنستا دیکھ کر حواس ہی کھو بیٹھے۔اتنی دلکش ہنسی اور کس قدر دلربا انداز۔ان کے سامنے فتنہ کھڑا تھا۔ماہ پارہ کے مقابل مہ کامل تھا۔

آپ کی دوست ہیں میم۔؟انہوں نے سیاہ گلاسز آنکھوں پر مضبوطی سے فٹ کرتے ہوئے فیروزہ کی جانب اشارہ کیا۔

یس۔ارے فیروزہ یہ تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے۔؟

فیروزہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ماہ پارہ ہنس پڑی۔ہدایت کار صاحب بھی ایک دم پیچھے تھے۔

کیا تھا مہ پارہ۔؟

ایک لال سی شے تھی۔میں سمجھی یامین صاحب کا دل ہے۔

اوہو۔ہو۔یامین صاحب نے ماہ پارہ سے زیادہ اور لائیف مین نے ان سے زیادہ اس جملے سے زیادہ حظ اٹھایا۔

میم، آپ کی ریٹائرمنٹ سے اب مجھے بالکل افسوس نہیں ہوگا۔بشرطیکہ آپ اپنی فرینڈ سے میری نئی فلم کا ایگری منٹ کرا دیں۔

اوہ۔نو۔نیور۔فار ایور۔فیروزہ نے قطعاً انکار کر دیا۔

یہ میرا میدان نہیں ہے یامین صاحب۔

آپ کو شہرت اچھی نہیں لگتی

نہیں یہ جھاگ جیسی شہرت بالکل اچھی نہیں لگتی عروج کے بعد زوال کا مرحلہ طے کرنا

میرے لیے مشکل ہے بندہ کام وہ کرے جو امر ہو نہیں تو نہ کرے

اگر میں کوئی ایسی فلم بناؤں جو شاہکار ہو تو

فلم میکر اپنی رائے کو اہمیت نہیں دیتے وہ پبلک اوپینین (عوامی رائے) کے محتاج ہیں، اپنے کام کے سلسلے میں

ہر بندے کو بھی تو اندازہ ہوتا ہے اپنے کام کا یامین صاحب بولے

اندازے غلط بھی ہو جاتے ہیں فیروزہ کے انداز مستقل اور ٹھوس تھے

او میم آپ کی دوست بھٹکی ہیں یامین صاحب کھسیائے پھر ایک دم ٹھٹھائے

یہ کیسی ملاقات ہے میم آپ نے تعارف تو کرایا نہیں

آپ اپنا تعارف بہار کی ہے مہ پارہ مسکرائی

یہ فیروزہ ہے یامین صاحب پر ہیرے کے مول والا اس کے انداز سے فیروزہ کو باطنی بے چینی حاصل ہوئی

وہ جس قدر اپنے ماضی سے کٹ کر رہنا چاہتی تھی وہ لال لال زبان نکال کر عفریت کی طرح اس کی جانب بڑھتا تھا

اور یامین صاحب کی جیسے مشکل آسان ہوگئی انہوں نے اپنی یہ فرمائش آئندہ پر موقوف کر دی اب تو گھر کی بات تھی

انہوں نے مزید اسرار بھی لپیٹ کر آئندہ کے لیے رکھ دیا، فی الحال تو اب وہ اس کے اقربا میں شامل ہونا چاہتے تھے

وہ انہیں لے کر اپنے کاٹیج کی سمت بڑھ گئی جہاں ستارہ ان کی منتظر تھی ستارہ پر نظر پڑتے ہی یامین صاحب مزید ریشہ خطمی نظر آنے لگے تھے یہ ٹائلٹ سوپ کے اشتہار والی لڑکی تو حقیقت میں تصویر سے زیادہ حسین ہے اس پر نظر پڑتے ہی ان کے ذہن میں یہ پہلا خیال آیا تھا

ایئر پورٹ پر نور جہاں اور روبیہ بھی طارق کے ہمراہ عابدہ بیگم کے استقبال کے لیے موجود تھیں اماں جان کو لاؤنج سے باہر آتا دیکھ کر طارق والہانہ ان کی جانب بڑھا

السلام علیکم وہ ماں کو اتنے دنوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر عجیب سے احساسات سے دوچار ہوا

وعلیکم السلام جیتے رہو وہ بھاوج کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں

طارق کی تمام حسیات نے مجتمع ہو کر ان کی سرد مہری کو محسوس کیا

وہ بھاوج اور بھتیجی سے مل رہی تھیں، طارق ان کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا اسے اپنی ماں میں عجیب سی تبدیلی محسوس ہو رہی تھی وہ پریشان سا ہو اٹھا تھا

آپ کی اچانک آمد میرے لیے قطعی حیران کن نہیں نور جہاں نند سے مخاطب تھیں

البتہ طارق ضرور پریشان ہے وہ ہنسیں

اچھا حالانکہ اسے تو بالکل حیران نہیں ہونا چاہیے وہ مسکرا کر بیٹے کی سمت متوجہ ہوئیں

ٹھیک ہو؟

جی وہ اب بھی الجھا ہوا تھا

اچھا ہوا آپ آگئیں آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت کرنے کی بات ہی اور ہے

ہاں میرا بھی یہی خیال ہے وہ بھاوج کی بات کے جواب میں بولیں

آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی پھوپھو؟ دریہ پوچھ رہی تھی

کس بات سے؟ وہ سمجھیں نہیں

سفر کے دوران اس نے وضاحت کی

نہیں سفر کے دوران تو نہیں (البتہ سفر سے پہلے؟) انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا جو ٹرالی سے ان کا سامان نکال رہا تھا

ثوبیہ آپ سے بہت ناراض ہے نور جہاں ہنسیں

وہ کیوں؟ وہ واقعی حیران ہوئیں

اس کا خیال ہے آپ نے طارق کو سکھا پڑھا کر بھیجا ہے جب ہی تو وہ ہمارے یہاں رہنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ رہ رہا ہے

میرا سکھایا پڑھایا تو یہ سب بھول چکا ہے وہ عجیب سے انداز میں بولیں

ماں کا لہجہ طارق کے حواس پر چھا گیا وہ کسی حل تک نہ پہنچ سکا

راستے بھر نور جہاں اور عابدہ بیگم مصروف گفتگو رہیں طارق خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا دریہ کی ہر بات کے جواب میں وہ صرف ہوں ہاں کر رہا تھا

اماں جان دوران گفتگو کبھی بیٹے پر نظر ڈالتی تھیں اور کبھی دریہ پر مگر وہ ایک بار بھی دریہ کی سمت متوجہ نہیں ہوا تھا

بھائی کے دولت کدے میں انہیں لمحاتی تنہائی بھی میسر نہیں آئی کہ وہ بیٹے سے کوئی بات کر سکیں

آج وہ اماں جان کی وجہ سے وہیں مقیم تھا اپنے دوست کو کہہ کر چلا تھا

رات دیر تک سب بیٹھے باتیں کرتے رہے احسان صاحب کسی ڈنر میں گئے ہوئے تھے ان کا بھی انتظار ہوتا رہا

یہاں تک کہ تینوں لڑکیاں اور طارق سونے کے لیے چلے گئے ڈرائنگ روم میں صرف نند اور بھاوج باتیں کرتی رہ گئیں

آپ کو میرے خط سے خاصی حیرانی ہوئی ہے میں محسوس کر رہی ہوں نور جہاں نے تنہائی پا کر عابدہ بیگم کا من چاہا موضوع چھیڑ دیا

قدرتی سی بات ہے وہ بولیں

حالانکہ یہ ایسی کوئی حیرت انگیز یا عجیب بات تو نہیں ہو سکتی نور جہاں بولیں

آپ کے نزدیک وہ تیزی سے بولیں تھیں

ہاں، واقعی میرے نزدیک تو یہ خاص بات نہیں جو کچھ بھی ہوا وہ آپ کی لاعلمی کی وجہ

سے ہوا

لیکن یہ میرے علم میں ہے کہ طارق کو دریا ورعثمان کے رشتے پرخوشی تھی ، افسوس نہیں

ہوسکتا ہے اس نے آپ کی خوشی کو مدنظر رکھا ہو مگر اس کی انڈر اسٹینڈنگ منٹ دریہ کے

ساتھ رہی ہے نور جہاں نے وسیع النظری کی انتہا کردی

آپ یہ کس بنیاد پر کہہ سکتی ہیں؟ عابدہ بیگم کو ان کے انداز پرناگواری محسوس ہوئی

مجھے خود دریہ نے بتایا ہے نور جہاں نے کہا

عابدہ بیگم کو اپنا دل نیچے کہیں پاتال میں اترتا محسوس ہوا

میرا خیال ہے اسے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے وہ بمشکل بولیں

پر اس ایک واضح اعتراف ہوتا ہے دو افراد کے درمیا نور جہاں آہستگی سے بولیں

میں نہیں مان سکتی وہ اتنی جلدی حدوں کو پھلانگ گیا ہو عابدہ بیگم کا لہجہ تیکھا ہو گیا

عابدہ آپ رشتہ کرنے کے سلسلے میں خود مختار ہیں اگر آپ کا ارادہ بدل جائے تو یہ ایسی

انہونی نہیں ، دنیا میں یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر یہ میری بیٹی کی انسلٹ ہے کہ اسے تماشہ بنایا

جائے نور جہاں کا لہجہ غیر معمولی سنجیدہ ہو گیا

وہ آپ ہی کی نہیں میری بھی بیٹی ہے ، وہ ہماری بھی عزت ہے بھابھی جان عابدہ بیگم سنبھل

کر بولیں

تو پھر آپ اپنی بیٹی کے جذبات کو مدنظر رکھیں نور جہاں نے ترکش سے تیر چھوڑا

میں طارق سے بات کروں گی اس معاملے پر

مثلاً ؟ نور جہاں سوالیہ نشان بن گئیں

مثلاً یہ کہ اگر ایسی بات تھی تو اس نے مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں کیا ان کی آواز پست ہوگئی

یہ اس کی غلطی ہے ، یا شاید آپ کے گھر کا ماحول ایسا ہو کہ بچے دل کی بات کہتے ہوئے

گھبراتے ہوں نور جہاں نے قیاس پر بات کی

ہمارے گھر کا ماحول کیسا ہے اس کا اندازہ دریہ اور فوزیہ کو خوب ہو چکا ہے ہمارے بچے اپنے

گھر میں پوری آزادی سے بات کرتے ہیں انہیں بھابھی کے اس جملے سے روحانی زک پہنچی

میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ہو کیا گیا اس صورتحال کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی عابدہ بیگم

کے انگ انگ سے پریشانی ہویدا تھی

(ہوسکتا ہے بھابھی جان ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں جب طارق کو عثمان کی پسند کے بارے

میں علم ہوا تو وہ از خود دستبردار ہو گیا ہو کہ ایثار ان کی تربیت کی بنیادوں میں بھرا گیا ہے مگر وعدے

کے بعد اس ایثار کی کوئی اہمیت نہیں جو معاہدہ دو افراد کے درمیان طے پا چکا ہو وہ ایک فریق

دوسرے فریق کو مطلع کیے بغیر نہیں توڑ سکتا یہ یکطرفہ کاروائی دوسرے فریق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا

سکتی جبکہ وہ معاہدے کے توڑنے کے خلاف ہو بات تو تب تھی جب دریہ اور طارق

میں ایثار کے مسئلے پر اتفاق ہوتا)

کیا سوچ رہی ہیں؟ نور جہاں نے انہیں متوجہ کیا

کچھ نہیں وہ چونک پڑیں

آرام سے فیس کیجیے یہ گھر ہی کی بات ہے نور جہاں نے انہیں گویا دلاسا دیا

یہی تو پریشانی ہے کہ یہ گھر کی بات ہے وہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں

(اب میں انہیں کیسے بتاؤں کہ در یہ میرے دو بیٹوں کا انتخاب بن بیٹھی ہے)

شاید ان کی گفتگو مزید جاری رہتی کہ اسی لمحے احسان صاحب کی گاڑی کا ہارن چیخ پڑا

ہوں ارے یار یہ تم نے کیا کر دیا بھائی میں ان کو منع کر چکا تھا طارق نے ریسیور دوسرے ہاتھ میں تھام کر رومال سے پیشانی پر چمکتے قطرے صاف کیے

بھیج دو ایظاہر ہے کیا کروں اب، جب تم بتا چکے ہو کہ میں اندر ہوں اس نے ریسیور رکھ کر اپنا نچلا ہونٹ چبا ڈالا وہ اپنے کام میں بے انتہا منہمک تھا اس وقت وہ مکمل خاموشی اور منظم ماحول چاہتا تھا

السلام علیکم فاروقی صاحب ایک صاحب دروازہ کھول کر داخل ہوئے اور والہانہ طارق کی جانب بڑھے

طارق بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا

وعلیکم السلام علی جان صاحب اسے بہر حال گرمجوشی کا جواب دینا تھا

کیسے کیسے مزاج ہیں؟ اس نے علی جان صاحب کی مزاج پرسی کی

مزاج کیا پوچھتے ہیں، فاروقی صاحب آپ تو ہمارے ملک کی سب سے نامور مغنیہ نے

نہیں نکلوایا جتنا آپ نے

علی جان صاحب کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں میں شکریے کے ساتھ آپ کی پیشکش لوٹا چکا ہوں وہ واقعی شرمندہ تھا

آپ مجھے کریڈٹ سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں اتنی دلکش مردانہ آواز ہے جو سنے گا بھلا نہیں پائے گا علی جان صاحب جوش میں آ چکے تھے

یہ صرف آپ کی عنایت ہے، آپ کی محبت کا حسن ہے بخدا میں تو فن موسیقی کی ابجد سے بھی واقف نہیں

تو ہم حاضر ہیں ناں خدمت کے لیے صاحب آپ کو کیا معلوم آپ کتنی قیمتی چیز ہیں

میں آپ سے عرض کر چکا ہوں جس گھرانے سے میرا تعلق ہے، وہاں اس قسم کے شوق کی کوئی گنجائش نہیں آپ کیوں میرا فیملی بائیکاٹ کرانا چاہتے ہیں وہ ہنسا

ارے آپ تو اپنے خاندان کی اقبال مندی بڑھانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں بارہ برس قبل ایک نوجوان حیدرآباد سندھ سے یہاں آیا تھا آپ ہی کی طرح فلمی دنیا کو اچھوت سمجھتا تھا نام سن کر بدکتا تھا ہماری جوہر شناس نظروں نے اس کے جوہر پہچان لیے تھے، پنجاب یونیورسٹی کے ایک فنکشن میں آج وہ اس ملک کا ٹاپ کلاس فنکار ہے دولت اسکے گھر کی باندی ہے ایک کوٹھی سندھ، ایک یہاں لاہور میں ہے کمرشل فنکشنز میں سب سے زیادہ ریٹ اسی کے ہیں

علی جان صاحب نے نیا حربہ آزمایا

خدا کا بہت کرم ہے علی جان صاحب اب بھی کسی چیز کی کمی نہیں اس نے پن ہولڈر میں پن اٹکایا

آپ کو کیوں نہیں احساس کہ آپ کس قدر قیمتی انسان ہیں؟ علی جان صاحب اس بار عالم بے بسی میں بس یہی کہہ سکے ان کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی

مجھے اچھی طرح احساس ہے جبھی تو آرکیٹیکٹ بنا ہوں وہ دلنوازی سے مسکرا دیا

اجی چھوڑیے، اس شعبے میں آپ اگر کوئی شاہکار بھی تخلیق کرلیں گے تو زندگی کے بعد ہی اس کا چرچا اور ناموری ہوگی وہ بھی تاریخ دانوں کی دنیا میں علی جان صاحب اب ہتھیار ڈال کر اب جھلائے جارہے تھے

ارے نہیں بہت بڑا اسکوپ ہے اس کا آج کی دنیا میں حالیہ موڈی فیکیشن کا دور اپنی تیزی کی انتہا پر ہے یہاں ہماری سخت ضرورت ہے یہ کہہ کر اس نے بیل بجائی

چپون اندر داخل ہوا

کیا پئیں گے علی جان صاحب؟

اب تو کچھ بھی پینے کو جی نہیں چاہ رہا میرا خیال تھا میں آپ کو قائل کرلوں گا

طارق کو ایک حساب سے ان پر ترس بھی آیا بے چارے کب سے اس کی منتیں کر رہے تھے مگر وہ اپنی جگہ مجبور تھا ورنہ آج کل کے لڑکے تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں اس قسم کے مواقع حاصل کرنے اور نام کمانے کا لیکن اس کے خاندان کا مسئلہ تھا

دو کولڈ ڈرنک لے آؤ علی جان صاحب کو اس کی شدید ضرورت ہے اور ہاں وہ فائر اسٹیشن کا نمبر بھی معلوم کر کے بتانا اس نے شرارت سے علی جان صاحب کو دیکھا

علی جان صاحب نے سوالیہ نظر اس کی سمت اٹھائی تھیں مگر خاموش رہے تھے

آپ کو سلگتا محسوس کر رہا ہوں سلگنے والی چیز بھڑک بھی سکتی ہے اس لیے احتیاطاً فائر اسٹیشن کا نمبر

علی جان اس کی قدرتی انداز کی شرارت پر مسکرا دیے کس قدر جلد دل موہ لیا تھا اس نوجوان نے شوبز میں ایسے مثالی نوجوانوں کی ہمیشہ قلت ہی رہی ہے "مودب، شائستہ، منکسر المزاج، اعلیٰ درجے کی تہذیب کے نمائندہ

وہ موسیقی کے ایک نامور گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کی تمام عمر سروں کی ترتیب ہی میں گزر گئی تھی بلا کے مردم شناس، جوہر شناس اور زیرک انسان تھے ثوبیہ کے برتھ ڈے فنکشن میں بطور میوزیشن شریک ہوئے تھے احسان صاحب سے ان کی برسوں پرانی یاد اللہ تھی ان کے گھر بھی آنا جانا تھا اس دن انہوں نے طارق کو سنا تو محسوس کیا وہ سنگیت کی دنیا کا اثاثہ ثابت ہو سکتا ہے اس کے لہجے کی گمبھیرتا، آواز کا لوچ، اشعار کی سمجھ، آواز پر خداداد گرفت وہ اس دن سے اسی کے ہو گئے تھے احسان صاحب سے بات ہوئی انہوں نے بچوں کی پسند و ناپسند کا معاملہ کہہ کر خود کو اس معاملے سے الگ کر لیا مگر وہ بھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے آخر اسے جا ہی لیا تھا

پیون کولڈ ڈرنک لے کر اندر داخل ہوا طارق نے اشارے سے علی جان صاحب کو پیش کرنے کے لیے کہا پھر خود بھی اٹھا لیا

میں ہار نہیں مانوں گا فاروقی صاحب ،دیکھ لیجیے گا علی جان ضد سے بولے تھے

کیا ہم کوئی گیم کھیل رہے ہیں؟ طارق حسن ظن برتنے لگا اس کا لہجہ تو تھا ہی بلا کا شریر

ہاں ہم گیم کھیل رہے ہیں قسمت کا

میں تو اس میں ارادے کے ساتھ تو کیا بلا ارادہ بھی شامل نہیں ہوں طارق کو ان سے بحث کرنے میں لطف آ رہا تھا وہ یم وہ ان کا موڈ ٹھیک کرنا چاہ رہا تھا اتنے مہربان سے بندے کو خوامخواہ ناراض کرنا اسے اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا

تم ریز رو کھلاڑی ہو لیکن ایک بار میدان میں آ گئے ناں تو میدان کا نقشہ پلٹ جائے گا جو ناپ آن لسٹ ہیں وہ ریز رو ہو جائیں گے اور جو انہوں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا

طارق ہنس دیا میں آپ کی ہمت اور لاجک دونوں کی داد دیتا ہوں اور اپنے کام سے آپ کی اتنی وابستگی اور انسیت پر آپ کی قدر کرتا ہوں

شکریہ علی جان اٹھ کھڑے ہوئے

او کے جنٹلمین سی یو پھر ملیں گے انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا

طارق کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا بے حد شکریہ میں نادم ہوں آپ کو مایوس کر رہا ہوں

اچھا تو یہ بنا ہے اب تمہارا گھر اماں جان نے بنظر غائر جائزہ لیا

سانجھے کی ہنڈیا ہے طارق مسکرا دیا

خدا نہ کرے خدا تم دوستوں میں خلوص اور اتفاق دے تمہارے رزق میں برکت ہو وہ ممتا سے مجبور تھیں اُن کا من طارق سے شاکی تھا مگر وہ دعائیں دینے کی عادی تھیں

وہ دونوں بچے کہاں ہیں جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں

شام کو جوگنگ کے لیے جاتے ہیں منصور تیراکی سیکھ رہا ہے پھر وہاں چلا جاتا ہے فرقان مغرب کے بعد آتا ہے

نماز تو نہیں چھوڑ دی تم نے ان دنیاوی جھمیلوں میں پڑ کر؟ مغرب کے ساتھ ہی انہیں نماز کا دھیان آیا

نہیں اماں جان نماز نہیں چھوڑی ،بے فکر رہیں نماز تو اللہ کے حضور اظہار بندگی کے لیے کی جاتی ہے ڈنڈے کے زور سے تو عبادت نہیں ہوتی اماں جان اور آپ نے ہماری تربیت ہی ایسی کی ہے کہ ہم کہیں ہوں ہمارا ماحول ہمارے سروں پر آسمان کی طرح چھایا رہتا ہے آپ کی تربیت کی جڑیں بہت گہری ہیں

اتنا سنجیدہ اور مؤدب سا طارق انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کا بیٹا سطح سے گر سکتا ہے (میں ،ماں کے دل کی گواہی نہیں مان سکتا جو سراسر جذبات ،بڑا جوش ہوتی ہے اسے تو کبھی اپنی اولاد میں عیب نظر نہیں آتا

بہر حال اس نے کوئی خطا نہیں کی نوجوانی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے، عثمان سے پہلے طارق کا فیصلہ ہو چکا ہو)

ان کے ذہن میں اپنے شوہر کے الفاظ گونجے

کیا سوچ رہی ہیں اماں جان؟

اپنی تربیت پر غور کر رہی ہوں

خیریت؟ وہ مذاق سمجھ کر ہنسا اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا

کن بے کار سوچوں میں پڑ گئیں اماں جان اچھی اچھی باتیں کریں اب تو آپ مہمان ہیں بہت دور آ گیا ہوں ناں آپ لوگوں سے اس کے لہجے میں پتا نہیں کیا تھا عابدہ بیگم تڑپ سی گئیں اسے شاید یہ دوری بہت ستا رہی تھی کہاں وہ پُر رونق ہنگامہ پرور ماحول، کہاں یہاں کی جامد سی تنہائی

اچھا یہ بتایئے کیا فیصلہ ہوا ماموں جان مان گئے یا؟

فیصلہ تو ہوا ہے مگر تمہارے حق میں طارق ماں کے جملے کو سماعت کا فرق سمجھا

جی اماں جان نہ وہ چونکا نہ ٹھٹھکا نہ گھبرایا نہ ہراساں نظر آیا نہ جھجکے کہ البتہ تمام تاثرات پوری صحت کے ساتھ موجود تھے اس کے چہرے پر

اماں جان اس کا تعجب دیکھ کر اس سے زیادہ متعجب تھیں (دل ہی دل میں) (شاید ایسی صورتحال کے لیے خود کو پہلے سے تیار کر چکا ہو) ایک شبہ پھر جاگا

فیصلہ عثمان کے حق میں نہیں تمہارے حق میں ہوا ہے طارق جب ایک بات تمہیں پتا چل ہی گئی تھی اس کے باوجود تمہارا ڈریہ کے لیے سوچنا باعث شرم بات نہیں تھی؟

طارق کا عمل تنفس چند ثانیے کے لیے جامد ٹریفک کی صورت ہو گیا

آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں جان؟ وہ کھڑا ہو گیا

اس کی شوخیاں، شرارتیں، اس کا بولڈ رویہ اس کی زندگی کو کسی تاریک سرنگ میں بھی پہنچا سکتا ہے اس کے تخیل کی اڑان کبھی یہاں تک نہیں پہنچی تھی

وہ زندگی میں اپنے وقار، عزت پر اس قدر خوفناک حملے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہ بھی اپنی پیاری ماں کے سامنے جس کی محبتوں کے بل پر اس کے اندر بلا کی ہمتیں پیدا ہوئیں تھیں وہ دنیا کی ہر مشکل، ہر مسئلے کو خاطر میں نہیں لاتا تھا

ماں کا ایک محبت بھرا لفظ، پیار بھری نظر، کارزار حیات کو لالہ زار سا بنا دیتی تھی

اس میں بلا کا اعتماد ہی اسی لئے آیا تھا کہ محبتوں اور خلوص کے دامن اسے اپنے گھر میں ہمیشہ کشادہ ملے تھے

اماں جان یہ مجھے زندہ دفن کرنے والی خبر آپ تک پہنچائی کس نے؟ اس الزام کے نام بتا دیجیے پھر دیکھیے میں کیا کرتا ہوں اس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نام بتاؤں یا نہیں بس تم مجھے یہ بتاؤ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی میں تو اپنے دل کی ہر بات تم سے کرتی ہوں طارق بڑا مان تھا مجھے تم پر اگر تم نے

اپنے طور کوئی فیصلہ کر لیا تھا تو پہلی فرصت میں مجھے بتا دیتے

کیسا فیصلہ اماں جان؟ آپ خدارا میری بات تو سنیں مارے جذب کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا

ایسی کوئی بات نہیں ہوئی یقین کریں آپ کوئی فیصلہ نہیں کیا نہ سوچا یہ اس قدر واسٹوپڈ قسم کا موضوع ختم کریں اور میری بات پر اعتبار کریں

یہ موضوع اب ختم نہیں ہو سکتا اور میں اور تمہارے باپ فیصلہ کر چکے ہیں

کس قسم کا فیصلہ؟ اس کا لہجہ پہلی بار ترش ہوا

وہی جو تم نے کیا ہے چار دن لاہور میں رہے اور غاصب بن گئے اب اماں جان پھٹ پڑیں

خدا کے لیے اماں جان اس قسم کے الزامات لگانے سے بہتر ہے، آپ مجھے جان سے مار ڈالیں

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر صوفے پر گر گیا۔ اس کی رگیں جیسے پھٹنے ۔۔ لگی تھیں ۔وہ ماں تھی اس کی کیفیت پر ذرا دل پسیج گیا۔

کیا عثمان کا رشتہ بھیجنے سے پہلے تم درتیہ سے و۔۔۔

پلیز اماں جان ۔۔ آپ مجھے اس کا نام تو بتائیں جس نے یہ طوفان اٹھایا۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے شوٹ کروں گا۔

سچی بات کہنے والوں کو اگر جان سے مار بھی دیا جائے تو سچ چھپتا نہیں۔ بیٹے مسئلہ الجھاؤ نہیں جو سچ ہے وہ بتاؤ۔

سچ یہ ہے اماں جان، درتیہ مجھے اپنے لیے تو کیا بھائی میاں تک کے لیے پسند نہیں۔ میں تو صرف بھائی میاں کی خاطر چپ تھا ورنہ۔

تم میری بات پر یقین کرو۔ وہ عثمان کے رشتے سے پہلے فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ شاید ایثار کر رہا ہے یا شاید اپنی عزت و وقار کا تحفظ۔ اس عمر میں نوجوان اپنی عزت کے لیے غیر معمولی حساس ہو جاتے ہیں عابدہ۔

میں تو تمہیں صرف ٹٹولنے آئی تھی۔ درتیہ اگر تمہیں پسند ہے اور وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے تو اس صورت میں اصول کی رو سے اس کا رشتہ تمہارے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے ساتھ دو طرفہ معاملہ ہے عثمان کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس نے درتیہ کی تعلیم کی وجہ سے اسے ترجیح دی تھی۔ وہ بھی میں نے پوچھا تھا شاید اس نے میری وجہ سے ہی اقرار کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تم نے بہر حال ہمارے ساتھ زیادتی کی۔ اگر تم پہلے بتا دیتے تو ہم بھائی جان کے سامنے تماشہ نہ بنتے۔

وہ بولتی رہیں۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں سنتا رہا۔

اماں جان بظاہر بہت پر سکون ظاہر کر رہی تھیں خود کو، مگر باطنی اضطراب ناقابل برداشت تھا۔ انہیں معلوم تھا درتیہ کو عثمان نے دسیوں لڑکیوں پر ترجیح دی تھی ۔۔ جبکہ سامنے ہر

طرح سے موزوں وطرحدار تعلیم یافتہ لڑکی موجود تھی۔

مراتب ومناصب کا سوال نہ ہوتا تو اماں جان ضرور پوچھ بیٹھتیں۔

بیٹے اس وعدے کا سن اور مہینہ بتا دو۔

عثمان کے ساتھ در یہ شریک نہیں تھی مگر طارق کے ساتھ وہ شریک ثابت کی جا رہی تھی۔

پھر عابدہ بیگم کیسے طارق کی بات مان کر اس لڑکی کو عثمان سے بیاہ دیتیں۔ جوان کے شاندار سے بیٹے کے لیے اپنے دل میں بالکل گنجائش نہیں رکھتی۔ اگر بات اپنے بھائی کے گھرانے کی نہ ہوتی تو وہ اس گھر میں سرے سے اپنے ایک بھی بیٹے کا رشتہ نہ کرتیں مگر اب بات سگی بھتیجی کی تھی۔

وہ اپنے ہی خون کو کیسے تماشہ بنا کر چھوڑ دیتیں۔۔؟

آخر آپ مجھے اس شخص کا نام کیوں نہیں بتاتیں۔۔ اچھا بتائیں آپ کراچی سے صرف اس وجہ سے آئی ہیں۔۔؟

ظاہر ہے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے ناں۔ ان کی آواز آہستہ اور لہجہ آزردہ تھا۔

آپ صحیح کہہ رہی ہیں کیا بھائی میاں کو پتا ہے؟ احساسِ ذلت نے سارے خود اعتمادی کے رنگ اڑا دیے تھے۔

اس سے تمہیں کیا فرق پڑے گا۔ کوئی بات نہیں بیٹے۔

وہ اپنے لاڈلے بیٹے کی بے چارگی بھی برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ وہ جوان کے گھر کی رونق اور بہار تھا۔۔ اس وقت کس حالت میں تھا۔ ان کی ممتا اس کی ساری خطائیں معاف کر رہی تھی۔ دوسری طرف اپنے گھر کا بھی خیال آ رہا تھا جو قریب قریب منتشر تھا۔

کیا ماموں جان کے ہاں اپنے دشمن کا نام پوچھوں یا آپ ہی بتا دیں گی؟

وہ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اُف ایسی ذلت۔۔

تمہیں وہاں جانے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ رہے سہے پردے بھی۔۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

آ جاؤ فرقان۔ طارق نے دستک پہچان لی تھی۔

آ۔۔ ہا۔۔ لے آئے خالہ جان کو۔۔ السلام علیکم۔

وعلیکم السلام۔ خوش رہو بیٹے۔ خالہ جان تو کب سے آئی بیٹھی ہیں۔ تمہارا ہی پتا نہیں۔ موڈ بدل کر وہ خوش دلی سے بولیں۔

میں کل سے منتظر ہوں آپ کا، پتا ہی نہیں کہاں ہیں۔ وہ موڑھا ان کے نزدیک کھسکا کر بیٹھ گیا۔ گفتگو موقوف ہو گئی۔

طارق کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں ایسی بدترین صورتِ حال کا سامنا نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا رہا تھا کہ یہ شوشہ چھوڑا کس نے ہے اس کے اپنے بھائی تو کبھی بھی اس قسم کی شرانگیزی نہیں پھیلا سکتے۔ وہ آپس میں بھائی ہی نہیں دوست بھی تھے۔

وہ اماں جان کو فرقان کے پاس ہی چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ کتنی محنت سے آج کل وہ ایک مشہور کمپلیکس کا ڈیزائن تیار کر رہا تھا۔ کتنا خوش تھا کہ اتنی جلدی اتنا بڑا پروجیکٹ اس کے ہاتھ آیا تھا۔ اسے یقین تھا اس کے بعد وہ ایک دم اُبھرے گا۔

وہ تو اپنے ادھورے پروجیکٹ کی سمت خوفزدہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا اب وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ اس ذلت کے بعد دوسری ذلت۔

وہ ایک کے بعد ایک رنگین مارکر نکال کر بلاوجہ پھول بوٹے بناتا رہا۔ یہاں تک کہ منصور کی آواز اس کے کانوں میں آئی جو اسی سمت آ رہا تھا۔

اماں جان کے کہنے پر وہ انہیں احسان ماموں کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔ اس کے ہمراہ فرقان بھی تھا۔ وہ اماں جان کو گیٹ پر ڈراپ کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔

گاڑی فرقان کی تھی وہی ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

یار۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جب سے خالہ جان آئی ہیں تم بہت ڈپریسڈ ہو۔؟

ارے نہیں۔ وہ چونک پڑا۔ ایسی کوئی بات نہیں یار۔ بس یوں سمجھو ذہن پر پروجیکٹ سوار ہے۔

لائٹ لو یار۔ یہ ہمارا سلسلۂ روزگار ہے۔ مگر اسے عذاب جاں بنا کر کیوں اپنی زندگی دشوار بنائیں۔ کیریئر زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ مصیبت نہیں۔ فرقان نے اسے سمجھایا۔

ہوں۔ وہ اماں جان کو بتا دے گا۔ اسے ثوبیہ پسند ہے۔ یقیناً اس بات سے وہ مطمئن ہو جائیں گی۔ اس نے ایک دم اپنی پریشانیوں کا حل سوچ لیا۔

اور پھر وہ ثبوت بھی طلب کرے گا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، بلاوجہ ایک شریف آدمی کو خوار کر کے رکھ دیا جائے۔ خدانخواستہ بھائی میاں کے کان میں یہ بات پڑ گئی تو کیا سوچیں گے وہ؟

وہ اپنے مسائل کا حل سوچ کے قدرے پُرسکون ہو گیا۔ اور فرقان کے ساتھ پیشہ ورانہ گفتگو میں مگن ہو گیا تھا۔

فرقان نے یہ بات نمایاں طور پر محسوس کی آج اس کی گفتگو اس کی مخصوص شوخی سی عاری ہے۔

آج گھر جا کر سات مرچوں سے تمہاری نظر اُتاروں گا۔ فرقان نے اسے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ مسکرا دیا۔

کس غم میں ہے؟

یار تمہاری چُپ مجھے بہت کھل رہی ہے۔ فرقان واقعی جھلا گیا۔

کبھی کبھار چپ رہنے میں حرج ہی کیا ہے۔ وہ سامنے دیکھو۔ مجھے تو وہ تمہاری بلیک بیوٹی نظر آ رہی ہے۔ اس نے فرقان کی سانولی سلونی منگیتر کا تذکرہ چھیڑ کر اس کی توجہ بٹائی۔

میری بلیک بیوٹی اس طرح ماری ماری نہیں پھرتی۔فرقان برجستہ کہہ بیٹھا۔طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

آج فون کرکے تمہاری شکایت کروں گا کہ ہونے والی بھابھی آپ کا فیانسی آپ کو بلیک بیوٹی کہہ رہا تھا۔فرقان علیحدہ جھینپ گیا تھا۔

پہلے تم خود ہی تو بولے تھےاس بار دونوں کا مشترکہ قہقہہ آزاد ہوا۔

آج فرقان کو محسوس ہوا۔اذیتوں کے موسم میں جب دوسروں کی خاطر ہنستے ہیں تو دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

وہ اماں جان سے گفتگو کے منصوبے ہی بناتا رہ گیا۔وہ کراچی کے لیے روانہ بھی ہوگئیں

۔عجیب پُراسرار قسم کی واپسی تھی ان کی۔

اپنی سب کہہ گئیں۔اس کی ایک نہیں سنی۔۔اس کا دل ماں سے بے پناہ شاکی ہوگیا۔

کتنے سوال اس کے ذہن میں تڑپ رہے تھے۔

جب وہ ایرپورٹ پر انہیں خدا حافظ کہہ رہا تھا تو اندر سے چور چور ہو رہا تھا۔

اماں جان مجھے آپ سے۔آپ سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔

میری تو سمجھ میں نہیں آیا یہ آنا اور جانا۔

آجائے گا۔بیٹے۔میں تو تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ اچھا نہیں کیا۔اور پھر مجھے کچھ ضروری باتیں بھی کرنا تھیں بھابھی جان سے۔

بس آرہی ہوں جلد ہی تمہارے پاس۔رہ کر جاؤں گی پھر۔انہوں نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔وہ عجیب دوراہے پر کھڑی تھیں۔کبھی وہ ان کا دل پانی کرتا تو کبھی عثمان ان کی ممتا کی آزمائش بنتے جب وہ گھر واپس پہنچیں۔۔تو گھر وہی تھا مگر وہ رونق اور تازگی نہیں تھی۔

وہ گھر کے دھندوں میں جاتے ہی مصروف ہوگئی تھیں۔

حسیب اور فاروق نے ان کا پیچھا لے رکھا تھا۔

بتائیے اماں جان۔بات پکی کر آئیں۔

شادی کب تک ہوگی۔؟

چھوٹے بھائی کیسے ہیں۔وہ خوش تو ہیں۔؟

وہ اپنے کاموں میں منہمک انہیں گول مول جواب دیتی رہیں۔عثمان ،ارمغان بھی آگے وہ الگ اپنی ماں کے چہرے سے کچھ بھید پانا چاہ رہے تھے۔

مگر ان کا چہرہ پُرسکون اور بے تاثر سا تھا جس سے کچھ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

معمول کے مطابق فلیق احمد نے مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے گھر میں قدم رکھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر اپنی بیوی پر پڑی۔ان کی آمد کی اطلاع تو مل ہی گئی تھی۔

انہوں نے فاروق سے کہہ دیا تھا کہ ایرپورٹ پر اپنی ماں کو ریسیو کرلیں۔رات تک

مخصوص معمولات جاری رہے۔

عثمان سمیت دیگر افراد منتظر رہے کہ اماں جان وہاں کی باتیں چھیڑیں۔ مگر وہ سر درد کا بہانہ کر کے چھت پر چلی گئیں۔

رات ایک بجے کا عمل تھا جب انہوں نے فائق احمد کی خواب گاہ نما لائبریری میں قدم رکھا۔ وہ ان ہی کے منتظر تھے۔

ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ گویا ہوئے۔

کیا کہتا ہے طارق۔۔؟

وہ کیا کہے گا۔ بچے کی شکل اتر کر رہ گئی ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں عورت انصاف نہیں کرسکتی۔ جذباتی جو بلا کی ہوتی ہے۔ فائق احمد نے بیوی کی بات کاٹ دی۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے بھابھی جان کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ یہ واقعہ تب کا ہے جب وہ تینوں کراچی سیر کے لیے آئی تھیں۔ تب ہی سے وہ ایک دوسرے کو غالباً۔

آزاد خیال، اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی ہے، ظاہر ہے۔ اور پھر طارق ہی اُن کے ساتھ۔۔

وہ کیا کہتا ہے؟ فائق احمد نے پھر ان کی بات کاٹ دی۔

وہ کچھ نہیں کہے گا۔ جب ہی تو بھائی کی خاطر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

پیچھے ہٹا تھا تو کم از کم اسے تو اطلاع ہونی چاہیے تھی۔ تاکہ عثمان کا رشتہ ڈالنے کے بعد اس قسم کی صورت حال پیدا نہ ہوتی۔

اب کیا سوچا۔ تم نے۔؟

سوچنا کیا ہے۔؟ سیدھی سی بات ہے۔ عثمان نے تو میری پسند پر ہامی بھری تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ سوچا یہ ہے کہ عثمان کو اب سب کچھ بتا دیا جائے۔ بڑا ہے، بُردبار ہے۔ حالات کو سمجھ سکتا ہے۔ اور دریہ اور طارق کا فی الحال نکاح کر دیا جائے۔ عثمان اور ارمغان کی باراتوں کے بعد دریہ کو رخصت کرا لیں گے۔ بھابھی جان نے کھل کر مجھ سے بات کی ہے کوئی ماں اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی غلط قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ بھابھی جان کوئی بچہ نہیں ہیں۔ سب سمجھتی ہیں۔ اور پھر ماں سے زیادہ بیٹی کو کون جان سکے گا۔ نکاح کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔؟ وہ بولیں۔

پہلے اپنے گھر کی فضا تو ٹھیک کرلو۔

وہ ٹھیک ہے۔ عثمان تعلیم یافتہ ہے، بُردبار ہے۔ آپ اسے سمجھائیں گے تو وہ سمجھ بھی جائے گا۔

مگر دونوں بھائیوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جو ایک ان دیکھی دیوار تعمیر ہو جائے گی۔

اس کے بارے میں بھی سوچا۔؟

اب تو بہت سوچ لیا۔ اگر اور سوچا تو شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔

آپ آج کل اس سے ضرور بات کرلیں۔ میں باقی تینوں سے اپنے طور پر بات کرلوں

گی میں نے بھابھی جان سے کہہ دیا تھا کہ آپ سے بات کر کے نکاح کی تاریخ مقرر کر لیں گے۔ آپ ہی نے کہا تھا۔ گھر کی بیٹی ہے۔ ہم اس کا تماشہ نہیں بنا سکتے عثمان سے نہ سہی طارق سے سہی۔ اسی بنیاد پر میں اتنی بات ان سے کہہ آئی۔ آپ کو کوئی اعتراض۔

یہ بات تو میرے اور تمہارے درمیان طے ہو گئی تھی کہ صورت حال بہر حال قابو سے باہر نہیں ہونا چاہیے نہ ہمارے بچوں کا تماشہ بنے اور نہ کسی کے بچوں کا۔ اور بیٹی تو بڑی نازک شے ہوتی ہے۔ اس کی نزاکت و عزت کا پاس کرنا سب ہی کا فرض ہے، صرف انہی کا نہیں کہ جن کے گھر میں پیدا ہوئی ہے۔

وہ ہماری ہی بیٹیاں ہیں۔ سمیرا حمیرا کی طرح، وہ انیسہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ تمہارے بھائی کی۔ فائق احمد جیسے آبرومند انسان ہی سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ جذبات کے بجائے بقائمی ہوش و حواس صورتِ حال کا سامنا کریں گے۔ تم نے ٹھیک کیا۔

میرے خیال میں ہمیں جلد ہی منگنی یا نکاح کی رسم ادا کر دینا چاہیے۔ ممکن ہو تو انیسہ سے کہہ کر عثمان اور ارمغان کے لیے بھی کوشش کرو۔

خدا سے دعا ہے کہ ہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں سرخرو ہوں اور وہ ہمیں ہمت سے نوازے۔

آمین۔۔

عابدہ بیگم عثمان کا چہرہ آنکھوں میں سموئے آمین کہتی باہر نکل گئی تھیں۔

دل ان کا اب بھی بوجھل تھا۔

ہیلو۔۔۔

ماں بول رہی ہوں تمہاری۔

السلام علیکم اماں جان۔۔۔ وہ ایک دم سنبھل گیا۔

کیا کر رہے تھے بیٹا۔۔؟ وہ پرسکون انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

ایسے ہی ایک نقشہ مکمل کر رہا تھا۔ وہ ماں کے مخصوص دھیمے انداز پر متعجب تھا۔

ایک ضروری بات کرنا ہے تم سے۔ ایئر پیس میں ماں کا مخصوص دھیما لہجہ گونجا۔

میں سن رہا ہوں اماں جان اس کے مضبوط سینے میں اس کا طاقتور دل کانپ گیا۔

میں خود بھی آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے جو بات مجھ سے یہاں کی اس سے میرا ذہن ابھی تک چکرایا ہوا ہے۔ بس مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے آپ مجھے اس شخص کا نام بتا دیجیے جس نے یہ گھناونی حرکت یا شیطانی مذاق کیا ہے، ورنہ اماں جان میرا سر پھٹ جائے گا۔ خدارا اماں جان۔۔۔

آہ میرا بیٹا۔ یہ کبھی بھی نہیں قبول کرے گا کہ واقعی اس سے۔۔۔

ایسا بھی ہو جاتا ہے بیٹے۔ بس میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اگلے مہینے کی چھ تاریخ کو تمہارا نکاح ہے۔

مت کریں اماں جان یہ باتیں، ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔ اس کی شریانوں میں طوفان

امڈ آیا۔

مت بناؤ میرے سفید بالوں کا تماشا۔ مجھے علم ہے تم کبھی نہیں سمجھو گے۔۔ کہ۔

اماں جان۔۔ میرے اس یقین کو مت توڑیں کہ ماں۔ ظالم نہیں ہوتی۔ اس کا لہجہ بھرّا گیا۔

اور میں کیوں خوامخواہ کا الزام تسلیم کروں۔۔ اس دنیا کے اتنے سارے انسانوں میں صرف آپ ہی سے تو انصاف کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

انصاف ہی تو کر رہی ہوں میرے بیٹے۔ وہ مضبوط لہجے میں بولیں۔

آپ کو نہیں پتا اماں جان۔۔

بس اب مزید کچھ پتا نہ کراؤ۔۔ تمہارے باپ، بھائی۔۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔

میں ورتیہ سے شادی نہیں کروں گا۔ آخر اس کی مردانہ خودسری عود کر آئی۔

تمہاری شادی صرف ورتیہ سے ہوگی۔۔ ورنہ تم۔۔ میں بھول جاؤں گی کہ میرا کوئی طارق نام کا بیٹا تھا۔ طارق کی آنکھوں میں ہفت آسمان گھوم گئے۔

اماں جان اتنا کچا اعتبار تھا آپ کا۔ آپ کو میرا یقین نہیں۔ وہ ٹوٹ گیا تھا۔

دیکھو بیٹا اب ماں کو زچ نہیں کرو۔۔ گھر میں سب خوش ہیں، فی الحال نکاح ہو رہا ہے۔ عثمان، ارمغان کی شادی کے بعد رخصتی کرالیں گے۔

اپنا کوئی سوٹ بنانا چاہو تو بنا لینا۔ بھابھی جان تو کہہ رہی تھیں بنانے کو میں نے منع کر دیا کہ رخصتی پر دے دیجیے گا۔ کیونکہ میں سادگی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ میں بھی صرف ورتیہ کا ایک جوڑا بنا رہی ہوں اور ایک ہلکا سا سونے کا سیٹ، مٹھائی، پھل وغیرہ تو لازمی ہوں گے۔ سوچ رہی تھی ایک سوٹ ثوبیہ کا بھی بنا دوں۔ پھر سوچا فوزیہ خیال کرے گی۔ رخصتی پر کرلوں گی یہ سب بکھیڑے، فی الحال تو وقت نہیں ہے۔۔ اے لو۔ یہ تمہارے ابا جان بھی آ گئے۔ بات کرو۔۔

ہیلو۔۔ طارق بیٹے۔

السلام علیکم ابا جان۔ وہ جیسے کہیں پاتال سے بول رہا تھا۔

ٹھیک ہے سب کچھ۔ تمہاری ماں نے تمام پروگرام تمہیں بتا دیا ہوگا۔ نکاح ہم سادگی سے کر رہے ہیں، تمہارے ماموں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نکاح میں صرف مرد ہی ہوں گے۔ تمہارے تایا، چچا۔ پھوپھا اور بھائی۔۔ نکاح بھی اس لیے کر رہے ہیں تاکہ ورتیہ کے رشتے کا اعلان ہو جائے۔ اس لیے کہ اس گھر میں دو اور بچیاں بھی ہیں۔ ان کے بھی رشتے وغیرہ ہونے ہیں۔ وعلیکم السلام کے بعد انہوں نے تفصیل بیان کی پھر بولے۔

طارق بیٹے۔ یہ عثمان تم سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔ فائق احمد نے ریسیور عثمان کو تھما دیا۔

طارق کے حواس جواب دے گئے۔ وہ مجہول انداز میں بولا تھا۔

السلام علیکم بھائی میاں۔۔

وعلیکم السلام۔۔ کیسا حال ہے لاہوریے۔عثمان کے لہجے میں بشاشت تھی۔

ٹھیک ہوں۔یہ کہتے ہوئے گویا اس کا جگر پاش پاش ہو گیا۔

کیسا چل رہا ہے کام۔۔؟ یار تم تو خود سے کبھی کال ہی نہیں کرتے۔وہ طارق سے مخاطب ہوئے۔

میں سوچ ہی رہا تھا۔۔۔

زیادہ نہ سوچا کرو۔خوامخواہ اعصاب تھک جاتے ہیں۔انہوں نے بات کاٹ دی۔

بھائی میاں۔۔وہ رک گیا۔

بولو یار۔۔۔

بھائی میاں آپ اماں جان کو سمجھا دیں، پلیز، وہ ورنیہ سے میرا رشتہ نہ کریں۔۔وہ مجھے۔۔

بری بات ہے طارق۔۔۔اب تم بچے بھی نہیں ہو۔ایسے نہیں کرتے۔عورتیں بہت حساس و نازک ہوتی ہیں قول نبھانا مردوں کا کام ہے یار۔۔

میں نے آج تک کسی کو کوئی قول نہیں دیا۔

مجھے تم سے پہلے سے بھی زیادہ محبت ہوتی جا رہی ہے طارق اچھا اب زیادہ باتیں نہ کرو۔۔میں خود بھی نکاح میں شرکت کروں گا۔۔

بہت لطف رہے گا۔اوکے یار۔۔خدا حافظ۔۔۔عثمان نے فون رکھ دیا۔

چند ثانیے تو طارق دم بخود اسی طرح ریسیور کانوں سے چپکائے بیٹھا رہا۔پھر بری طرح کریڈل پر پٹخ دیا۔

کوئی کچھ سننے کو تیار نہیں۔جی چاہ رہا ہے اس فساد کی جڑ کو ہی گولی مار دوں۔میں نے بھی اگر اس شوشہ چھوڑنے والے کا سراغ نہ لگایا تو طارق میرا نام نہیں۔اس فتنہ گر کو اگر ڈھونڈ بھی نکالا تو فائدہ ۔اگلے مہینے کی چھ میں کل بارہ ہی دن تو باقی ہیں۔

کسی قیمت پر نہیں۔وہ مارے وحشت کے اٹھ کھڑا ہوا۔وہ آرٹسٹک سا انسان تھا۔اس کا تخیل۔۔اس کے خواب۔۔اس کا اثاثہ تھے۔۔سرمایہ تھے۔جہاں ہر منظر پر صرف ثوبیہ کا ہیولہ تھا۔اس کی زندگی کا دوسرا نام آئیڈیالوجی تھا۔

وہ ناپسندیدہ احساسات کے ساتھ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔بارہ دن۔۔ابھی خاصا فاصلہ تھا۔وہ ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔

ہیلو۔۔جی۔۔؟

طارق بول رہا ہوں ثوبیہ۔۔

آخاہ۔۔آخر بولے تو سہی۔۔وہ چہکی۔۔۔کہیے۔۔بلکہ فرمایئے جناب

آپی ہیں تمہاری۔۔؟

ورنیہ آپی۔۔۔؟

ہوں۔

آج کل وہ ہیں زمین پر مگر اُڑ رہی ہیں۔۔ یہ لیجیے آ گئیں۔۔ آپی طارق بھائی۔

ہیلو۔ درِّیہ کی آواز ایئر پیس میں اُبھری۔

میں صرف آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو تماشا ہو رہا ہے اس سلسلے میں آپ کس نتیجے پر پہنچی ہیں؟

کیسا تماشا؟ درِّیہ نے تجاہل برتا۔

کمال ہے، اس ڈرامے کا مین کردار آپ ہیں اور آپ کو نہیں پتا۔ میں مان ہی نہیں سکتا

۔۔۔مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے درِّیہ۔ وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔

فرمایئے۔۔؟

مجھے آپ کی شہادت چاہیے۔

کس سلسلے میں۔۔۔؟ اس کا دل دھڑکا۔ کھیل بگڑنے لگا۔۔

سلسلہ وِلسلہ چھوڑیں آپ۔ پلیز آپ ایک فون گھر پر کر کے اماں جان اور بھائی میاں کو صرف اتنا کہہ دیں کہ میں آپ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں اور نہ میں نے آپ سے کوئی اسٹوپڈ قسم کا پراسس کیا ہے۔

یہ افواہ نہ جانے کس شرانگیز نے اُڑائی۔ کیا آپ کو حیرانی نہیں ہوئی تھی۔۔ حالانکہ یہ افواہ سراسر آپ کی انسلٹ ہے۔۔ کیا نہیں۔۔؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

ممی آپ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔ اس کی ازحد سنجیدہ گفتگو کے جواب میں دُرِّیہ کا یہ جملہ ایئر پیس میں سے اُبھر کر سماعت سے ٹکرایا تھا اور اس کا جی چاہا تھا ریسیور اپنے سر پر دے مارے۔

عزتِ نفس کی شدید قلت ہے اس لڑکی کے پاس۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا۔

وہ اپنی ماں سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ ایک ضروری بات ہو رہی ہے۔ ریسیور ماں کو تھما کر چلتی بنی۔ طارق نے ممانی کے ہیلو کے جواب میں لائن کاٹ دی اور تیزی سے کمرے سے باہر آ گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو بیل ہو اور ریسیور اُٹھانا ہی پڑ جائے۔

ارے میرا بیٹا۔۔۔

عمر کا والہانہ فیروزہ سے لپٹنا۔۔ فیروزہ کی ساری زندگی کا حاصل تھا۔

کیسے ہو میری جان۔۔۔؟ فیروزہ نے پے در پے اس کے رخساروں کے بوسے لیے۔

فائن۔۔ گڑیا کو بھی لائی ہیں آپ۔۔؟

یہ تو میرا تم سے وعدہ ہے۔۔ گل زرمینہ کے پاس ہے گڑیا وہ آ رہی ہے۔

ستارہ آنٹی بھی ہیں؟

ہاں۔۔ وہ بھلا عمر سے ملے بغیر رہ سکتی ہیں۔

محبتوں کا نور جب دلوں میں حلول ہوتا ہے تو ایک نورانی کیمیا کے عمل سے فولاد کی تاثیر

بن جاتا ہے۔یہی حال عمر کا ہوتا تھا جو فیروزہ پہچانتی تھی۔

اور میں نے تم سے کیا کہا تھا؟

عمر نے سوالیہ نظروں سے فیروزہ کو دیکھا۔

کہ آنٹی ختم۔تمہارے کامریڈز کیا کہیں گے، کیا سوچیں گے، کہ تمہاری ممی نہیں ہے، یا پھر پوچھیں گے کہ کہاں ہے؟

بھول گیا تھا۔عمر نے خفت بھری نظروں سے فیروزہ کو دیکھا۔

فیروزہ نے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے اور بوسہ دیا۔اب نہیں بھولنا۔

کبھی نہیں۔۔اور ویسے بھی ممی کی طرح ہیں آپ، کیونکہ رئیل ممی ہی ایسے پیار کرتی ہیں یا پھر عائشہ آنٹی۔

آپ جانتی ہیں عائشہ آنٹی کون ہیں؟اس نے معصومیت سے فیروزہ کو دیکھا۔

ہاں شاید ایک مرتبہ تم نے بتایا تو تھا۔

وہ پپا کی سسٹر ہیں۔جیسے گڑیا ہے نہ میری سسٹر۔اس نے بزرگوں کی طرح فیروزہ کو سمجھایا

۔

وہ بے ساختہ مسکرا دی۔۔مگر گڑیا تو تمہاری رئیل گڈ سسٹر نہیں ہے۔

عمر کا روشن چہرہ یک دم بجھ گیا۔۔ مگر میں اسے رئیل سمجھتا ہوں۔وہ آخر کہہ اٹھا۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے زندگی۔بہت پیارا دل بنایا ہے آنے تمہارا۔ہاں تو کیا کہہ رہے تھے عائشہ آنٹی؟

وہ بھی بہت پیار کرتی ہیں۔۔مجھ سے بھی اور بش۔

آ گئی گڑیا۔گل زرمینہ جلدی سے لے کر آؤ۔۔اتنی دیر لگا دی۔بھئی؟فیروزہ نے عجیب طرح کا شور مچا دیا۔عمر کی بات کٹ گئی۔یہی فیروزہ کا مقصود تھا۔

ستارہ اپنا پرس اور گڑیا کا سامان اٹھائے ہوئے تھی۔عمر نے لپک کر گل زرمینہ کے ہاتھ تھام کر مجبور کیا کہ وہ گڑیا کو اس کے مقابل کر دے۔

گل زرمینہ نے اپنے ہاتھوں میں تھامی گڑیا اس کے سامنے کر دی۔اس نے بہن کا رخسار چوم لیا۔

ویسے آنٹی گڑیا ریڈ red (سی ہو گئی ہے ناں۔

ہاں اسے سوات کی آب وہوا راس آ گئی ہے۔ستارہ مسکرائی اور عمر کی گردن میں اپنا بازو حمائل کر دیا۔ اور جگر پارے کیسے ہو؟

آپ مجھے جگر پارے نہ کہا کریں۔اس نے برا منایا۔

کیوں؟ دونوں بہنیں حیران ہوئیں۔

مجھے نمک پارے جیسا لگتا ہے۔دونوں اس کی بات پر ہنس پڑیں۔

دیکھا تارو میری زندگی کا اسٹائل آف ہیومر مزاح کا انداز۔فیروزہ تفاخر سے مسکرائی

۔

ایک عمر کیا ملا ہے روز تمہیں ، بات بات پر کریڈٹ لیتی ہو۔ستارہ نے سامان رکھ کر گڑیا کو لے لیا۔

تارو جی۔۔نعمت ملنا بڑی بات نہیں ہے ۔اس کی حفاظت کرنا اور اسے استعمال کرنا اصل کام ہے۔

ماں بنتے ہی فلاسفر ہو گئیں۔۔وہ ہنس دی۔عمر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

جب آپ دونوں بات کرتی ہیں تو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں مگر مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آتی۔وہ بے چارگی سے بولا۔

ویسے مجھے گڑیا بہت یاد آ رہی تھی۔

اور ہم نہیں۔۔؟فیروزہ ناراض ہو گئی۔۔تو عمر بھاگ کر اس سے لپٹ گیا۔

آنٹی۔۔۔

اوں۔۔ہوں۔۔پھر آنٹی۔۔؟

سوری ممی۔۔آپ مجھے بہت یاد آ رہی تھیں۔۔سچ۔۔وہ والی ممی تو کہا کرتی تھیں۔تم اب بڑے ہو گئے ہو۔۔الگ سویا کرو بالکل الون تنہا مگر آپ تو مجھے اپنے ساتھ سلاتی تھیں۔۔شروع میں تو مجھے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ممی آپ میرے ساتھ ہاسٹل میں رہ جائیں ناں۔

ایک آدمی تو رہ سکتا ہے ناں ممی۔۔؟

نہیں میری زندگی۔۔ہاسٹل میں صرف پڑھنے والے بچے اور ان کا خیال رکھنے والے ملازمین رہتے ہیں۔

بی بریو (bravebe) ڈارلنگ فیروزہ نے پیار سے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

جب وہ اس سے ملاقات کر کے واپس سوات آ رہی تھیں تو ستارہ نے شوخی سے فیروزہ سے کہا تھا۔

کتنی گریس فل نظر آ رہی تھیں تم روز جب عمر تمہیں ممی کہہ رہا تھا۔

فکر نہ کرو گڑیا بھی تمہیں ممی کہے گی ،تم بھی گریس فل نظر آؤ گی۔فیروزہ مطمئن سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔عجیب طرح کی طمانیت اور آسودگی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

ارے نہیں بابا۔۔مجھے کوئی ایسا شوق نہیں میں تو آپی کہلواؤں گی۔

پندرہ سال بعد یہ کیوٹ سی بے بی میری سسٹر ہو گی مجھ سے صرف پانچ سال چھوٹی۔

دونوں کا کھنکھناتا ہوا مشترکہ قہقہہ روانی سے دوڑتی گاڑی میں گونج کر رہ گیا تھا۔

ولایت علی شاہ کافی دیر سے اپنے بھائیں بھائیں کمرے میں اپنے جہازی سائز بیڈ پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ان کا ذہن کبھی اپنے گم شدہ بچوں کی طرف چلا جاتا کبھی روشن کی طرف۔۔

کبھی اس کی ماں کی طرف جو نہ جانے کہاں روپوش ہو چکی تھی۔انہوں نے اسپتال جا کر اسے جا لینا چاہا تھا مگر یہ سن کر مایوسی کی لہر ان کے وجود میں سرایت کر چکی تھی کہ وہ استعفےٰ دے کر

جا چکی ہے۔

کیسی ماں ہے یہ۔جس نے یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی کہ اس کی بیٹی پر کیا گزر رہی ہے۔بشر کا فون تو اس نے اٹینڈ کیا ہی تھا اور جان چکی تھی کہ بچے واپس آچکا ہے۔جس کی واپسی نے یقیناً اس کی بیٹی کے لیے مشکلات پیدا کی ہوں گی۔۔۔کہاں چلی گئی بڑھیا۔۔۔؟

انہوں نے کروٹ بدل کر سوچا۔۔

آہ۔روشن۔۔۔کاش تم یہ نہ کرتیں۔۔۔روشن کی دلفریب ادائیں اور اس کے پُرکشش وجود کا لمس انہیں پھر سے یاد آ گیا۔

اس کے گرم جوش اور والہانہ انداز جب انہیں سعودیہ میں یاد آتے تھے تو جی چاہتا تھا وہ اڑ کر پھر سے اس کے پہلو میں آباد ہو جائیں۔۔۔اس کی ذات ایک نشہ بن گئی تھی جس کے وہ عادی ہو چلے تھے۔انہوں نے پھر کروٹ بدلی۔۔۔اب ان کا ذہن ماؤف اور خالی ہو چکا تھا۔کمرے کا سناٹا پھر شدت سے محسوس ہونے لگا تھا۔

ایسی ہولناک تنہائیاں ایک بھرپور اور معاشی طور سے آسودہ انسان کا بڑا سخت امتحان ہوتی ہیں لیکن اب انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ بچے چند دن اور نہ ملے تو وہ قبل از وقت بوڑھے ہو جائیں گے۔اس لیے کہ انسان کے اعصاب اس کے جذبات کا ستون ہوتے ہیں۔

اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔

کیا ان سے ماضی میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا تھا۔۔؟

کہ اب وہ مکافاتِ عمل سے گزر رہے ہیں۔۔؟

اب انہوں نے اپنے ذہن کو احتساب پر لگا دیا۔

پھر بھی انہیں کوئی ایسی بات یاد نہ آئی جو انہیں مجرم ثابت کرتی ہو۔سوائے ایک غلطی کے کہ انہوں نے روشن پر اندھا اعتماد کیا تھا۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔۔۔فوراً ذہن بشر کی سمت چلا گیا۔ان کی تنہائی دور ہو سکتی ہے۔وہ اپنے بیٹے کو اپنے پاس سلا سکتے ہیں۔

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے وہ جو ایک نعمتِ غیر مترقبہ ان کے پاس ہے اسے تو اپنے سینے سے لگا کر رکھنا چاہیے ہر دم اس کے وجود کو محسوس کرنا چاہیے

وہ بشر کے کمرے میں چلے آئے کمرے میں ہلکی روشنی تھی معاً ان کا دل دھک سے رہ گیا بستر خالی تھا باتھ روم میں بھی مکمل خاموشی تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید پریشان ہوتے وہ اطالوی طرز کے دریچے سے جھانکتا نظر آ گیا

رات کے بارہ بج رہے ہیں یہ ابھی تک جاگ رہا ہے شاید اس کے معصوم ذہن میں بھی طوفانی جھکڑ چل رہے ہیں آہا کیسی انجان عمر اور کتنے بوڑھے صدمے ان کا کلیجہ کٹ گیا

وہاں کھڑے ہو کر کیا دیکھ رہے ہو میری جان؟ وہ اس کی سمت بڑھے

بشر چونک پڑا وہ ڈھیلا ڈھالا بلیک چیک کا نائٹ سوٹ پہنے ہوئے تھا پائجامہ بہت ہی اوپر تھا سفید سفید ننگی پنڈلیاں واضح تھیں چھوٹا سا معصوم سا ان کی ٹانگ کے برابر بچہ بہت

ویران اور تنہا سا نظر آیا

کچھ بھی نہیں پپا نیند نہیں آ رہی تھی

درد مشترک کے احساس سے وہ بری طرح بھیگ گئے اور اسے گود میں اٹھا لیا

میری روح، میری زندگی، آرام سے سویا کرو میں ہوں ناں تمہارے حصے کے دکھ اٹھانے کو، تمہاری نیند سے خالی آنکھیں مجھے وقت سے پہلے مار دیں گی جن کے پیار کرنے والے باپ ہوتے ہیں وہ بچے پریشان نہیں ہوتے میری جان انہوں نے اپنائیت کے اظہار کے ذریعے اسے ہلکا پھلکا کرنا چاہا تھا

اپنے حصے کی ساری پریشانیاں مجھے دیدو بیٹے میں تمہارا پپا ہوں، یہ سارا گھر تمہارا ہے اس میں موجود ہر چیز تمہاری ہے پریشان تو وہ ہوتے ہیں جو بے گھر ہوتے ہیں

جیسے عمر بھائی اور گڑیا؟ اس نے سادگی سے پوچھا

ولایت علی شاہ کو گویا کرنٹ لگ گیا بمشکل انہوں نے خود پر قابو پایا

پھر انہوں نے بشر کا رخسار چوم لیا

نہیں بیٹے یہ گھر ان دونوں کا بھی ہے وہ بے گھر نہیں ہیں وہ ہم سے ایک دن آ ملیں گے، ہنسیں گے، بولیں گے اور تمہارے ساتھ کھیلیں گے بہت سارے آنسو ان کے قلب پر گرے

کب؟ وہ بے چین ہوا

بہت جلد انشاءاللہ

آپ کو کیسے پتا ہے؟ وہ الجھا

میرا دل کہتا ہے وہ بمشکل بولے

کیا دل بھی کہتا ہے؟ وہ حد درجہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا

ہاں جب انسان سمجھدار ہو جاتا ہے تو وہ دل کی باتیں سمجھ لیتا ہے وہ آہستگی سے گویا ہوئے

اچھا، جب میں آپ جتنا بڑا ہو جاؤں گا تو میرا دل بھی کہا کرے گا؟

کیا؟ انہوں نے سوال کیا

کچھ بھی اس نے بڑی بزرگانہ سنجیدگی سے کہا

خدا تمہارا اقبال بلند کرے ہر آسودگی اور خوشی تمہیں ملے اور تمہارا دل تم سے اچھی اچھی باتیں کرے اور کوئی ملال، کوئی رنج تمہاری زندگی میں نہ آئے اور بہت اچھے اچھے کام کرو جب رات کو سونے کے لیے لیٹا کرو تو تمہارا دل تمہیں سپاس پیش کرے، پھر تمہیں میٹھی سی نیند آئے

وہ جانے کس رو میں بہہ گیے تھے بشر انہیں حیرانی سے دیکھ رہا تھا

آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی وہ الجھا

کوئی بات نہیں جو بات ایک بار سمجھ میں نہ آئے وہ بعد میں آ جاتی ہے وہ خیال کی دنیا

سے باہر آئے اور

بشر کے رخساروں کو اپنی انگلیوں سے آہستہ سے دبایا۔

اس کا مطلب ہے تم اپنے بہن بھائی کے بارے میں سوچ رہے تھے؟

جی۔۔اور ممی کے بارے میں بھی۔

ولایت علی شاہ ٹھٹک گئے۔

اور پپا میاں جی کے بارے میں بھی۔

مثلاً۔۔؟

بس ایسے ہی وہ مجھے یاد آرہے تھے۔

پپا۔۔

کہو میری جان۔۔

پپا۔۔آپ ممی کو نانی اماں کے پاس لے کر گئے تھے۔وہ آئیں کیوں نہیں؟ کیا وہ بیمار ہیں؟

نہیں۔۔وہ اختصار سے بولے دل تو چاہا بیٹے سے کہیں ہاں وہ ہوس، لالچ، خود غرضی کی بیماری میں مبتلا ہے۔۔مگر اس کی عمر اور سمجھ کے سبب چپ رہے۔

کیا وہ ایک گڑیا اور لینے گئی ہیں؟

پپا۔۔

ہاں بیٹے۔۔

پپا آپ ممی کو فون کر کے کہہ دیں۔۔وہ ایک گڑیا نہ لائیں بلکہ منا لائیں جیسے نومی کی ممی لائی تھیں۔۔پپا ممی منا لا سکتی ہیں ناں۔۔؟

ولایت علی شاہ کے سینے میں آگ دہک اٹھی۔وہ چپ رہے۔

ماحول سے بات کے تاثر کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔اگر یہی بات وہ بہت پہلے کہتا تو شاید وہ اور روشن ہنس ہنس کر دوہرے ہو جاتے۔

مگر اب اس کی یہی معصوم بات ان کے سینے کی آنچ بن رہی تھی۔

پپا ممی کب آئیں گی۔۔؟ وہ انہیں خاموش پا کر پھر بول پڑا۔

پتا نہیں۔۔چلو آؤ اب سو جاتے ہیں۔باقی باتیں پھر۔وہ اسے لے کر اپنے بیڈروم میں چلے آئے۔وہ باپ کے قطعی انداز پر چپ ہو گیا ورنہ سوالات کی تو فصل تیار تھی اس کے ذہن میں۔

اسے اپنے بستر پر لٹاتے ہوئے انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

بشر۔۔

جی پپا۔۔؟ وہ سیدھا چت لیٹا انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔اس کی سیاہ بھوزاسی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ ممی کہاں ہے۔تو کیا بولو گے۔۔

کہ پتا انہیں نانی اماں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔

نہیں۔۔ہاں۔۔یہی کہنا۔۔وہ اُلجھ کر دُرست ہوئے۔پھر بشر کے پہلو میں لیٹ گئے۔

اتنی شدید گرمی پڑ رہی تھی کہ وہ بلبلا کر باہر نکل آئی۔اندر چھت کا پنکھا تھا لیکن شاید پاکستان بننے سے قبل کا تھا۔اتنی زوردار آوازیں نکالتا تھا کہ مُردے جاگ جائیں۔رات کو تو وہ باہر والان میں آ جاتی تھی مگر دن میں بے کل بے کل پھرتی۔

مکمل قیدِ تنہائی تھی۔غلام محمد سوائے دن میں اندر کی طرف نہیں آتا۔گھریلو ضروریات کی تمام اشیائ پہلے دن سے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔

احاتے کے پار سرسبز گھنیرے درخت اس چلچلاتی عذاب ناک گرمی میں اس کے منہ میں پانی بھر دیتے تھے۔اس کا جی چاہتا وہ ان کی چھاؤں میں جا کر لیٹ جائے۔

ان کی ہوا سے ہلتی شاخوں اور پتوں سے ہوا کی لطافت کا اندازہ کرتی۔

آہ۔۔ایسی چلچلاتی دھوپ کا موسم اس نے ولایت علی شاہ کے دولت کدے میں کب دیکھا تھا۔۔وہ تو سہ پہر کی انتہا پر اٹھ کر غسل کرتی تھی اور پھر مغرب تک سرسبز لان میں بیٹھا کرتی تھی۔ٹھنڈے مشروبات نوش جان کرتی۔۔پھر رات کو لانگ ڈرائیو کرتی کھڑکیوں کے شیشے گرا کر۔۔رات کی ٹھنڈی ہوائیں اس کے وجود کو گدگدایا کرتیں۔

گرمی کے شدید موسم میں بھی اسے برسوں سے معلوم نہیں ہوا تھا اب اس شہر میں گرمی کیسی پڑتی ہے۔لائیٹ چلی جاتی۔ملازم جنریٹر چلا دیتے انہیں معلوم تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر پر وہ ان کی شامت لے آئے گی۔

میری ناسپاسی نے آج مجھے یہ دن دکھائے ہیں۔وہ منہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

جانے کب تک روتی رہی یہاں تک کہ نیم جان ہو گئی۔

ایک تو بلا کی گرمی۔

اس پر غیر حالت۔

اس پر جان بچانے والی دیوانگی غالب آ گئی۔وہ بمشکل پھاٹک تک آئی۔

بدقت تمام کھولا غلام محمد غالباً اندر ہی کہیں مصروف تھا۔

اس نے لکڑی کے بھاری بھرکم پٹ وا کیے۔

مالکن۔۔مالکن۔۔۔غلام محمد اوپر سے سرپٹ دوڑتا ہوا آیا اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

میں کہیں نہیں جا رہی غلام محمد۔ذرا سامنے درخت کے نیچے بیٹھوں گی غلام محمد۔یہ گرمی مجھے مار ڈالے گی۔وہ جیسے اپنے ہوش میں نہیں تھی۔

آپ کے کمرے میں تو پنکھا ہے بیگم صیبہ۔۔وہ حیران ہوا۔

روشن پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔اس طمطراق سے رہنے والی بیگم صاحبہ اپنے ملازم کے سامنے کس قدر ذلیل و رسوا تھی۔۔انہی ملازموں پر ہمیشہ حکومت کرنے کے اس نے خواب

دیکھے تھے اور یہ انہی خوابوں کا انجام تو تھا۔

وہ ہوا نہیں دیتا غلام محمد۔۔

اوہ۔۔آپ میرے کو پہلے بولتے بیگم صیبہ۔۔میں مالک سے کہہ کر۔۔۔

ارے خدارا۔۔ان سے تو تذکرہ بھی نہ کرنا ورنہ وہ تو یہ بھی اُتارنے کا حکم دے دیں گے ۔شاید ان کا دھیان نہیں گیا وگرنہ وہ تم سے اُتارنے کے لیے کہہ دیتے۔۔وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

مالک ایسے دل کے نہیں ہیں بیگم صیبہ غلام محمد وثوق سے بولا۔

ہائے دل اور مقدر بدلتے کب دیر لگتی ہے۔

اس کے سینے سے ہوک اُٹھی۔

میرے کو حکم نہیں ہے آپ اس گھر سے باہر نہیں جا سکتے بیگم صیبہ۔۔مالک کا کچھ پتا نہیں وہ کب آجائیں۔غلام محمد بے چارگی کے انداز میں گویا ہوا۔

غلام محمد۔۔اندر بہت گھٹن ہے۔۔پھر میں نے ایک روٹی بھی تو پکائی تھی تاں لکڑیوں کی آگ سے وہ حصہ اور گرم ہو گیا تھا۔

بیگم صیبہ۔۔غلام محمد نے کچھ توقف کیا پھر بولا۔

بیگم صیبہ۔۔روٹی تو میں آپ کو لا دیا کروں گا۔پر جب مالک آجائیں تو آپ پکا لینا۔ ان کے جانے کے بعد پھر سے روٹی آجایا کرے گی۔

آہ۔۔نوکر کے گھر سے روٹی

خدا کے واسطے بیگم صیبہ بس مالک کو پتا نہ لگے۔۔میں بڑا غریب آدمی ہوں۔

وہ کون سا مجھ سے بات کریں گے جو میں انہیں بتاؤں گی

غلام محمد۔۔

جی۔۔

تم میری روٹی کا انتظام کرو یا نہ کرو بس ایک کام ضرور کر دینا۔

آپ حکم کرو۔۔غلام محمد کی عاجزی پر اسے پھر رونا آ گیا۔

تم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔۔گڑیا اور عمر مل گئے ہیں یا نہیں؟

اگر میں اپنی آنکھوں سے اپنی بچی کو مرا ہوا دیکھ لیتی تو مجھے صبر آ جاتا۔۔اب نہیں آتا۔۔

غلام محمد کو ان دونوں بچوں کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا۔

آپ سے مالک اس واسطے غصہ کرتے ہیں؟ آپ نے تو بچے غائب نہیں کرے نہ۔۔؟

میں نے ہی غائب کیے ہیں۔۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ بچہ نہیں قیامت ہے۔۔وہ جیسے خود سے بولی۔

آپ نے غائب کیے ہیں تو آپ ان کا ٹھکانہ بتادو نہ۔۔کیوں مشکل میں پڑے ہوئے ہو آپ۔۔مارے تعجب کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

کیسی عورت ہے یہ

ویسے تو غلام محمد میں ہوں ہی اس سزا کے قابل۔۔ میں بھی تو شقی بن گئی تھی۔ وہ بھی تو معصوم بچہ تھا۔ اتنی عمر کے بچے تو تنہا کمروں میں ڈر جاتے ہیں کہاں وہ اندھیرا گھور جنگل بیاباں۔۔

میں سمجھا نہیں۔ وہ حیران ہوا۔ اسے یہ عورت قدم قدم پر حیران کر رہی تھی۔

کچھ نہیں غلام محمد۔ معاف کرنا میں آئندہ تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ میں بھول گئی تھی کہ میں سزا کاٹ رہی ہوں۔ سزا میں سکھ نہیں ہوتے۔

غلام محمد۔۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

حکم۔۔ وہ سراپا تسلیم تھا۔

اس گوٹھ میں اگر کوئی بہت ہی نیک انسان ہو تمہاری نظر میں اس سے دعا کرا دینا کہ بچے مل جائیں۔

آپ بھروسہ کرو۔ وہ پھاٹک بند کرنے لگا تھا۔

یہ دریہ کا جوڑا ہے، یہ سیٹ ہے۔ کیسا لگا تمہیں۔۔؟ تمہارے ابا جان تو کہہ رہے تھے کہ لاہور جا کر طارق کی پسند سے لے لینا۔ میں نے کہا اسے کیا تمیز ہے۔ اس نے کب خریدی ہیں ایسی چیزیں۔

میں کہہ رہا تھا اماں جان سے اب یہ پرانا زمانہ نہیں ہے۔ دریہ آپی کی پسند سے لے لیجیے گا۔ مانیں ہی نہیں۔۔۔ حسیب نے کہا۔

کچھ تو مجھے بھی اپنی پسند سے کرنے دو۔ ان کا لہجہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا۔ طارق کو پسینہ آ گیا۔

عثمان، ارمغان اور تمہاری امیہ پھوپھو چھ تاریخ کو ہی آئیں گے۔ ان کا موڈ پھر بدل چکا تھا۔ ان کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آیا۔

جیسے ہی حسیب کسی کام سے باہر نکلا۔

طارق نے ماں کے پاؤں چھو لیے۔ اماں جان خدارا یہ ظلم نہ کیجیے مجھ پر۔

بس اب ختم کرو یہ ڈرامہ۔ کہہ جو دیا۔۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔ تمہارے بھائی کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔۔ بڑا بھائی ہی نہیں بڑا انسان بھی ہے وہ اور ماشائی آ کس چیز کی کمی ہے اس میں۔ ایسا جوڑ اُتارا ہو گا آ نے عرش سے کہ وقت آنے پر زمانہ دیکھے گا۔ وہ تفاخر سے گویا ہوئیں۔

مت کرو اپنے جی کو ہلکان۔۔ کچھ نہیں ہوا۔ غیرت کا مطلب ہٹ دھرمی تو نہیں ہوتا طارق وہ کچھ ناراض ہوئیں۔

مجھے دریہ بالکل پسند نہیں۔ آپ جو چاہے قسم لے لیں۔ وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔

بیٹیں نہیں ہوئیں تمہارے ہاں اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہاری نظر میں دنیا کی لڑکیاں تماشہ بن جائیں۔ارے خدا کا خوف کرو طارق اس کے غضب سے ڈرو۔ اور خبر دار جواب ایک لفظ منہ سے نکالا۔

مجھ پر الزام لگایا گیا ہے۔آپ کو میری صفائی سننا پڑے گی۔ اگر آپ نے زبردستی کر بھی لی تو میں اسے طلاق دے دوں گا۔۔وہ مارے جذب کے اُٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

اتنا بڑا لفظ اتنا بھیانک لفظ جو اُن کے شریف خاندان کی سات پشتوں نے گالی سمجھا تھا یہ کل کا لڑکا۔۔۔

یہ تو تم نے ثابت کر دیا۔تم اخلاقی طور پر پس ماندہ، رشتوں کی نزاکتوں سے بے بہرہ ہو اب میری بھی سُن لو اگر دریہ کے سامنے پیچھے حاضر غائب تم نے کبھی یہ ناپاک لفظ منہ سے نکالا تو اپنے جنازے کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی اور مرتے دم تک دودھ نہیں بخشوں گی۔ دریہ میری بچی ہے میرا خون ہے۔

میں تمہاری صورت دیکھنے سے انکار کر سکتی ہوں مگر اس کی ہر غلطی معاف کر سکتی ہوں اس لیے کہ بیٹیاں شیشہ ہوتی ہیں کل کو باپ بنو گے تو پتا چلے گا۔

ان کا عمل تنفس بے ترتیب ہو چکا تھا۔

ہم تیری خوشی پوری کرنا چاہتے ہیں تو اپنا ایک جھوٹ چھپانے کی خاطر سو جھوٹ بول چکا ہے۔۔نہیں ہے ہمیں ضرورت تیری نام نہاد غیرت کی۔۔

سب تیری خوشی میں خوش ہیں۔ تیرے جیسے نصیب کس کے ہیں؟

میری بات کا یقین کر حلف اُٹھوا لے سب خوش ہیں۔ وہ عاجز آ گئیں تھیں۔

یہ میری خوشی۔۔

بس اب چپ ہو جاؤ اب اگر اس مسئلے پر ایک لفظ بھی بولے تو پھر سمجھنا میں تمہارے لیے مر گئی اور تم میرے لیے نہ میں تمہاری ماں نہ تم میرے بیٹے۔

وہ غضبناک ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔۔

طارق ساری جان سے کانپ گیا۔۔

وہ دنیا کی خاطر یہ جنت ٹھکرانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

اماں جان باہر نکل گئی تھیں وہ ویران نظروں سے سنہری کام کا شرارہ غوث دیکھ رہا تھا ۔بدنصیبی میں بھی اتنی چمک دمک ہوتی ہے۔۔ آخر اس قدر جلدی یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی اُسے وقت مل جاتا تو شاید وہ اپنی حقانیت ثابت بھی کر دیتا۔۔

حسیب اور فاروق اندر چلے آئے۔اس کا باطن شکستوں کا جال بُن چکا تھا۔وہ ان سے نظر چرا کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

فاروق بھائی۔۔نعرہ لگاؤ۔

چھوٹے بھائی دی وِنر (winnerthe

تیسرے نمبر پر ترتیب میں ہیں اور لک luck کے لحاظ سے پہلے نمبر پر۔۔ چھوٹے

بھائی کون سی گیتا پڑھتے ہیں۔۔یا کوئی منتر جنتر۔۔ہمیں بھی سکھا دیں۔ہم بھی تمہاری طرح کہلاتے آ ئیں گے۔

اسی دم اماں جان اندر آ گئیں۔کمرے میں نظر دوڑائی۔صورت حال بھی۔پھر سامان سوٹ کیس میں رکھنے لگیں۔

شور نہ کرو حسیب اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔وہ آہستگی سے بولیں۔

انہیں احساس تھا انسان اگر اپنی نظر میں مجرم ثابت ہو رہا ہو تو وہ دودھاری تلوار پر جل رہا ہوتا ہے۔

پھر وہ ضروری تیاریوں میں ایسی مصروف ہوئیں کہ اس سے بات کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔چھے تاریخ کی شام کو جب وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔تو۔

اس کی کیفیت ایسے جواری کی سی تھی جو اپنی آخری پونجی لٹا کر بے گھر تک ہو گیا ہو۔

اس کو عقل بھی تسلی دے رہی تھی کہ نقصان صرف خوابوں کا ہی تو ہوا ہے۔وہ معذور جاہل یا پسماندہ تو نہیں ہے۔مگر یہ گتھی بہر حال سلجھ کر نہیں دے رہی تھی کہ یہ سب کیوں کر ہوا۔

بھائی میاں کا سلوک اگرچہ اس کے ساتھ بلکل پہلے جیسا تھا۔مگر وہ عثمان اور ارمغان سے پہلے۔گویا بیوقت دولہا بن رہا ہے،ان کا حق مار رہا ہے،اس احساس نے مزید اس کی حالت دگر گوں کر دی تھی۔

سارے بھائی اظہار محبت کے طور پر اس کی ایک ایک چیز کا دھیان رکھ رہے تھے۔

عثمان اپنی سرخ ٹائی نکال کر لائے،اس کا میچنگ رومال بھی۔خود اس کی ٹائی کی ناٹ بنائی۔رومال کو خوبصورت شیپ دے کر اوپری جیب میں لگایا۔

ارمغان اپنی ایک پسندیدہ خوشبو لائے اسپرے کیا۔ایک مسحور کن مہک کمرے میں سرایت کر گئی۔

بھائی میاں،چھوٹے بھائی اتنے شرما سکتے ہیں۔میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔فاروق نے حیرانی ظاہر کی۔

عثمان نے قہقہہ لگا کر اسے گلے سے لگا لیا۔توڑ دیا یہ چپ کا روزہ۔انہوں نے اس کی پشت تھپتھپائی۔اس کا جگر پانی بن کر آنکھوں کی طرف دوڑا۔اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔وہ تو ارمغان نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

آج کے دن تمہاری خاموشی حیرت انگیز ہے۔پھر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولے۔

اپنی خوش قسمتی کا یقین نہیں آ رہا ہے۔

اماں جان اندر آئیں،ان کی ہنسی کی آوازیں وہ کافی دیر سے سن رہی تھیں ایک عجیب سے احساس مسرت وطمانیت نے انہیں آن گھیرا۔سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔

دیکھیں اماں جان چھوٹے بھائی کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔حسیب بولا۔

ماشاء اللہ وہ مسکرائیں۔

جاؤ دیکھو، فرقان وغیرہ تمہاری پھوپھی تایا کیا کر رہے ہیں کتنی دیر ہے ان کی تیاری میں، اور اپنے ابا جان کو بلا لاؤ نیچے سے۔

ماشاء اللہ بہت پیارا لگ رہا ہے میرا بیٹا۔ خدا اقبال بلند کرے۔ انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اس کی پیشانی پر ایک سچا بوسہ دیا۔

اس کی اصل دولت اور کائنات تو اس کے پاس موجود تھی۔ اسے قدرے سکون کا احساس ہوا۔

ابا جان، انیسہ پھوپھو کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

کہاں ہے آپ، بیٹے کو پیار کریں، دعا دیں۔ وہ اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولیں۔

ابا جان آگے بڑھے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ پشت تھپتھپائی۔

خوش رہو بیٹے۔

ہائے کیسا سونا سا دولہا لگ رہا ہے۔ وہ تو ہار ڈالیں گے ہی۔ آپ بھی کوئی ہار پھول اس کے گلے میں ڈالیں۔ انیسہ پھوپھو تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

یہ بالکل چپ ہے پھوپھو۔ اگر یہ منہ سے کہے کہ مجھے ہار پہناؤ تو پہنائیں گے۔ ارمغان بولے۔ سب

ہنس دیے۔

آ سکتا ہوں۔ فرقان نے دروازہ ناک کیا۔

آ جاؤ بیٹے یہاں کون پردہ کر رہا ہے۔ اماں جان بولیں

فرقان موٹے موٹے گلابوں کا ہار ہاتھوں میں لٹکائے اندر آ گیا۔ اور صادق خوشی سے جگمگاتے چہرے کے ساتھ آگے بڑھ کر طارق کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

فائق احمد کے بھائی بھابھی اور ایک دو ملنے والے بھی آ گئے۔

تین گاڑیوں میں بھر کر دلہن کے ہاں پہنچے۔

فوزیہ، ثوبیہ احسان صاحب، نور جہاں، دریہ کی چند سہیلیاں ان کے استقبال کے لئے موجود تھیں۔ طارق فلیش گنز کی روشنیوں میں نہا گیا مووی بھی بن رہی تھی۔

ہائے کیسا زوردار جوڑا ملا ہے دری کو۔ اس کی ایک دوست کو رشک آیا۔

ماشاءاللہ تو کہہ دیں ذرا آپی۔ ثوبیہ نے ٹوکا۔

ہائے میری پیرانی ماشاءاللہ۔ ہائے تو میرا تکیہ کلام ہے۔ اس نے ثوبیہ کے رخسار پر چٹکی بھری۔

بدل لیں اپنا تکیہ کلام، ورنہ کوئی اٹھا کر اسپتال میں ڈال آئے گا۔ یہ سوچ کر کہ شاید آپ تکلیف سے کراہ رہی ہیں۔

طاؤسی کلر کا کرتا شلوار اور ہم رنگ دوپٹہ پہنے وہ بہار کی علامت بن کر، اس کی جانب بڑھی اور ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔

موسٹ ویلکم سر۔ وہ جھک کر آداب بجا لائی۔ فلائق احمد نے خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طارق بنا دیکھے رسماً مسکرایا۔

وہ بدنظر بد باطن دل پھینک انسان نہیں تھا۔ زندگی کے اس موڑ پر اپنی آزادی رائے کا استعمال محدود کرنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ سو اس نے احتیاطاً اسے دیکھا بھی نہیں۔

عجب کشمکش میں وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

فلائق احمد کی منشاء کے مطابق احسان صاحب نے بہت ہی گنے چنے افراد کو مدعو کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی نکاح ہو گیا تھا۔ بعوض شرعی حق مہر۔ جبکہ عابدہ بیگم نے اپنے بھائی سے کہہ دیا تھا وہ جو چاہیں مہر لکھوالیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں۔

تب احسان صاحب نے بہن کو اپنے شانے سے لگا کر اپنائیت سے کہا تھا۔

ہمارے رشتے سچے ہیں قدرت نے ثابت کر دیا ہے۔ میں تم سے کوئی بھی تعلق قائم کروں وہ شک سے پاک ہوگا۔ ہمیں نیک امیدوں اور خواہشات سے اپنے بچوں کی نئی زندگی میں رنگ بھرنا چاہیئے۔ تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے، عابدہ، میں بہت خوش ہوں۔

عابدہ بیگم خوشی سے رو پڑی تھیں۔ اس عمر میں ان کا میکہ استحکام پکڑ رہا تھا۔ اور وہ بھی شکر گزار تھیں اپنے اللہ کی۔

نکاح کے بعد تصاویر و مووی بننے کا سلسلہ شروع ہوا۔

وہ سرخ مخملی صوفے پر تھوڑے ترچھے زاویے سے بیٹھا تھا۔ تمام لوگ اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ ساری زندگی بیفکری اور خوشی سے کاٹنے والے کے لئے آج کا دن اندھا موڑ تھا۔ اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ اس کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔

دلہن کی آمد کا غلغلہ ہوا۔ تو چند ثانیے کے لئے اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ اس نے نظر بھی نہیں اٹھائی۔

خوشبوؤں میں بسا پیکر اس کے پہلو میں آباد ہو گیا۔

تصاویر بنانے کا مرحلہ طے ہو رہا تھا ایک گروپ کی تیاری ہوئی تو اسے مزید آگے کھسک کر کچھ جگہ بنانا پڑی اس کے شانے سے دریہ کا شانہ پیوست ہو چکا تھا۔

اس کے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے۔ ثوبیہ اس کے دائیں پہلو میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اتنی حسین دلہن پہلو میں لئے بیٹھا تھا مگر عجب اذیت ناک احساسات سے دوچار تھا۔

آپ نے دلہن کا دوپٹہ دبا لیا ہے۔ اتنی سنجیدگی سے شرارت کرتے ہیں آپ دریہ کی ایک دوست نے شور مچایا۔

طارق فوراً اس طرح پیچھے ہٹا گویا ذرا دیر ہو گئی تو کوئی تعزیر مقرر ہو جائے گی۔ دوپٹہ واقعی خاصی مقدار میں دبائے بیٹھا تھا۔ اس نے دوپٹے پر بنے کام کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے

بہت احتیاط سے دوپٹہ ایک طرف کیا۔

طارق کے ہاتھ میں دریہ کا آنچل تھا اور ایک دلکش پوز کیمروں نے محفوظ کیا۔

اس نے آنچل دریہ کی جھولی میں ڈال کر آہستگی سے سوری کہا۔ مگر شریر لڑکیوں نے پھر بھی سن لیا۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا۔ زارا نے داد دی تو وہ خفیف سا ہو گیا۔

یہ حرکت پہلی بار کر رہے ہیں چھوٹے بھائی۔ اس لئے چپ ہیں ورنہ دیتے آپ کے سارے بدمزہ مذاقوں کا جواب۔

فاروق نے پوزیشن سنبھال لی۔

آپ کی تعریف زارا نے ٹھٹک کر پوچھا۔

سراپا تعریف ہی ہوں بس جو ملتا ہے تعریف ہی کرتا ہے۔ بندے کو جس نام سے چاہے پکار لیجئے۔ آپ نے سنا نہیں گلاب کو چاہے جس نام سے پکار۔

اللہ رے خوش فہمی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، خوش فہمی کا اجراء آپ سے ہی ہوا ہے۔ زارا نے اس کی بات کاٹ کر استہزائیہ کہا۔ بے ساختہ ہنسی کے فوارے چھوٹے تھے۔

جلدی جلدی نمٹئے اس مووی وغیرہ سے آپی کو سخت فلو ہے صبح سے۔ فوزیہ جو گھر کی اس اہم تقریب کی سپروائزر بنی ہوئی تھی ان کے نزدیک آ کر بولی تھی۔

طارق نے اب بلاکل غیر ارادی طور پر دریہ کی طرف نگاہ کی تھی۔

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اتنی فیشن ایبل لڑکی کا چہرہ اپنی زندگی کی اہم ترین تقریب کے موقع پر میک اپ سے بالکل پاک تھا۔ وہ ان کی طرف کا سنہری شرارہ سوٹ اور نازک سا سیٹ پہنے ہوئے تھی۔ شاید بس ہونٹوں پر بہت ہی ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک ہوئی تھی۔ مگر وہ جس روپ میں آج تھی ایسا روپ اس نے اس سے پیشتر نہیں دیکھا تھا۔

غور سے دیکھ لیجئے۔ وہی ہے، بدل کر نہیں لائے ہیں۔ ایک شوخ فقرہ اڑ کر اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ تھوڑا سا جھینپ گیا۔ مگر اپنی فطری خود اعتمادی کے سبب فوراً سنبھل گیا تھا۔

وہ ایک ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلائے بیٹھا تھا۔ اور دوسرا ہاتھ اپنے زانو پر رکھے۔ بہت دلکش زاویے سے بیٹھا تھا۔ اس کی نظر پراعتماد تھی اور نشست کا انداز شاہانہ تھا۔ اس کی ہر ہر ادا سے اس کی بھرپور مردانگی کا اظہار تھا وہ دیکھنے والوں کی نظروں سے بھرپور داد لے رہا تھا۔

زارا کو دریہ کی بیقراری کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی کہ یہ بڑا دبنگ مرد ہے۔ دریہ کو مٹھی میں دبا بیٹھا ہے۔ ورنہ کہاں دریہ جیسی اکل کھری اور کہاں یہ عاجزانہ انداز۔

زارا آپی۔ آپی کو کھڑا کرنا زرا۔ میں ان کی ایک مکمل تصویر بنانا چاہتی ہوں۔ فوزیہ اپنا کیمرہ لے کر آ کھڑی ہوئی۔

زارا نے فوراً عمل درآمد کیا۔ دریہ اب مکمل اس کے سامنے سروقد کھڑی تھی۔

وہ نظر نہیں بچا سکتا تھا۔ اب وہ مجبور تھا اپنے حق کو گناہ کی طرح استعمال کرے

تمام بزرگ حضرات۔

ڈائینگ ہال میں تھے نوجوان یہاں مصروف تھے۔

وہ کس قدر بھرپور لڑکی ہے۔

دلکشی میں ممتاز۔

لیکن کیا وجہ ہے وہ اس کے دل کو نہیں جیت سکی۔ (اب بھی نہیں)

اس کا ذہن ثوبیہ کی طرف چلا گیا۔ اپنے ضمیر کی ملامت سے بچنے کے لئے وہ اس درجہ محتاط ہوا کہ ثوبیہ کی جانب نگاہ ہی نہیں کی۔

اسی لمحے عثمان ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے۔

طارق کی ایک دم ان پر نظر پڑی تھی۔ چھن چھن چھناک۔ پھر کچھ اس کے مضبوط سینے کے اندر ٹوٹا تھا۔

رات تقریباً دو بجے کے بعد ہی وہ واپس ہوئے تھے۔

گاڑی ارمغان ڈرائیو کر رہے تھے۔ وہ بلکل چپ تھا۔ البتہ کسی موڑ پر گاڑی موڑنا ہوتی تو ہاتھ کی حرکت سے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہتا۔

بھائی صاحب ادھر۔

طارق تمہاری یہ خاموشی اور اداسی میرے لئے باعث حیرانی ہے۔ یار آج تو تمہیں بہت زیادہ خوش نظر آنا چاہیے تھا۔ وہ آخر کار کہہ بیٹھے۔

طارق ہونٹ کاٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

بیک سیٹ پر امیمہ پھوپھو، عابدہ بیگم اور ان کی جیٹھانی صاحبہ تشریف فرما تھیں۔ اس لئے ارمغان اپنے مخصوص انداز کے دھیمے پن کو مزید دھیما کر کے گفتگو کر رہے تھے۔

کوئی بات ہو گئی ہے۔

نہیں۔

پھر اس قدر خاموش کیوں ہو یار مجھے تمہارے اس انداز سے تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔

اس نے اپنے پیارے سے شفیق سے بھائی کا خلوص محسوس کیا۔ مگر چپ رہا۔

دریہ آخر تمہارا انتخاب ہے۔ اور بہت خوب ہے آج کی جدید ترین دنیا سے بلکل ہم آہنگ ہے۔ ہر لحاظ سے عمدہ لڑکی ہے۔ ہم سب بہت خوش ہیں۔

مت دیں مجھے بہلاوے۔ مت کریں مجھے بچوں کی طرح ڈیل۔ ان کی محبت ہو گئی قربانی ہو گئی، سرخروئی ہو گئی۔ میں کہیں کا نہیں رہا۔ اس کے لہو میں جوار بھاٹا اٹھا تھا۔

میں کوئی آسمان سے اتری مخلوق تو نہیں۔ یونان کے کسی کلاسیکی ڈرامے کا کردار تو نہیں۔ اس طرح پھانسا گیا ہے مجھے۔ جیسے اس روئے زمین پر اس گھرانے کو کوئی لڑکا ہی نہیں مل سکتا تھا۔

تباہ کر دیا مجھے۔

کوئی میری سننے کو تیار ہے نہ سمجھنے کو، یہ میرے گھرانے کے افراد، جان چھڑکنے والے۔

نیکیاں کر کے جنت ہتھیانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ ہونہہ۔

وہ بے غیرت نہیں ہو سکتے۔ مگر میں ہو سکتا ہوں۔

لعنت ہے ایسی شرمناک زندگی پر۔

خیر۔ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ میں حقیقت کا سراغ لگا کر، سامنے لا کر، اپنے آپ کو بیقصور ثابت کر کے ہی چین سے بیٹھوں گا۔

اور دریہ بیگم۔ معاف کرنا مجھے اچھا خاصا شک تم پر ہی ہے۔ کیونکہ میں نے خاصا ذہن دوڑایا ہے۔

اگر تمہارا قصور ہوگا تو پھر تم طارق احمد فاروقی کو دیکھنا۔

بہت روؤ گی۔ بہت پچھتاؤ گی۔ اپنے انتخاب پر۔

بہت منصف مزاج ہوں۔

جس طرح منصف، بے قصور کے لئے نرم گوشہ اور مجرم کے لئے قطعی سزا کا فیصلہ محفوظ کرتا ہے۔ وہ قطعی سزا۔

دریہ بیگم۔۔ جو تختہ دار تک بھی پہنچا دیتی ہے۔

وہ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مسلسل سوچوں میں غرق تھا۔ ارمغان نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

پیچھے خواتین باتوں میں بری طرح مصروف تھیں اور گاہے گاہے عابدہ بیگم کو یاد دلا رہی تھیں کہ وہ بہت خوش نصیب ہے۔ خوبصورت اور دولتمند بھتیجی ان کی بہو بن چکی ہے۔

وہ اماں جان کے تشکرانہ الفاظ سنتا رہا۔ سلگتا رہا۔

وہ پھر آئیں گے جی۔ کہہ کر گئے ہیں۔ خواجہ نے بتایا۔

ویسے تو انہوں نے بہت دیر کیا انتظار آپ کا۔ کہہ رہے تھے بڑی بی بی نہیں ہیں تو چھوٹی بی بی سے بات کرا دیں۔ کہہ رہے تھے بہت ضروری کام ہے۔

ہاں میں جانتی ہوں کیا ضروری کام ہے۔

تارو۔ کچھ کرو۔ پیچھے ہی پڑ گیا ہے وہ ہٹلر۔ فیروزہ بیزار کن انداز میں بولی۔

کیا کروں ستارہ بہت مگن سے انداز میں انگوٹھیاں اتار رہی تھی۔

ٹہلاؤ۔ خدا کے لئے۔ اور دیکھ لینا اب تمہارے پیچھے پڑے گا۔

پڑ جائے۔ اتنے سارے جو ہیں ان ہی میں کھپ جائے گا۔ ستارہ سروں میں ہنسی۔

مجھے تو سچی بات ہے رتی برابر شوق نہیں ہے ان فلموں ولموں میں کام کرنے کا۔

دیکھا تھا مہ پارہ کو۔ خبط الحواس ہو رہی ہے۔ تمہیں معلوم ہے میں انہیں کب سے جانتی ہوں

نہیں۔

ہاں تم کیسے جانتی ہو گی۔ ان دنوں میں ملتان میں تھی شاید نائنتھ میں۔ ایک دفعہ اماں مجھ سے ملنے آئیں تو یہ ان کے ساتھ تھی۔ بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے مگر وہ disown

کرچکا تھا۔ اس کی ماں کے عہد و پیمان تھے اس کے ساتھ۔ ان دنوں یہ اپنا بزنس شروع کرچکی تھی۔ فلموں میں کام کرتی تھی۔ مجھ سے تقریباً دس برس بڑی ہے۔ مگر نام سے مخاطب ہونا پسند کرتی ہے۔ دیکھا کس طرح ہٹلر کے سامنے ظاہر کررہی تھی کہ جیسے میری ہم عمر ہے۔ ہونہہ وہ تو شکر ہے میں خود ہی اس کام سے نفرت کرتی ہوں ورنہ یہ تو مجھے کہیں کا نہ رکھتی۔

ابھی وہ دونوں اپنے دورہ مری کے تذکرے کی طرف آئیں تھیں کہ خواجہ نے اطلاع دی کے مسٹریامین تشریف لے آئے ہیں۔

جاؤ تم ملو تارو۔ سچ میرا بلکل موڈ نہیں کہ اس کی شکل بھی دیکھوں۔ فیروزہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

کیا باتیں کروں ستارہ دروازے پر رک کر شریر انداز میں مسکائی۔

آگے تو مجھ سے پوچھ کر کرتی رہی ہو وہ بھی ہنس دی۔

میرے بارے میں اصرار کرے تو کہنا سو رہی ہوں، فلو ہے۔

ستارہ باہر نکل گئی۔

فیروزہ کو واقعی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ اسے پتہ بھی نہ چلا اور آنکھ لگ گئی۔ کئی گھنٹے وہ سیر ہو کر سوئی۔ پھر گل زرمینہ کے جگانے پر جاگی۔

نہا دھو کر باہر باغ میں آئی تو گڑیا گھاس پر بیٹھی بہت خوشی سے کھیل میں مگن تھی۔ ستارہ جانے کون سا باسی اخبار لئے بیٹھی تھی۔

شکر اٹھ گئیں۔ ستارہ اسے دیکھ کر بولی۔

تم بھی سو جاتیں تارو تھک گئی ہوگی۔

پروگرام یہ ہے کھانا کھا کر جلدی سو جاؤں گی۔

چلا گیا

کب کا۔ مجھے لاہور بلا گیا ہے۔

یعنی میرا خدشہ درست نکلا۔ فیروزہ مسکرا کر کین کی چیئر پر ڈھے گئی۔

ہائے سچ روز پیسے کے پیچھے لوگ دیوانے ہو رہے ہیں۔ کیا سیاست ہے ان لوگوں کی۔

پتہ ہے کیا کہہ رہا تھا آپ تو اپنی بہن سے زیادہ حسین ہیں۔ ستارہ نے ہنسی سے فضا میں کلکاریاں کیں۔

پھر تم کیا بولیں فیروزہ بھی ہنس رہی تھی۔

میں نے کہا ناں۔ فیروزہ بھی مجھے یہی کہتی ہے کہ میں اس سے بھی حسین ہوں۔

ہائے بیچارے کا پروگرام۔ وہ تو لڑانے کا منصوبہ مکمل کر چکا ہوگا۔ فیروزہ ہنسی۔ تو نے بہت زیادتی کی ڈارلنگ۔

نہیں میں نے اس پر کرم بھی کیا ہے۔ ستارہ شاہانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

وہ کیسے فیروزہ حیران ہوئی۔

میں اس کی فلم نادر شاہ میں کام کر رہی ہوں۔

ہائیں۔ فیروزہ کو کرنٹ سا لگا۔

پانچ لاکھ میں روز۔ اس ملک کی ہیروئن نمبر ون بھی تین لاکھ لیتی ہے۔

تمہیں شوق ہے کیا فلموں میں جانے کا فیروزہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

معاوضہ معقول دے رہا ہے۔ کامیاب ڈائریکٹر ہے۔ بس اس لئے ہامی بھر لی ہے۔

اور گڑیا

میں لاہور جا کر دھرنا مار کر تو نہیں بیٹھوں گی۔ وہ مجھے ڈیٹس دے گا ان ہی ڈیٹس کے مطابق لاہور جایا کروں گی۔

پانچ لاکھ اچھی خاصی رقم ہے روز۔ اس نے بغور بہن کا چہرہ دیکھا۔

ہاں۔ ہے تو سہی۔ فیروزہ نے گم صم سے انداز میں تائید کی۔

شاید اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ ستارہ نے اس سے اور اماں سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا۔ جبکہ ان کی ماں کو دونوں کی کس قدر فکر رہتی ہے۔

کب جاؤ گی لاہور۔

آئندہ جمعے کو۔

اور کیا کہہ رہا تھا غلام محمد ولایت علی شاہ نے اخبار پر نظر دوڑا کر منہ میں سگار دبایا۔

اور تو بس کچھ نہیں بولا۔ شاہ سائیں۔ ادھر گوٹھ میں گرمی بہت ہے ناں۔ اور پھر بے کار آدمی کو گرمی سردی زیادہ ہی لگتی ہے۔ اس واسطے نیا پنکھا۔

اسے بے کار بیٹھنے مت دو، غلام محمد سے کہنا۔ باہر سے کام لا دیا کرے صاف کرنے کے لئے۔ مصروف بھی ہو جائے گی اور رزق بھی حلال ہو جائے گا۔ انہوں نے جھٹکا دے کر اخبار سامنے واضح کر کے پھیلایا۔

کون پایا بشر باپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا، بہت سنجیدگی سے گوٹھ سے آئے ہوئے ملازم کی گزارشات سن رہا تھا۔

ولایت علی شاہ چونک پڑے۔ جاؤ بیٹا۔ اپنا ہوم ورک وغیرہ کرلو۔

بشر نے فوراً باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ مگر دروازے پر رک گیا اور بہت سوچتے ہوئے ملازم سے گویا ہوا۔

بچل تم نے گوٹھ میں عمر بھائی کو تو نہیں دیکھا۔ وہ بڑے ہیں گوٹھ کا راستہ انہیں پتہ ہو گا۔

نہیں بیٹے عمر گوٹھ میں نہیں ہے۔ میں خود گوٹھ گیا تھا۔ ان کا لہجہ پھر شکستہ ہو گیا۔

بچل۔

جی سائیں۔ وہ مؤدب ہو گیا۔

آئندہ احتیاط کرنا۔ اس کا تذکرہ بچوں کے سامنے نہ ہو۔

بہتر سائیں۔

تو پھر میں کہہ دوں غلام محمد سے کہ پنکھا نہیں۔

ہاں۔ ہاں۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ کر بولے۔ اور مزید کہا۔ کم ظرف اور

ناشکرے محروم ہی رہیں تو زمین پر بسنے والے دوسرے انسانوں کے لئے بہتر ہے۔

آپ بہتر جانتے ہو سائیں۔ پھر میرے کو اجازت سائیں۔

نہیں نہیں اب کھانا کھا کر جانا۔ راستہ لمبا ہے۔

انہوں نے ملازم کو آواز دی۔ وہ آیا تو حکم دیا کہ بچل کو کھانا کھلایا جائے۔

شام کے سات بجے تھے، وہ اتنی جلدی کھانا نہیں کھاتے تھے۔

بچل کمرے سے نکلا تو ملازم واپس آ گیا۔ یہ بتانے کے مہمان آئے ہیں۔

کون۔

پتا نہیں صاحب۔ دو آدمی ہیں۔

یہیں لے آؤ۔ وہ منتظر بیٹھ گئے۔ مہمان اندر داخل ہوئے۔ اور آناً فاناً ان کا پرسکون چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا تھا۔

میاں صاحب۔ آپ۔

السلام علیکم۔ انہوں نے حقیقی مسرت سے معمور جذبات میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔

وعلیکم السلام اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ انہوں نے ولایت علی کا شانہ آہستگی سے تھپتھپایا۔

ولایت علی شاہ ممتاز لاشاری کی طرف متوجہ ہوئے تو اسے کشادہ بازو کے توجہ کا منتظر پایا۔

وہ اس سے بہت خلوص سے بغلگیر ملے۔

آپ لوگوں نے تو حیران کر دیا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ آپ بھی کبھی میرے غریب خانے پر تشریف لائیں گے۔

کتنے عرصے بعد ولایت علی شاہ کے وجود سے سچی مسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ انتہائی ادب و احترام سے میاں صاحب کو آرام دہ نشست کی جانب لائے اور ساتھ ہی لاشاری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میاں صاحب کے ہاتھ محبت سے تھام کر ان کے برابر ہی بیٹھ گئے۔

آپ یقین کریں میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے، آپ کو سامنے پا کر۔

یہ تمہاری محبت اور مہربانی ہے ولایت علی۔ میں تو گزشتہ کئی ہفتوں سے تمہارے شہر میں ہوں۔ آنکھوں کے آپریشن کے لیے آیا ہوا تھا۔ میں تو وہیں حیدرآباد میں علاج کرانا چاہتا تھا۔ سکھر میں بھی اچھا علاج ہوتا ہے۔ مگر لاشاری نہیں مانا، کہنے لگا، کراچی میں آنکھوں کا ایک ماہر ڈاکٹر ہے۔ بہت صاف آپریشن کرتا ہے۔ آنکھوں کا معاملہ ہے۔

لاشاری نے بہت اچھا کیا میاں صاحب، آنکھیں تو بہت اہم ضرورت ہیں۔ اگر یہ خراب ہو جائیں تو زندگی میں بہت مشکلات آ سکتی ہیں۔

ہاں ولایت علی درست ہے مگر دل کی آنکھ خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں، میں اس سے بصیرت کا نور طلب کرتا ہوں۔ میں اس کا ہوں ولایت علی۔ اس سے زیادہ میرا کوئی خیال نہیں کر سکتا۔ میں اس کی چیز ہوں۔ اس کی ذمہ داری ہوں۔

ان کے لہجے کے بھروسے تیقن و توکل نے ولایت علی شاہ کو پھر اس سائبان کے نیچے لا

کھڑا کیا۔ جہاں ان دیکھی تجلیوں کے لطف تھے۔

وہ گنگ سے بیٹھے رہ گئے۔

ہمارا خوش بخت کہاں ہے ولایت علی جس کو دیکھ کر جانے کتنے جذبوں کی تجدید ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر سچائی کی سمجھ آتی ہے۔ تم نے تو اس کی صورت کو ترسا دیا۔ تم سے شکایت ہے۔

میں بہت شرمندہ ہوں میاں صاحب۔ آپ میرا یقین کریں وہاں سے واپسی کے بعد میں بہت سے مسائل میں گھر گیا تھا۔

مسائل تو زندگی ہیں ولایت علی، اگر تمہیں ایک بستر پر لٹا دیا جائے۔ اور تمہارے ذہن کو ہر چیز سے بیخبر کر دیا جائے۔ تو تم کتنا عرصہ اس حالت میں رہ سکو گے مسائل تو انسان کو اس کی حقیقت سمجھانے کا بہانہ ہیں۔ مسائل کھوج پر اکساتے ہیں، کھوج علم ہے اور علم وہ راستہ ہے۔ جو عرش سے وابستہ ہے۔ بس اپنے رب کو ذہن سے محو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو زندگی کے رنگ ہیں۔

آپ درست فرما رہے ہیں میاں صاحب، مگر بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جو زندگی دوبھر کر دیتے ہیں۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

اللہ رحمان ہے ولایت علی یقین کرو۔ وہ زندگی دوبھر نہیں کر سکتا۔ جو پریشان ہو جاتے ہیں وہ اپنی ذات کی گہرائیوں اور وسعتوں سے بیخبر ہوتے ہیں۔ خدا تمہیں علم سے نوازے

ولایت علی، تمہاری مشکلات آسان کرے۔ ذرا اسے بلاؤ تو۔

ولایت علی نے ملازم کو آواز دی وہ فوراً ہی حاضر ہو گیا۔

بشر کو بلاؤ اور ہاں دیکھو، یہ ہمارے معزز مہمان ہیں ان کی تواضع کا بندوبست کرو۔

سائیں۔ تکلف نہیں۔ لاشاری قدرے شرمندہ نظر آیا۔

ایسے نہ کہیں لاشاری میں بھلا کس طرح آپ لوگوں کے کام آؤں، خوشی دوں۔ آپ کی خدمت کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے روم روم سے جذبہ خلوص ہویدا تھا۔

اسی دم بشر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر اور مسرت ایک ساتھ ظاہر ہوئے۔ وہ بھاگ کر میاں صاحب سے لپٹ گیا۔

اسلام علیکم میاں صاحب

اسلام علیکم، لاشاری انکل لاشاری مسکرا دیا اور میاں صاحب نے بہت محبت سے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

جب اللہ نے خیال کیا میں بنی نوع انسان کو اصلی اور پاکیزہ خوشی عطا کروں تو اس نے ہمیں پھول سے بچے عطا کر کے ہمارے سینوں کو گداز کر دیا۔ میاں صاحب پر ایک جذب کی کیفیت طاری تھی۔

جی میاں صاحب مگر یہ گداز دہکتی ہوئی آگ بھی تو ہے۔ ولایت علی شاہ کے سینے سے ہوک اٹھی۔

یہ اپنی اپنی سمجھ ہے ولایت علی۔ یہ ہماری ملکیت نہیں ہیں۔ ہم تو امانت دار ہیں صرف۔

آپ کہاں تھے میاں صاحب میں نے پپا کو بتا دیا تھا کہ مجھے میاں صاحب یاد آتے ہیں۔ بشر اب ان کی آغوش میں مزے سے بیٹھا تھا۔

تیری پیشانی پر خوش بختی کی مہر ہے۔ مگر یہ میری خوش بختی ہے کہ تو نے مجھے یاد کیا۔

انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔

میاں صاحب اب آپ میرے ساتھ رہیں گے ناں بشر سیاہ پینٹ اور گلابی شرٹ میں بہار کی اولین علامت محسوس ہو رہا تھا۔

ولایت علی شاہ نے اپنے بچے کے حسن کو معصومیت اور سادگی کو ٹوٹ کر محسوس کیا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا۔ ان کا دل یکبارگی پھر کانپا اور نئے سرے سے نفرت کے شعلے اپنے وجود میں بھڑکتے محسوس کیے۔

مجرم کو اگر سزا نہ دی جائے تو لوگ درس عبرت کہاں سے حاصل کریں۔

انہوں نے ایک بار پھر اپنے کو برحق ثابت کیا۔

آپ نہیں رہیں گے میاں صاحب

یہ تو تم جانتے ہو ولایت علی میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ بچوں جیسا اصرار مجھ سے دل شکنی کا گناہ نہ کراؤ۔ گوٹھ میں بچوں کو میری ضرورت ہے۔

میاں صاحب میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

تم ہم سے محبت کرنے لگے ہو ولایت علی۔ بھلا اس سے بڑھ کر ایک انسان دوسرے انسان کی خدمت کر سکتا ہے۔ وہ شفقت سے مسکرائے۔

ولایت علی کی یہاں بیدست و پا ہو جاتی تھی۔ ان کی فصاحت و بلاغت، کم مائیگی کی قبا اوڑھ لپیٹ کر بیٹھ جاتی تھی۔

پھر بھی میاں صاحب چند دن تو رہیں۔

میں چند دن کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ رات بھر کے لئے البتہ ٹھہر جاتا ہوں تمہاری خوشی کی خاطر۔ مگر مجھے ایسی جگہ دینا رات گزارنے کے لیے جہاں مجھ سے نزدیک دوسرا نہ ہو۔ بوڑھا ہوں رات کو نیند نہیں آتی، عبادت تو بہانہ ہے۔ میری کیا حیثیت۔ میں بھلا اس کی قدرت میں کیا اضافہ کر سکتا ہوں، میری عبادت میری اپنی غرض ہے۔ میں نہیں چاہتا میری کھٹر پٹر سے دوسرے لوگ پریشان ہوں۔ جن کو نیند آتی ہو سونا اس کے جسم کا حق ہے۔

آپ فکر نہ کریں میاں صاحب میں کسی ملازم کو آپ کے ساتھ۔۔

ملازم سارا دن کام کرتا ہے۔ اسے رات کی میٹھی نیند سے محروم نہ کرنا۔ اللہ رحمان ہے۔ اسے اپنی مخلوق سے بہت پیار ہے۔ جو اس کی مخلوق کا خیال نہیں کرتا وہ اپنا ہر اجر ضائع کرتا ہے۔ رات آرام کے لیے ہے ملازمت ان کی مجبوری ہے اور آرام ان کا حق ہے۔

اللہ رحمان ہے۔ میاں صاحب رحیم بھی تو ہے۔ قاری صاحب نے بتایا تھا۔ بشر بہت غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ایک دم کہہ اٹھا۔

قاری صاحب ٹھیک کہتے ہیں بیٹا اشاری مسکرایا۔

ولایت علی شاہ بھی مسکرا دیے۔

اس کے معصوم ہونٹوں سے، زبان سے اپنی حمد سن کر تو قدرت بھی مسکرائی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے۔ میاں صاحب بھی شفقت سے مسکرائے۔

ولایت علی شاہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ذات کے عرفان کا آموختہ پڑھ رہے ہوں۔ وہ اولین درس جسے آج کا انسان گام گام پر بھلا دیتا ہے۔

بھائی میاں۔ اور تو سب ٹھیک ہے، بس آپ کو ذرا سی پریشانی ہوگی۔ فاروق نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔ عثمان نے مسکرا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

جب آپ کہیں گے میری طرف دیکھو۔ تو وہ دیوار کی طرف دیکھتی نظر آئیں گی، اور کیوں کہ آپ دیوار نہیں ہیں، اس لئے آپ کو غصہ آ جایا کرے گا۔

ارے خدا نہ کرے، ایسی ہرنی جیسی آنکھیں ہیں۔

اور جب وہ ہمارے گھر آ جائیں گی تو وہی ہرنی جیسی آنکھیں آپ کو بھینس کے دیدے لگیں گی۔ حبیب اشیائے خورد و نوش کی چیزیں لے کر داخل ہوا۔

تُو تو اپنی تان الگ ہی اٹھایا کر حبیب۔ اماں جان مسکرا دیں۔

میں انشاءاللہ ایسی ساس نہیں بنوں گی کہ اپنی بہوؤں کو عاجز کر دوں۔ تمہاری دادی مرتے دم تک مجھ سے خوش تھیں اور انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ اماں جان اطمینان سے بولیں۔

دادی جان بیچاری تو چلی گئیں۔ اب تو آپ جو چاہے کہہ لیں۔ فاروق شریر ہوا۔

اللہ رکھے تمہاری پھوپھی موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لینا۔ کس طرح ہاتھوں پہ اٹھائے پھرتی ہیں مجھے۔ اگر ان کی اماں سے بری بن گئی ہوتی تو کیا وہ آج مجھ سے اس طرح محبت کرتیں۔

چھوڑیں اماں جان۔ منہ پر تو سب ہی کرتے ہیں۔ فاروق عثمان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

ارے اتنا میرے کام آئی ہے انیسہ، اپنی خوشی سے کہ میں اس کا احسان نہیں اتار سکتی۔ اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ کیا تعریف کروں اس کی۔ وہ تصورات میں کھو گئیں۔

اہرام مصر سے بھی بڑا عجوبہ۔ ارمغان بھی اپنے کمرے سے نکل کر ان کے پاس آ گئے تھے۔ عثمان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

اے لو تمہیں بھی تو ہوا لگ گئی۔ گویا طارق کی کمی پوری کرو گے۔ بیٹے جو جیسا ہوتا ہے اسے ویسا ہی کہا جاتا ہے۔

کیا پروگریس ہے اماں جان یہ بتائیں۔

اچھی ہی پروگریس ہے۔ وہ بھی اسی لہجے میں بولیں۔ کہہ رہے تھے ہمارے ہاں منگنی نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک ماہ میں شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جو میرے خدشات تھے محض وہم ہی

نکلے۔ لڑکی امریکہ میں پلی بڑھی ضرور ہے مگر اس کی ماں نے مکمل مشرقی انداز میں تربیت کی ہے۔ میں تو حیران رہ گئی تھی جب پہلی بار دیکھا تھا۔

کیا شامیانہ ٹوپی والا برقعہ پہن کر آئی تھیں مارے شرم کے۔

حسیب بہت توجہ سے ماں کی بات سن رہا تھا بیچ میں بول پڑا۔

پھر بیچ میں بولا۔ وہ ناراض ہوئیں۔

شامیانہ کیوں پہن کر آتی۔ اس کی نظر بتا رہی تھی عورت کی حیا و شرم کا اندازہ تو اس کی نظر سے ہوتا ہے۔ اتنی باحیا اور باوقار لڑکی ہے کہ کیا بتاؤں۔ اللہ نے میری سن لی ہے۔ ارمغان کیلیے بھی پرسوں تمہاری پھوپھی کے ساتھ جاؤں گی۔ تین بتائی ہیں اب دیکھو۔

یہ کہاں کا انصاف ہے، کسی کو ایک اور کسی کو تین تین۔ عثمان نے بہت شریر سے انداز میں ارمغان کو چھیڑا۔ وہ اپنی فطرت کے بموجب ماں کی موجودگی محسوس کر کے جھینپ سے گئے۔

ویسے جب اسلام میں داخل ہیں تو کیوں نہ پورے داخل ہوں۔ کم از کم چار۔ حسیب نے بہت احتیاط سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اے لو یہاں ایک ڈھونڈنا مشکل ہو گئی، یہ چلا ہے پورا مسلمان ہونے۔ کوئی درختوں میں لگ رہی ہیں لڑکیاں خدا کرے ان تینوں میں سے کوئی ایک میرے بیٹے کا نجوگ ہو۔ تم دونوں کی دلہنیں آجائیں تو میرا بھی بوجھ کم ہو گا۔ باقی تینوں کا انتظام تو پھر وہ دونوں ہی کریں گی۔

کیا دونوں کی شادیاں ایک ساتھ کریں گی۔

ہاں تو اور کیا۔ باراتیں مختلف دنوں میں لے جائیں گے۔ ولیمہ ہفتے بعد ایک ہی دن کر لیں گے۔

داد دیتا ہوں آپ کی کفایت شعاری کی۔ ایک کھانے میں دو ولیمے۔ فاروق نے بھرپور داد دینے کا اسٹائل اپنایا۔

اب کوئی کچھ بھی سمجھ لے۔ دونوں کی عمروں میں صرف ڈیڑھ برس ہی کا تو فرق ہے۔ میں جلد از جلد ان کے گھر بسانا چاہتی ہوں۔ فرض ہے میرا۔

یہ لیجیے بھائی صاحب تو ڈیڑھ برس بعد آ کر بھی مزے میں رہے۔ فاروق نے بے ساختہ انداز میں کہا۔

ان سے زیادہ مزے میں تو وہ رہے جو تیسرے نمبر پر ہیں۔ پانچ سالوں کا فاصلہ ہے ان کے اور بھائی میاں کے درمیان۔

حسیب نے اپنی عادت کے مطابق اپنی سادہ لوحی کی روایت برقرار رکھی۔

اماں جان نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر عثمان کو دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہے تھے۔ ان کا دل قدرے مطمئن ہوا۔ اب تو وہ زیادہ شدت سے چاہتی تھیں کہ ان کے لیے کسی بہترین لڑکی کا انتخاب کر لیں۔

میں سوچ رہی ہوں اگر مہینے ڈیڑھ مہینے میں شادی کرنا پڑ گئی تو طارق زیادہ دنوں کے

لیے نہیں آسکے گا۔نئی نئی ملازمت ہے۔وہ فکر مندسی نظر آئیں۔

جی امی جان۔۔۔اگر چھوٹے بھائی نہیں آئے تو بالکل مزہ نہیں آئے گا۔فاروق نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

ویسے ہی اس کے بغیر مجھے سونا پن محسوس ہوتا ہے۔صبح کی نماز پڑھتے ہی میرا بھیجہ کھا جاتا تھا۔باورچی خانے میں آکر۔بعض اوقات میں یوں ہی لیٹ جاتی تھی تھک کر،تو پریشان ہو جاتا تھا۔فوراً میرا سر دبانے بیٹھ جاتا تھا۔ایک تو اس کی ہڈی کو چین ہے نہ زبان کو۔۔۔تمہارے ابا جان بھی بہت کمی محسوس کرتے ہیں۔وہ افسردہ ہوگئیں۔

جی اماں جان شرارتی تو وہ شروع ہی سے ہے۔ارمغان کو تو بہت پریشان کرتا تھا وہ اسکول جاتے ہوئے۔عثمان مسکرائے۔تب ارمغان بھی بولے۔

ویسے اماں جان وہ خاصا تصوراتی سا ہے۔جانے کیا کیا سوچا کرتا تھا۔۔۔اس وقت وہ شاید چھ سات سال کا تھا۔میں رات کو لیٹا ہوا پڑھ رہا تھا۔میرے پاس آکر چپکے سے بولا۔

بھائی صاحب آئیں اماں جان کو ڈراتے ہیں۔میں ترنگا ڈاکو بنتا ہوں اور آپ اڑنگا ڈاکو۔

میں نے کہا یار میں تو ویسے بھی اڑتے ہوئے ڈرتا ہوں اور ویسے بھی ڈاکو چھ فٹ کے ہوں تو سوٹ کرتے ہیں۔اماں جان الٹا ہمیں ڈرا دیں گی۔

تو وہ منہ بسور کر بولا تھا پتا نہیں بچے چھ فٹ کے کیوں نہیں ہوتے۔

اماں جان ہنس پڑیں۔تم چاروں ایک طرف اور وہ اکیلا دوسری طرف تھا۔

اماں جان اگر چھوٹے بھائی نہیں آئے تو میں بہت بور ہوں گا۔۔۔ہمارے گھر کی پہلی خوشی ہے۔فاروق اداس ہوا۔

دوسری۔حبیب نے حسب روایت تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

اماں جان ایک ثانیے کو خاموش سی ہو گئیں پھر بولیں۔

خوشی تو خوشی ہوتی ہے۔۔۔نہ دوسری نہ پہلی۔۔۔چھٹی تو خیر وہ لے گا مگر شاید زیادہ دنوں کیلیے نہ ملے۔میں تو خدا سے چاہتی ہوں جلد از جلد ان دونوں کی شادی ہو جائے۔طارق بھی تو میرا بچہ ہے آخر اس کے نکاح کے بعد نہ جانے سب کیا عجیب سا محسوس کر رہے ہیں۔بس ایک کمی ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے۔کچھ بھی سہی میرے بچے کی خوشی ہے

وہ خاموش سی ہو کر اٹھ گئیں۔اب یہ حبیب اور فاروق بچے ہی تو ہیں مگر یہ تک گھر میں دریہ کا زکر تک کر رہے پتا نہیں ان سب کے ذہنوں میں کیا ہے۔

محبت مجبوری نہیں ہو سکتی اور نہ ہوتی ہے،جو مجبوری کا بہانہ کرتے ہیں ان کی فراست ناقص ہوتی ہے یا وہ راستہ بدلنے کا بہانہ چاہتے ہیں۔

جس طرح خوشبو پابند نہیں ہوتی۔

جس طرح اس کائنات کی وسعت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس طرح محبت کی حد نہیں بنائی جا سکتی۔

جسم ایک دوسرے کو چھونے سے مجبور ہو سکتے ہیں۔

مگر محبت کے ساتھ مجبوری کا لفظ محبت کی توہین ہے۔

محبت آدمی تنہا ہی تو کرتا ہے۔

ایک دوسرے کو چھو کر محسوس کرنے کا عمل تو بہت مختصر، بہت محدود ہوتا ہے۔

جبکہ محبت تو ہر پہر کے ہر لمحے پر حاوی ہوتی ہے۔

اس کا کوئی وقت نہیں ہے۔

کوئی دورانیہ نہیں ہے۔

یہ تو کل وقتی مشقت ہے۔

محبت خوشی دیتی ہے اور جب آدمی خوش ہو تو وہ ہر کام توجہ سے، دل لگا کر کرتا ہے۔ کام سنورتے ہیں اور یوں محبت ہر شے سنوار دیتی ہے، نکھار دیتی ہے۔

محبت اس کائنات کی آرائش ہے۔ مجبوری نہیں ہے۔

مجبوری ہے۔ مجبوری ہے۔ وہ وحشت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ معاشرتی گروہوں میں تقسیم ہے۔ اور ہر گروہ اپنا ذاتی نقطہ نظر رکھتا ہے۔ اور فرد چاہے کسی بھی معاشرتی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اسے معاشرہ اپنے قائم کردہ اصولوں کے تسلط میں رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات تو صورت حال اتنی نازک ہو جاتی ہے کہ انسان کو از خود اپنی سوچوں پر پہرے بٹھانے پڑتے ہیں۔

جیسے اب میں تمہیں سوچ بھی نہیں سکتا۔

محبت خوشبو ہے اور خوشبو پابند نہیں ہوتی مگر اس کا جوہر محفوظ کیا جا سکتا ہے اور جب اس مہک کی طلب ہوتی ہے تو ایک قطرہ استعمال سے کسی نہ کسی طلب کی تسکین ہو سکتی ہے۔ میں تمہاری مہک کا جوہر اپنے مقدر کی ایرٹائیٹ بوتل میں محفوظ کر رہا ہوں۔

مجھے اب اپنے پہ اعتبار نہیں۔ کیا خبر کب اس مہک کی طلب ہو جائے۔ تمہیں سوچنے سے مجبور ہو چکا ہوں مگر۔ محفوظ کر رہا ہوں۔

جس نے مجھے ان حالات سے دوچار کیا ہے۔ میں اس کے سارے عزائم خاک میں ملا دوں گا۔ میں حالات سے لڑنے کا عزم کر چکا ہوں، ہتھیار نہیں ڈالنے ہیں۔ وہ کب سے کام چھوڑ کر سر تھامے بیٹھا تھا۔

فون کی گھنٹی بہت زور سے چیخی تھی یا اسے محسوس ہوا تھا۔ اس نے طوعاً کرہاً ریسیور اٹھایا دوسری طرف نور جہان تھیں۔

السلام علیکم وہ ہونٹ کاٹ کر بولا۔ اور واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وعلیکم السلام وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھیں۔ نکاح کے بعد وہ پہلی مرتبہ ان سے ہمکلام ہو رہا تھا۔

طارق مائی سن، فوراً آ جاؤ۔

وہ ٹھٹھکا۔ خیریت

تمہارے ماموں کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں، تم تو جانتے ہو، دریہ کی پوری ننھیال کیلی فورنیا میں سیٹل ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ پلیز۔

وہ عابدہ بیگم اور فائق احمد کا بیٹا تھا۔ وہ ان کی مٹی کا حصہ تھا۔ مٹی تاثیر سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔

یہ مٹی کی مجبوری ہے۔

آپ فکر مند نہ ہوں، میں آ رہا ہوں۔ اس نے تسلی دی۔ پھر عمارت کے نچلے حصے میں موجود فرقان سے رابطہ قائم کیا۔

اپنی گاڑی کی چابی بھجوا دو، ویسے تو میں آف ہو چکا ہوں مگر گھر نہیں جا رہا ہوں۔ کہیں ضروری جانا ہے۔ پلیز ذرا جلدی تم ذرا آج دفتر کی گاڑی استعمال کر لینا شکریہ۔

چند منٹوں بعد ہی چپراسی فرقان کی گاڑی کی چابی لے کر چلا آیا۔ وہ ذرا تاخیر کیے بغیر ممانی جان کے بتائے ہوئے ہاسپٹل کی سمت روانہ ہو گیا۔

دریہ، فوزیہ اور ثوبیہ اپنی ماں کے ساتھ برآمدے ہی میں مل گئیں۔

تھینک گاڈ تم آ گئے۔

وہ بولی تھیں احسان صاحب انتہائی نگہداشت میں تھے۔ نور جہان وقفے وقفے سے رونے بیٹھ جاتی تھیں اور ثوبیہ بھی شیر کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ دریہ اور فوزیہ بہت حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

آپ لوگ ایسا کریں، گھر چلی جائیں۔ میں یہاں ہوں آپ فکر نہ کریں۔

فوزی سنبھالو یار۔ مردوں والے کام کرتی ہو، آج تو تمہاری ضرورت ہے بلکہ تمہارا امتحان ہے۔ اس نے فوزیہ کا شانہ چھو کر اپنائیت سے کہا۔

نہیں، میں کہیں نہیں جا رہی، مجھے اپنے پپا کے قریب رہنا چاہیے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

یہ اس کی زندگی کا شاید پہلا دکھ تھا۔ طارق خاموش ہو گیا۔

تو پھر آپ لوگ چلے جائیں، فوزی کو یہیں رہنے دیں۔۔ آج ان کے رونے کی انتہا۔۔۔ دیکھ لیں۔ وہ چڑ سا گیا تھا۔

میں بھی یہیں رہوں گی۔ ثوبیہ کی رو رو کر آواز بھاری ہو رہی تھی، ضد سے بولی تھی۔

تو پھر آپ لوگ وہاں گھاس پر بستر ڈال لیجیے۔ اس کا تیکھا لہجہ انہیں ڈرا سا گیا۔

پریشان ہونے سے اگر کوئی فائدہ ہے تو مجھے بتا دیجیے تاکہ اس فائدے۔۔۔ میں، میں بھی شریک ہو جاؤں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں جھلا سا گیا تھا۔

دریہ تم بڑی ہو تم بھی یہیں رہ جاؤ، کہیں طارق اکیلا پریشان ہو۔

میں آپ سے عرض کر چکا ہوں، آپ لوگ مجھے کسی قابل سمجھتے ہوئے یہاں ماموں جان

کے پاس تنہا چھوڑ دیجیے اور گھر جا کر آرام سے بیٹھیے، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ زچ سا ہو گیا۔

چلیے ممی۔ دوریہ نے ماں سے کہا۔ پھر طارق کی سمت مڑی رائل بلیو پلین شلوار سوٹ میں ملبوس تھی، ہم رنگ دوپٹہ اس نے گلوبند کی طرح گلے میں اٹکایا ہوا تھا۔ طارق کو سخت کوفت ہوتی تھی جب خواتین دوپٹہ کو اس انداز میں استعمال کرتی تھیں۔ اس نے نظر چرا کر ممانی جان سے ضروری رسیدیں و پرچیاں وصول کرنا شروع کر دیں۔ ان کے ساتھ ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹرز سے مل کر انہیں باہر کمپاؤنڈ ایریا تک چھوڑنے آیا۔ دوریہ نہ جانے اس سے کیا کہنا چاہتی تھی اس نے توجہ ہی نہ دی تھی۔

لیکن جب وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو اس کی طرف پلٹی۔

طارق جو گاڑی کا دروازہ تھامے کھڑا تھا وہ اس کے مقابل ہوئی تو بے ساختہ نظریں چار ہو گئیں۔

پلیز، فون پر انفارم کرتے رہیے گا۔

ٹھیک ہے۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی اور وہ برآمدے کے زینے چڑھ رہا تھا۔

عمر کی مسلسل تین چھٹیاں ہوئیں تو فیروزہ اسے سوات لے آئی تا کہ اعتماد اور اپنائیت کا رشتہ مزید مستحکم ہو۔

وہ کچن میں کھڑی جاپانی نوڈلز تیار کر رہی تھی۔ ایک بار اس نے بنائے تھے تو عمر کو بہت پسند آئے تھے۔ جب سے وہ آیا تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار عید کا سا احساس ہوا تھا پہلے اسے شاپنگ کرائی تھی، اب اس کی پسندیدہ ڈشز تیار کر رہی تھی۔

پہلی مرتبہ اسے اپنی زندگی بڑی بامقصد اور اہم محسوس ہو رہی تھی۔ اسے گھر کی لذت کا احساس مل رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے کچن سے باہر آئی تو عمر کو خواجہ کے ساتھ کرکٹ میں مصروف پایا۔

دیکھو خواجہ ایک عمر کے آجانے سے گھر میں کس قدر رونق ہو رہی ہے۔ ہے ناں جی۔ بی بی صاحبہ خواجہ نے عمر کو بال کراتے ہوئے جواب دیا۔

ممی یہ مسٹر خواجہ بہت بے ایمانی کرتے ہیں۔ پلیز آپ ایمپائر بن جائیں۔

وہ بیٹ بغل میں داب کر سرخ چہرے کے ساتھ فیروزہ سے ملتجی انداز میں کہہ رہا تھا۔ فیروزہ کو اس کے حسن و معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کا منہ چوم لیا۔

میری جان۔ اگر میں ایمپائر بن گئی ناں تو خواجہ کے ساتھ زیادتی ہوگی کیونکہ میرا ہر فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔ میں کبھی وہ فیصلہ نہیں کر سکتی جس سے تمہیں دکھ ہو۔

بھئی خواجہ تم میرے بیٹے کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرو۔ اس نے خواجہ کو ہدایت دی۔

میں کچن میں بہت بزی ہوں تمہاری پسند کی چیزیں بنا رہی ہوں۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی تب تک تم کھیلو۔ وہ واپس مڑ گئی ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔ عمر کچھ دیر تک تو کھیل میں مصروف رہا۔ پھر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

مگر ستارہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک کر رک گیا۔ اندر سے بہت تیز میوزک کی آواز آ رہی تھی۔

اس نے دروازہ تھوڑا سا وا کر کے اندر جھانکا تو حیرانی سے پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ چست جینز اور مختصر سا بلاوز پہنے ستارہ رقص میں مصروف تھی۔ اس کے سراپے میں بجلی سی بھری ہوئی تھی۔ اس کا بلاوز پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ مگر اس کے قدم موسیقی کی لے پر بدستور متحرک تھے۔

وہ تیزی سے کچن میں داخل ہوا تھا۔

ممی وہ ستارہ آنٹی اتنا سارا ڈانس کیوں کر رہی ہیں وہ واقعی حیران سا تھا۔

کتنا سارا فیروزہ ہنسی۔

ڈونٹ جوک ممی بتائیں نا۔ ان کو بہت پسینہ آ رہا ہے کہیں وہ گر نہ جائیں۔ وہ خاصا پریشان تھا۔

ڈونٹ کیئر ڈارلنگ جب وہ تھک جائیں گی تو اپنے بیڈ پر گر جائیں گی۔ فیروزہ نے سمجھایا۔

مگر انہوں نے پہلے تو کبھی ڈانس نہیں کیا۔

آج کل وہ ایک فلم میں کام کر رہی ہیں۔

فلم میں۔۔۔

ہاں ڈیئر۔ وہ ہیروئین ہیں فلم کی۔ فیروزہ مسکرائی۔

آپ انہیں منع کریں کہ وہ فلم میں کام نہ کریں۔ اس کا لہجہ سنجیدہ ہوا تو فیروزہ بری طرح چونک پڑی۔

یہ اتنا چھوٹا سا بچہ۔ اور پھر یہ تو کسی دقیانوسی گھرانے سے تعلق بھی نہیں رکھتا۔

میں کبھی نہیں۔ وہ واقعی الجھ گئی تھی۔ یہ تو بڑے آزاد ماحول کا پروردہ تھا ایسے ماحول کا جہاں انسانی آزادی کو وسعت دینے کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں پھر یہ بات اس کے ذہن میں کہاں سے آئی

میرا دوست ہے ناں۔ آپ ملی بھی تھیں اس سے طلحہ۔ اس کا ایک کزن بھی تھا وہاں وہ اے لیول پاس کر چکا ہے۔ طلحہ بتا رہا تھا وہ اس کزن سے نہیں ملتا اس کی ممی نے منع کیا تھا کیونکہ اس کے کزن کی ممی فلم ایکٹریس ہیں۔ اور ییلو جرنلزم کرنے والے اس کی ممی کے بارے میں بڑی خراب نیوز پرنٹ کرتے ہیں۔

ممی یہ ییلو جرنلزم کسے کہتے ہیں حسب عادت اس کے ذہن میں سوال بھی در آیا تھا۔ فیروزہ ہنس دی۔

اتنی سی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں جاننا چاہتے ہو جب بڑے ہو جاؤ گے تو سب پتا چل جائے گا میری بات سنو ڈارلنگ۔ کام تو کام ہوتا ہے۔ ستارہ آنٹی صرف اسی فلم میں کام کریں

گی۔وہ زیادہ ملتی ہی نہیں ہیں کسی سے اور جو لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں لوگ ان کے بارے میں بہت اچھی نیوز پرنٹ کرتے ہیں۔

اس نے سلاد تیار کرتے ہوئے اس کی تشفی کی۔

مگر میں طلحہ کو کبھی نہیں بتاؤں گا کہ ستارہ آنٹی نے کسی فلم میں کام کیا ہے۔کبھی اس کی ممی میری اور اس کی

دوستی ختم کرادیں۔اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا۔فیروزہ نیچے بیٹھ کر اس کے مقابل ہوگئی۔اس نے عمر کو سینے سے لگالیا۔جانے کیوں اس کا دل بھر آیا تھا۔

میری زندگی اتنی بڑی بڑی باتیں نہ سوچا کرو۔شعور آنے کے ساتھ تقدیر مسائل اور دکھ خوان میں سجا کر ویسے ہی راستے میں آن کھڑی ہوگی۔یہ تو بےفکری اور خوشیاں سمیٹنے کی عمر ہے۔تم خوش رہا کرو۔اور یقین کرو میں اور ستارہ آنٹی تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔میں ستارہ کو منع کروں گی اور بتاؤں گی ہمارے عمر کو فلم ایکٹریس پسند نہیں۔خوش

عمر پھول کی طرح کھل گیا اسے یقین آگیا کہ اس کی اور طلحہ کی دوستی ہمیشہ قائم رہے گی۔

ہیلو۔آخاہ۔السلام علیکم

بس جناب آپ کی دعائیں ہیں۔نہیں اب آپ مزید اصرار نہ کریں۔میں نے آپ کو خوش کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔مگر صرف ایک گیت۔اس لئے کہ آپ کے اصرار سے مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے۔آپ شکریہ ادا کرکے مجھے شرمندہ نہ کریں۔یہ تو آپ کی قدر افزائی ہے۔

دراصل میں کچھ عرصے کے لئے یورپ جارہا ہوں۔آرکیٹکٹ ہوں ظاہر ہے اسی شعبے میں ترقی کرنے کا خواہشمند ہوں۔

جی۔جی ہاں۔کچھ کورسز وغیرہ کرنے ہیں۔

جناب مجبوری ہے،یہ میرے وطن کا مزاج ہے۔جب تک باہر سے کاغذ لکھوا کر نہ لاؤ۔

کسی گنتی میں نہیں رکھتے نہ کوئی بڑا کام دیتے ہیں۔

آپ کی دعاؤں پر مشکور ہوں۔

علی جان صاحب،ایک خصوصی عرض ہے۔

ارے نہیں ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے،بس اتنی سی درخواست ہے کہ پبلسٹی وغیرہ نہ کی جائے۔یعنی کوئی نیوز کوئی تعارف نہیں میں صرف آپ کی خوشی اور اصرار کی وجہ سے ایک گیت کی حامی بھر رہا ہوں۔لیکن میں اس لائن میں مشہور ہونا نہیں چاہتا۔میرا aim تو آپ کو معلوم ہی ہے۔جی ٹھیک ہے آپ شام چھ بجے کے بعد گھر آجائیں۔باقی معاملات گھر پر ہی طے کرلیں گے۔بھیرویں کے سوا جو راگ آپ منتخب کریں گے مجھے منظور ہوگا۔یعنی میں اس پر محنت کرنا شروع کردوں گا۔مگر کچھ ٹائم لگے گا۔

بھیرویں سے میری کوئی نسلی دشمنی نہیں ہے۔بس مجھ پر تو اسے سن کر ہی ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔میں بندہ ہوں ذرا نازک مزاج۔وہ شرارت سے مسکرایا۔

ایک تو آپ مجھے بصد اصرار گانے کو کہہ رہے ہیں پھر ایک گیت کا اچھا خاصہ معاوضہ بھی دے رہے ہیں پھر شکریہ ادا کر کے مجھے میری نظروں ہی میں شرمندہ کر رہے ہیں۔ یہ تو زیادتی ہے میرے ساتھ۔ او کے۔ ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے اس اقدام پر گھر میں کیا ردعمل ہوگا اگر انہیں خبر ہو گئی

میں یہ کیوں کر رہا ہوں

کیا مجھے اپنے گھر والوں سے کوئی لگاؤ نہیں رہا

کیا یہ باغیانہ اقدام ہے

یا میں اپنی خداداد آواز کیش کرانا چاہتا ہوں

مگر میں تو صرف ایک گیت گانا چاہتا ہوں۔ ایک گیت سے بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں اپنے ذہن کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔

میں اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہوں۔ اور یہ جونا گوار قسم کا حادثہ میری زندگی سے جونک

بن کر چمٹ گیا ہے۔ میں اسے نوچ کر پھینکنا چاہتا ہوں۔

میں مرحلہ وار اس چیلنج سے نمٹنا چاہتا ہوں۔

میں ذرا بھی اپنے آپ کو سمیٹ رہا ہوں۔ تیر بھی تو ظالم نے تاک کر مارا ہے۔

مجھے اپنے آپ کو سمیٹنے کے لئے کچھ بہلاوے، کچھ فریب درکار ہیں، بس اپنے آپ کو سمیٹ کر زندگی سے اپنا حق چھین لینا چاہتا ہوں۔

یہ گیت بہلاوے کا ایک حصہ ہے۔

مجھے ایک کھاگ شکاری کا پتا چلانا ہے۔ شکاری تو خیر نظر آ بھی رہا ہے۔ اس کے عزائم کا پتا چلانا ہے، اس کے لئے پرسکون اعصاب درکار ہیں۔

مجرم کو صرف سامنے ہی نہیں لانا ہے بلکہ اسے اپنی نظروں ہی میں رسوا بھی کرنا ہے، اسے سزا دے کر ہتک انسانیت کا تاوان بھی طلب کرنا ہے۔

ایک گیت صرف ایک۔

کسی کو کیا پتا چلے گا۔

میاں صاحب آپ کو ٹھیک سے نیند آئی۔ بے آرامی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

ولایت علی شاہ، مرتضے لاشاری اسی کمرے میں جہاں میاں صاحب نے رات گزاری تھی۔ نیچے قالین پر دسترخوان بچھائے ناشتے میں مصروف تھے۔

ولایت علی کہاں ہے وہ تمہارا اقبال مند بیٹا، جس کی خوشبو سے آج بھی وہ ویرانہ مہک رہا ہے۔ جہاں رات کے اندھیرے میں ہمیں وہ نظر آیا تھا۔ اور بھئی بے فکر رہو بہت آرام سے رات گزری۔

ولایت علی واہ کے شریانوں میں خون جوش مارنے لگتا تھا۔ جب میاں صاحب ان کے بیٹے کے لئے بہترین دعائیہ کلمات اپنے پاکیزہ ذہن سے ادا کرتے تھے۔

وہ اسکول جانے کے لئے تیار ہو رہا ہے مگر میں اسے بلاتا ہوں۔ وہ اٹھ گئے۔

چند لمحوں بعد ہی وہ آ گئے اور بشر کودتا پھاندتا ان کے پیچھے چلا آیا۔

نیوی بلو ہاف پینٹ ہم رنگ ٹائی اور سفید قمیض والے یونیفارم میں جس کی جیب پر اس کے اسکول کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔ مرتضی لاشاری کو بہت پیارا لگا۔

ہرن کی سی ہلکر چوکڑی اور بلا کی خود اعتمادی اور احساس تحفظ نے اسے انتہائی پرکشش بنا دیا تھا۔

اچھے ماحول والا گھر ایک بچے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس کی نظروں میں اس بشر کا چہرہ گھوم گیا جو میاں صاحب سے چپکا ہوا اور بے حد خوفزدہ نظر آتا تھا۔

السلام علیکم میاں صاحب، لاشاری انکل۔ اس نے بیساختہ انداز میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام رحمان کی نظر محبت تیرا مقدر ہو۔ نیک روح مجھے مہمان بنا کر بھول گئی میرے قریب آ خوش بخت، میاں صاحب کو گھر بلا کر اکیلا چھوڑ دیا۔

بشر بڑی معصوم سی شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف بڑھا۔

میاں صاحب پپا کہتے ہیں بچے جلد سو جائیں تو صحت مند رہتے ہیں۔ پھر وہ ہماری میڈم بارمی ہیں ناں۔ وہ مجھے اسکول کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ ہے ناں پپا۔ اس نے یقین دلانے کے لئے باپ کی شہادت پیش کی۔

ولایت علی شاہ دھیرے سے مسکرا دیئے۔

کس جماعت میں چڑھا ہے تو اس سال انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بشر نے اچک کر باپ کی طرف دیکھا اور اشارے سے پوچھا کیا کہہ رہے ہیں میاں صاحب

آپ اس سال کس کلاس میں ہیں۔

میں ٹینتھ میں پڑھتا ہوں میاں صاحب

اچھا بھئی ولایت علی تمہارا بیٹا تو بہت پڑھ گیا ہے۔ وہ ہلکے سے ہنسے۔ لاشاری اور ولایت علی شاہ مسکرا دیئے۔

ماشاءاللہ ہوشیار ہے۔ جن دنوں یہ ہمارے پاس تھا چپ ہوتا تھا مگر اس نے مجھے فون نمبر بتا دیا تھا۔

ولایت علی شاہ کے متحرک ہاتھ رک گئے۔

آپ کو فون نمبر معلوم ہو گیا تھا تو آپ نے رابطہ فون کے ذریعے قائم کیوں نہیں کیا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ اب آپ یہی سوال کریں گے۔ مرتضی لاشاری مسکرا دیا۔

بشر کے ذریعے ہم تک جو حقیقت پہنچی تھی، احتیاط کا تقاضہ تھا۔ اس گھر سے رابطے کی صورت میں مزید الجھنیں پیش آ سکتی ہیں۔ بچہ۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ گھر سے بیدخل کرنے کی کوشش کی گئی تھی پھر اسی گھر سے رابطہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اشتہار اس لئے چھپوایا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ بچے کے دوسرے خونی رشتہ دار ہم تک پہنچ جائیں اور دوسرے یہ ثبوت پختہ ہو

جائے کہ ہم نے بچے کو متعلقین تک پہنچانے کی عملی کوشش اپنی طرف سے پوری کی۔ کیونکہ اگر یہ مجرمانہ سازش ہوتی تو ہم بھی بلاوجہ پھنس سکتے تھے۔ ماحول بہت خراب ہو چکا ہے شاہ صاحب۔

ولایت علی شاہ اس کی ذہانت کے قائل ہو گئے۔

اگر ہم یہاں فون کر دیتے تو ظاہر ہے بچہ دوبارہ انہیں ہاتھوں میں۔ وہ چپ ہو گیا۔

میاں صاحب بشر سے باتوں میں مصروف تھے۔ اسی دم ملازم نے آ کر بتایا کہ اسکول ٹائم ہو رہا ہے۔ ڈرائیور باہر منتظر ہے۔

میاں صاحب آپ جائے گا نہیں۔ ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔ بشر نے دروازے پر رک کر شہادت کی انگلی اٹھا کر گویا دھمکی دی۔

بیٹے ابھی تو میں چلا جاؤں گا مگر انشاءاللہ پھر آ جاؤں گا۔ تم اللہ حافظ کہتے جاؤ۔ بچے بہت سچے ہوتے ہیں میں ان کو جھوٹے بہلاوے نہیں دیتا۔ وہ مسکرا دیے۔

بشر پھر ان کے تنویمی عمل کے زیر اثر آ گیا تھا۔ بھاگ کر واپس آیا اور اپنا ننھا سا ہاتھ بڑھا کر بولا۔

خدا حافظ میاں صاحب، خدا حافظ لاشاری انکل، خدا حافظ پپا۔ وہ باہر چلا گیا۔

ولایت علی شاہ تمہارے گھر کی زمین بہت خاموش ہے۔ میاں صاحب کی گھمبیر آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

ولایت علی شاہ بری طرح چونک پڑے جی میں سمجھا نہیں۔

آدم سے دلبستگی کے لئے عورت اسی کے وجود سے تخلیق کی گئی۔ پھر جنت میں رونق ہو گئی۔

پھر اسی نے آدم کی زندگی جہنم بنا دی۔ ولایت علی شاہ بے اختیار اضافہ کر گئے۔ میاں صاحب ایک ثانیے کو خاموش ہو گئے۔

مگر یہ طے ہے آدم کا ارادہ آزاد کیا گیا ہے۔ اسے دو راستے دو ضدیں بتا دی گئی اور انتخاب کا حق دیا گیا۔ دوسروں کی کمزوری کی نشاندہی کرنا بہت آسان ہے۔ کون ہے جو مکمل لطافتوں کے ساتھ اپنے عیوب و محاسن کو جانچ سکے، دیکھ سکے۔ بالکل اس طرح جیسے شیشے کے گلاس میں موجود پانی کے اندر مٹی کا ذرہ تک نظر آتا ہے۔

میری ناقص عقل آپ کی فراست تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ ولایت علی شاہ نے اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا۔ بلکہ جان کر انجان بنے۔

تمہارے گھر کی زمین بہت خاموش ہے، نوکروں کے قدموں کی آوازیں، یہ گھر کی زمین اپنے اندر اس طرح محفوظ نہیں کرتی جس طرح گھر کی مالکن کی آہٹ کو اپنے اندر سموتی ہے۔ اس آہٹ میں حق ملکیت کا زور ہوتا ہے ناں۔ مجھے تمہارے گھر میں کہیں سے یہ بابرکت آواز نہیں آئی۔

ولایت علی شاہ چند لمحے تو سناٹوں میں رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ صورت

حال بھی پیش آسکتی ہے۔ وہ انہیں ضعیفی کی انتہاؤں پر پہنچا ہوا لاتعلق سا بزرگ سمجھتے تھے۔ اس کی آہٹ بابرکت نہیں تھی۔ شکر تھا کہ میاں صاحب کی نظریں جھکی رہتی تھیں۔

وہ کہیں ملنے گئی ہوئی ہے وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

تم نے اسے معاف کر کے اپنے وجود سے چپکی ہر آلودگی جھاڑ دی ہے۔ خدا تم سے راضی ہو۔

مرتضی آپ یہ بادام کی کھیر لیں ناں پلیز۔

شکریہ سائیں۔

میاں صاحب آپ بھی۔

میرا معدہ اتنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا ولایت علی میری تسکین ہو چکی ہے۔

میاں صاحب یہ دودھ ہے اور چائے بھی ہے جو آپ پسند فرمائیں۔

انہوں نے بہ مشکل اپنے آپ کو متوازن کیا تھا۔

بچے لوگ بھی کتنے پیارے ہوتے ہیں۔ جیسے خود بچے سیدھے ہوتے ہیں۔ ویسے ہی سارے جہاں کو سمجھتے ہیں۔ میاں صاحب نے کتنی معصومیت سے چائے کے گھونٹ بھرنا شروع کر دیئے تھے۔

کچھ دیر تو ولایت علی شاہ کو خود پر قابو پانے میں لگ گئی۔

لاشاری کی خاموشی بہت معنی خیز اور گہری تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے نظر بھی نہیں اٹھائی تھی۔ ذات مرتضی لاشاری اس سے دیر تک باتیں کرتا رہا تھا، گمشدہ بچوں کے بارے میں۔ جس کمی کی طرف میاں صاحب نے توجہ دلائی تھی اس نے بھی محسوس کی تھی۔ مگر اس کی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ اشارتاً بھی تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی اس نے تنہائی میں بشرے سے کچھ کھوجنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سوچ کر کے وہ ان کا کیا لگتا ہے یہ تو ان کی کرم فرمائی ہے کہ اپنے برابر بٹھایا ہے۔

ولایت علی غم نہ کیا کرو۔ انشاءاللہ تم کامیاب ہوگے۔ دیکھو بس اپنے ضمیر کو صاف ہلکا پھلکا رکھو۔ اور کوشش اور امید ساتھ رکھو۔ بچے۔ خدا کی امانت سہی لیکن اس نے انہیں تمہارے دل کا قرار بھی بنایا ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک بھی۔ وہ تمہارے سینے میں ٹھنڈک اتارے گا۔ انشاءاللہ جو صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے صبر دے دیتا ہے۔

میاں صاحب شاید ولایت علی شاہ کی چپ سے بےچین ہوئے تھے۔ انہوں نے پھر تشفی کی روشنیاں ان کے سینے میں منتقل کی تھیں۔۔

وہ ایک بار پھر جی اٹھے تھے۔ انہوں نے ولولہ انگیز یقین سے اپنا وجود لرزتا محسوس کیا تھا۔ بلکل اسی طرح

گویا ایک عمر کے نابینا کو بینائی مل جائے۔

میاں صاحب بعض انسان کتنے ضروری ہوتے ہیں جیسے آپ۔

میاں صاحب میں صبر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر مجھے راستے میں آپ کی دعاؤں کی

روشنی درکار ہے۔

وہ عاجزی سے بولے۔

ولایت علی دعا اور مسکراہٹ دنیا کے عظیم ترین تحفے ہیں، ہم نے انہیں تقسیم کرنے میں ہمیشہ جلدی کی ہے۔ اللہ رحمان ہے اس پر بھروسہ رکھو۔

تھوڑی دیر بعد میاں صاحب ولایت علی کو نئی زندگی دے کر چلے گئے تھے۔

وہ بہت کھرے تھے ہاں کو ہاں اور ناں کو ناں کہنے والے۔ انہیں جاننے والا ان سے مصر نہیں ہو سکتا تھا ان کا انداز گفتگو دھیما مگر قطعی ہوتا تھا۔

ولایت علی شاہ ان کو روک نہیں سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ آئندہ وہ میاں

صاحب کو اپنے ساتھ خود جا کر لایا کریں گے۔

رات انہیں اپنا گھر تمام گھروں سے منفرد نظر آ رہا تھا۔ اس میں ایک اللہ دوست شخصیت مہمان تھی۔ جس کا لہجہ روشنی اور لفظ خوشبو تھے۔ صاحب طریقت جس کا ہر کام مسنون ہوتا تھا۔ کم از کم ان کی تو یہی کوشش ہوتی تھی رات کو دوران گفتگو ولایت علی شاہ نے انہیں اللہ دوست کہہ دیا تھا۔ وہ خشیت الٰہی سے کانپ گئے تھے۔ اور دیر تک ان کی آنکھوں سے اشک رواں رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خود پر قابو پا کر جب وہ نوافل کے لیے اٹھنے لگے تو صرف اتنا کہا تھا۔

میں عبداللہ ہوں ولایت علی، اللہ کا غلام۔ میں اس کا دوست کہلاؤں یہ میرے کردار کا معیار کہاں

خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہم پر کرم کیا اور احسان بھائی کو نئی زندگی دی۔

اماں جان نے متشکرانہ انداز میں کہا اور تخت پر سامان پھیلا کر بیٹھ گئیں۔

عثمان آخر تمہاری امیہ پھوپھو ہی کام آئیں۔ تمہاری دلہن کو دیکھو تو بہت پیاری ارمغان کی دلہن کو دیکھو تو وہ بے مثل۔ میں اپنے اللہ کا کس منہ سے شکر ادا کروں۔ اور گھرانے بھی ماشاءاللہ ہماری منشاء کے مطابق ہیں مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ میری مشکل آسان ہو گئی ہے۔

وہ لوگ تو ایک ماہ میں شادی کرنے کو تیار ہیں۔ مگر میں اب ذرا دیر کروں گی احسان بھائی مکمل صحت مند ہو جائیں تو خوشی کے شادیانے بجنے لگیں گے۔ تم خوش ہو ارمغان وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

ارمغان جھینپ کر مسکرا دیے۔ مجھے آپ کی پسند اور فیصلے پر بھروسہ ہے اماں جان۔

خوش رہو خدا تمہیں بہت نوازے۔ تصویر میں ربیعہ جتنی پیاری نظر آ رہی ہے۔ اس سے کئی گنا حسین ہے۔ پھر ماشاءاللہ بہت مودب اور سادہ بچی ہے۔ اللہ عمر دراز کرے۔

سنا ہے ہر ساس کو اپنی بہو گھر آنے سے پہلے چاند ہی لگتی ہے۔ فاروق قریب ہی کھڑا شیو بنا رہا تھا شرارت سے بولا۔

ارے نیک فال نکالو منہ سے۔ میرے گھر میں بیٹیوں کی کمی ہے۔ یہاں میری بہوئیں

نہیں بیٹیاں آئیں گی۔ بلکہ میری سہیلیاں۔ وہ مسکرائیں۔

اللہ رحم کرے۔ فاروق پھر شریر انداز میں مسکرایا۔ مجھے اپنے بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے بلکہ خود سے بھی کہ آج تمہاری تو کل ہماری باری ہے۔ سوچ لیں بھائی میاں کس قدر متوازن فرینڈشپ قائم ہوگی ہمارے ہاں۔

عثمان اور ارمغان ہنس دیے۔

یہ دیکھو یہ کل سترہ جوڑے ہیں۔ چنڈی اور پشاور سے منگوا کر رکھیں تھے۔ باقی یہیں سے لے لیں گے۔ نکاح اور ولیمے کے جوڑے بھاری ہوں گے۔ وہ بھی ہو جائیں گے۔ سیٹ تم دونوں کے بنے رکھے ہیں۔ چوڑیاں بنوانے کو دے آئی ہوں۔ کیونکہ وہ ناپ ہی سے بنوانا تھیں۔ اگر کہو تو کنگن بنوالوں ٹیلی فون کر دوں گی۔

انہوں نے بیٹوں کی طرف دیکھا۔

جو آپ مناسب سمجھتی ہیں کر لیں۔

یہی موقع ہے آپ کو اختیار حاصل ہے۔ پھر تو وہ اپنی اپنی مرضی ہی سے کریں گی۔

فاروق نے بھی عثمان کے جملے میں اضافہ کیا۔

جم جم کریں بہت خوشی سے۔ یہی تو ارمانوں کی عمر ہوتی ہے۔ اللہ ان کے ارمان پورے کرے میرے

بیٹے سلامت رہیں ان کے ارمان پورے کرنے کے لیے۔ وہ نہال ہوئیں۔

حبیب سونے کے بعد ان کے پاس آبیٹھا تھا۔ کافی دیر سے خالی الذہن بیٹھا تھا۔ مگر اب جاگ چکا تھا۔ فاروق کی طرف دیکھا اور بولا۔

سارے تیر خالی جا رہے ہیں آپ کے۔

سب ہنس دیے۔

بیٹے بہت دیر سوئے آج اماں جی نے حبیب کو پیار سے دیکھا۔

کیا فرق پڑتا ہے یہ بے چارہ تو سویا جاگا برابر ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں لطیفہ سن کر اگلے دن ہنستا ہے۔ فاروق نے چھیڑا۔

دیکھے اماں جی فاروق بھائی مجھے گدھا کہہ رہے ہیں۔ حبیب برا مان گیا۔

کوئی قسم کھا کر کہے میں نے تمہیں گدھا کہا ہے۔ فاروق نے سب سے انصاف چاہا۔

جی ہاں ایک لطیفہ ہے جس میں گدھا ایک دن بعد ہنسا تھا۔ حبیب خفگی سے بولا۔

اچھا مجھے نہیں پتا تھا۔ سچ میں نے نہیں سنا یہ والا لطیفہ۔ فاروق نے بڑی معصومیت سے کہا سب ہنس دیے۔

اماں جان کیا دریہ آپی بھی آئیں گی۔ بھائی میاں اور بھائی صاحب کی شادیوں میں فاروق تولیے سے چہرہ پونچھتا ہوا ان کے پاس پڑی کرسی پر آبیٹھا۔

اب وہ ہماری بھابی ہیں۔ بھابی کہا کریں۔ حبیب نے ٹوکا۔

ہاں خیر سے بھابی ہے وہ تمہاری۔ کتنا بھلا لگا ہے میرے کانوں کو یہ لفظ، بھائی جان تو

شاید اعتراض نہیں کریں گے۔ مگر لوگ بہت باتیں بناتے ہیں۔ روایتاً تو اسے رخصتی تک طارق
سے پردہ کرنا چاہیے۔

یہ لیجیے وہ لاہور ہی میں ہیں۔ جانے دن میں کتنی بار نقاب کشائی ہوئی ہوگی۔ فاروق
ہنسا۔

فاروق نے دریہ کا ذکر چھیڑا تو گویا ان دیکھی سی دیوار گر گئی اور موضوع عام سا ہو گیا۔

بلو لیجیے گا اماں جان لوگوں کا کیا ہے باتیں بنانا تو ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ عثمان نے کہا۔

میرے جی کو اچھا نہیں لگتا وہ رخصتی سے پہلے۔

چھوڑیں اماں جان، آج کل کے نوجوان اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں یہ پرانا جھگڑا
ہوا زمانہ نہیں ہے۔ ارمغان نے سادگی سے کہا۔

سوچوں گی۔ انہوں نے ٹالا۔

بیوٹی بکس تو حمیرا پارسال لائی تھی تین۔ سامان ڈلوانا ہے۔ حمیرا آئے گی تو اسی کے سپرد کر
دوں گی۔ لڑکیاں ہی یہ چیزیں خریدنے میں ماہر ہوتی ہیں۔ خط لکھ دوں گی کچھ تو وہ امریکہ ہی
سے لے آئے گی۔

تو پھر اماں جان یوں ہوگا کہ ہم بھی میاں کی بارات لے کر دوپہر کو چلے جائیں گے لنچ
وہاں، پھر وہاں سے بارات بنا کر بھائی صاحب کی سسرال چلے جائیں گے اور ڈنر وہاں۔

پھر یوں کریں گے ٹرین میں بھر کر لاہور چلے جائیں گے۔ ناشتہ وہاں۔ حسیب فاروق کی
بات کو سنجیدہ سمجھا اور جل کر جملہ توڑ دیا۔

بے ساختہ قہقہے بلند ہو گئے۔

جس پر حسب سابق حسیب نے برا منایا۔

یار کچھ اوپر کی منزل سے بھی ادھار مانگ لیا کرو۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کہ کس طرح دلہنیں
سمیٹتے پھر رہے ہیں۔ فاروق نے مزید چھیڑا۔

ارے مت ستایا کرو فاروق میرے بچے کو۔ اماں نے فاروق کو گھڑکا۔

دوپٹوں کی طرف سے تو بے فکری ہے۔ تین تھان منگوا کر رکھے ہوئے تھے میں نے، اب
کوئی ہاتھ بٹانے والا نہیں ہے۔ سب مجھے ہی کرنا ہے۔ گوٹے کناری وغیرہ۔ وہ سامان سوٹ
کیس میں بھرتے ہوئے خود کلامی
کے انداز میں بولیں۔

وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ہی ہر بات کرتی تھیں۔ وہ بھی ان کی خوشی کی خاطر حصہ لیتے
تھے ورنہ ان کو ذاتی طور پر ان چیزوں میں خاص دلچسپی نہیں تھی۔

فاروق تم پہلی فرصت میں مہمانوں کی فہرست بنانا شروع کر دو۔ کبھی کوئی ملنے والا رہ جائے
۔ اور ساری عمر شکایت باقی رہے۔ ایک جمعے کو عثمان کی بارات لے جائیں اور دوسرے جمعے کو
ارمغان کی۔ پھر ارمغان کی بارات کے اگلے دن ولیمہ اکٹھے کر لیں گے۔

دیکھا بھائی میاں اماں جان کا سگھڑاپا۔ خرچہ بچا رہی ہیں۔ فاروق پھر شریر ہوا۔

اب تم جو سمجھو۔ اگر قدر تا بچت ہو رہی ہو تو کیوں نہ کی جائے۔ انہوں نے کھٹاک سے سوٹ کیس بند کیا۔

یہ فل سائز سوٹ کیس ہیں۔ پچیس پچیس جوڑے آرام سے آسکتے ہیں۔ انہوں نے پھر اپنے بیٹوں کو خیال میں شریک کیا۔

پچیس پچیس۔ لگتا ہے آپ دونوں کی جمع پونجی اسی دن کے لیے تھی۔ فاروق نے سر تھام لیا۔

اللہ انہیں سلامت رکھے۔ زیادہ تو میں جان بوجھ کر نہیں بنا رہی۔ لڑکیاں تو کپڑے بناتی ہی رہتی ہیں پھر فیشن بھی بدلتا رہتا ہے۔

جی اماں جا حسیب نے بیساختہ انداز میں ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فیشن لڑکیوں کے اور خبر آپ کو۔ لگتا ہے واقعی جاگتے رہتے ہو۔

دیکھیں اماں جان سمجھالیں فاروق بھائی کو۔ حسیب جھلا کر بولا تھا۔

وہ بری طرح چونک اٹھا۔ سامنے پیلے کپڑوں میں دریا آرہی تھی۔

اتنی رات کو۔ جبکہ معلوم ہے رات کو میں یہاں ہوتا ہوں۔

السلام علیکم وہ قریب آ کر بولی۔

وعلیکم السلام وہ یونہ رخ موڑے موڑے بولا تھا۔

کیا ضرورت تھی اس وقت آنے کی اس کا لہجہ بیزار تھا۔

میرا دل گھبرا رہا تھا۔ فون تو آپ اٹینڈ نہیں کرتے۔ پاپا کی طرف سے فکری ہو رہی تھی۔ وہ اس کو نظروں سے جانچتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

جب ضروری انفارمیشن آپ کو مل ہی جاتی ہے تو کیا ضرورت باقی رہتی ہے کہ میں فون اٹینڈ کروں۔

اس کی بیزاری بدستور تھی۔

اور میں اس لیے بھی آئی تھی کہ کئی راتوں سے آپ نے ٹھیک طرح سے آرام نہیں کیا۔ میں یہاں ٹھہر جاتی ہوں آپ آرام کرلیں۔ ممی بھی کہہ رہی تھیں۔

شکریہ فی الحال میری زندگی میں آرام کہاں آپ جائیں۔ ہو جائے گا آرام بھی، میں ٹھیک ہوں۔

میں ہوں یہاں۔ پلیز آپ مان لیں۔ وہ مصر ہوئی۔

طارق اس کے سامنے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تفصیلی نظر ڈالی۔ ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑانے والے لہجے میں پھنکارا۔

آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں آپ سے زیادہ ہٹ دھرم ہوں۔

پتا ہے مجھے۔ دریہ پر مطلق اثر نہیں ہوا یا اس نے ظاہر نہیں کیا۔

آپ مجھے پریشان کریں گی تو۔

آپ انسانی ہمدردی کے جزبات سمجھتے ہیں۔ یہ تو آپ کو اندازہ ہونا چاہیے وہ ہمارا فرض

بتاتا ہے، آپ کا

خیال کریں

میری ہاں، ہاں ہوتی ہے اور نہ نہ وہ بگڑ اٹھا

جانتی ہوں میں یہ جملہ محفوظ کر رہی ہوں، وہ نظریں جھکا کر بولی

مجھے آپ کا اس طرح رات کو آنا اچھا نہیں لگا نیا پروگرام صبح بھی بن سکتا تھا وہ سنجیدگی سے گویا ہوا اور یہ مارے خوشی کے گنگ ہو گئی اس کے سلسلے میں طارق کی پسند ناپسند اس کے خاص مقام کا خود بخود تعین کر رہی تھی

میرا مطلب ہے مجھے رات کے وقت لڑکیوں کا لمبے روٹ پر تنہا دندنانا اچھا نہیں لگتا اس نے دری ہ کی خوش فہمی ایک بار پھر خاک میں ملائی

دریہ کے چہرے کا ہر رنگ اڑ گیا

وہ اس کے سامنے تھا دنیا میں سب سے زیادہ عزیز بن کر لیکن)، تمہارے اسی غرور نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رکھا طارق احمد فاروقی ،(

اور کیا کیا اچھا نہیں لگتا آپ کو رات کے وقت؟ اس نے بھی اپنا لہجہ تیکھا سا کر لیا طارق نے چونک کر اس کی صورت دیکھی

میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا اپنی پسند و ناپسند آپ کو بتانے کا

وہ یہ کہہ کر مڑا اور اپنے وارڈ کی طرف بڑھ گیا

احسان صاحب ڈسچارج ہو کر گھر سدھارے تو طارق کو بھی یک گونہ سکون حاصل ہوا اتنے عرصے میں روزانہ دریہ کی شکل دیکھ کر اس کے اعصاب تن جاتے تھے اپنے ماموں کی خدمت کر کے اس نیا پنی ماں کی طرف سے حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی اور یوں بھی اسے اس سارے قصے میں احسان صاحب کا کوئی قصور نظر نہیں آیا تھا جو وہ اپنی رشتے داری کے رو سے عاید ہونے والی ذمہ داری سے جان چراتا اس کی طرف سے کوئی شکایت ہوتی تو رسوائی اس کے والدین کی ہوتی شاید یہی سوچ کر اس نے ماموں کی پٹی سے لگ کر اتنے دن گزارے تھے اور یوں بھی وہ منصف مزاج تھا اور عدل کرنے والا زیادتی کرنا پسند نہیں کرتا

اس کا نظریہ تھا، سزا قصوروار ہی کو ملنی چاہیے غیر متعلقین کو جائز حقوق سے محروم رکھنا انصاف نہیں ہے

مگر اتنے دنوں تک دری ہ سے مسلسل آمنا سامنا ہونے کی بنا پر اس کے زخم کا ہر ٹانکا کھل گیا تھا وہ پہروں سوچتا رہتا تھا

اور کئی دنوں تک مسلسل سوچ بچار کے بعد وہ ایک فیصلے پر آ پہنچا

سر شام وہ احسان صاحب کے ہاں گیا تھا ان کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے دری ہ کے ساتھ تنہا ہونے کا موقع ملا تو وہ اس کے قریب چلا آیا

دری ہ اس نے بہت نرمی سے اسے مخاطب کیا

ڈریٔ وکو اس انداز کی توقع نہیں تھی وہ کچھ دیر تو بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی جی

وہ بمشکل بولی؟

کل صبح نو بجے میں تمہیں فون کروں گا بھولنا نہیں

جی وہ حیران ہو کر ٹھٹک سی گئی تھی

جی وہ دھیمے سے مسکرایا ڈریٔ وہ کا تو دل بند ہونے لگا

کیا نہ کروں فون؟ وہ مسکرایا گویا مغلوں کی کسی فارغ الوقت رومانی شہزادے کی روح

اس میں حلول

کر گئی تھی

نہیں نہیں کیوں نہیں ڈریٔ وہ گھبرا کر جلدی سے بولی مبادا وہ اپنا ارادہ ہی بدل ڈالیا وکیتو

پھر صبح نو بجے وہ ڈریٔ وہ کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا ڈریٔ وہ یوں دیکھتی رہی گویا اس

کے دل پر چل رہا ہو نو بھی تو کتنی دیر میں بجتے ہیں

ساری رات ڈریٔ وہ کی کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ وہ فون پر کیا کہے گا جو سامنے نہیں کہہ سکا

کچھ کسر رکھنا طارق احمد فاروق اب ایسا بھی مضبوط دل نہیں ہے میرا صبح ڈھنگ سے ناشتا بھی

نہ کیا گیا

کافی وقت تھا ڈریٔ وہ نے غسل کر کے کاہی سبز سلک کا سوٹ پہنا اور ہلکا سا میک اپ کیا

گنگناتے ہوئے اپنے آپ کو جی بھر کر آئینے میں دیکھا ہر بار آئینے نے گواہی دی ملک ملحسن یا

فیتے

اس کائنات میں شاید وہ دل ہی نہیں طارق احمد فاروق جو ہم سے کھنچ کے رہ سکے تم نے

پڑھا تو ہوگا ایک مفکر کا قول کہ حسن ارزاں ترین سفارش ہے

اس نے میرے سنوری تھی جیسے وہ اس سے بات ہی نہیں کرے گا بلکہ کسی نادیدہ آنکھ

سے اسے دیکھے گا بھی

فون کی گھنٹی بجی اور جیسے اس کا دل رُک گیا

اس نے تیزی سے ریسیور اُٹھا لیا

ہیلو اتنی بولڈ لڑکی کی آواز کانپ گئی

ہیلو طارق بول رہا ہوں آپ؟

میں اپنے میاں طارق احمد فاروق سے بات کر رہی ہوں ڈریٔ وہ طارق احمد

آخر وہ ڈریٔ وہ تھیں مسز احسان علی کی صاحبزادی تحسین اور خوش تقدیر ایسے من چاہے سے

کیوں نہ شوخ ہوتی

طارق نے جیسے سرِ عام خود کو نیلام ہوتا محسوس کیا

ہرگز نہیں یہ اس کے خوابوں کی لڑکی نہیں ہے اس کے خوابوں کی لڑکی وہ ہے جو اس کی ہزار

درخواستوں کے بعد کانپتے لبوں سے اس کا نام لے گی

ڈریٔ وہ کی شوخی اور رشتوں کے بے باک اظہار پر اس کی پیشانی پر بوندیں ابھر آئیں

مجھے تو ایک لمحے کے لیے بھی محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی بیوی سے بات کر رہا ہوں کیوں؟ جیسے دھوئیں سے یہ کائنات تخلیق کی گئی

اسی طرح شاید مستحکم جذبات کے دھوئیں سے رشتوں کی لطیف کائنات جنم لیتی ہے عجب میرے ہاں ابتدا ہی نہیں جذبات ہی نہیں

ہیلو کیا ہے وہ ضروری بات، جس کے لیے ہمیں سُولی پر لٹکایا گیا وہ ناز سے بولی تو وہ سنبھل کر بولا

کچھ ایسی خاص بات بھی نہیں، بس ایک مسئلے کا حل چاہتا ہوں

کیا؟ کون سا مسئلہ؟ اس کا دل دھڑکا

مجھے احساس ہوتا ہے دُرِیہ کہ واقعی آپ کے دل میں میرے لیے حد گنجائش ہے شکر ہے، آپ کو احساس تو ہوا وہ اٹھلائی

یقین کرو میں نے ابھی تک اپنا کوئی آئیڈیل، فیوچر پلان نہیں کیا تھا ایمرجنسی میں نکاح ہوا تو حواس باختہ سا ہو گیا

جب امّاں جان نے نکاح کی بات کی اور وجہ بھی بتائی تو میں کچھ دیر کے لیے چکرا ضرور گیا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟

خاص طور پر اس وقت جب مجھے وجہ بتائی گئی۔ خوب غور کرنے پر معلوم ہوا تم نے اپنی پسند کو پانے کے لیے راستہ اپنایا ہے۔ مجھے تمہارے جذبات کی شدت کا صحیح معنوں میں ادراک ہوا۔

شکر ہے، ہوا تو سہی۔ دُرِیہ مسکرائی تھی۔

میں کیونکہ چکرا گیا تھا اور اُلجھن میں پھنس گیا تھا اس لیے بہت ڈبل مائنڈڈ رہا۔ کیا میں درست سمجھا ہوں دُرِیہ۔ اس کی آواز سرگوشی کی حد تک آہستہ ہو گئی۔

دُرِیہ کا تنفس تیز ہو گیا۔ آخر وہ ہمیشہ کی طرح جیت ہی گئی۔ آخر ہے ناں مڈل کلاس ہی کی محنت۔

خواب پرور۔ اُونچائی کو چھونے کی شوقین۔

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے دُرِیہ کہاں کھو گئیں

آپ ٹھیک سمجھے ہیں طارق اس نے آہستگی سے اعتراف کر ہی لیا۔

طارق نے بمشکل اپنے اعصاب پر قابو پایا۔ اچھا۔ یہ کچھ لوگ آ گئے ہیں میرے آفس میں۔ پھر بات کریں گے۔ خدا حافظ۔ اس نے ریسور رکھ دیا تھا۔

بس دُرِیہ ریسیور کو گھورتی رہ گئی۔ اس کے کان تو نہ جانے کیا کیا سُننا چاہتا تھے اُس خوش گلو سے۔

میں نے تو پہلے ہی حساب سیٹ کر لیا تھا بھابھی جان۔ کہ بھائی جان کے غسل صحت کے دس پندرہ دن بعد ہی کی تاریخ رکھیں گے۔ اماں جان خوشیوں کے ہجوم میں گھری ہوئی تھیں۔

دُرِیہ نہیں آئی

نہیں۔آپ نے تو خیر کہہ دیا تھا مگر وہ خود ہی نہیں آئی۔(حالانکہ انہوں نے بیٹی کو خود ہی منع کیا تھا) وہ عابدہ بیگم کی تیسری بہو تھی اس کے لیے بھی تو جگہ بنانی تھی اتنی بہوؤں کی بھیڑ میں۔

کہنے لگی مجھے شرم آئے گی۔سب لوگ چھیڑیں گے۔سلی گرل وہ خوب ہنسیں۔انہیں یقین تھا عابدہ بیگم کے شاندار سے بیٹے کو وہ اپنی مٹھی میں لے چکی ہیں۔گھر کا لڑکا اور سرا سر اپنا۔

میں بھی یہی سوچ رہی تھی مگر لڑکوں کا اصرار تھا۔فوزیہ،ثوبیہ آگئیں میں بہت خوش ہوں۔

انہوں نے ثوبیہ کو پیار کیا۔

جب میں نے سُنا ناں پھوپھو مارے خوشی کے بُرا حال ہو گیا۔دو دو شادیاں،دو دو بھابھیاں۔اللہ کتنا مزہ آئے گا۔

جیتی رہو بیٹی۔خدا تمہیں خوش رکھے۔اماں جان اس کی سچی خوشی سے متاثر ہوئیں۔

فوزی آپا خوب ناچیں گے،گائیں گے۔میں نے بہت سارے ڈریسز تیار کرائے ہیں۔اور پھوپھو میں بہت اسٹائلش سی مہندی سجاؤں گی۔پھوپھو آپ ہمیں بھابھیوں سے ملوا تو دیجیے ناں۔ہمارا ان سے تعارف تو کرا دیجیے۔

عابدہ بیگم،ثوبیہ کے خلوص سے بہت متاثر ہوئیں۔

ہاں ہاں کیوں نہیں۔مایوں سے پہلے ہی میں تمہیں بھابھیوں سے ملواؤں گی تم بالکل فکر نہ کرو۔انہوں نے ثوبیہ کو گلے سے لگا کر تسلی دی۔

عثمان کی دلہن کا کیا نام ہے عابدہ ارمغان کی دلہن کا نام بھی ذہن سے نکل گیا۔تم نے بتایا تو تھا۔

نام تو اس کا نغمہ ہے گھر میں پیار سے نغمی کہتے ہیں۔ارمغان کی دلہن کا نام ربیعہ ہے۔

بہت ہی پریٹی نیم ہیں۔نور جہاں نے اظہار پسندیدگی کیا۔

واقعی ممی۔فوزیہ اور ثوبیہ کو بھی پسند آئے۔اب تو اور بھی ان سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے۔

ثوبیہ بہت بیتاب ہوئی۔

عابدہ بیگم مسرت سے مسکرا اٹھیں۔

تیسرا حصہ:

صفحہ 201 سے صفحہ 300 تک

طارق کیسا ہے اس نے کب تک کہا ہے آنے کا۔اماں جان نے پوچھا۔

بہت اچھا ہے۔ایک دم فنٹاسٹک۔عثمان کی بارات والے دن ہی آسکے گا بہت مشکل سے چھٹی دے رہے ہیں۔بتا رہا تھا۔کام زیادہ ہے۔

طارق کے ذکر پر نور جہاں کا لہجہ خاص ہو گیا۔یوں جیسے وہ کسی ملکیت کا تذکرہ کر رہی ہوں۔

بہت بور کر رہے ہیں طارق بھائی شروع سے ہوتے ہمارے ساتھ تو اور مزہ آتا بہت انجوائے کرتے۔کیوں ثوبی فوزیہ نے ثوبی کی ہم خیالی ضروری سمجھی۔

بالکل ٹھیک۔ثوبیہ بھلا تائید نہ کرتی۔

علی جان صاحب کے ہمراہ وہ پروجیکشن ہال میں داخل ہوا تو سب اُدھر ہی متوجہ ہو گئے۔

کئی لوگوں سے تو وہ متعارف ہو ہی چکا تھا۔

ستارہ یامین صاحب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔اتنے مذکروں میں وہ تنہا مونث تھی۔

آیئے جناب لگے ہاتھوں آپ کا فلم کی ہیروئین سے بھی تعارف کرا دیں۔علی جان صاحب اسے لے کر ستارہ کی طرف بڑھے۔

آپ ہیں اس فلم کی ہیروئن ستارہ جن کا فلمی نام حنا رکھا گیا ہے۔آپ کی طرح ان کی بھی یہ پہلی فلم ہے۔

اور آپ جناب طارق احمد فاروقی آرکیٹیکٹ انجنیئر۔پہلی مرتبہ کسی فلم کے لیے گیت گا رہے ہیں گویا یہ اتفاق آپ دونوں میں کام ہے۔

یامین صاحب چشمہ درست کر کے مُسکرائے طارق نے سفید ساڑھی میں ملبوس اس پُرشکوہ سی لڑکی پر محض سرسری نظر ڈالی تھی۔

گلیڈ ٹو میٹ یو مسٹر طارق۔ستارہ نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔

طارق نے جو اپنی دانست میں اس سے فارغ ہو چکا تھا چونک پڑا،انتہائی حسین موم سے ڈھلا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا تھا۔

صورت حال غیر متوقع تھی مگر وہ بہت گھبرا تھا۔مسکرا کر چھونے کے انداز میں اس سے ہاتھ ملا ہی لیا کہ ہر ماحول کے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں۔

اس کے ہاتھ گویا اس کے مزاج کا تعارف تھے۔

اتنا سرد مہر۔اس قدر پراؤڈ۔اس کے سامنے۔۔وہ خاصی حیران ہوئی تھی۔

ہماری فلم کا آغاز آج ان ہی کے گیت سے ہو رہا ہے۔قسمت کے دھنی ہیں۔حسرت لکھنوی صاحب نے برسوں بعد موڈ بنا کر گیت لکھا ہے۔ابھی آپ ان کی آواز خود سُن لیں گی۔ویسے یہ صرف سننے کی نہیں،دیکھنے کی بھی چیز ہیں۔

علی جان صاحب نے خوش ہو کر بتایا۔بلکہ شوخی سے اسے چھیڑا۔

ستارہ نے بنظر غائر اسے دیکھا۔

آف وہائٹ سوئیر ون شرٹ اور میرون لائنوں کی آف وہائٹ میں بے حد خود اعتماد اور خاندانی سا نوجوان واقعی دیکھنے کی چیز لگ رہا تھا۔

پروجیکشن ہال کی تیز لائٹیں آن تھیں جس میں اس کی بے حد چمک دار،ذہانت کی ترجمان سیاہ بھوری آنکھیں ہیرے کی طرح دمک رہی تھیں۔

وہ مسکرا دی۔میں نے پہلی مرتبہ کسی مرد کو دوسرے مرد کی اس طرح تعریف کرتے دیکھا ہے۔وہ بھی روبرو۔

سب ہنس دیے۔

بس کس حماقت پوچھیے۔ہم تو بیسی کی حد تک ان کے چنگل میں پھنس گئے ہیں۔

پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

حقیقت یہ ہے بہت غضب کی شے ہیں۔ انسان کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ پتا تک نہیں چلتا۔

یہی تو اچھے اور سلجھے ہوئے گھرانے کے بچوں کی خصوصیت ہوتی ہے۔ انڈسٹری میں اس طرح کے کوالیفائیڈ لوگ زیادہ ہو جائیں تو نقشہ ہی پلٹ جائے۔

طارق اس قدر تعریفیں سُن کر بہت شرمندہ ہو رہا تھا۔

اب وہ سب بیٹھ چکے تھے۔ وہ ستارہ کے پہلو میں تھا۔

اس نے حشر برپا کر دینے کے انداز میں پہلو بدلا اور اس کی سمت متوجہ ہوئی۔

آپ کی رہائش کہاں ہے

یہ ٹھکانہ سے آدمی ہیں۔ بہت سے دلوں میں رہتے ہیں۔ یامین صاحب نے ہنس کر اضافہ کیا۔ جس پر ایک قہقہہ پڑا۔

طارق مسکرا دیا۔ بہت ظرف اور اعتماد کے ساتھ۔

فی الحال میری رہائش وحدت کالونی میں ہے۔ اس نے اس حسینہ طرحدار کو دیکھتے ہوئے بہت پُرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔

کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ایک سازندے سے اس کے مسائل پر بات چیت کرنے میں مگن ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تقریب کا آغاز ہوا۔

اداکارہ اور نئی دریافت مس حنا کے ہاتھوں فیتہ کٹا۔ ہدایت کار نے کلیپ دیا۔ مصنوعی گاؤں کے کچھ خاموش مناظر فلمبند کرنے کے دوران ہی ہار پہنائے گئے۔ مٹھائی تقسیم ہوئی۔

طارق اس دوران علی جان صاحب کے پاس بیٹھا ریہرسل کرتا رہا۔

جب اس کے کانوں اور سر پر ہیڈ فون کا وزن پڑا اور منہ کے سامنے مائیک آیا تو ایک لمحے کے لیے واقعی گھبرا گیا تھا۔

سازندوں نے ساز چھیڑا۔ وہ علی جان صاحب کے ہاتھوں کی گردش دیکھنے لگا۔ اس کی آواز اُبھری۔ آلات کی سوئیاں چل پڑیں اور وقت کی رفتار جیسے تھمنے لگی۔

ریکارڈنگ مکمل ہوئی۔ علی جان صاحب نے اسے بیساختہ گلے لگا کر مبارکباد دی۔

پھر اسے اس کا ریکارڈ شدہ نغمہ سُنایا گیا۔ اسے بے حد لطف اور خوشی کا احساس ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ بار بار سُنے خوبصورت موسیقی کے بیچ اُبھرتی ہوئی اپنی آواز اسے واقعی بہت اچھی لگی تھی۔ اپنی اس بچگانہ سی خواہش پر قابو پاتے ہوئے وہ ستارہ کی طرف متوجہ ہوا جو اسے مبارکباد دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

کتنی خوبصورت آواز ہے آپ کی۔

اسی وقت کسی میگزین کے رپورٹر اور فوٹو گرافر نے ان دونوں کے اس حسین وقت کو اپنے میگزین کے لیے محفوظ کیا۔ فلیش کا جھماکا ہوا تو طارق نے بوکھلا کر علی جان صاحب کو جالیا۔

دیکھیے یہ سخت وعدہ خلافی ہے۔ اس نے فوٹو گرافی کی سمت اشارہ کیا۔

ستارہ کو گدگدیاں ہونے لگیں۔ بمشکل مسکراہٹ روکی۔

اللہ اس قدر رنگ سنگر۔

وہ شرارت سے کہہ اٹھی۔

طارق جھینپ گیا

ایسی کوئی بات نہں۔ بس کچھ میرے پرسنل پرابلمز ہیں، اس وجہ سے۔

ارے فکر نہ کرو یار ابھی تمہارے سامنے ضائع کرادیتا ہوں۔ دوست ہیں اپنے نجمی صاحب۔

نجمی صاحب ایک منٹ، ذرا بات سنیے۔ وہ فوٹوگراف کی طرف بڑھ گئے۔

فوٹوگرافی تو اس نے ہر فلور پر ہی خاصی کھپ دیکھی تھی۔

انہیں ہامین صاحب ہدایت کر چکے تھے۔ نجمی صاحب شاید بعد میں آئے تھے۔ ایک ہدایتکار کی حیثیت سے وہ یہاں خاصے پرانے تھے۔

بہت سے وابستہ اور بہت سے فری لانسرز سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس لیے سمجھا دیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بیتاب تھے کہ اس نو دریافت کی پہلی خبر و تصویر لگائیں۔ ستارہ کی تو ان سب نے جی بھر کر تصاویر اتاری تھیں۔ اسی وجہ سے بہل گئے تھے۔ وگرنہ اس برادری میں بڑے بڑے ہنر مند بھرے پڑے ہیں۔ اس انداز میں کام کر جاتے ہیں کہ پتا نہیں چلتا۔ بہر حال صورت حال طارق کی حسب منشا ہوئی تو وہ واپس چلا آیا۔

ایک ہاؤ ہو کار مچ گئی۔ بادامی شلوار سوٹ میں ملبوس طارق بہت سے کزنز کے جلو میں داخل ہوا تھا۔

چھوٹے بھائی فوراً اسلامی کے چبوترے پر پہنچ جائیں۔ لڑکیاں عرف ڈومنیاں پریڈ کے لیے تیار ہیں۔ پلیز پریڈ کا معائنہ فرمائیں۔ فاروق نے اعلان کیا۔

لینگویج پلیز۔ ایک شریک محفل کزن بلبلائی۔

خود بھی کسی ڈوم سے کم تو نہیں ہیں۔ ایک اور کزن چڑ کر بولی۔

مہندی کی شب تھی۔ رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ جگر جگر جگمگاتا گھر جھلملاتے ملبوسات، خوشبوئیں اور قہقہے۔

طارق کو اپنے پُرسکون اور خاموش سے گھر کی یہ نئی صورت بہت دلچسپ اور خوش کن لگی تھی۔ پھر اس کے بھائیوں نے کتنے پیار سے اس کا سواگت کیا تھا۔ ماں نے پیار کیا تھا۔

تمام مونث و مذکر کزن نے اس کا والہانہ خیر مقدم کیا تھا۔

بھلا بھائی جان اور دُریہ کے ساتھ ہی آ جاتا تو کیا تھا۔ وہ لوگ بھی شام ہی کو تو آئے ہیں۔ انہوں نے طارق کا شانہ تھام کر کہا۔ وہ اتنے شریروں کی فوج ظفر موج کے سامنے دُریہ کے تذکرے پر بوکھلا سا گیا۔

یہ ہے دنیا کو بیوقوف بنانے کا صحیح طریقہ۔ حمیرا نے خاص انداز سے سمجھایا۔

دراصل شرم آتی ہے۔ فاروق نے وضاحت کی۔

انہیں آتی ہوگی۔۔۔انہیں تو چھو کر گزر جاتی ہے۔ شاکر نے بھی حصہ لیا۔

تمہارے پاس آنے کی جلدی ہوتی ہے ناں۔ طارق یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ قہقہوں کے طوفان میں سامنے ہی فوزیہ آ رہی تھی بڑی سج دھج کے ساتھ۔

ہاؤ۔ اسٹرینج۔۔۔ ہیو یو کم

مغلوں کی روحوں کو نہ ستاؤ۔ ظاہر ان جیسا بنالیا ہے تو تھوڑی ادائیں بھی ان جیسی۔ وہ شریر ہوا۔

سرخ پشواز، چوڑی دار پائجامے اور بہت بھاری سے سبز رنگ کے دوپٹے میں وہ پیاری لگ رہی تھی۔

آپ پاپا کے ساتھ ہی آ جاتے ناں۔ دریہ آپی تو کہہ رہی تھیں آپ صبح کوئی آئیں گے۔

وہ پازیب چھنکاتی نزدیک آ۔ یہاں پروگرام تو یہی تھا۔ آج صبح تک۔ ماموں جان وغیرہ کی سیٹ کنفرم ہو چکی تھی۔ میری سیٹ کل صبح کی تھی نائٹ کوچ میں جگہ مل گئی۔ چلا آیا۔

وغیرہ تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ آپ کو آفر کیا تھا کہ جلدی میں بھی انتظام ہو سکتا ہے۔

ثوبیہ پیچھے سے نکل کر سامنے آ دھمکی۔

کاہی سبز بھاری کرتے شلوار میں آج اس کی سج دھج نرالی تھی۔

میرا حتمی پروگرام صبح ہی کا تھا۔ وہ بے بسی سے مسکرایا۔

دو گھنٹے کا سفر کس قدر خوبصورت ہو جاتا۔ یہ نہ سوچا آپ نے۔ فوزیہ نے چھیڑا۔

ان کی تو پوری زندگی کا سفر خوبصورت ہو چکا ہے۔ اس لیے مطمئن ہیں۔ ثوبیہ نے اضافہ کیا۔

دوسروں کو غیر مطمئن کر کے بعض لوگ نمک پاشی بھی انجانے میں غضب کی کرتے ہیں۔ (کس قدر اندھے بہرے اور نادان ہیں ہم لوگ ظاہر پر مطمئن رہتے ہیں۔)

وہ بمشکل ان سے بچ بچا کر کمرے میں آیا تو نئی صورت حال درپیش تھی۔

دریہ سفید جالی کے کرتے اور سبز شلوار سوٹ میں ملبوس جلدی جلدی بالوں میں برش کر رہی تھی۔

اسے دیکھ کر حیرت و مسرت سے ٹھٹھک سی گئی۔

آپ آ گئے۔۔

ہاں۔۔۔۔وہ الٹے پاؤں باہر کی سمت لپکا۔ مبادا کوئی ادھر آ نکلا تو خوب ریکارڈ لگے گا۔

آپ نے صبح آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ الجھی گئی۔

کہا تھا۔۔۔پتھر پر تو نہیں لکھا تھا۔ وہ دبی دبی برہمی ظاہر کر کے فوراً باہر نکل آیا تھا۔

دریہ مارے حیرت کے خفت سے برش تھامے ایک ٹک ہلتے پردے کو دیکھ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ قدموں سے وہ باہر آئی تو تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ دلہن کے ہاں مہندی لیجائی جا رہی تھی۔

مہندی کا لشکر تیار ہے۔ کوچ کا حکم دیا جاتا ہے۔ فاروق نے شور مچایا۔

پھوپھو سب ہی جارہی ہیں آپ اکیلی رہ جائیں گی۔ میں آپ کے پاس ٹھہر جاتی ہوں۔ دریہ عابدہ بیگم سے آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

ارے انہیں اپنی بھتیجی اور بہو پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

بیٹی مہندی تو لڑکیوں ہی کی تقریب ہوتی ہے۔ تم بھلا کیوں نہ جاؤ۔۔۔ اور رہی میرے اکیلے رہنے کی بات۔۔۔ تو جب سب چلے جائیں گے تو کام ہی کیا رہ جائے گا۔

پھر بھی صبح کی تیاری تو کرنا ہوگی۔ ناشتے وغیرہ کا انتظام۔۔۔ وہ بضد ہوئی۔

عابدہ بیگم نے حیرت وخوشی سے دریہ کو دیکھا۔ اتنی بڑی تبدیلی۔

وہ تو ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جہاں اس قسم کے تمام انتظامات نوکروں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ (یہ تو بڑی ذمہ دار ہے)

میں کہہ رہی ہوں ناں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ نوکرانی ہے میرے پاس۔ تم اپنا مزہ کیوں کھوٹا کرو۔ دیکھو تو سب کتنی خوش ہیں۔ اور پھر ان سب لڑکیوں میں تم ہی اہم ہو نغمہ بھی تم سے مل کر خوش ہوگی اور پھر بری دکھانے اور حوالے کرنے کی ذمہ داری بھی تم پر ہے۔ جاؤ بیٹی سب ٹھیک ہے۔

طارق نزدیک ہی واش بیسن پر کھڑا منہ دھو رہا تھا۔ مگر اس نے سب باتیں سُن لی تھیں۔ اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

اب کیا طارق کہے گا تب ہی مانو گی انہوں نے گویا مذاق کیا۔ دریہ نظریں جھکا کر رہ گی۔ طارق تولیا اسٹینڈ سے کھینچ کر ان کے نزدیک چلا آیا۔

اس گھر میں اب تک بڑے بڑے اور مشکل کام ہوئے ہیں۔ اور سب آپ کے بغیر ہوئے ہیں۔ اس نے دریہ کی سمت دیکھے بغیر کہا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

اماں جان کو بیٹے کا یہ دوٹوک سا انداز اچھا نہیں لگا۔

کام تو ہو ہی جاتے ہیں۔ بچی تو محبت سے کہہ رہی تھی۔ انہیں آخر کچھ تو کہنا تھا۔

مہندی عثمان کی سسرال پہنچی۔ بہت شاندار استقبال ہوا۔ مہندی لے جانے والوں نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ایک سے ایک شوخ وشریر، ایک سے بڑھ کر ایک حاضر جواب۔

گانوں کا مقابلہ شروع ہوا تو وہ شور مچا کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔

جب بھی دلہن والے گانا شروع کرتے فاروق طوطے کی آواز نکالنا شروع کر دیتا۔

اب تک طوطا چشم تو سُنے تھے، پورے کے پورے انسان نما طوطے آج دیکھے ہیں۔ ایک دلہن والی چڑ کر بولی۔

ہوشیار باش عثمان صاحب بھی انہی کے بھائی ہیں۔ طارق نے یاد دلایا۔

جائیے۔ دلہن کی امی کو کہہ کر آئیے کن طوطوں کو بیٹی دے رہی ہیں۔ سمیرا نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ایک دلہن والی سے کہا۔

دولہا والوں نے گانا شروع کیا تو کسی نے ڈیک پر شیر کے دھاڑنے کی آواز لگا دی۔ لڑکی والوں نے شور مچایا ہم شیر ہیں۔

آپ نے ٹیپو سلطان کا قول سنا ہے اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال نوچ سکتی ہیں۔ پر ہم تو طوطے ہیں۔ سائز میں چڑیا سے بھی بڑے اور ہمارا اتحاد بھی مشکوک نہیں۔ طارق کے جملے پر ہنسی اور چیخوں کیا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

باوفی دریہ بھی اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ کافی دیر سے چپ کھڑی تھی۔

یہ کون ہیں۔ موصوف کی تعریف ایک دلہن والی نے طارق کو تعجب سے دیکھا۔

یہ بھی دولہا کے بھائی ہیں تعریف تو ان کی یہ ہے کہ یہ ہم سب میں خوبصورت ہیں مگر افسوس کوئی جلد باز انہیں لے اُڑا۔ مجھے آپ سے سخت ہمدردی ہے۔ فاروق نے دردمندانہ انداز میں کہا تو لڑکی سلگ کر رہ گئی۔ کیں کہ قہقہے بہت بلند تھے۔

حد ہے خوش فہمی کی۔ وہ جل کر بولی۔

ایک سے ایک خوش فہم ہے ہمارے ہاں۔ آپ کے ہونے والے بہنوئی عثمان صاحب احمد فاروق صاحب فرماتے ہیں میں مستقبل میں متحدہ یورپ کا شہنشاہ بننے والا ہوں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ریذیڈنسی سوئٹزرلینڈ ہی میں ہوگی۔ وہ بھی جھیل لوکارنو کے کنارے۔ جنیوا میں۔ فاروق کی بات پر سب کے ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے۔

پھر تو مسئلہ افغانستان مسائل افغانستان بن جائے گا۔ کسی نے تان لگائی۔

اپنے بھائی سے کہہ دیجیے گا۔ بستر سے نیچے گرنے کے بعد اور آنکھ کھلنے کے بعد تکلیف محسوس ہو تو ہمیں بلا لیجیے گا بہت اچھا حکیم ہے ہمارے پاس۔ چوٹ بھی اچھی کر دیتا ہے ور بُرے خوابوں سے بھی بچاتا ہے۔

ہنسی کے طوفان میں ڈھول پر تھاپ پڑنا شروع ہوئی۔

فوزیہ اور ثوبیہ بڑی تندہی سے گانے میں مصروف تھیں۔

طارق بھیڑ میں جگہ بنا کر ثوبیہ کی سمت آیا اور یاد دلایا کہ وہ گیت چھیڑے جس کی تیاری اس نے چلتے وقت کی تھی۔ وہ اسے کہہ کر پلٹا تو دریہ اسے جانے کس انداز میں دیکھ رہی تھی۔

حمیرا۔۔۔ اس نے دریہ سے نظریں چُراتے ہوئے حمیرا کو آواز دی۔

جی چھوٹے بھائی۔۔

اٹھو یار وہ سامان تو نکلواؤ گاڑی سے جو دلہن والوں کو دینا ہے۔ اس نے دریہ کی غیر ذمہ داری کو بہت خوب جتایا۔

ممانی جان تو کہہ رہی تھیں کہ دریہ بھابھی۔

اس محفل رنگ و بو میں جانے کہاں سے بہت سارا دھواں طارق کی آنکھوں میں بھر گیا۔

دریہ بھابھی کون سی ہیں۔ دلہن کی بہن کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ غائبانہ متعارف تھی۔

دلہن کی بہن کے چونکنے اور حیران ہونے پر خاموشی سی چھا گئی۔

دریہ بھی ایک لمحے کو ٹپٹا گئی۔

ثوبیہ نے دریہ کی طرف اشارہ کیا۔

اوہ۔ وہ تو ہمیں خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا بلکہ طارق بھائی کے آس پاس بغور دیکھنا چاہیے
تھا۔

طارق کی تو شامت ہی آ گئی۔

دریہ تیزی سے باہر نکل گئی سامان نکلوانے کے لیے۔

اس کے دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار سا ارتعاش تھا۔ سارے جہان میں جیسے اعلان
ہو رہا تھا۔ وہ اس کا ہے۔ اس کے ہر ذکر میں اس کا بھی حوالہ تھا۔ استحقاق، اپنائیت، دوری کے
خوف سے دور رفاقت۔ کتنا مشکل مرحلہ
تھا۔ جو اس نے طے کیا تھا۔

ہر چند کہ وہ ذہنی طور پر بہت الجھ گئی تھی۔ فون پر اس کی اپنائیت بھری آواز۔ اور اب پھر کیا
ہے یہ شخص تم مجھے اتنے اچھے لگے۔ اور تم ہی نے مجھے نظر انداز کیا۔ میں جس چیز کو پسند کروں تو
اس کا مطلب ہے وہ شے خوش نصیب ہے۔ اور تم۔۔ تم۔۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو۔ دریہ
احسان کے لیے تو بڑے بڑے جوئے شیر نکالنے کو تیار تھے۔

تمہیں ایک دن تسلیم کرنا پڑے گا کہ میں نے تمہیں چاہ کر تم پر احسان کیا ہے۔

میں تو جنت میں رہا کرتی ہوں۔ کوئی چیز میری دسترس سے باہر نہیں۔ میں نے تمہیں چاہ
کر اپنے آپ پر جبر کیا ہے خود کو گرایا ہے، ایک ایک لمحے کا تاوان وصول کروں گی طارق احمد
فاروقی تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں دریہ ہوں۔ ڈیسنٹ انٹرپرائزز کی مالک۔ نوری فیبرکس کی
حصہ دار۔

میرے سامنے آ کر تو لوگ نظریں اٹھانا بھول جاتے ہیں۔ تم کس قدر خوش نصیب ہو۔
تمہیں ہم نے چاہا ہے۔ وہ اپنی بلبلاتی انا کو رام کرتے ہوئے سامان نکلوا رہی تھی۔

دلہن والوں کا ملازم سامان اندر رکھ رکھ کر آ رہا تھا۔

پھر وہ خود اس جگہ چلی آئی جہاں سامان پہنچا تھا۔ اپنے پرس سے چابیاں نکال کر اس نے
سوٹ کیس کھولا۔ وہ تھکی ہوئی کپڑے وغیرہ باہر نکال رہی تھی۔ میرا بھی اس کی مدد کو آ گئی تھی
اور سامان سجا رہی تھی۔

دریہ نے زیورات نکال کر عابدہ بیگم کی ہدایت کے مطابق دلہن کی امی کو کھول کر دکھائے
اور ان کے دیکھنے کے بعد سجے ہوئے جوڑوں کے درمیان رکھ دیے۔

یہ کون ہے ایک سرگوشی ابھری۔ یہ دلہا کی بھابھی ہے۔ جوابی سرگوشی ابھری۔

ہائیں۔۔۔ ہم نے تو سنا تھا دولہا سب سے بڑا ہے۔ کوئی متعجب ہوئی۔

اس کے چھوٹے بھائی کی بیوی ہے۔ ایک نے سمجھایا۔

چھوٹے کی پہلے کر دی۔۔۔ جی بھر کر حیرانی کا اظہار ہوا۔

نکاح ہوا ہے ابھی۔

ایسی کیا آفت آئی تھی۔ کیا باہر جا رہا تھا

کیا پتا۔۔

یہ تو اب نغمی ہی سے پتہ چلے گا۔ اب لہجے میں دبی دبی ہنسی کا تاثر بھی تھا۔

دریہ نے یہ سرگوشیاں سنیں تو اسے سخت اُلجھن کا احساس ہوا۔

لوگ فارغ کس قدر ہیں۔ مجھے تو کبھی خیال نہیں آتا کہ کون کیا کر رہا ہے کون ہے کہاں سے آیا ہے اسے خود کو موضوع بنایا جانا وہ بھی تنقیدی انداز میں بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

بہت دماغ والی لگتی ہے۔

سنا ہے مال دار بہت ہے۔ عثمان کی سگی ماموں زاد ہے۔

سلسلہ پھر چل پڑا۔

اس نے بہت بُرے موڈ میں دلہن کی امی کو چابیاں تھمائیں اور باہر گاڑی میں جا کر بیٹھ گی اور ملازم سے کہا جاؤ فاروق کو بلا کر لاؤ اندر سے۔

تھوڑی دیر میں فاروق باہر آیا۔

جی۔۔ آپا۔۔ بھابی۔۔۔ وہ گڑبڑا گیا تھا۔ اسے یوں منہ پُھلائے گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر۔

ابھی یہ لوگ بھی ہمارے ہاں آئیں گے۔ جلدی چلو۔ میں اگر رات کو سو نہ سکی تو میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ ہری اپ پلیز۔۔

اچھا میں ابھی آتا ہوں۔ وہ اندر بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد طارق آتا نظر آیا۔ اس کا دل دھڑک گیا۔

اس نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا پھر تیزی سے گاڑی بیک کی اور زن سے سیدھی سڑک پر ڈال دی وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئی۔ یہ کیا حرکت ہے بھلا وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ ابھی گاڑی ٹھسم ٹھس بھر جائے گی۔

وہ۔۔ دوسرے لوگ۔۔ وہ بمشکل بولی۔

لڑکیاں ابھی گانے وغیرہ گا رہی ہیں۔ ان کا ابھی واپسی کا کوئی پروگرام نہیں، بلکہ کسی کا بھی نہیں۔ نوٹ کر لیجیے ہمارے ہاں کسی فرد واحد کی وجہ سے اکثریت کے ساتھ زیادتی نہیں کی جاتی۔

دریہ سُن ہو گئی۔

یہ آپ کا موڈ کیوں خراب رہتا ہے ہر وقت۔۔۔ وہ لاہور میں جب آپ نے فون۔۔

میرا موڈ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے۔

لیکن آپ تو۔

وہ تو کبھی کبھار ذائقہ بدلنے کے لیے ہنس بول لیتا ہوں۔ جب ہی تو کہتے ہیں انسان کے ظاہر پر نہیں جانا چاہیے۔ وہ تلخ لہجے میں گویا ہوا۔

وہ آپ نے لاہور فون پر۔۔ دریہ نے اسے کچھ یاد دلا کر ماحول بدلنا چاہا۔ کچھ حقائق کا بھی اندازہ لگانا چاہا۔

طارق چپ رہا۔

اس کی خاموشی میں قطعی پن تھا۔ دریہ کو بہ ضبط سخت خاموش رہنا پڑا۔

وہ اسے گیٹ پر چھوڑ کر ہی واپس ہو گیا تھا۔ اس کی انا سخت زخمی کر کے۔

اندر جا کر اسے جواب دینا مشکل ہو گیا تھا۔ بمشکل کہا کہ سر درد کی وجہ سے آ گئی ہے۔ اور طارق چھوڑ گئے ہیں۔

ادیہ پھوپھو بھر ہاتھوں میں مہندی لگا رہی تھیں۔ ایک لمحے کو رُک کر بھاوج کی طرف دیکھا۔ عابدہ بیگم چوری ہو گئیں۔۔۔ اور سنجیدگی سے بولیں۔

شاکر یا عابد بلکہ فاروق کیا کھونٹے سے بندھ گئے تھے، وہ نہیں آ سکتے تھے یعنی ان میں سے کوئی۔

کیوں طارق کے ساتھ آنے میں کیا بُرائی ہے عابدہ۔۔ نور جہاں متعجب ہوئیں۔

سارا خاندان جمع ہے بھابھی جان ہر مزاج کے لوگ۔ ابھی نکاح ہی ہوا ہے۔ وہ کیوں ڈرتیں۔ صاف بتا دیا۔

ہونہہ۔ انہیں خاندان ہی نے تو روک کر رکھا ہوا ہے جبھی تو۔ اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ مائی فٹ۔ یہ کلبلاتے کیڑوں جیسے لوگ۔ کنوئیں کے مینڈک۔ ان کی پرواہ کی جائے۔ ان بھوکے ننگوں کو افریقہ کے کسی صحرا میں نہ پھنکوا دیا جائے۔ کوئی مجھ پر اعتراض تو کر کے دیکھے۔ ایسے مزاج ٹھکانے لگاؤں گی کہ وہ راستہ ہی چھوڑ دیا کریں گے جس پر میں چلوں گی۔۔۔ ہونہہ۔

کچھ طارق کی طرف سے اُبال تھا اور کچھ طبیعت پر سخت جبر کا ردِ عمل۔ شریانوں میں لہو اُبلنے لگا تھا۔

پتا نہیں کیسی طبیعت ہو رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اپنے بال نوچ کر چیخ کر روئے۔ اتنی انسلٹ۔

وہ اس جگہ چلی آئی جہاں اسے سونا تھا۔ بمشکل لباس تبدیل کیا۔ اور بیڈ پر گر پڑی۔ پھر بیٹھا شاروئی۔ اتنی نازک مزاج جو کبھی کسی مشکل سے نہیں گزری تھی۔

اس کے لیے اتنی کوفت بھی بہت تھی۔

ہونہہ بہت بڑھ بڑھ کر کہہ رہی تھیں فون پر دریہ کو لے آؤ۔ وہ اکیلی کیا کرے گی۔ جب ایسی پرواتھی خاندان کی تو اصرار کر کے بلوایا کیوں تھا ڈرامے کرتی ہیں اس عمر میں۔

اور طارق۔۔۔ پوچھ لوں گی تمہیں اچھی طرح۔۔۔ دیکھ لینا۔

خود سے لڑتی بھڑتی جانے کب سو گئی تھی۔ شاید رات تین بجے کا عمل تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ شاید لڑکی والے ابھی موجود تھے اور۔ اور۔۔۔ طارق بہت خوبصورت سا گیت سُنا رہا تھا۔

دل میرا تمہاری ادائیں لے گئیں دل چھین لینے والی نگاہیں لے گئیں

دریہ بے اختیار کھڑکی میں آ گئی۔ وہ دوسری منزل کے آخری اور نئے تعمیر شدہ کمرے میں تھی۔ وسیع و عریض برآمدے میں رنگ و نور کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ محفل اپنے عروج پر تھی۔

سامنے رسم کی غرض سے اسٹیج بنایا ہوا تھا جس پر طارق کھڑا ہوا گیت گا رہا تھا۔ کئی افراد اس کے اردگرد کرسیوں اور صوفے پر براجمان تھے۔ باقی پورا برآمدہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

موقع کی مناسبت سے گیت شوخ تھا۔ کچھ لڑکے ساز بجا رہے تھے۔

فصل بہار ہے دن ہیں غرور کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے حضور کے

بہاریں جی بھر کے بلائیں لے گئیں۔۔۔۔دل میرا۔۔۔

اس نے گانا ختم کیا تو ثوبیہ مچل گئی۔

طارق بھائی فلاں گیت سنائیں۔ اب وہ دوسرے کپڑے بدلے ہوئے تھی، مکمل سرخ سوٹ اور کامدانی کا دوپٹہ۔ تلّے کے کام کی چپل۔

اب طارق اور ثوبیہ میں بحث چل پڑی تھی۔ وہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ طارق مسکرائے جا رہا تھا۔ بڑی ڈھٹائی سے۔ میرے سامنے تو اکثر موڈی رونے والا بنا رہتا ہے۔

وہ سُلگ گئی۔

ثوبی جانے کیا ہوا۔ وہ کھڑکی ہی سے پکار بیٹھی۔

سب نے چونک کر اوپر گردنیں اُٹھا کر دیکھا۔

(میری غیر موجودگی میں کس قدر خوش ہے اتنا بھی یاد نہیں کہ میں گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی محفل میں نہیں ہوں)

اوپر آؤ۔

کیوں کہ اس وقت سب حاضرین محفل ثوبیہ اور طارق ہی کی سمت متوجہ تھے لہذا اب جدھر ثوبیہ بڑھی اُدھر ہی سب کی نظریں۔ طارق نے اوپر کمرے کی کھڑکی سے جھانکتی دریہ کی سمت دیکھا۔ اس کی روح میں کڑواہٹ گھل گئی۔

یقیناً محترمہ کو پھر ٹانگ اڑانے کا خیال آ گیا ہے۔

چلیے حاضرین میں اپنی خوشی سے بغیر اصرار کے آپ کو یہ فرمائشی گیت سُنائے دیتا ہوں۔

ثوبیہ جو ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی بھاگتی ہوئی واپس آئی اور عثمان سے مخاطب ہوئی۔

بھائی میاں انہیں روکیے، میں کہہ رہی تھی تو کہہ رہے تھے یاد نہیں ہے۔ گول گپے والا سُن لو یا ٹانگہ لاہور والا سن لو اور اب کیسے یاد آیا۔۔ دیکھیے میں ابھی آتی ہوں۔ شروع نہیں کرنا۔

ثوبیہ۔۔۔ دریہ چلائی۔

آ رہی ہوں آپی۔۔۔

اُڑ کر چلی جاؤ۔ فاروق شریر ہوا۔

ہم آپ کی طرح ہواؤں میں نہیں اُڑتے۔ وہ پٹاخ سے بولی۔

پھر پانی میں اُڑتی ہوں گی۔ ایک کو حنک سینٹر کھول لیجیے۔ نئی بات ہے خوب چلے گی۔

شاکر منہ پھاڑ کر ہنسا۔

قہقہے ابھرے۔ دریہ کی جان سُلگ گئی۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے سب اس پر ہنس رہے

ہوں۔

جی آپی۔۔ثوبیہ بیمزہ ہونے پر جھلائی ہوئی تھی۔

تین بجنے والے ہیں۔اب سو جاؤ۔

ہائیں۔۔۔کیا ہم سونے آئے ہیں۔۔وہ تعجب سے بہن کو دیکھنے لگی۔

پورا گھر جاگ رہا ہے اور ہم سو جائیں۔

طبیعت خراب ہو جائے گی۔

آپ نے مجھے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے،آپ سو جائیں۔وہ لاپروائی سے بولی۔

ڈونٹ کیئر۔۔آپی۔۔

تم سو جاؤ تو اچھا ہے۔

ثوبیہ اس کی سوجی سوجی آنکھیں جو نائٹ بلب کی روشنی میں واضح ہو رہی تھیں دیکھ کر واقعی پریشان ہوگی۔

آپ کی آنکھیں کیوں سُوج رہی ہیں۔۔۔

اس نے تو کبھی ہوش میں اپنی بہن کو روتے نہیں دیکھا تھا۔اس کی ہر تمنا پوری کر دی جاتی تھی خواہش وضد سے پہلے (کیا آپی روئی ہیں۔۔۔مگر کیوں۔۔)

آر یو پزل آپی۔۔

نو۔۔۔ڈیئر۔۔۔(شی از انوسینٹ۔۔۔ہو آئی میڈ پرہیپس)

شاید وہ ثوبیہ کو طارق کے مقابل برداشت نہیں کر پائی تھی۔بھلا ثوبیہ کا کیا قصور

اچھا تم جاؤ۔میرے سر میں بہت شدید درد ہوا تھا۔آنکھوں سے پانی نکلا تھا شاید اس لیے سوجی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔اچھا اب تم جاؤ۔اینڈ ڈونٹ ٹاک اباؤٹ می۔

ثوبیہ حیران و پریشان واپس نیچے چلی آئی۔بھلا کیا بات ہوئی۔طبیعت خود کی خراب ہے۔سونے کے لیے مجھے کہہ رہی ہیں۔

طارق نے اس کو اُلجھے اُلجھے انداز میں آتے دیکھا تو جانے کیا کیا اس پر نازل ہوا۔(جانے کس کس کو پاگل کرو گی دریہ بیگم مگر حساب کتاب کا وقت اب دور نہیں)

لو بھئی،تم پر چھوٹتے ہی میرے بیٹے نے اعتراض کیا تھا۔فیروزہ ہنسی۔

اب آئندہ ذرا محتاط رہنا۔

کیسا لگا یہ کام۔۔

سچ روز۔۔ویری انٹرسٹنگ۔۔اور پھر ہیروئن کے تو ٹور ہی اور ہوتے ہیں۔ستارہ ہنسی۔بس ذرا فلم ہٹ ہو جائے پھر سب اشاروں پر ناچیں گے۔اب اگلی شوٹنگ ایبٹ آباد اور نتھیا گلی میں ہوگی۔پندرہ دن کا پروگرام کولمبو اور بنکاک کا ہے میں ایک پارٹی دینا چاہ رہی تھی یامین صاحب اور دوسروں کو۔۔۔

پھر دی کیوں نہیں فیروزہ نے استفسار کیا۔

ہمارا ایک بندہ کراچی گیا ہوا ہے۔ دس دن کی چھٹیوں پر۔ اس کے بغیر پارٹی پُرلطف نہ ہوگی۔

ہیرو ہے فلم کا۔۔ فیروزہ نے پوچھا۔

سنگر ہے۔

کون فیروزہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ (یقیناً کوئی نامور آرٹسٹ ہی ہوگا۔)

طارق

ہیں۔۔ یہ نام تو پہلے کبھی نہیں سُنا۔ فیروزہ حیران ہوئی۔ نیا ہے غالباً۔

ہوں مگر اتنی خوبصورت آواز کا مالک روز سنو گی تو جھومنے لگو گی۔ مگر اسے اپنی قدر نہیں ہے۔ مزید گانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

کیوں

اس کے خاندان والے پسند نہیں کرتے۔

اور وہ آج کا انسان اتنا اوبیڈینٹ ہے۔ کیا خاندانی لگتا ہے فیروزہ کو دلچسپی محسوس ہوئی۔

ہوں۔۔ لگتا تو ہے۔ آرکیٹکٹ ہے۔ بہت دلکش مگر ہے بہت مغرور۔

اس میں یہ خوبیاں نہ بھی ہوتیں تو مغرور ہونے کے لیے خاندانی ہونا ہی کافی تھا۔ فیروزہ حسرت سے بولی۔

ارے وہ تو پبلسٹی اور شہرت سے بھی دور بھاگتا ہے۔ یقین کرو۔

پھر تو وہ واقعی خاندانی ہے۔ بھلا جو اپنے پیچھے معزز شجرہ رکھتا ہو اس کے لیے تو بہت کچھ بھی نہ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔

وہ سیر ہے۔ لبالب ہے۔ کس قدر لگی ہے اسے شاید احساس بھی نہ ہوتا ہو۔

محرومی فیروزہ کے رگ و ریشے میں زبان بن کر چیخ رہی تی۔

شوبزنس مین ایک سے ایک خاندانی بھی ہوتے ہیں روز۔ وہ اپنا آپ منوانے کے لیے میدان میں اُترتے ہیں۔

شہرت کی کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان کی جدوجہد کا انعام ہوتی ہے۔ عجب آدمی ہے۔ مشہور ہونے سے گھبراتا ہے۔

اس میں شاید کوئی خلا نہیں ہے۔ وہ حقیقت میں مطمئن ہے۔ اس لیے بے نیاز ہے۔ تم نے بھی اسے تسلیم کیا ہے تب ہی تو اس کی وجہ سے پارٹی postpone کی ہے (ملتوی کی ہے)

تم اٹینڈ کرو گی پارٹی ستارہ نے اچانک پوچھا۔

کب دو گی

شاید کسی فرائیڈے کو۔

ویک اینڈ پر تو میں اسلام آباد جاتی ہوں۔ پھر وہاں سے مری۔

اماں نے بھی کیا ورد لگایا ہے۔ بھلا بتاؤ کل کی مشکوک خوشیوں کی خاطر ہم اپنی آج کی

خوشیاں برباد کر لیں۔۔

ان کا اثر تم کچھ سالوں بعد محسوس کرو گی۔۔ میں تو اس تنہائی میں عمر کے خیال کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ اور تم بھی آزاد ہو۔ میں ایسا کروں گی عمر سے مل کر لاہور آ جاؤں گی۔

خوش۔۔

ہاں روز۔۔ تم ضرور آنا۔۔ تاکہ سب دیکھ لیں میرے بھی آگے پیچھے کوئی ہے۔ فیروزہ نے اسے گلے لگا لیا۔

تم بھی محسوس کرتی ہو ناں کہ کسی کا۔ کسی اپنے کا آگے پیچھے ہونا اس معاشرے میں کتنا ضروری ہے۔۔ کل کو جب عمر بڑا ہو گا تو دیکھنا ہم کتنے مضبوط ہو جائیں گے۔ جب مجھ سے ایک ہاتھ اُونچا ہو کر سارے زمانے کے سامنے مجھے ممی کہے گا تو حفاظت کے، عزت کے، افتخار کے جانے کتنے ان دیکھے قلعے تعمیر ہوں گے۔

ستارہ کو فیروزہ کے گلے لگ کر ایک گونہ طمانیت کا احساس ہوا۔ پھر چونک سی گئی جانے کیا سوچ کر۔

روز گڑیا کہاں ہے

اندر ہے تمہارے کمرے میں۔ جاؤ دیکھو وہ تمہیں دیکھ کر کتنی خوشی کا اظہار کرے گی۔

ستارہ تیزی سے اپنے کمرے کی سے بڑھ گئی تھی۔

وہ جس وقت گھر میں داخل ہوئے بخار میں ان کا وجود پھنک رہا تھا۔

کراچی سے چلتے وقت انہیں محسوس تو ہو رہا تھا کہ طبیعت گڑبڑ ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ راستے میں ہی اتنی بری حالت ہو جائے گی۔

بمشکل انہوں نے ڈرائیونگ کی تھی۔

پھاٹک پر پہنچتے ہی انہوں نے سخت عجلت کے انداز میں ہارن پر ہارن دیا۔

غلام محمد کہیں دور خوب کالی کلوٹی سی پتیلیاں مانجھ رہا تھا۔

روشن نے کھڑکی میں سے جھانک کر گھبرائے ہوئے انداز میں غلام محمد سے کہا۔

غلام محمد شاہ صاحب۔

وہ تو سرپٹ دوڑا۔ روشن جلدی سے کمرے سے نکل کر اس طرف آئی جہاں وہ برتن دھو رہا تھا اور بیٹھ کر برتن رگڑنے لگی۔ زور زور سے تاکہ اندر داخل ہوتے وقت شاہ صاحب بھی نوٹس لیں کہ وہ برتن رگڑ رہی ہے۔ شاید انہیں ترس آ جائے۔

جیسے آج تک اتفاقات کی کثرت اس کی زندگی میں رہی ہے۔ پھر کوئی اتفاق ہو جائے، پھر اس کی تقدیر پلٹ جائے۔

شاہ صاحب ایک طرف آخر میں بنے ہوئے کمرے کی طرف چلے آئے۔

روشن نے چپکے سے کھڑکی میں سے انہیں دیکھا۔

محض اپنی چال سے حسن کو بیس کرنے والا کتنا جھکا جھکا لگ رہا تھا۔ بڑھاپے کی طرف گامزن۔

وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا ہو گیا

غلام محمد میری سخت طبیعت خراب ہے اچھی سی چائے بنا لاؤ اور ادھر بستر لگا دو اور دیکھو
آج آئے تو بتا دینا شام کو بات کروں گا۔ میں سونا چاہتا ہوں

بہتر سائیں۔۔

اس نے بستر لگانے میں پھرتی دکھائی پھر چائے بنانے باورچی خانے میں چلا آیا۔

روشن چائے بنا رہی تھی۔

مالکن۔ میں بنا لیتا ہوں چائے، آپ تکلیف نہ کرو۔

غلام محمد وہ بہت دور سے تھک کر آئے ہیں۔ مجھے پتا ہے وہ کیسی چائے پسند کرتے ہیں۔ تم
انہیں یہ نہ بتانا کہ میں نے بنائی ہے۔

اس نے چائے بنا کر غلام محمد کو دی اور خود پھر ان کے کمرے کے عقب میں چلی آئی۔

نہ جانے اس کے کان کیا سننا چاہتے تھے۔

چائے اچھی بنی ہے۔ شکریہ غلام محمد

میں نے نہیں، یہ چائے مالکن نے بنائی ہے۔ اس بھلے آدمی نے اپنی طرف سے کوشش کی
کہ مالک کے دل میں مالکن کے لیے گنجائش نکل آئے۔

یہ چائے فوراً لے جاؤ فوراً غلام محمد۔ اور ایک بات غور سے سن لو۔ اگر میں غلطی سے کبھی
زہر کھا لوں تو بھی اس کے ہاتھ سے تریاق لینے کی بجائے مرنا پسند کروں گا۔

روشن کو چکر سا آ گیا۔

ہر مرتبہ نفرت بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں۔

وہ بیٹھ گئی۔ اے دل خوش فہم تیری ہر خوش فہمی کا اختتام کسی نہ کسی گہرے گھاؤ پر ہوتا ہے۔
تجھے یقین کیوں نہیں آتا۔ کہ تیرا مقدر آگے کنواں پیچھے کھائی ہے۔ مایوسی کی ہر انتہا امید کی
کرن کے نمودار ہونے پر مکمل ہوتی ہے۔

اور یہ اس لیے کہ زندگی کی طلب باقی ہوتی ہے۔

وہ بھی شاید کوئی امید کی کرن پا کر رات کی تاریکی میں ان کے کمرے میں آئی تھی۔

وہ بخار میں مبتلا ہونے کے سبب بے سدھ سے تھے۔ ان کے بھینچے ہوئے سرخ ہونٹ
جانے کس قسم کے کرب کے مظہر تھے۔

وہ اس کے تھے۔ اور وہ انہیں چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

ہر عمل کی تحریک اور رد عمل دونوں انسان کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ وہ باہر سے کب
ڈرتا ہے۔۔

خارجی ڈر کوئی چیز نہیں ہوتے۔ خوف تو انسان کا اپنا ہمزاد ہوتا ہے۔

جرم، ملامت، مل کر ڈر تخلیق کرتے ہیں۔۔

یا پھر انجانے میں کبھی کہیں سے نقصان پہنچا ہو وہ نقصان غیر شعوری طور پر خوب بن کر

ساری زندگی پر چھا جاتا ہے شاہ صاحب بھوت تو ہر گز نہیں تھے۔ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔

ڈر تو اس کی اپنی کارگزاری کا ردعمل تھا جس کے سبب وہ کانپ رہی تھی۔اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

وہ شخص بھی بہت ڈرپوک ہوتا ہے جو حقیقی علم و آگہی سے دور ہوتا ہے۔اور فریب جیسی خوشیوں مین مگن رہتا ہے۔اور اپنی پُر فریب زندگی کو اس کائنات کا حرف آخر سمجھتا ہے۔

اس نے کبھی عرفان و آگہی کی منزلوں پر جانا پسند نہیں کیا تھا۔

خواب سی اور فریب جیسی زندگی گزاری تھی۔

اتنے سارے خوف مل کر اس کی ہمت پست کر رہے تھے۔وہ ایک بار پھر ان سے معافی مانگنے آئی تھی۔

مگر ان کے پاؤں چھو کر آنسو بہاتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔

اس کے اشک اس کے رخساروں پر رواں تھے۔

وہ آخر ان کے قدموں پر جھک گئی۔گرم گرم آنسو ولایت علی شاہ کے پاؤں پر گرے تو ان کی آنکھ کھل گئی۔انہوں نے چونک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

کیوں آئی ہو۔ان کی بھاری آواز تلخی سے بوجھل تھی۔

آپ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے۔اس کی رندھی ہوئی آواز اُبھری۔

یہ جان کر بھی میں نے تمہیں معاف نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

آپ اتنے شقی نہیں ہو سکتے۔

جب تم اتنی شقی ہو سکتی ہو تو ایک خود مختار مرد سے کیا بعید ہے۔میں نے تمہیں کہا ہے کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔میں بہر حال خون نہیں کرنا چاہتا۔ان کا لہجہ سفاک ہو گیا۔

میرے گناہ کو پہلے آپ معاف کریں گے، تب ہی خدا بھی معاف کرے گا۔وہ پھر گویا ہوئی۔

اگر تمہاری اپنی بیٹی کو تمہاری سگی ماں نقصان پہنچاتی تو تم اسے کبھی معاف نہ کرتیں، اس کا خون ہونے کے باوجود۔۔پھر میرا تمہارا رشتہ تو خونی بھی نہیں ہے صرف تین بولوں کے کچے رشتے سے بندھا ہے۔

بندھا ہے ناں۔ایک آس جاگی۔

مگر اس میں انتقام کی گرہیں پڑ چکی ہیں، اب یہ ہموار نہیں ہو سکتا۔

میری وچی نیندیں رخصت ہو چکی ہیں۔

میری ہر خوشی فنا ہو چکی ہے۔

میری زندگی کا ہر لطف کھو چکا ہے۔

میرا سینہ بھڑکتی ہوئی آگ بن چکا ہے۔میں زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں۔۔تمہاری وجہ سے

محض تمہاری وجہ سے تم چلی جاؤ۔۔۔ورنہ۔۔۔اگر آئندہ میرے سامنے آئیں تو۔۔فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔

انہوں نے رُخ موڑ لیا۔

اور پھر وہ شکست کے کانٹوں پر چلتی واپس چلی آئی۔

آنسو تو تھمنا بھول چکے تھے۔اب بھی بدستور بہہ رہے تھے۔صرف جرم کا احساس ہی نہیں تھا۔

مامتا۔۔بیٹی کی مامتا بھی تو آگ بن کر اس کا تن من خاکستر کرتی رہتی تھی۔

انسانوں کا ہجوم بیکراں تھا جو خلیق احمد کے بیٹوں کے ولیمے میں شریک تھا۔

اماں جان کے مارے خوشی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ہر شخص ان کی بہوؤں کو سراہ رہا تھا۔دونوں اسٹیج پر موجود تھیں۔ہر شخص کی توجہ کا مرکز۔

طارق نے اپنی دونوں بھابیوں کو لاکٹ دیے تھے منہ دکھائی میں، جن پر ان کے نام کندہ تھے۔اماں جان نے دونوں بہوؤں کو منہ دکھائی میں کنگن دیے تھے۔

نور جہاں نے ایک ایک ہیرے کی انگوٹھی ان دونوں کو پہنائی تھی۔ویسے بھی وہ خاصے تحائف لائی تھیں گھر بھر کے کپڑے علیحدہ لائی تھیں۔

اتنے بھرپور طریقے سے وہ شادی میں شریک ہوئی تھیں کہ ساری عمر کے گلے مٹ گئے تھے۔

اماں جان نے خوش ہو کر طارق کو کئی بار جتایا تھا کہ اس کی ممانی کیا کیا لائی ہیں۔

(وہ اپنا سب کچھ بھی دے دیں اماں جان تو بھی وہ میرے خوابوں کی قیمت نہیں چکا سکتی) اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

دُریہ کو فلو تھا، وہ نڈھال سی ایک کمرے میں محو استراحت تھی۔اماں جان نے طارق کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو لا کر دریہ کا چیک اپ کرائے۔

وہ چار و ناچار ڈاکٹر کے ہمراہ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔نور جہاں تو بہت بےفکری تھیں، ان کا خیال تھا ان کی بیٹی جس گھر میں موجود ہے، وہاں محض خیال ہی نہیں رکھا جائے گا، بلکہ ہر طرح کے ناز نخرے تک اٹھائے جائیں گے دریہ پشت کیے لیٹی تھی۔آہٹ پر بھی اس نے کروٹ نہیں بدلی۔

تب اسے بلانا ہی پڑا۔

دریہ۔۔۔

وہ عالم غنودگی میں تھی۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی فرشتہ سنہری پروں سے ہوا دے رہا ہو۔

اور جس آواز نے اس کا نام لیا وہ تو اس کی مٹی کا جوہر تھی۔

اس نے وہم کو یقین کرنا چاہا۔ایک بار پھر اس آواز میں اپنا نام سننا چاہا۔

دریہ وہ اپنی ذات کی نفی پر چیخ چیخ گیا۔

دوسری سمت پھول برسے تھے۔اس نے کروٹ بدلی۔اس کی آنکھیں متورم اور چہرہ ستا

ہوا تھا۔ وہ نظر چرا گیا۔ یہ ڈاکٹر شفیق ہیں چیک اپ کے لیے آئے ہیں۔

تشریف رکھیے ڈاکٹر۔

بتایا گیا ہے کہ آپ لاہور سے تشریف لائی ہیں۔ شاید آپ کو کراچی کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ ڈاکٹر شفیق مسکرائے۔

(آب و ہوا تو بہت راس آئی۔ کہ مقصود و مطلوب ملا۔ بس لوگ راس نہیں آئے) وہ مسکرا دی۔

گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ انشاءاللہ دو تین گھنٹے ہی میں بخار اتر جائے گا۔

ڈاکٹر میں انجکشن نہیں لگواتی مجھے ڈر لگتا ہے سوئی کی چبھن سے۔ دریہ نے سرنج دیکھ کر گھبراہٹ ظاہر کی۔

(خود سوئی کی چبھن سے ڈرتی ہے۔ اور دوسرے کے وجود میں سوئیاں اتار کر بھی نادم نہیں ہوتی) طارق کی رگوں میں زہر دوڑا۔

ڈاکٹر کے جاتے ہی اماں جان و نور جہاں نغمہ اور ربیعہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

دری جان۔ یہ تمہاری بھابھیاں تمہیں دیکھنے آئی ہیں۔ نور جہاں پیار سے بولیں۔

دریہ نے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

نغمہ نے اپنا حنائی ہاتھ بڑھا کر اسے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔

اماں جان اور نور جہاں تو فوراً واپس چلی گئیں۔ وہ دونوں اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

آپ لوگ محفل چھوڑ کر یہاں آ گئیں دریہ مسکرائی۔

بھئی، ہمارا ایک خاص آدمی بیمار اور تنہا ہو تو اس کی عیادت فریضہ اول ہے۔ ربیعہ مسکرائیں۔ پھر دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی ہے تو نہیں۔

اسی دم طارق چند دوائیوں کے ہمراہ اندر داخل ہوا، اپنی بھابیوں کے سامنے دیکھ کر کچھ ٹھٹکا سا گیا۔

پہلے بیمار کرتے ہیں پھر خدمت کرتے ہیں۔ نغمہ نے چھیڑا۔ تب دریہ نے سوچا۔ (آہ بھابھی آپ میری روح میں کیوں کر اتریں۔)

جی۔ وہ چنچل سا ہوا۔

گھر میں مہمانوں کا ہجوم ہے۔ اس ماحول میں بیماری خوبصورت بہانہ ہے۔ نغمہ مسکرائیں۔

ان کے لیے۔ کہ بیمار یہ ہوئی ہیں۔ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا اور پلٹ گیا۔

میں تمہیں کیوں کر سمجھوں طارق احمد فاروقی۔ یاد رکھنا تم میرا انتخاب، میری چیز ہو۔ میری قید میں ہو۔ میرے لیے یہ تسکین بھی بہت ہے۔ کہ جو میرا انتخاب ہے وہ میری دسترس سے دور نہیں۔

سارا الزام تم پر دھر گئے دریہ ربیعہ مسکرائیں۔

عادت ہے۔ وہ بھی مسکرائی (اپنا کوئی قصور نہیں جیسے۔ انسان ایسا کیوں ہو کہ دوسرے کی ذات میں حلول کر جائے۔ اتنا اچھا کیوں لگے کہ اپنا بنائے بنا چارہ نہ رہے)

وہ اپنی گاڑی ہی میں لاہور آئی تھی۔ کئی گھنٹوں کی مسلسل ڈرائیونگ سے وہ تھکن سے چور ہو رہی تھی۔ مہ پارہ کے کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ملازم اس سے متعارف ہوا تو فوراً پہچان گیا۔

میم شوٹنگ پر گئی ہوئی ہیں اور ستارہ بی بی بھی۔ آپ کا کمرہ سیٹ ہے۔ تشریف لائیے۔ وہ اسے کمرے میں لے آیا۔

وہ بستر پر گر گئی۔ ڈنر رات نو بجے تھا اس وقت ساڑھے سات بج رہے تھے وہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔

پھر ملازم کو بلایا اور کپڑے پریس کرنے کو دیے۔

سفید کلر کا کرتا شلوار تھا جس پر سفید ہی ریشم اور شیشے کا کام بنا ہوا تھا۔ دوپٹہ بالکل سادہ جارجٹ کا تھا۔ اس کے ہمراہ وہ سفید سینڈل اور پرس لائی تھی۔ اور سفید نگوں کے آرٹیفشل آویزے تھے۔ پتا نہیں اس کا دل کیوں چاہ رہا تھا کہ آج وہ ہر شے سفید استعمال کرے۔

ملازمہ چائے کافی کا پوچھنے آئی تو اس نے چائے کے لیے کہا اور پھر غسل کرنے چلی گئی واپس کمرے میں آئی تو فون اس کا منتظر تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف مہ پارہ تھی۔

ہیلو۔ روز۔ آ گئیں تم ٹھیک نو بجے۔ پہنچ جانا، گاڑی بھیج رہی ہوں۔

پارو۔۔۔ گاڑی لائی ہوں میں۔ فیروزہ بولی۔

لیکن روٹ کا پتا۔

پاکستان کے ہر شہر کے روٹ سے واقف ہوں میں۔ تم جانتی ہو۔

وہ مہ پارہ کی بات کاٹ کر معنی خیز ہنسی ہنس کر گویا ہوئی۔

تارو کہاں ہے اس نے پوچھا۔

وہ ایورنیو میں شوٹنگ کر رہی ہے، میں شاہ نور میں ہوں۔ دونوں میں زیادہ فاصلہ تو ہے نہیں۔ تم شاید جانتی بھی ہو ملتان روڈ پر ہی ہیں۔

بتا رہی تھی تارہ کہ تمہاری کچھ پرابلم تھیں اس وجہ سے وہ سیٹھ ڈے کو ڈنر دے رہی ہے۔ تم پہنچو ہم بھی آ رہے ہیں۔ تارہ تو پورے یونٹ کے ساتھ آئے گی۔ اچھا خدا حافظ۔۔۔ او۔ کے۔ ڈیر۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اور تیاری شروع کر دی۔ بال خشک کر کے کیپ میں مقید کیے اور چہرے کی کلینزنگ میں مصروف ہو گئی۔

نو بجنے میں دس منٹ تھے جو وہ آئینے میں وداڑیں ڈال رہی تھی۔

سفید رنگ اس کی قدرتی گلابی رنگت سے ہم آہنگ ہو رہا تھا۔ لپ اسٹک بھی اس نے نیچرل پنک استعمال کی تھی بال اس کے ترشے ہوئے تھے دونوں سائیڈ پر اس نے سفید نگوں کی پنیں استعمال کی تھیں بلکہ یہ نگینے سفید ہیرے تھے عموماً وہ ڈائمنڈ کی پنیں استعمال کرتی تھی۔

سیاہ گھور بالوں میں اسے ہیروں کا دمکنا بہت بھاتا تھا۔ یہ پنیں وہ ہانگ کانگ سے لائی تھی اور بہت خاص تقریبات میں استعمال کرتی تھی۔ یہ پنیں بل کھاتے سانپ کی شکل میں بنائی گئی تھیں۔

اچھی طرح اپنا جائزہ لینے کے بعد اس نے پرس سے چیزیں منتقل کر کے سفید پرس میں ڈالیں خوشبو چھڑک کر گنگناتی ہوئی ہوٹل کی سمت روانہ ہوئی۔

وہ ہوٹل میں داخل ہوئی تو شانے پر دوپٹہ پھیلا لیا اور پرس سینے سے لگا کر اس طرف آئی جہاں ڈنر کا اہتمام تھا۔ تارہ استقبالیہ فرائض انجام دے رہی تھی اسے دیکھ کر خوشی سے ہنستی آئی۔

بالکل حور پری بن کر آئی ہو جان۔ ویسے یہاں بڑے بڑے متقی پرہیزگار قسم کے لوگ بھی موجود ہیں۔ حوروں کی سخت ضرورت ہے۔

ستارہ نے سرگوشی کی تو فیروزہ اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی بیساختہ ہنس پڑی۔ ہنسی رکی تو محسوس ہوا ہر نظر اس پر ہے۔ وہ کچھ نروس ہوئی پھر نہایت مشاقی سے سنبھل گئی۔

ستارہ نے سب سے اس کا تعارف کرایا۔ فیروزہ نے یہ بات محسوس کی کہ ستارہ نے اپنے یونٹ کے معمولی سے معمولی ورکر کو بھی انوائیٹ کیا تھا جو ایک طرف ایک ہی میز کے گرد اکٹھے تھے۔ یہ ہماری فلم سے آغاز کرنے والے گلفام سے سنگر طارق احمد فاروقی۔ مجھ سے زیادہ ان کے نخرے اٹھائے جا رہے ہیں ان کے جبکہ مجھ پر پوری فلم ڈیپنڈ کر رہی ہے اور آپ جناب نے صرف ایک گیت گایا ہے۔ صرف ان کی وجہ سے یامین صاحب کے لاڈلے چہیتے صحافی کو اس ڈنر میں انوائیٹ نہیں کیا گیا ہے۔

بات دراصل یہ ہے گھر والوں سے چھپ کر گایا ہے۔ اس لیے۔ وہ شریر ہوئی۔

طارق نے دھیمے سے مسکرا دیا۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔

ہم کیا نخرے اٹھائیں گے۔ جب بندہ ہی اتنا پیارا شائستہ اور احترام کرنے والا ہو تو جوابا اس کے ساتھ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ آپ خود ہی انصاف کریں۔ علی جان صاحب نے صفائی پیش کی۔

روز یہاں بیٹھو۔ اس نے طارق کے مقابل فیروزہ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر وہ طارق کی سمت متوجہ ہو کر شرارت سے گویا ہوئی۔

شرمائیں گے تو نہیں

آپ نے فرمایا تھا۔ ہر شخص آزاد ہے جیسے اور جو چاہے کرے۔ کھانا اپنی پسند کا۔ اٹھنا بیٹھنا مرضی کا۔ لہذا اگر میرا موڈ ہوگا تو میں شرما بھی لوں گیا۔ کوئی پابندی تو نہیں ہے ناں شرمانے پر۔ اس نے اپنی فطری حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا۔ سب ہنس دیے۔

بہت دنوں بعد بڑا اچھا سا گروپ بنا ہے۔ بس فاروقی صاحب ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ یامین صاحب مسکرائے۔

طارق مسکرا دیا۔ مگر بولا کچھ نہیں وہ اپنا موقف بتا چکا تھا لہذا دہرایا نہیں۔

آپ یہیں لاہور میں ہیں فیروزہ نے کہنیاں میز پر ٹکائیں۔

جی۔ اس نے سرسری نظر دوڑا کر بڑے وقار سے جواب دیا۔

آپ کی پوری فیملی

فیملی۔ وہ کچھ اُلجھا۔ نہیں میرے سب گھر والے کراچی میں ہوتے ہیں میں یہاں اپنی ملازمت کی وجہ سے ہوں۔

سنا ہے آپ آرکیٹیکٹ ہیں

جی ہاں وہ جوابات دے رہا تھا اس نے از خود کوئی بات نہیں کی تھی۔

کیا شادی شدہ ہیں۔ مہ پارہ ان کے نزدیک چلی آئی۔ جو اس قدر احتیاط سے رہتے ہیں۔ وہ پھکڑ پن سے ہنسی۔

ارے بھئی یہ تو بڑے پرہیز گار کنوارے ہیں۔ ان کا بس چلے تو نظر اُٹھا کر دیکھنے سے پہلے بھی کاغذی کاروائی مکمل کریں۔ یامین صاحب بولے تو حاضرین کے بیساختہ قہقہے گونج اُٹھے۔ طارق کچھ جھینپ گیا۔

اب ایسے بھی کوئی بات نہیں۔ اور اس دور میں تو کاغذی کاروائیاں بھی معتبر نہیں رہیں۔ وہ کہہ گیا۔

اتنے آرٹسٹک سے آدمی ہیں آپ۔ کوئی شاہکاری چیز بنایئے ناں یہاں، اپنے ملک میں۔ جو آپ کی صلاحیت اور روح کا مظہر ہو۔ فیروزہ نے اسے پھر سے متوجہ کیا۔ طارق نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

(یہ تو اچھی خاصی معقول قسم کی لڑکی ہے) فیروزہ نے اسے اپنی سمت دیکھتا پایا تو نظریں جھکا لیں۔

(اس سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خاصی سنجیدہ قسم کی لڑکی ہے)

آپ پڑھتی ہیں۔۔۔ وہ پوچھ بیٹھا ایسے ہی اخلاقیات کے مظاہرے کے طور پر۔

یہ پڑھاتی ہیں۔ مہ پارہ نے ٹکڑا جوڑا۔ اس کی معنی خیز بات پر چند ایک کے قہقہے بہت زوردار تھے۔ فیروزہ ساکت سی ہوگئی۔ اسے اپنے سفید لباس پر جگہ جگہ گندگی دکھائی دی، طارق کو ان کے قہقہے بھٹکے سے لگے۔

(پڑھانا تو اچھی بات ہے اس میں ہنسی کا تو کوئی پہلو نہیں نکلتا۔) اس نے تجزیہ کیا۔

جب آپ آسانی سے یہاں اپنا کیریئر بنا سکتے ہیں تو مستقل کیوں نہیں گاتے

میرے والدین پسند نہیں کریں گے۔ اس نے اعتماد سے کہا۔

آج کل اپنے فیوچر کی خاطر کون کسی کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

کسی کی پرواہ کی جائے یا نہیں۔۔۔ لیکن والدین کسی میں شامل نہیں ہیں۔ شاید لہو اور مٹی تاثیر سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ میں اپنے اندر اس قدر اخلاقی جرات نہیں پاتا۔ اس نے اعتراف کیا۔

آپ کے والدین بہت لکی ہیں۔ آپ ان سے اتنی دور ہو کر بھی انہیں مقدم رکھتے ہیں۔

نہیں، میں خاصا بُرا آدمی ہوں۔ ایک گیت تو گایا ہے ناں۔ سرتابی تو کی ہے۔

یہ تو آپ کی انفرادیت اور جرات اظہار ہے۔ اپنی اپنی ذات پر ہر شخص کا حق تصرف رکھتا ہے۔ فیروزہ نے قطعی انداز میں کہا۔

طارق نے ایک مرتبہ پھر اس گہری سی لڑکی کو چونک کر دیکھا جو اسے فلسفے کی طرف لے آئی تھی۔

ایک بات کہوں بُرا نہ مانیے گا۔ فیروزہ گویا ہوئی۔

فرمایئے۔

آپ کے والدین اپنی پُرانی سوچ سے آپ کی تقدیر کے فیصلے کرتے رہے اور آپ نقصان میں رہے تو بتایئے آپ کسے موردالزام ٹھہرائیں گے ہوسکتا ہے آپ کے پاس نقصان کی تلافی کے لیے وقت بھی نہ ہو۔

فیروہ نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ اور طارق نے بمشکل جان چھڑائی تھی۔ رات تقریباً بارہ بجے یہ محفل اختتام پذیر ہوئی تھی۔

کاش تم یہ جملہ نہ کہتے ستارہ ہے۔

تمہیں کیا معلوم میں کس طرح کانچ پر چل کر زندگی گزار رہی ہوں۔

آپ کی بہن بہت ذہین ہیں بلکہ وہ تو مجھے بہت مقدس سی لگیں۔

مقدس

مقدس

مقدس

ہتھوڑے کی طرح سر پر برساتھا اس کے یہ لفظ۔

میں اب مزید فریب میں زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ اور نہ میں اس معاشرے سے ڈرتی ہوں اور نہ اس کی پرواہ کرتی ہوں۔ یہ مجھے دے بھی کیا سکتا ہے۔

نہیں چاہیے مجھے مصنوعی عزت واحترام۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ قصداب پھر مری کا تھا۔

اپنے پاس رکھو اپنا تقدس۔ تنگ دامنو۔ بخیلوں۔۔۔ بڑے خاندان والوں۔۔۔ دل چھوٹے، بات بڑی۔ ہر جگہ تقدس کی بات لے آتے ہیں نہ جانے کیا مقابل کو کیا سمجھانا چاہتے ہیں۔ ہونہہ۔

ہمیں ہیرے پیش کرتے ہیں۔

محل کے پچھواڑے غریب بچہ بھوک سے مرجاتا ہے۔۔

ہونہہ۔ خاندان کا تقدس۔۔۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اس نے بایاں ہاتھ۔ اسٹیرنگ سے اُٹھا کر رخساروں پر پھیلتے اشک صاف کیے۔ اور گاڑی کو موڑا۔

اب اس کی گاڑی مال روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ جہاں طارق احمد فاروقی کا آفس تھا۔

وہ دائیں بائیں نظر ڈالتی ہوئی آخر منزل مقصود پہ جا ٹھہری۔

انجن بند کر کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر زور سے مارے اور پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے گویا ستانے لگی دماغ میں جو لاوا سا پک رہا تھا۔ نہ آنکھیں بند کر کے سکون ملا نہ بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر کہ وہ خوب دھی شاید حالات بدلنے کی نیت نہیں رکھتی تھی۔

دماغ کے کھولتے ہوئے لاوے میں جیسے وہ کوئی حرف معتبر گردش میں دیکھ رہی تھی۔ وہ اس تیز گردش کرتے حرف کو قابو میں کرنا چاہتی تھی۔ لاوے سے باہر نکال کر لانا چاہ رہی تھی۔

وہ حرف جو جانے کس ماورائی زبان کے حرف تہجی کا حصہ تھا۔

وہ ایک حرف یا کوئی لفظ جو اس شقی انسان کے روبرو اس طرح رکھ دینا چاہتی تھی کہ وہ ساری کہانی، سارے جذبات، سارے دھکے، ساری رسوائیاں، ساری کوتاہیاں، سب ناانصافیاں، تمام دُکھ۔۔

اس ایک حرف سے اپنے آپ کھوج لے۔

کہ طارق احمد فاروقی۔

اپنی زبان سے خود کو گالیاں دے دے کر زبان پر آبلے پڑ چکے ہیں۔

اب یہ کیا کہ جو مجھے سراب سے خوابوں کے پیچھے بھگائے میں اس کے ساتھ ہو لوں۔

بےخبری اسے سچ بتانے لگوں۔ اس خوش فہمی سے چُور ہو کر۔۔۔

کہ پارسائی کا دعویدار۔۔۔ سچ کا صلہ یوں دے گا کہ اپنی پوروں سے میری رسوائیوں کی گرد صاف کرے گا۔ پھر کوئی خوش نصیبی کا ستارہ میری پیشانی پر سجا دیگا۔

آدھا سچ منہ میں ہوتا ہے۔

آدھا باہر۔۔۔ وہ شریف و پارسا سرپٹ دوڑنے لگتا ہے۔ میں سچ کے غبارے چونک کر اس کا پیچھا کرتی ہوں۔

سانس پھول جاتا ہے دوڑتے اور یہ کہتے ہوئے۔

کہ اے مستند انسان پورا سچ تو سن لے۔ سچ سننے میں تیرا کیا جائے گا۔ میرے دل ہی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

جس طرح میرا وجود اس کائنات میں ہے اور نہیں ہے۔

اسی طرح میرا سچ بھی بیتا تیرا اور اکیلا ہے۔

طارق احمد فاروقی اگرچہ میں سال خوردہ اور سن رسیدہ نہیں ہوں لیکن۔ لیکن یہ سوچ میری معتبر کمائی ہے کہ انسان خود کو فریب دیتا ہے۔

حالانکہ وہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ مقابل کو فریب کے گرداب میں لا رہا ہے۔ بس اس دن سے جس دن سے یہ کمائی ہاتھ لگی ہے فیصلہ کر لیا ہے۔

جو ہوں وہی ظاہر کروں گی۔ اگر کوئی نادانستہ غلط سمجھے گا تو اسے خود بتاؤں گی۔ ہو سکے گا تو اس کا منہ بھی نوچ لوں گی کہ تُو نے مجھے مقدس کہا تُو نے مجھے شریف کہا تُو نے مجھے معزز سمجھا کیوں دی مجھے گالی۔۔۔ کس نے اجازت دی کہ مقدس کہہ کر مجھے اس قدر گندی گالی دے

یہی حساب بیباق کرنے آئی ہوں۔ تمہاری غلط فہمی دور کرنے آئی ہوں۔ ہوسکتا ہے اس
روز تم پر بجلی گر گئی ہو۔ تم بڑے قیمتی انسان ہو۔ نیک، شریف، پارسا، خاندانی، تعلیم یافتہ۔
تمہارے دماغ کو الجھانا تو انت پاپ ہے۔

دراصل میں فارغ بہت ہوں۔ پھر کچھ شریفوں کو سچ بتانے اور ان کا ردعمل دیکھنے میں
لطف بھی بہت آتا ہے۔

اس نے گلاسز آنکھوں پر چڑھائے۔ ڈارک براؤن پینٹ، جیکٹ اور لائٹ براؤن
شرٹ میں ملبوس اور براؤن اسکارف میں بال سمیٹے وہ اس دن بالکل مختلف نظر آرہی تھی جس
دن وہ وہائٹ ڈریس میں ملبوس ہو کر طارق سے ملی تھی۔

طارق اپنے تمام قلم مارکرز ہولڈرز میں پھنسا کر الجھن سے سوچ رہا تھا۔ کون خاتون
ہوسکتی ہیں۔ چپراسی واپس پلٹ چکا تھا۔

ڈریہ۔۔ اس نے گویا خود ہی پوچھا۔ شاید۔۔ اس لیے کہ اس سے کچھ بھی بعید نہیں ہ
ے۔

خیالات کے اس قافلے کو ابھی کوئی موڑ بھی نہیں ملا تھا۔ کہ وہ بیتحاشا چونک اٹھا۔

ننھا سا پرس بغل میں دبائے، آدھا چہرہ گلاسز میں چھپائے اگرچہ وہ خاصی موہوم سی
ہوری تھی مگر وہ ایک نظر میں پہچان چکا تھا۔

ہیلو مسٹر طارق احمد۔

السلام علیکم جی۔۔۔ تشریف رکھیے۔ وہ بہ باطن الجھ رہا تھا۔ اس کے انداز دیکھ کر جنہوں
نے پہلی ملاقات کا ہر تاثر غارت کر دیا تھا۔

آپ نے مجھے پہچانا۔۔ وہ مسکرائی۔

ظاہر ہے۔ جب ہی بیٹھنے کے لیے کہا ہے۔ اب وہ اپنے اعصاب کے پورے کنٹرول
روم پر قابض ہو چکا تھا۔ اور دھیمے سے مسکرایا تھا۔

مس فیروزہ۔۔۔

میڈم فیروزہ۔۔ مس سے مزہ نہیں آتا۔ وہ بات کاٹ کر زہریلی ہنسی ہنس کر بولی۔

حالانکہ سنا ہے عورت اپنے ساتھ مس لگا کر بہت خوش ہوتی ہے۔ وہ ہنس دیا۔

میں خصوصی مواقع پر خود کو میڈم کہلواتی ہوں۔ اس کی آنکھوں پر پانی تھا اور وہ ہنس رہی
تھی۔

کیا میڈم بھی کہلوایا جاتا ہے یہ تو ٹائٹل دوسرے دیتے ہیں۔ وہ سادگی سے مسکرا دیا تھا۔

جب میری روح مجھے گالیاں دے دے کر باؤلی ہونے لگتی ہے۔ وحشتوں کے بگولے
اٹھتے ہیں تو میں قطرہ قطرہ فریب اندر انڈیلتی ہوں۔ کبھی برقعہ پہن کر شاپنگ کرتی ہوں۔ کوئی
آپ جیسا مل جاتا ہے تو اسے کہتی ہوں بلکہ فرمائش کرتی ہوں کہ مجھے میڈم کہے۔ ویسے انگریز
نے میڈم کے خانے تو نہیں بنائے ناں۔ مگر بہر حال اس نے عورت کی حرمت کا سمبل تو بنایا ہے
اسے۔

طارق کا دماغ تو جیسے ہوا میں تیرنے لگا تھا۔ اتنی نرمی حالت اس کی کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اتنی غیر متوقع صورت حال۔

'پریشان ہوگئے یا سمجھ نہیں پائے۔ ہاہا۔' اس کا دلکش قہقہہ گونجا۔

دراصل عالی جناب کو یہی بتانے آئی ہوں۔ کہ الفاظ ریوڑیوں کی طرح نہ بانٹتے پھرا کریں۔ اس معاشرے میں بعض الفاظ بڑے قیمتی ہیں اور ان پر اجارہ داری قائم ہے۔ کچا چبا جائیں گے آپ کو یہ سب لوگ اس بے احتیاطی پر۔

طارق ساکت سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ اس کی ذہنی کیفیت نارمل نہیں ہے۔ بلکہ وہ حیران تھا۔

کہاں وہ سفید کپڑوں میں ملبوس انتہائی معقول سی لڑکی اور کہاں یہ آج کی ابنارمل سی میڈم فیروزہ۔

مقدس نہیں ہوں۔ آپ کو سمجھانے آئی ہوں۔ یہ پاکیزہ سے الفاظ آپ اپنے خاندان و معاشرے کی کوالیفائیڈ اور سرٹیفائیڈ خواتین کو بطور تحائف پیش کیا کریں۔ کیونکہ جس کثرت سے آپ یہ اہم الفاظ جا و بیجا استعمال کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اہمیت اور روح سے آپ لوگ قطعی ناواقف ہیں۔

ہم بےشناخت لوگ ہیں۔ آپ جیسے ناواقف کبھی کبھی انجانے میں چرکے لگا جاتے ہیں اور ہم آپ جیسے معصوموں سے لڑنے بھڑنے آجاتے ہیں۔

طارق کا نچلا ہونٹ کب سے دانتوں تلے تھا۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ فیروزہ کی ہچکیوں سے وہ گویا کسی خواب سے جاگا۔ کسی طلسم سے آزاد ہوا۔

اس سے قبل وہ کچھ کہتا۔ وہ ہتھیلیوں سے اپنے رخسار صاف کرتی، گلاسز آنکھوں پر چڑھاتی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس نے فیروزہ کو رنج پہنچایا ہے۔

اسے دکھ پہنچایا ہے۔

اب کیا وہ اس سے معذرت کرے کہ

مجھے معاف کر دیجئے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو مقدس کہہ دیا۔ غلطی ہوئی شرمندہ ہوں۔ آئندہ کبھی نہیں کہوں گا۔

بھلا کون ہے جو ایسی انوکھی نرالی معذرت کر سکے

اور یہ تو اس کے سان و گمان میں نہ تھا کہ وہ زندگی میں کبھی ایسی عورت سے بھڑے گا۔

اس انکشاف سے اس کے ذہن کو پوری قوت سے دھچکا لگا تھا۔

وہ واقعی اس روز فیروزہ کو ایک ذہین، شریف کا عجیب قسم کی لڑکی سمجھا تھا۔

وہ اپنا ادھورا تعارف کرا کر واپس ہوئی تھی۔

اس کی سسکیاں، اس کے آنسو ابھی تک اس کے ذہن کے منظر پر تھے۔

بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہوئی۔

انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے وہ قدرتی طور پر اس سے ہم آہنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگ تو پوری شعوری اور غیر شعوری کوشش کرتے ہیں معزز کہلانے اور نظر آنے کی۔

انجانے میں میں نے مخلط تاثر بیان کرنے کی وجہ سے اگر اسے معزز کا ٹائٹل دے ہی دیا تھا تو اسے خوشی ہونا چاہیے تھی۔ یا نہیں۔ اس کا ایک عمدہ امیج بیان کیا تھا۔ اس کے لیے یہ گالی کیونکر ہو گیا۔

نہ میں علی جان صاحب کی بات مانتا نہ اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوتا۔ میرا ہی قصور ہے۔ اماں جان کو پتا چل جائے کہ کون کون لوگ میرے ملنے والوں میں شامل ہو گئے ہیں تو ایک لمبی پچھاڑ کھا جائیں۔۔ اور ساری عمر میری صورت نہ دیکھیں۔

اس نے کبھی کسی عورت کے آنسو نہیں دیکھے تھے۔ شاید اسی لیے فیروزہ کے آنسوؤں نے اس پر بہت گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا تھا۔

اماں جان نے بہوؤں کے گھر میں آنے سے پہلے ہی سب کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ عثمان کی دلہن کو بھابھی جان اور ارمغان کی دلہن کو بھابھی صاحبہ کہنا ہے۔

اماں جان آپ نے دوراندیشی سے سیٹنگ نہیں کی۔ باقی آنے والی دلہنوں کے ٹائٹل بھی آپ کو ساتھ ہی تیار کرنا چاہیے تھے۔ اب چھوٹے بھائی کی دلہن کو بتائیں کیا کہنا چاہیے۔

فاروق کو بہت دور کی سوجھی تھی۔

بھی انہیں چھوٹی بھابھی کہنا۔ طارق کو چھوٹے بھائی کہتے ہو ناں۔ ربیعہ نے بالوں میں لٹکتے گجرے کو دوبارہ مضبوطی سے جما کر پن لگائی۔

ٹھیک کہہ رہی ہیں دلہن وریہ کو چھوٹی بھابھی کہنا۔ اماں جان نے بہت اہتمام سے پان پر چونا پھیلایا۔

بھائی صاحب۔۔ اتفاق کا پہلا مظاہرہ۔۔ لائیے اماں جان سوا روپیہ نکالیے۔ مسجد میں رات کو چراغ جلا کر آؤں گا۔ فاروق نے شور مچایا۔

اس لڑکے کو چین نہیں ڈھنگ سے ناشتا کرلے۔ صبح ہی صبح ہنگامہ۔

اماں جان۔۔

ہوں۔۔ وہ بے پرواہی سے ہوں کر کے پھر اپنے پان میں مگن ہو گئیں۔

اگر وریہ آپا کو چھوٹی بھابھی کہنا شروع کر دیا۔۔ تو حسیب میری والی کو کیا کہے گا وہ بہت آگے جھک کر آہستگی سے بولا۔

وہ تو بھلا ہوا اماں جان نے پان میں نہیں ڈالا تھا۔ اتنی زور سے ہنسی چھوٹی تھی کہ اگر پان منہ میں ہوتا تو سیدھا فاروق کی صورت پر جا لگتا۔

نغمہ چائے لیے سامنے سے آ رہی تھیں۔ ربیعہ اور اماں جان کو ہنستا دیکھ کر تجسس میں پڑ گئیں۔

کیا ہوا۔۔۔

جب انہیں سارا واقعہ معلوم ہوا تو وہ بھی ہنس دیں۔

دیکھ لو۔ ابھی سے اپنی فکر پڑی ہے۔

نہیں اماں جان مجھے بیچارے حبیب کی فکر ہے۔ کیونکہ میں تو بہر حال ان کا نام لوں گا۔ میرا تو کوئی مسئلہ نہیں۔

جب چھوٹے بھائی کی دلہن چھوٹی بھابھی کہلائیں گی تو فاروق بھائی کی دلہن کو فاروقی بھابھی کہہ دیا کروں گا۔ حبیب نے پورا اخبار چاٹ کر انہی کی طرف آرہا تھا۔ بڑی سادگی سے گویا ہوا۔

اے لو۔ ان کے لیے پریشان ہو رہے تھے جو ہر مسئلے کا حل اپنی جیب میں لیے پھرتے ہیں۔ اماں جان ہنسیں۔

نغمہ اور ربیعہ بھی ہنس رہی تھیں۔

میں تمھیں اختیار دوں گا تو ہی تو تم ان کا نام بدلو گے۔ بڑے آئے وہاں سے فاروقی بھابھی بنانے والے۔ جواباً میں تمہاری نصف بہتر کو حسین کہنا شروع کر دوں گا۔ فاروق نے بناوٹ سے حبیب کی خبر لی۔

اسے کہتے ہیں سُوت نہ کپاس اور کولی سے لٹھم لٹھا۔ اماں جان نے پاندان کھٹاک سے بند کر کے آگے کھسکایا۔

سچ اماں جان۔ کتنی رونق کر کے رکھتے ہیں دونوں۔ اب تو میں امی کے ہاں جاتی ہوں تو وہاں دل ہی نہیں لگتا۔ ربیعہ نے حبیب کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے ہنس کر بتایا۔

ہماری آڑ لے کر صاف بچ رہی ہیں۔ دل نہ لگنے کی وجہ حالانکہ کچھ اور ہے۔ فاروق شریر ہوا۔ ربیعہ ساس کی موجودگی کا خیال کر کے جھینپ گئیں۔

جب طارق یہاں تھا دلہن مانو ایک گھڑی ان سے چُپ نہیں رہا جاتا تھا۔ یہ تو اب بہت کم ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں۔

توبہ وہ تو اکیلا سو پر بھاری ہے ماشاءاللہ۔ ایک منٹ اسے نچلا بیٹھنا دو بھر ہے۔ میں تو اسے کہا کرتی تھی کہ طارق تیرے ہاں تو چھلاوے پیدا ہوں گے۔ وہ اٹھتے ہوئے ہنس کر بولیں۔

پھر سب اماں کو کہا کریں گے کہ یہ چھلاوں کی دادی اماں ہیں۔ ٹکٹ تو اماں جان پر بھی لگا کرے گا۔ حبیب نے آملیٹ سے بھرپور انصاف کرنا شروع کیا۔ نغمہ نے حبیب کے شانے پر دھیرے سے ایک دھپ رسید کیا۔ بہت شیطان ہو۔

دلہن۔ عثمان بتا رہے تھے کہ تمہارے چچازاد بھائی کی شادی ہو رہی ہے اور تم ہفتہ بھر پہلے جانا چاہتی ہو۔ معاً انہیں کچھ یاد آیا۔

جی۔۔۔ امی کے ہاں سے واپسی پر میں نے انہیں بتایا تھا۔ آپ کو بھی بتانا چاہ رہی تھی۔ نغمہ نے وضاحت کی۔ مبادا ساس یہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ ان سے کچھ نہیں کہتیں۔

کب ہے شادی

اگلے پیر سے ابٹن وغیرہ شروع ہو گا۔ چچی جان آئیں گی کارڈ دینے۔ کہہ رہی تھیں۔

ہاں تو چلی جانا دلہن۔ دو گی کیا وہاں

آپ ہی دیں گی اماں جان۔ اب تو ظاہر ہے میں آپ ہی کی نمائندہ بن کر شریک ہوں گی۔ نغمہ ہنس پڑیں۔

سلامی دینا ہو گی اور دلہن کی منہ دکھائی ہو گی۔ کیوں جی۔۔

لڑکی کی شادی ہوتی تو کوئی بڑا تحفہ دیتے۔

پانچ سو سلامی میں دے دیں گے پانچ سو منہ دکھائی میں۔ یا ہزار دے دیں سلامی میں۔۔

یہ تو بہت ہیں اماں جان۔۔ نغمہ نے ٹوکا۔

تمہاری عزت کی بات ہے دلہن۔ اب ہمیں ہی تمہاری ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھنا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے بیٹی

نغمہ کی روح کی پرت پرت نکھر گئی۔ اپنا گھر چھوڑتے ہوئے کتنے دھڑکے اور اندیشے تھے۔ جو ایک ایک کر کے دور ہوتے جا رہے تھے۔ انہوں نے عابدہ بیگم کو بہت مختلف پاتا تھا۔ بڑے دل والی، ایثار پیشہ اور بہت قوت برداشت والی۔

خدا کرے اماں جان میں آپ کے تمام خوبصورت جذبوں کا حق ادا کر سکوں۔

عثمان نے ہمیشہ کی طرح اپنی پوری تنخواہ ماں کے ہاتھ پر رکھی تو انہوں نے فوراً کہا کہ بڑی دلہن کو دو۔

نغمہ جو بہت سنجیدہ، حساس اور سمجھدار تھیں چند ہی دنوں میں گھر کا ماحول سمجھ گئی تھیں۔ فوراً لفافہ لے کر ساس کے پاس چلی آئیں۔ یہ آپ نے مجھے کیوں بھجوایا۔ گھر کی حکمراں تو ماں ہوتی ہے اور بیٹیاں کبھی اپنی ماں کے اختیارات میں حصہ نہیں مانگتیں کیونکہ انہیں اعتماد ہوتا ہے کہ ماں اپنے حصے بھی اولاد کے نام ہی لگا دیتی ہے۔ بیٹی بھی کہتی ہیں اور فرق بھی کرتی ہیں۔

تب عابدہ بیگم نے اپنے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

شکر ہے مالک تُو نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے، کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ میری ساس کسی قدر سخت مزاج تھیں۔ پر میں نے برداشت کی حد نہیں پھلانگی۔ آخری دم کس قدر قدردان تھیں میری۔ اپنی ایک ایک چیز میرے سپرد کی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں، انگوٹھیاں سب اتار کر میرے ہاتھوں میں ڈال دی تھیں۔ اور بھیگی آنکھوں سے اعتراف کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی زیادتی کر دیتی تھیں اور یہ کہ انہیں عابدہ بیگم سے کوئی شکایت نہیں۔

انیسہ بیگم نے آخر وقت اپنی ماں کے اعترافات سُنے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تہہ دل سے اپنی بھاوج کی قدردان تھیں۔

اب ان کا دل کہتا تھا کہ ان کی بہوئیں ان کی امیدوں پر پوری اتریں گی۔ انہیں احساس

تھا کہ عمر اور تجربے کی کمی کے سبب وہ یقیناً غلطیوں کی مرتکب بھی ہو سکتی ہیں جس کے جواب میں انہیں ہی قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ اپنی دانشمندی کی وجہ سے کسی بھی صورت حال کے لیے خود کو ہمیشہ تیار رکھتی تھیں۔

تم اپنی تیاری کر رکھنا دلہن اور جتنے دن پہلے جانا ہو چلی جانا۔ یہی تو دن ہوتے ہیں بچیوں کے آزادی کے۔ پھر بال بچوں میں گھر کر کہاں ہوش رہتا ہے۔ جب بچے سمجھدار ہوتے ہیں تو دل وہ نہیں رہتے۔ پھر ان کے مستقبل کی فکریں لگ جاتی ہیں۔

وہ اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

چچی جان تو ربیعہ کے لیے بھی کہہ رہی تھیں۔ ربیعہ خود ہی منع کر رہی ہیں۔ نغمہ ربیعہ کی سمت دیکھ کر مسکرائیں۔

وہ کیوں اماں جان جاتے جاتے ٹھہر گئیں۔

کہہ رہی ہیں پھر گھر میں کون رہے گا ابھی تو آئے ہیں ہم لوگ اپنی اپنی امیوں کے ہاں سے۔ نغمہ ہنس پڑیں۔

جیتی رہو۔ گھر کی فکر نہ کرو۔ میں جو ہوں۔ اور کون سی یہ تقریبات روز روز ہوتی ہیں تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ یہی بہانے ہیں پہننے اوڑھنے کے۔ وہ جو اتنا کچھ رکھا ہے۔ وہ کب استعمال کرو گی ہنسو کھیلو۔ ساری زندگی گھر ہی بنانا ہے۔

وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

چلیں، آئیں، بھابھی جان کچھ کھیلیں۔

گیا۔ وہ برتن اُٹھاتے ہوئے حیران نظروں سے فاروق کو دیکھنے لگیں۔

کچھ بھی۔۔۔ ابھی ابھی اسپورٹس چینز میں، میرا مطلب ہے چینز پر ان کھیلنے کی اجازت دیگی ہیں ناں۔

نغمہ اور ربیعہ کی دلکش مگر مدھم ہنسی سے فلیق احمد کے گھر کے درو دیوار گنگنا اُٹھے۔

اس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف احسان صاحب تھے۔ وہ سنبھل گیا۔

السلام علیکم

والسلام (وعلیکم السلام) انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

(اللہ خیر کرے آج تو ماموں جان نے یاد کیا ہے) اس نے دل ہی دل میں پناہ مانگی۔

طارق بیٹے کہاں ہو تم۔۔۔

طارق نے خود پر حیرانی سے نظر دوڑائی۔ میں یہیں ہوں جی اپنے آفس میں۔

میرا مطلب ہے، اتنے دنوں سے تم نظر نہیں آئے۔ عابدہ کا بھی فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی تم نے گھر بھی بہت دنوں سے فون نہیں کیا۔ کیا بات ہے، بہت مصروف ہے وہ مفصل گویا ہوئے۔

جی ہاں مصروفیت تو واقعی ہے۔ (جیتے رہیے ماموں جان خود ہی بہانہ عنایت کر دیا۔) اس نے جان چھڑائی۔

کسی روز نہیں ۔آج ہی۔۔آج شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔

آج تو ماموں جان۔۔۔

آج ہی۔تمہاری ممانی جان کا اصرار ہے۔وہ بات کاٹ کر بولے۔او گویا انہوں نے فون رکھ دیا۔

طارق نے بُری طرح ریسیور کو گھورا۔

تمیں زبردستی کے بولوں کے عوض اپنی جاگیر ہی بنالیا ہے طارق احمد فاروقی۔تمہیں تو۔۔۔

خیر۔۔میں بھی پھر طارق ہوں۔وقت خود ثابت کرے گا۔کون جیتا۔کون ہارا۔اس کی ازلی خوداعتمادی عود کر آئی۔

اس چھت کے نیچے تو حلق میں نوالہ پھنستا ہے۔یہ کھانا کھلا رہے ہیں۔

اس نے سر جھٹک کر پھر اپنا کام شروع کر دیا۔

شام کو وہ چار و نا چار وہاں چلا آیا تھا۔

ممانی جان لان میں غالباً اسی کی منتظر تھیں۔

السلام علیکم۔

وعلیکم السلام۔آفس سے آ رہے ہو۔انہوں نے بڑی محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

جی نہیں۔گھر سے آ رہا ہوں۔پنک شرٹ اور بلیک پینٹ میں وہ بہت تر و تازہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

حسن سے دنیا میں بہت سوں کا بھلا ہوتا ہے بلکہ ہر دیکھنے والے کا بھلا ہوتا ہے۔

حسن کو دیکھ کر بھلا کس کی نظر کو تازگی کو احساس نہیں ملتا۔وہ سرشاری سے مسکرائیں۔وہ بے حد خوش تھیں کہ دریہ اور طارق کا کپل بہت مشہور ہو گا۔

تمہارے ماموں جان آتے ہی ہوں گے۔آؤ۔دریہ،ثوبی وغیرہ تو ایک نئی ویڈیو دیکھ رہی ہیں۔میرے ٹیسٹ کے مطابق نہیں تھی اس لیے میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

وہ اسے لے کر آگے بڑھیں۔اور ٹی وی لاؤنج میں لے آئیں۔

دریہ سرخ دوپٹے اور سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس قالین پر بہت سارے کشن دبوچے اوندھی لیٹی ہوئی بہت مگن نظر آئیں۔فوزیہ کشن کا بینا سر کے نیچے رکھے دراز تھی۔ثوبیہ البتہ وہاں نہیں تھی۔

السلام علیکم وہ فوزیہ کی سمت متوجہ تھا۔

فوزیہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔آپ آ گئے۔

دریہ جلدی سے سنبھل گی۔وعلیکم السلام وہ مسکرائی۔اس کی موجودگی میں تو وہ بہت محتاط ہو کر صرف اور صرف اردو بولتی تھی۔ہیلو ہائے سے ممکنہ پرہیز کرتی تھی۔پہلی ملاقات میں اس نے نقال کہہ دیا تھا فیشن زدہ طبقے کو۔

وہ اُسے اپنی روح میں اتار چکی تھی۔ ہر بات اس کی پسند کی کرتی تھی۔ کتنی مشکلوں سے پایا تھا اسے۔ حالانکہ وہ اب بھی اس سے دور رہتا تھا۔ مگر وہ بے حد پُرسکون تھی۔ مطمئن تھی۔

اس کی طنابیں گرفت میں تھیں۔ پھوپھی پھوپھا کا مضبوط سہارا تھا کہ اب وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اب اس کی نیندیں میٹھی ہوتی تھیں۔ طارق کی کج ادائیوں کے باوجود۔ اس بیمبر کی۔

ستم ایجاد وجفا پیشہ کی ہر ادا اُسے محبوب تھی۔

اس خیال کے بعد ہی اس کا دل قہقہے لگانے لگتا تھا۔

کہ سواس کا ہے۔ صرف اور صرف اس کا۔ ابھی وہ اسے چھُو نہیں سکتی۔ مگر چھو نہیں سکتی۔ مگر چھو بھی لے گی۔ کچھ دیر کا انتظار ہے۔

کیسے ہیں آپ۔ اس نے دوپٹہ بے پروائی سے گلے میں اٹکاتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔ وہ نظر چراتے ہوئے صوفے کی سمت بڑھا۔

اب آپ آگئے ہیں تو میرا ایک کام کر کے جائیے گا۔ فوزیہ بھی دھپ سے اس کے برابر آ کر بیٹھ گی۔

خدایا رحم۔ بھی اب یہ اچھل کود بند کر کے کچھ سنجیدگی سے رہا کرو۔ وہ بیچارہ کیا کہے گا۔ کہ قیامت سے پہلے قیامت۔ طارق نے اس کی سمت شرارت سے دیکھا۔

کون ۔۔۔ فوزیہ خاصی سیدھی سادھی تھی۔

وہی جس مظلوم کو جوڑ تمہارے ساتھ بنا ہے۔

اب وہ خود کو بہت کنٹرول کر چکا تھا۔ کیونکہ تقریباً سب ہی حیرانی سے پوچھنے لگے تھے کہ اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ حریف تو کوئی اور ہے اور پھر وہ اس قدر گیا گزرا تو نہیں ہے کہ کوئی اسے بدل کر رکھ دے۔ کسی کی کیا مجال جو اس پر چھا کر اسے اپنی بساط کا مہرہ بنائے۔ جس دن سے یہ سوچا تھا پہلے کی طرح ہو چلا تھا (بظاہر)۔ وگرنہ دل تو اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے تانے بانے بنتا رہتا تھا۔

میرے جوڑے کی فکر چھوڑیں۔

وہ تو اصطبل میں بندھا ہے۔ طارق نے اس کے جملے میں گرہ لگائی۔ اور ہنس دیا۔

فوزیہ نے اسے ناراضگی سے دیکھا۔

ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا کام ہے مجھ سے وہ جلدی سے بولا۔

یہ جواب کی بیگم صاحبہ ناں اس نے ٹی وی بند کرتی دریہ کی طرف اشارہ کیا۔

دریہ کا دل دھڑک اٹھا۔

(اے خدا۔ کیا میری قسمت اپنے حوالے، اپنے ذکر، اپنی سوچ سے خالی ہو چکی ہے۔ ہر قدم پر صرف اسی کا ذکر) وہ کچھ بولا نہیں، صرف فوزیہ کی سمت خالی نظروں سے دیکھا۔

یہ بہت ڈل ہوتی جا رہی ہیں۔ میرے ساتھ جیم خانہ بھی نہیں جاتیں۔ نہ پارٹیز اٹینڈ کرتی ہیں۔ نہ شاپنگ میں ہیلپ

کرتی ہیں۔ کیا کر دیا ہے آپ نے وہ جھلائی۔

میں نے وہ بیساختہ کہہ اٹھا۔

یہ سب آپ ہی کا کیا دھرا ہے۔ ورنہ یہ پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔

خود ٹینس کورٹ بھی نہیں جاتیں۔ ان کا دل تو بوڑھا ہو جائے گا۔ وہ فکر مندی سے بولی۔

اس کے انداز میں اتنی تشویش اور سادگی تھی کہ وہ صرف اور صرف اس کی حالت پر قہقہہ لگا بیٹھا۔

بوڑھے دل والے یہ بے ہودہ قسم کی مووی دیکھتے ہیں۔ اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ایک لمحہ بھی دریہ کو خوش نہیں ہونے دیا۔

مجھے تو آپ سخت قسم کے کنزرویٹو (دقیانوسی) لگتے ہیں۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

مجھے زندگی کی ہر چیز بامعنی اور وجہ کے ساتھ پسند ہے۔ اچھی سی موسیقی ایک لطیف سا احساس مسرت دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر سُن لیتا ہوں۔ کوئی بامعنی اور زندگی کے کسی سچ سے ٹچ کرتی ہوئی کوئی مووی آتی ہے تو دیکھ لیتا ہوں۔ بات یہ ہے وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ اب چاہے جو نام بھی دے دو۔ میں بُرا نہیں مانوں گا۔ وہ فوزیہ کو دیکھ کر صلح جُو انداز میں مسکرایا۔

ہم ڈسکس کر رہے تھے آپی کو۔

اچھا۔ یاد آیا۔ بھول گیا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

آپی کو۔ فوزیہ نے شرارت بھرے انداز میں گھورا۔

نہیں۔ موضوع کو۔ (دوست تو کبھی کبھی ذہن سے محو ہو سکتا ہے دشمن نہیں)

اب آپ ان کا علاج بتا کر جائیے گا۔ میں سخت بور ہو رہی ہوں آجکل۔ وہ بولی۔

پڑھا لکھا کرو۔ نیک کام کرو۔ کھاتے، سوتے تو واقعی آدمی بور ہو جاتا ہے۔

اس نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

ہم کھیلتے بھی ہیں۔ اس نے گویا اطلاع دی۔

دریہ ابھی تک کیبنٹ کے پاس بیٹھی کیسٹس الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

قسمت خدا کی تحریر ہے طارق احمد۔ غریب کا دکھ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے یہ اس کا نصیب ہے وہ اپنا نصیب بدل لے، کسی اور کائنات میں جا بسے۔ اگر اس کے اختیار میں ہو۔ خوش نصیب کے سکھ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ کسی سے چھین نہیں رہا۔ اسے ملا ہے۔ قدرت نے چانسز دیے تب ہی ناں۔

ہم اپنے حصے کے سکھ سمیٹ رہے ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے چاہے کھا کر سو کر گزاریں یا کھیل کود کر۔ یہ بات طے ہے۔ جو مزے اُٹھا رہے ہیں کسی سے چھین کر نہیں لائے۔ ہمیں دیے گئے، ہم نے لے لیے۔

دریہ نے گھوم کر بڑی شان بے نیازی، استغنا، قدرے نخوت سے طارق کو مخاطب کیا۔

(میرے پاس تمہاری ایک ایک بات کا جواب موجود ہے دریہ بیگم۔ مگر وقت آنے دو۔ ایک بار تم سے اُلجھا تھا ابھی تک بھگت رہا ہوں۔ مجھے وقت کا انتظار ہے۔ ایک ایک حرف کا

قرض اُتاروں گا۔ تم بھی یاد ہی کرو گی کہ کس سے ٹکرائے تھے)

وہ خیال سے چونک کر ایک دم فوزیہ سے مخاطب ہوا۔

یار۔ ماموں جان نہیں آئے ابھی تک۔ اس نے دریہ کو دریہ کی بات کو بُری طرح سے نظر انداز کر کے اس کی ذات بالکل بے معنی کر کے رکھ دی تھی۔

آتے ہی ہوں گے۔ اس نے کلاک کی طرف نظریں اُٹھائیں۔

آیئے طارق کارڈز کھیلتے ہیں۔ دریہ نے آفر کی۔۔ اب وہ پھر بدلی ہوئی نظر آئی۔

آپ دونوں کھیلیے، میں لاؤنج بند کر دیتی ہوں، کسی کو آنے نہیں دوں گی۔ فوزیہ شریر ہوئی۔

اتنے خوبصورت مذاق۔ ایسے جلتے ہوئے موسموں میں۔ اس کا سینہ دہک اٹھا۔ یہ ان چاہی سی رُت یہ بے کیف

سی فضا۔

اس سرے پر میں ہوں بیچ میں دریا ہے اور اس پار وہ۔ وہ۔ کون۔ جس کے چہرے اور سراپے کے خدوخال واضح نہیں ہیں جو سایہ سا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو کوئی روشن چہرہ تھا دریہ تم نے اسے سایہ کر کے رکھ دیا ہے۔

دکھ کی ایک تیز لہر اس کے پورے وجود کو آری کی طرح رگیدتی چلی گئی۔

مجھے یہاں ماموں جان نے انوائیٹ کیا ہے۔ میں کارڈز کھیلنے نہیں آیا۔

اس نے دریہ کی سمت دیکھا۔

کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ دریہ سہم کر رہ گئی۔

(عجیب سے آدمی ہو طارق احمد فاروقی۔ اگر ہم جو قسم کے نہ ہوتے تو کب کے مر گئے ہوتے۔ جیت کر دیکھیں گے کیا محسوس ہوتا ہے)

وہ قمیض کھینچ کر آگے پیچھے سے برابر کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

معلوم ہے مجھے کہ آپ کو پاپا نے مدعو کیا ہے۔ کیا مدعو کیے گئے لوگوں پر کارڈز کھیلنے کی پابندی ہوتی ہے۔ وہ گویا سفید جھنڈا لہرا کر مسکرائی تھی۔

فوزیہ ہنس پڑی۔

اسی دم ثوبیہ بالوں میں تیز تیز برش کرتی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

ہیلو طارق بھائی۔ وہ خوشی سے چلائی۔

منع کیا ہے، ابھی فلو سے اٹھی ہو مت غسل کیا کرو اتنی شام کو۔ فوزیہ نے اس کے بھیگے بال دیکھ کر جھاڑ پلائی۔

اب تو ٹھیک ہوں آپا وہ فوزیہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر دلار سے بولی۔

تم بیمار ہوتی ہو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ اتنے سے دل کی ہے یہ۔ فوزیہ نے انگلیوں کے اشارے سے ثوبیہ کے دل کا سائز بتایا۔

بھی تمہیں تو انسانوں کے دلوں کے سائز تک پتا ہیں۔ ویسے گھوڑے کے دل کا سائز کیا

ہوتا ہے۔

طارق نے اسے چھیڑا۔

آپ کو نہیں بتاؤں گی۔ آپ کا کیا بھروسہ۔ کیا نقشہ تیار کر کے اس پر بھی کوئی پلازہ بنا ڈالیں گے۔ طارق کا بیساختہ اور اصلی قہقہہ اور ثوبیہ، دریہ کی ہنسی اس میں ہم آہنگ ہو گئے تھے۔

اور تھوڑی دیر بعد ماموں جان بھی تشریف لے آئے۔ طارق کو موجود پا کر اظہار مسرت کیا۔ پھر لباس وغیرہ تبدیل کرتے چلے گئے۔

پھر کچھ دیر بعد کھانے وغیرہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ٹیبل پر تو خاصی رسمی سی بات چیت رہی مگر وہ اس وقت چونکا جب اسے احسان صاحب کے ساتھ تنہا کر دیا گیا۔ ایک ایک کر کے سب کھسک گئے تھے۔

کافی کے کپ سامنے رکھے دونوں ماموں بھانجے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ماموں جان گویا ہوئے۔

بیٹے ایک ضروری بات کرنا ہے تم سے۔

جی فرمائیے۔ وہ سنبھلا۔

سنا ہے تم کوئی کورس کرنے دیا نا جا رہے ہو۔ انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

جی ٹھیک سنا ہے۔ مگر اب ویانا نہیں جرمنی جا رہا ہوں۔

ہاں۔ یاد آیا یہی بتا رہی تھیں تمہاری ممانی جان۔ انہیں یاد آ گیا۔

کیا تم اپنی موجودہ جاب سے مطمئن نہیں ہو۔

نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں بس فیوچر پلاننگ کا ایک حصہ ہے یہ کورس بھی۔ اپنے کام کا دائرہ پھیلانا چاہتا ہوں۔ وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

گڈ۔ تو پھر میرا خیال ہے۔ کہ رخصتی کر دی جائے۔ دریہ بھی گھوم پھر لے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔ اب وہ اپنے مطلب پر آئے۔

جی۔ وہ ایک دم چونکا۔ میرا پروگرام کچھ زیادہ لمبا نہیں ہے۔ دس ماہ میں واپس آ جاؤں گا تو پھر۔ وہ رک گیا۔

تمہاری والدہ سے بات ہوئی تھی فون پر۔ وہ تو تیار ہیں مگر کہہ رہی تھیں تمہاری سہولت بھی دیکھ لی جائے میرے خیال میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اخراجات وغیرہ کی تم پرواہ نہیں کرو۔

طارق نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انہیں غور سے دیکھا۔

دراصل میں دریہ کو رخصتی اس لیے جلدی کرنا چاہتا ہوں کہ پھر فوزیہ بھی ہے۔ جب سے بیماری سے اٹھا ہوں بس یہی خیال رہتا ہے کہ اپنی زندگی میں بچیوں کو ان کے گھروں میں بستا دیکھ لوں۔ وہ بولے۔

درحقیقت وہ اپنی بیگم کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے ورنہ انہیں تو ابھی رخصتی وغیرہ کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

ان کی بیگم نے انہیں ہولا کر رکھ دیا تھا۔ بقول ان کے تمہاری بہن کا لڑکا مڈل کلاس کا لڑکا ہے۔ یہ لڑکے باہر جا کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ خاص طور پر یورپ کی چکا چوند ان کی یاداشت چھین لیتی ہے۔ اور پھر وہاں کی آزاد اور خودمختار لڑکیاں۔ لڑکا خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہے جانے کتنے راستے اس کے لیے کھل جائیں گے۔

تب وہ یہ سب کچھ سُن کر واقعی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ کہ بہرحال وہ بہترین اور باعمل دامادوں کے تمنائی تھے۔

وہ تو ٹھیک ہے ماموں جان مگر میں سمجھتا ہوں کہ فیملی کے ساتھ مکمل یکسوئی سے کام کرنے میں مجھے دشواری ہو گی اور میں اپنا ٹارگٹ اس طرح حاصل نہیں کر پاؤں گا جس طرح میں چاہتا ہوں۔ آپ غلط قسم کے خدشات کو دل میں جگہ نہ دیں کچھ نہیں ہو گا۔

احسان صاحب نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ کیا یہ لڑکا سوچیں پڑھ سکتا ہے

ایک لمحے کو وہ کچھ چور سے ہو گئے۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے بیٹے جو تم۔۔ بالآخر وہ بولے۔

وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میرے شاندار مستقبل کے لیے آپ کا تعاون بھی ضروری ہے۔ اس نے اپنے مخصوص دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

اس کا لہجہ اتنا قطعی تھا کہ وہ زود اثر دلیل ڈھونڈتے رہ گئے مگر ہاتھ کچھ نہ لگا۔ فرانسیسی دریچے سے ناک ٹکائے ہوئے ربیعہ ہمہ تن گوش تھی۔ مایوسی اور دکھ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

وقت تمہارے مطابق ضرور ہے طارق۔ اور میرے صبر کا راستہ بھی طویل۔ لیکن۔

وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ اس کے کان خوشخبری کے منتظر تھے اور اب جیسے سائیں سائیں کر رہے تھے۔

وہ صرف تین دن کی چھٹی پر گھر آیا تھا۔ آج کل وہ ویسے بھی بہت مصروف تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی ڈور کھل گئی ہو یا وہ کسی پنجرے سے اسیری کاٹ کر نکلا ہو۔

نغمہ اور ربیعہ کو اتنا ہنسایا تھا کہ وہ اپنا آپ بھلا بیٹھی تھیں اور وہی۔ آئی۔ پی ٹریٹ منٹ دے رہی تھیں۔

دیکھو بھئی خبردار جو کسی پردیس میں مجھ بیچارے کو پریشان کرنے کی کوشش کی۔ یہ نہ ہو کہ جا کر خطوں اور فرمائشوں کے راشن کارڈ پہنچنے شروع ہو جائیں۔

میرا راشن کارڈ تو تم ساتھ ہی لیجانا۔ ربیعہ ہنسیں۔

فکر نہ کریں۔ سارے چابی سے چلنے والے کھلونے لاؤں گا تاکہ سیلوں کے انتظار میں شیر خوار رو رو کر آپ کا ناک میں دم نہ کریں۔ ربیعہ بُری طرح شرما کر رہ گئیں۔

زبان کو ذرا لگام بھی دے لیا کرو بھی۔ اماں جان نے مسکراہٹ روک کر اسے جھاڑا۔

جمعے کا دن تھا۔ ابا جان اپنی لائبریری میں مصروف تھے۔ وہ وہیں چلا آیا۔ وہ ٹیبل لیمپ جلائے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ اتنے مصروف کہ انہیں کھڑکیوں کے پردے سرکانے کی بھی

مہلت نہیں ملی تھی۔

اب تو مہمان بن کر آتا ہوں ابا جان، آپ پھر بھی لفٹ نہیں کراتے۔ وہ کھڑکیوں کے پردے سرکانے لگا۔

بھئی لفٹ تو تم نہیں کراتے ہمیں۔ بھابھیاں کیا ملی تمہیں کہ ادھر نظر تک نہیں ڈالتے۔

انہوں نے قلم رکھ دیا اور اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائے۔ تم تو ہمارے لیے مہمانوں سے بڑھ کر مہمان ہو گئے۔

ریڈیو چل رہا تھا شاید ابا جان نے گیارہ بجے کی خبروں کے لیے کھولا تھا۔ گیارہ بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔ کوئی کمرشل پروگرام چل رہا تھا۔

اسی دم ایک نغمہ اُبھرا۔

طارق کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے چوری چوری باپ کی طرف دیکھا۔ اور کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ حالانکہ ابا جان نے کبھی اسے گاتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

مگر چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق اس پر گھبراہٹ غالب آ گئی تھی۔

وہ آگے بڑھا اور ریڈیو کی آواز بے حد دھیمی کر دی۔

پلٹ کر دوبارہ باپ کی طرف آیا تو وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

میں نے سوچا اب تو بہت دنوں میں ملاقات ہو گی۔ چلتے وقت اتنا ٹائم نہیں ہو گا کہ بات چیت ہو سکے۔ کیوں نہ آپ کو سرپرائز ہی دیا جائے۔ اس نے ہنس کر اپنی گھبراہٹ دور کی۔

ابا جان اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ مسکرا دیے۔ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ بولے۔

بھئی طارق میاں۔

جی ابا جان وہ اپنی سابقہ حالت پر واپس آ چکا تھا۔

بھئی، جب تم این۔ ای۔ ڈی میں تھے تو کئی بار انعامات وغیرہ لائے تھے جیت کر۔ غالباً موسیقی وغیرہ کے مقابلوں میں حصہ لیتے تھے۔

جی۔ اس نے دل سنبھال کر اور فکرمند نظروں سے انہیں دیکھا۔

ایک مرتبہ غالباً حسیب نے تمہارے کسی فنکشن کی کیسٹ ہمیں سنائی تھی۔

جی۔ اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

بھئی، تم نے ایک غزل بہت خوب گائی تھی۔ کیا تھی وہ۔ انہوں نے ایک لمحے کو سوچا۔

اب اور کیا کسی سے مراسم بڑھائیں ہم۔ غالباً فراز کی ہے۔ ہم نے کئی بار سُنی، بہت اچھی لگی تھی ہمیں۔

یہ جو نغمہ آ رہا ہے اس گلوکار کی آواز میں اور تمہاری آواز میں ہمیں سرمو فرق محسوس نہیں ہو رہا۔

طارق کی جھکی نظریں نہ اُٹھ سکیں۔

بیٹے۔ ریڈیو کی آواز تو پہلے ہی خاصی مدھم تھی۔ تم نے بالکل ہی معدوم کر دی۔

اس کی حالت غیر ہو گئی۔ (طارق احمد یہ تمہارے بھی باپ ہیں۔ آں جناب کے والد

محترم) اعتماد اور بھرم کے رشتے ٹوٹ جائیں گے تو باقی کیا رہ جائے گا۔

اگر کوئی گیت ریکارڈ کرا ہی لیا تھا تو کم از کم ہمیں تو مطلع کرتے۔ آخر باپ ہیں تمہارے۔

طارق سے تو نظریں نہ اُٹھائی گئیں۔ (کتنا بڑا طوفان اُٹھنے والا ہے) اس نے تصور کیا۔

بیٹے۔

جی ابا جان

ہمیں تو شاید پتا بھی نہ چلتا۔ مگر تم نے ہی ہمیں بتا دیا۔ میں یہ پروگرام ہر جمعہ کو سنتا ہوں۔ میری پوری توجہ تھی اس طرف۔ تم نے اتنی گھبراہٹ اور تیزی میں ریڈیو دھیما کیا کہ ہو سکتا ہے میں غلط سمجھ رہا ہوں۔

وہ ابا جان بات دراصل یہ ہے۔۔۔۔ کہ میں نے نا چاہتے ہوئے کسی کے شدید اصرار پر یہ گیت ریکارڈ کرا لیا تھا۔ آپ قسم لے لیں جو چاہیں۔ مین نے تو اس کا معاوضہ تک نہیں لیا۔

اسے جھوٹ کی پریکٹس نہیں تھی۔ اور اتنے دانشمندانہ اور گہرے باپ کے سامنے وہ اداکاری بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔

فائق احمد نے ایک نظر دیکھا اور گویا ہوئے۔

بیٹے ایک اور اہم اطلاع دوں تمہیں۔۔۔

(الٰہی خیر) جی۔ شاید وہ دنیا میں صرف اپنے باپ ہی کے سامنے اس قدر ڈرتا تھا۔

یہ گیت پچھلے جمعہ کو بھی اسی پروگرام میں نشر ہوا تھا۔ اور کل رات کے فرمائشی گیتوں میں بھی شامل تھا۔ آج کل خبریں ذرا اہم قسم کی ہوتی ہیں اس لیے پانچ دس منٹ پہلے ریڈیو کھول لیتا ہوں۔ رات اگرچہ اناؤنسر نے پورا نام تو نہیں لیا تھا۔ مگر۔ بہرحال اس نے اس گیت کے گلوکار کا نام طارق لیا تھا۔ ہمیں یونہی شک سا ہوا تھا۔ مگر ابھی کچھ دیر پہلے کی تمہاری ایک حرکت نے ہمارے شک کو یقین میں بدل دیا۔ اور اب تو تم نے اعتراف کر لی لیا تھا۔

طارق کا ذہن سن سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس جانب تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ آخر فلمی نغمے تو دن رات ریڈیو سے نشر ہوتے ہی ہیں۔

اگر تم ہمیں بتا دیتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔ تم سے بہرحال اس قسم کی امید نہیں تھی۔

طارق بری طرح شرمندہ تھا۔ ابا جان تو سدا کے دھیمے تھے۔ اصل ڈر تو اسے ماں کا تھا۔

پھر اس نے ایک ایک حرف پوری سچائی سے باپ کو بتا دیا۔ تب فائق احمد گویا ہوئے۔

اگر تمہیں شوق ہے اور خوشی ملتی ہے تو کبھی کبھار اپنا شوق پورا کر لیا کرو۔ کوئی بات نہیں۔

طارق احمد نے حیران ہو کر ان کی صورت دیکھی۔

اماں جان کو پتا چل گیا ناں تو وہ مجھے اس گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گی۔ پلیز ابا جان اس نے درخواست کے انداز میں باپ کو دیکھا۔

میں جبر کا قائل نہیں ہوں بیٹے۔ اولاد والدین کو دھوکا دے یا اندھیرے میں رکھے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ اسے خود ہی اجازت دے دی جائے۔ کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

پابندی اس کی آتش شوق کو بھڑکاتی ہے۔ اور آزادی میں انسان بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور پھر مجھے یقین ہے کہ تم کبھی ایسے راستے پر نہیں چلو گے جس میں ہماری ساری ریاضت اکارت چلی جائے۔

اسے اپنے سلجھے ہوئے باپ پر فخر محسوس ہوا۔ جذبہ تشکر سے وہ گویا بھیگ گیا۔

میں اس نافرمانی پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

وہ خود مختار خوشحال اور آزاد تھا۔ پھر بھی اس نے معافی مانگ کر باپ کا مان بڑھایا۔

اماں جان کو پتا چل گیا ناں۔ وہ پریشانی سے بولا۔

فلیق احمد مسکرا دیے۔ کچھ نہیں کہیں گی تمہاری ماں۔ لیکن اس کا اندازہ سخت غلط نکلا۔ اماں جان تو سنتے کے ساتھ آگ بگولا ہو گئیں۔

اجازت۔ یعنی میں اسے میراثی بننے کی اجازت دے دوں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ کس ڈوم، میراثی خاندان سے تعلق ہے ہمارا۔

عثمان کی ماں یہ وہ زمانہ نہیں جب پیشے اور فن تقسیم تھے اور ان پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری ہوتی تھی۔

ہونہہ۔ سب بھانڈ میراثی اب فنکار ہو گئے۔ وہ غصے میں بولیں۔

باٹا کے لاکھوں روپے کا شوروم کا مالک گویا تمہارے نزدیک موچی ہو گیا۔

اور وہ جو احسان ماموں نے نوری فیبرکس کے نام سے کپڑے کی مل لگائی ہوئی ہے گویا وہ کپڑا بننے والے۔

اچھا تو چپ کر۔ انہوں نے حمایت کرتے حسیب کو ڈانٹ پلائی۔

اور یہ کون سا باقاعدہ گلوکار بن رہا ہے۔ کبھی کبھار میں کوئی حرج نہیں۔

بس لتیں یونہی لگا کرتی ہیں۔ آپ اور سر چڑھا لیں۔ وہ ناراض ہوئیں۔

چھوڑو عثمان کی ماں۔ یہی دو چار دن ہیں ان کے کھیل تماشے کے ذمہ داریاں پڑ جائیں گی تو کب فرصت ہو گی نہیں کسی شغل کی۔ اب ہمیں ہی دیکھ لو۔

جی ہاں۔ آپ سے تو میں نے ایک ٹانگ پر کھڑا کر کے چلے وظیفے کرائے ہیں۔ آپ کی بیچارگی کے کیا کہنے۔ وہ شوہر کی حمایت پر سلگ سلگ کر بھڑک رہی تھیں۔

بہوئیں دونوں خاموش تھیں۔ وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔

عثمان نے بھی دبے دبے انداز میں طارق کی حمایت کی۔ ربیعہ نے ارمغان کو ٹھوکا دیا۔ کہ وہ بھی کچھ بولیں۔

ارمغان نے انہیں اشارے سے کہا کہ تسلی رکھیں۔

بھئی یہ پیشہ ور گلوکار بننے تو نہیں جا رہا۔ کبھی کبھی کی بات ہے۔

یہ کبھی کبھی بھی کچھ کم طوفانی نہیں ہوتی۔ غلط بات کی شہہ مت دیں اپنے بیٹے کو۔ ان کا موڈ بدستور خراب تھا۔

ٹھیک ہے اماں جان۔ جیسی آپ کی مرضی۔ یہ تو وہ پہلے ہی جانتا تھا۔ سو بات ختم کی۔

اگر یہ۔ یہی کام تم سے چھپ کر کرے اور تمہیں پتا تک نہ چلے تب فایق احمد اپنے گھر کو کسی طوفان سے بچانا چاہتے تھے۔ وہ زمانے کی روش کو پہچاننے والے انسان تھے۔ انہیں اندازہ تھا فن کا شکار کوئی نوجوان زیادہ عرصے نارمل نہیں رہتا۔

تمہیں اندازہ نہیں عثمان کی ماں میں کس بنیاد پر اسے اجازت دے رہا ہوں۔ وہ بھی تھک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

عابدہ بیگم پر اس جملے کا فوری اثر ہوا۔

میری عزت آپ کی عزت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ کر اسے اجازت دے رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ کبھی کبھار یہ کر لیا کرے اپنا شوق پورا۔ مگر اخباروں میں الٹی سیدھی خبریں نہیں لگنا چاہییں۔ اور نہ الٹی سیدھی عورتوں کے ساتھ تصویریں وغیرہ بننا چاہییں۔ ہاں سن لو کان کھول کر ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔

وہ سوچ رہی تھیں فایق احمد جیسے وضع دار انسان نے جو بھی فیصلہ کیا ہے کسی وجہ ہی سے کیا ہے۔ یوں وہ دھیمی پڑی تھیں۔

خوش ہو بیٹے۔ وہ مسکرائے حالانکہ انہوں نے بہت جبر و ضبط کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔

بہت بہت شکریہ ابا جان۔ اس نے جذبہ تشکر کا اظہار کیا۔

وہ تو کب کے ہتھیار ڈال چکا تھا۔ لیکن باپ کی نرمی سے فائدہ اٹھانا اپنا حق سمجھا۔

فایق احمد کو اعتماد تھا۔ کہ اتنا پتلا خون اور اتنی بنیاد و تربیت نہیں ہے ان کی کہ انکی اولاد ان کا سر جھکا دے۔

پھر یوں بھی ان کی عزیز از جان دوست ڈاکٹر عبدالرباب کا بیٹا تھا۔ وہ برسوں سے کام کر رہا تھا۔ بہت باوقار طریقے سے۔ بہت عزت کی جاتی تھی اس کی۔

عزت تو انسان کا کردار کراتا ہے۔

اور وہ اپنے تمام بچوں پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

اماں جان جس فلم میں چھوٹے بھائی گانا گائیں گے اس فلم میں آپ ملکہ جذبات کا کردار ادا کیجیے گا۔ باپ کے جاتے ہی فاروق شریر ہوا۔

خدا نہ کرے۔

پھر ایک دم چونک کر ربیعہ کی طرف پلٹیں۔ ارے دلہن۔ یہ ملکہ ترنم۔ ملکہ غزل، ملکہ برطانیہ یہ تو سنتے آ رہے تھے یہ بھلا ملکہ جذبات کا کیا مطلب ہے۔ کیا دوسرے بغیر جذبات کے ہوتے ہیں۔ یہ لو ملکہ جذبات یہ بھی خوب رہی۔ ملکہ جذبات ہوں گی تو بادشاہ جذبات بھی ہوں گی تو بادشاہ جذبات بھی ہوں گے۔ شہزادہ جذبات۔ شہزادی۔

کیونکہ انہوں نے کبھی فلم وغیرہ نہیں دیکھی تھی۔ اور جب دیکھی تھی تو یہ اصطلاح کی اختراع نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے انہوں نے واقعی اس پر تعجب کا اظہار کیا اور ہنسیں۔

بھلا اس لڑکے سے کیا بعید ہے۔ وہ خوشگوار موڈ میں مسکرائیں۔

واقعی اماں جان یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے ہماری فلموں میں۔ فاروق بھائی اپنے

پاس سے نہیں کہہ رہے۔ حسیب نے ماں کو سمجھایا۔

تم میری شہرت کے ہر امکان کو خاک میں ملاتے رہنا۔ کیا تھا جو کہنے دیتے کہ یہ اصطلاح میری گھڑی ہوئی ہے۔ سب ہنس دیے۔

چھوٹے بھائی اپنی فلم کے مہورت پر مجھے ضرور بلایئے گا۔ فاروق نے فرمائش داغی۔

یہ آپ کے گلے میں ڈالے جانے والے ہار سمیت کر لائیں گے اور بیچ کر گاڑی میں پیٹرول ڈلوائیں گے۔ آج کل اماں جان نے ان کا ہاتھ تنگ کیا ہوا ہے۔ حسیب نے انکشاف کیا۔

اے ہاں۔ خدا معلوم کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ ہر دوسرے روز کھڑا ہو جاتا ہے کہ لاؤ پیسے۔ پیٹرول ڈلوانا ہے۔ خدا جانے گاڑی میں پٹرول ڈلواتا ہے یا گاڑی کو پٹرول سے نہلاتا ہے۔

عثمان۔ تم کتنے دنوں میں ڈلواتے ہو پیٹرول۔

حسیب نے اماں جان کو خوب یاد دلایا تھا۔ وہ واقعی سنجیدگی سے عثمان کی طرف متوجہ تھیں۔

فاروق حسیب کی سمت کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

حسیب حسب عادت منہ سے بات نکلنے پر پچھتا رہا تھا۔

سردیوں کی شام تو گویا سر پر ہی رکھی رہتی ہے۔ ساڑھے پانچ بجنے والے تھے اور رات دبے پاؤں بڑھتی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ چلچلاتی دھوپ میں عازم سفر ہوئے تھے مگر گوٹھ پہنچ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ بہت طویل سفر کے بعد یہاں پہنچے ہوں۔

جیپ کیا تھی آثار قدیمہ کا شاہکار تھی انیسویں صدی کی یادگار کے طور پر رکھی گئی تھی یا واقعی مجبوری تھی

آپ ایک منٹ ٹھہریں میاں صاحب میں معلوم کر کے آتا ہوں۔ مرتضیٰ لاشاری نیچے اُترتے ہوئے بولا۔ میاں صاحب نے چھڑی دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامی اور آنکھیں بند کر لیں۔

آجایئے میاں صاحب۔ یہی گھر ہے رسول بخش کا۔ وہ فوراً ہی ایک بچے سے معلوم کر کے آگیا تھا اس نے سہارا دے کر میاں صاحب کو اتارا۔

دونوں نبی بخش کے گھر کی سمت بڑھے۔

نبی بخش ہانپتا کانپتا آتا نظر آیا۔ اور جلدی سے آ کر میاں صاحب کے ہاتھ تھام لیے۔

السلام علیکم میاں جی۔ اتنی زحمت میرے لیے۔ وہ انتہائی عاجزی سے گویا ہوا۔

ہاں نبی بخش۔ خدا کی زمین پر رزق تلاش کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان حقوق العباد بھول جائے۔ اس کے سلام کا جواب دے کر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے

۔

مجھے اپنی خطا کا احساس ہے میاں جی۔ میں آپ کو اپنی حالت کیا بتاؤں۔ کچا کوٹھا تھا جی میرا۔ ان بارشوں میں گر پڑا۔ بڑی مشکل سے وڈیرے سائیں کمسن سے رقم ادھار لی ہے۔ فصل کٹنے پر جو پیسے ملے تھے وہ جی گھر والی کی بیماری پر خرچ ہو گئے تھے۔ کوٹھا پکا کروا رہا ہوں۔ ادھر تو سب کباڑ پھیلا ہے۔ آؤ وہاں چلتے ہیں جہاں آج کل میرا ٹھکانہ ہے۔ وہ انہیں لے کر آگے بڑھ گیا۔

گھبراتے نہیں ہیں نبی بخش۔ وقت اچھا ہو یا بُرا گزر جاتا ہے۔ اللہ کا شکر کرتے رہا کرو جس کی مہربانی بے کراں ہے اس کی رحمت اندھیروں میں دے دیتا ہے اور جنگل میں راستہ۔ وہ تو خدا کی تعریف کا بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ بہت مدھم آواز میں کہتے وہ ولایت علی شاہ کے پھاٹک پر آ گئے۔

یہ کس کا گھر ہے۔ مرتضیٰ لاشاری نے پوچھا۔

گھر تو یہ ایک بڑے آدمی کا ہے۔ میرا دوست ان کی زمینوں پر کام کرتا ہے اور ان کے اس گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ یہ گھر بہت بڑا ہے۔ غلام محمد سے چھ سات دن کے لیے یہاں نیچے ایک کمرہ لیا ہے۔ ویسے اس کا مالک بہت مہربان آدمی ہے۔ مجھے تو اس گوٹھ میں زیادہ دن نہیں ہوئے پر یہاں کے لوگ بتاتے ہیں۔

گھر والی تو میری ہسپتال میں ہے۔ میں نے سوچا اس کے آنے سے پہلے کوٹھا ہی پکا کرا لوں۔

اچھا کیا۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔ میاں صاحب نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں تھامی۔ نبی بخش نے پھاٹک کی زنجیر ہلائی۔ ساتھ ہی آواز بھی لگائی۔ غلام محمد۔

چند منٹوں کے بعد غلام محمد پھاٹک وا کیے شدید حیرانی کے عالم میں میاں صاحب کو اور لاشاری کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پہچان گیا تھا اور لاشاری بھی اسے پہچان گیا تھا۔ دونوں نے ہاتھ ملائے۔ اس نے میاں صاحب کو سلام کیا۔

یہ ولایت علی شاہ کا ملازم ہے میاں صاحب۔ یہ ہمارے گوٹھ آیا تھا شاہ صاحب کے ساتھ بشر کو لینے۔

اچھا بھئی۔ معاف کرنا ہم تمہیں پہچان نہیں سکے۔ اب عمر کا وہ حصہ ہے جب سب حواس و قویٰ زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ وہ اتنی آہستگی سے بول رہے تھے جیسے خود کلامی کر رہے ہوں۔

کوئی بات نہیں میاں صاحب۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لائے۔

یہ میرے مہمان ہیں غلام محمد اپنے گھر تو آج کل بیٹھنے کا بھی ٹھکانہ نہیں ہے تم جانتے ہو۔ نبی بخش، غلام محمد کی بات کاٹ کر بولا۔

تمہارے مہمان بھی ہمارے مہمان ہیں نبی بخش۔ ایسے مہمان تو قسمت والوں کے ہوتے ہیں۔ وہ بہت جذبے سے گویا ہوا۔ اور انہیں لے کر اندر بڑھ گیا۔ بہت احترام سے انہیں بٹھایا۔

میں بارہ سال کا تھا غلام محمد جب میاں جی کی سرپرستی میں آیا تھا۔ مجھے اپنی قسمت پر ناز

ہے۔ نبی بخش نے بڑے فخر سے بتایا۔

پھر تم میاں جی کو وہاں کیوں چھوڑ آئے۔ غلام محمد حیران ہوا۔

وہ گوٹھ بہت ہی چھوٹا ہے بہت ہی چھوٹا۔ وہاں روزگار نہیں ملتا غلام محمد۔ میں نے تو آنکھ وہیں کھولی۔ میرا دل کب کرتا تھا اسے چھوڑنے کو۔ مجبوری بہت کچھ کراتی ہے میاں جا ادھر سے نہیں آتے، میں انہیں مجبور نہیں کرسکتا۔

میاں صاحب نے بہت شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

اصل بات تو زندگی کو صحیح طریقے سے گزارنا ہے نبی بخش۔ اگر تم صحیح گزار رہے ہو اور تمہیں تمہارا حق بھی مل جاتا ہے تو یہ بہت شکر کا مقام ہے۔ میں خوش ہوں کہ تم باہمت انسان ہو محنت کرتے ہو رزق حلال کماتے

ہو۔ میں جہاں ہوں وہاں خوش ہوں۔ تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔ میری فکر نہ کیا کرو۔ اللہ سے زیادہ مہربان کون ہوسکتا ہے۔ اسے اپنی مخلوق کا بہت خیال ہے۔ میں اس کی نگرانی میں ہوں۔ میرا خیال اس سے زیادہ کوئی نہیں رکھ سکتا۔ وہ بہت مضبوط سائبان بہت محفوظ پناہ گاہ ہے۔ تم اپنے دل پہ بوجھ نہ رکھا کرو۔ میں یہاں رہوں یا وہاں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم کتنے چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔

حالانکہ ہمیں تو صرف یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے کسی کا دل تو نہیں دُکھایا۔

ہم نے خدا کی مخلوق کو کتنا فیض پہنچایا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا یا نہیں اس سے مغفرت طلب کی یا نہیں۔ اصل فکریں تو یہ ہونا چاہییں نبی بخش۔ اور عمل سے ان فکروں کو دور کرنا چاہیے۔

آپ درست فرماتے ہو میاں صاحب غلام محمد نے بڑی تیزی سے گردن ہلائی۔ پھر ان کی خاطر تواضع میں لگ گیا۔ مرتضیٰ لاشاری تو کچھ دیر بعد واپس روانہ ہو گیا میاں صاحب نبی بخش کے پاس ایک دو دن کے لیے رُک گئے تھے۔

غلام محمد نے جلدی سے ایک صاف ستھرا بستر لگایا۔ اور کھانے وغیرہ کا بندوبست کرنے اپنے گھر چلا گیا۔

میاں جی آپ یہاں آرام کرلیں۔ تھک گئے ہوں گے۔ اس نے تکیہ درست کر کے میاں صاحب کی چھڑی ایک طرف کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

مغرب کی نماز تو وہ پڑھ ہی چکے تھے۔ آنکھیں موند کر لیٹ گئے۔

ہمیں بہت فکر تھی تمہاری نبی بخش۔ اتنے دن جو ہو گئے تھے۔ تمہیں دیکھ کر دل کو سکون مل گیا ہے۔

یہ میری خوش نصیبی ہے آپ کو میرا کتنا خیال ہے۔ اس نے میاں صاحب پر گرم کمبل ڈالتے ہوئے اظہار تشکر کیا۔

میاں صاحب کو آنکھیں موندتا پا کر وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا تھا۔

غلام محمد کو گئے ختم ہو چکے ہیں۔ کمرہ بالکل برف ہو رہا ہے۔ تمہاری۔ وہ ایک دم چونک

پڑی۔

یہ۔یہ کون ہے۔اتنا ضعیف اتنا بوڑھا۔کیا ولایت علی شاہ کے خاندان کا کوئی بزرگ۔اس خیال کے ساتھ ہی وہ ساری جان سے کانپ گئی۔

وہ کب سے اس گوٹھ میں قید تنہائی کاٹ رہی تھی۔گوٹھ میں آہستہ آہستہ سب کو پتا چل چکا تھا کہ ولایت علی شاہ کی بیوی آج کل یہاں رہ رہی ہے مگر سندھ کے اس انتہائی پس ماندہ گوٹھ کے پس ماندہ ترین لوگوں کی مجال نہیں تھی کہ وہ ولایت علی شاہ کے گھر میں بلاوجہ داخل ہو کر یا بلا اجازت داخل ہو کر گھر کے اندرونی صورت حال سے باخبر ہو سکیں۔

غلام محمد تو باہر گیا ہوا ہے بی بی۔وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

السلام علیکم جی۔روشن کو مارے گھبراہٹ کے سلام ہی سوجھا۔

وعلیکم السلام۔اللہ کی رحمت تمہارا حصہ بنے۔تمہیں اس کی رضا حاصل ہو۔خدا تمہیں دونوں جہاں میں سُرخرو کرے۔وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

وہ واقعی تھک گئے تھے۔تھکاوٹ ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

روشن کا دل بھر آیا۔اتنی خوبصورت دعائیں اس کے لیے۔

اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی دعا کو اہمیت نہیں دی تھی۔

دعا قلب و روح کا اجالا ہوتی ہے۔

اعتماد بھری درخواست ہوتی ہے۔

بے بسی اور کم مائیگی کا اعتراف ہوتی ہے۔

رجوع ہونے والا اپنے مرجع کی ہمہ گیری اور غلبے و طاقت کو تسلیم کرتا ہے۔اس نے تو ہمیشہ اپنے نفس کی طاقت کو محسوس کیا تھا۔

یا پر روپے کو قوت سمجھا تھا۔دولت کو طاقت سمجھا تھا۔

سچی دعا۔خواہ خود مانگی جائے یا کوئی دے۔

روشنی کی رفتار سے دل سے ٹکراتی ہے اور روح تک منور ہو جاتی ہے۔

یہ انکشاف اس پر آج ہوا تھا۔

اس نے پلٹ کر بغور اس ضعیف شخص کو دیکھا۔ان کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔وہ شاید سو رہے ہیں وہ واپس پلٹ آئی۔سوچوں میں الجھ کر۔کہ خدا معلوم کون ہیں۔شاید غلام محمد کے رشتے دار۔یا ولایت علی شاہ کے۔

مگر دعاؤں کے خوبصورت الفاظ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

وہ اوپر کمرے میں جا کر کھڑکی کے پٹ نیم وا کر کے کھڑی ہو گئی۔اسے غلام محمد کا بہت بے چینی سے انتظار تھا وہ بہت دیر میں آیا۔تو اس کے ہاتھ میں کوئلوں کا تھیلا بھی لٹک رہا تھا۔

وہ سیدھا باورچی خانے آیا تھا۔روشن بھی تیزی سے وہیں چلی آئی۔

تمہیں پتا تھا غلام محمد کہ کوئلے ختم ہو چکے ہیں۔روشن نے حیرانی سے کوئلوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مجھے آپ کی ایک ایک ضرورت کا خیال رہتا ہے مالکن ۔اپنی طرف سے کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

روشن کا دل بھر آیا اس نے رخ موڑ لیا۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں اُتار پاؤں گی اتنا مجھے یقین۔

مالکن جب آپ میرے کو ایسے بولتے ہوناں تو میں بڑا شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ میں آپ کی کیا خدمت کرتا ہوں۔ اس گوٹھ میں رکھا کیا ہے جو میں آپ کو پیش کروں۔ میرے کو بڑا دکھ ہوتا ہے جب۔

دکھ کا اظہار کر کے میرا دکھ نہ بڑھاؤ غلام محمد۔ میں ایک نہیں کئی عذابوں سے گزر رہی ہوں۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

غلام محمد۔ یہ نیچے کمرے میں کون سو رہا ہے اس نے بڑے غور سے غلام محمد کی صورت دیکھی۔

نبی بخش کے میاں جی ہیں۔ اس کے ملنے آئے ہیں۔ نبی بخش کا دنیا میں کوئی نہیں تھا مالکن۔ میاں صاحب نے اس کو پالا۔ جتنا اس نے پڑھنا چاہا پڑھا دیا۔ اب وہ ادھر آ گیا ہے ۔ادھر اس کا روزگار ہو گیا ہے ناں۔

اوہ۔ روشن کو قدرے اطمینان ہوا۔

مالکن ایک بات بولوں آپ کو وہ بھجو گا۔ ہوں۔ کہو۔ اب تم مجھے مالکن نہ سمجھو غلام محمد۔ میرا وقت تھا۔ اب نہیں ہے۔ کیا کہہ رہے تھے تم۔

مالکن میاں صاحب ، مالک کو جانتے ہیں۔ آپ ان کے سامنے کچھ نہ بولنا۔

شاہ صاحب کو۔ اس نے یقین مضبوط کرنے کے لیے پوچھا۔

جی مالکن

وہ کیسے۔ ابھی تو تم بتا رہے تھے کہ یہ کہیں اور رہتے ہیں۔ وہ اُلجھی۔

وہ جی۔ بشر سائیں ہیں ناں، ان کو ملے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی ملاقات ہوئی تھی شاہ صاحب سے۔ جب وہ بشر سائیں کھو گئے تھے۔

روشن ایک عالم تحیر میں گھر کر رہ گئی تھی۔

بس آپ اگر ان سے ملو تو بتانا نہیں کہ۔ کہ اگر مالک کو پتا چل گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ ادھوری بات چھوڑ کر اس نے اپنے انجام کا خدشہ بھی ساتھ ہی ظاہر کیا۔

فکر نہ کرو غلام محمد اس نے سیاہ چادر اچھی طرح لپیٹی اور باہر نکل گئی۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

وہ اس لمحے بری طرح جھلا گیا جب کئی گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد گاڑی ایک جھٹکے سے خود بخود رک گئی۔ کافی کوششیں کرنے کے باوجود بھی جب گاڑی میں حرکت نہ ہوئی تو وہ

دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اسلام آباد اب صرف چند کلومیٹر دور تھا۔ اس نے بونٹ کھول کر چیکنگ شروع کی۔

آج تک کسی خراب گاڑی کو ٹھیک کرنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ دیر تک پرزوں کے ہجوم اور تاروں کے ٹیڑھے میڑھے سلسلے کو بغور گھورتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

یار فرقان کم از کم تو نے میرے اسلام آباد روانہ ہونے سے کچھ دن پہلے شادی کر لی ہوتی۔ اپنی پرانی گاڑی کو اس آس میں گھسیٹے جا رہا ہے کہ بیوی نئی کار جہیز میں لائے گی۔

تیری شادی ہو گئی ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا تو نصیب نہ ہوتا۔

اس نے سر اٹھا کر روڈ کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

کوئی کار بس وغیرہ تو گزرتی دور دور نظر نہیں آ رہی تھی۔

کیا کسی ٹرک میں لد جاؤں۔

اس نے ارد گرد مایوسی سے نظر ڈال کر دوبارہ بونٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

شام بھی گہری ہو چلی تھی۔ وہ سر جھکائے دیر تک ادھر ادھر پرزوں کو گھورتا رہا۔ اسی دم ایک سرخ کار اس کے نزدیک آ کر رکی اور ایک سر کھڑکی سے باہر نکلا۔ may i help you کی مترنم آواز کان سے ٹکرائی۔

وہ بری طرح چونک اٹھا۔

کھڑکی سے سر نکالے فیروزہ مسکرا رہی تھی۔

اس نے آج تک نہ جانے کتنی مرتبہ غیر متوقع صورت حال کا سامنا کیا تھا۔ مگر اس طرح کبھی چھکے نہیں چھوٹے تھے۔

شکریہ۔ میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ واقعی ٹپٹا گیا۔

خیال ہے اگر چیزیں ٹھیک ہوتیں تو سب سے پہلے ہم ٹھیک ہو جاتے۔ وہ دلکشی سے مسکرائی اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔ بلو جینز اور ہائی نیک وائٹ جرسی میں اس کا پورا وجود اپنا ایک ایک راز افشا کر رہا تھا۔

وہ اس کے بے حد قریب آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی اپنی حالت خاصی ڈرامائی ہو رہی تھی۔ آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ڈارک گلاسز ناک کی نوک پر آ ٹکے تھے۔ بار آڑی مانگ کے من مانے انداز میں حدود کراس کر رہے تھے بلکہ کر چکے تھے۔ گویا کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بکھر چکے تھے۔

فیروزہ کو اس کی دلچسپ حالت دیکھ کر بے تحاشا ہنسی آ رہی تھی۔ بمشکل ضبط کر کے بونٹ پر جھک گئی۔

کیا تلاش کر رہی ہیں اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔

اس کا عیب۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

کیا پچھلے جنم میں موٹر مکینک رہ چکی ہیں وہ واقعی مذاق سمجھا۔

تیرہ برس کی عمر سے گاڑی چلا رہی ہوں۔

اس عمر میں تو لائسنس بھی نہیں بنتا۔ وہ یہ بات بھی مذاق سمجھا۔

میں نے ہزاروں کو اپنے اشاروں پر چلایا ہے اور چلا رہی ہوں۔ لائسنس تو اس کا بھی نہیں ہے میرے پاس۔ وہ گاڑی پر دوبارہ جھک گئی۔

طارق کے حواس باختہ ہونے لگے تھے۔ اسے بھی کوئی لاجواب کرنے والا ذی نفس موجود ہے۔ اس کی خود اعتمادی گویا ایک قلعہ تھی جس کے اب کنگرے گرنے لگے تھے۔

فیروزہ نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سیدھی ہو گئیں۔

یہ کام اب میرے بس کا بھی نہیں رہا۔ یہ دیکھیے یہ تار ویلڈ ہوگا۔ یہ اپنی جگہ سے مکمل ہٹ چکا ہے۔ اب خالی ڈاکٹر سے

کام نہیں چل سکتا۔ اسپیشلسٹ درکار ہے۔ اسے لاک کر دیجیے۔ یہاں ایک قریب ہی ورکشاپ موجود ہے۔ آئیے میرے ساتھ۔

آپ کے ساتھ۔ وہ گھبرا سا گیا۔

کیا یہاں قرب وجوار میں آپ کے رشتے دار رہتے ہیں۔ فیروزہ نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بڑے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

جی نہیں تو۔ وہ گھبراہٹ میں کچھ سمجھا نہیں۔

اچھا۔ تو ایسا کیجیے۔

جی جی۔ وہ عجلت بھرے انداز میں اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

آپ میری گاڑی کی پچھلی نشست پر لیٹ جائیے اور منہ پر رومال ڈال لیجیے۔

وہ عجب سا ہونق بن کر فیروزہ کو گھورنے لگا۔ تب وہ مسکرا دی۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں۔

ایسی کوئی بات نہیں میں دراصل۔ وہ کوئی تاویل ڈھونڈنے لگا۔

دراصل کیا ہے اور در نقل کیا ہے۔ اس بحث کو چھوڑیے اور کوئی فیصلہ کیجیے۔ میں آپ کو اس پریشانی کے عالم میں اس طرح تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ حالانکہ مجھے بہت جلدی ہے۔ بچے۔

آپ کا بچہ۔ وہ پھر بات کاٹ کر تحیر سے اسے دیکھنے لگا۔

ایک لمحے کو فیروزہ بھی گھبرا گئی۔ پھر سنبھل کر مسکرائی۔

ایسی عنایت آپ یا آپ کے قبیل کے لوگ مجھ پر کہاں کر سکتے ہیں

طارق اتنی کھلی بات پر گویا گڑنے کو ہو گیا۔

کیا سوچ رہے ہیں وہ کچھ جھلائی۔

آپ کی عمر کیا ہے وہ ایک دم پوچھ بیٹھا مگر نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

یہ بات تو آپ کے معاشرے کی شریف زادیاں بھی بتاتے ہوئے کتراتی ہیں۔ میری دوکان بند کرانے کا ارادہ ہے۔ وہ ہنس پڑیں۔

طارق کے کانوں مین گویا شائیں شائیں ہونے لگی۔ گیا لاجواب موڑ تھا زندگی کا۔

ویسے طبعی عمر بائیس سال ہے اور ذہنی عمر۔۔۔ اس کے لیے بائیس کو دو سے ضرب دے لیجیے۔ بلکہ ایسا کیجیے تین سے ضرب دے لیجیے۔

طارق احمد فاروقی۔۔۔ ایک بار نظر تو ملا لیجیے۔ آپ کی ذات کی گہرائیاں ناپ لیں تاکہ پھر تول کر آپ سے بات کریں۔ وہ ہنس دی۔

طارق کو سردی میں پسینے چھوٹ گئے۔

اب کیا رات۔۔۔ یہیں۔۔۔ مگر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ طارق نے گلاسز اُتار کر جیب میں اٹکا لیے تھے۔ اور گھوم کر سیدھا اس کے مقابل ہو گیا۔ اپنی مونچھوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیاہ ہیرے کی کنیوں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں فیروزہ کی مجرم نسوانیت کو گویا جلا کر راکھ کرنے لگیں۔

میڈم فیروزہ۔۔۔ آپ پر رحم کرتے ہوئے محض آپ کا خیال کرتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ ناپ لیجیے میری ذات کی گہرائیاں۔

راستہ بھول جائیں گی اگر زیادہ گہرا نکلا۔

اس نے کھٹاک سے بونٹ گرا دیا۔

ہر مرد کو نہیں چھیڑتے۔ کہ بعض مرد بہت زیادہ مرد ہوتے ہیں۔ عورت کو دیکھنا اور اس کو اپنا قرب بخش دینا مردانگی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے قریب آ کر کوئی سنہرا سا موقع پا کر بھی اپنی پارسائی کی چادر بیداغ رکھنا۔ اصل مردانگی ہے۔ یہ مشکل کسی کسی سے حل ہوتی ہے۔ میں اتنا گیا گزرا مرد نہیں ہوں میڈم فیروزہ۔ استقلال کسی مرد میں نہ ہو تو اسے مرد ہی نہ مانیے گا۔ اس نے سامنے سے آتے ہوئے ٹرک کو ہاتھ دیا۔ ٹرک رک گیا۔

وہ ڈرائیور کی کھڑکی کے پاس جا کر کچھ کہنے لگا۔

فیروزہ ہکا بکا کھڑی تھی۔

اس قدر محتاط، بلا کا مہذب بظاہر سادہ سا انسان اس قدر کرٹیل ہے۔ واقعی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ واپس پلٹا۔ گاڑی لاک کی اور فیروزہ کی سمت مڑا۔

آپ نے میری وجہ سے اپنا نہایت قیمتی وقت صرف کیا۔ گویا میں آپ کی مہربانی کا مقروض ہو گیا ہوں۔ میری اوقات اور استطاعت کے مطابق کوئی خدمت ہو تو۔

بنڈل آف تھینکس طارق احمد۔ تمہارے ساتھ جوابی مہربانی یہی ہونا چاہیے کہ تمہیں اپنے سائے سے بھی دور رکھا جائے۔ تم تو انسان کا تعارف ہو۔ تمہیں تو کسی فرشتہ صفت دل کی آرائش ہونا چاہیے۔ چار چاند لگ جائیں گے اس دل کو جو تمہارا من چاہا ٹھکانا ہو گا۔ اور سنو مجدد انسانیت۔ مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی۔ سچ کہہ رہی ہوں۔

وہ اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہی تھی اور طارق ٹرک کی طرف۔ قدرت کس قدر میرے علم میں اضافہ کرتی جا رہی ہے۔ اگر دو چار انوکھے نرالے واقعات مزید پیش آ گئے تو چند برسوں

میں یقیناً عالم فاضل ہو جاؤں گا۔ وہ سر کھجاتے ہوئے اپنے آپ پر خود ہی ہنس رہا تھا۔

وہ کراچی سے مغربی جرمنی کے لیے فلائی کر رہا تھا۔ لہذا لاہور ائیر پورٹ پر تقریباً اس کے تمام جاننے والے مع اس کے تایا جان اینڈ فیملی اور احسان اینڈ فیملی کے موجود تھے۔ دُریہ بلو شلوار سوٹ اور وہائٹ فر کا کوٹ پہنے خاصی چپ سی نظر آ رہی تھی۔ طارق ہنس ہنس کر سب سے باتوں میں مگن تھا۔

جیسے ہی وہ دوستوں کی سمت آیا فرقان نے دُریہ کو آواز دی۔

دُریہ بھابھی۔

ہوں۔ وہ چونک کر مسکرائی۔

ادھر آئیے۔

وہ ان کے قریب مسکراتے ہوئے چلی آئی۔

جی۔۔ آخر طارق کے حوالے ہی سے تو اسے کتنے سارے لوگ بھابھی کہنے لگے تھے۔

اس کا انگ انگ سرشار ہو جاتا تھا صرف یہ ایک لفظ سُن کر۔

یہ میں امام ضامن لایا تھا، آپ باندھ دیجیے، اس کی تاثیر بڑھ جائے گی۔ فرقان نے شرارت سے طارق کو آنکھ ماری۔ اس کی روح تک جھلس کر رہ گئی۔

امام ضامن۔ دُریہ نے استعجاب ظاہر کیا۔ یہ کیا ہوتا ہے

اس نے واقعی کبھی سنا بھی نہیں تھا اس کے بارے میں۔

جو شادی شدہ مرد جرمنی جاتے ہیں یہ ان کے بازو پر باندھ دیا جاتا ہے۔

وہ کیوں وہ حیران ہوئی۔ دوسرے مسکرانے لگے۔

اچھا۔ کیا یہ بھی کوئی پروٹوکول ہے قہقہے سب کے بیساختہ تھے۔ دُریہ ان کے اس طرح ہنسنے پر جھینپ سی گئی۔

جی ہاں، یہ بڑا روحانی قسم کا پروٹوکول ہے۔ پاکستان کی طرح جرمنی میں بھی لڑکیوں کی شادی ایک مسئلہ ہے۔ بعض افراد تو ایرپورٹ سے ہی پک کر لیے جاتے ہیں۔

تین مرتبہ جرمنی جا چکی ہوں۔ فول مت بنائیے۔ وہ سب کو مسکراتے دیکھ کر فرقان کی شرارت سمجھ گئی۔

آپ سے مذاق کروں گا۔ توبہ کیجیے۔ مجھے صرف آپ ہی کی نہیں اپنے عزیز دوست کی بھی فکر ہے۔ سنا ہے جرمن عورتیں قطعاً اچھی بیویاں ثابت نہیں ہوتیں۔ ساری عمر کا سوال ہے بھابھی ورنہ آپ سے کبھی امام ضامن باندھنے کے لیے نہ کہتا۔

چھوڑو یار فرقان کس۔۔۔

چھوڑیں کیوں۔ اگر بات پروٹیکشن اور سیفٹی کی ہے تو ضرور بندھنا چاہیے۔

دُریہ نے طارق کی بات کاٹ دی۔ اس کا دل کانپ کر رہ گیا تھا اس مذاق پر۔

لائیے فرقان بھائی۔ وہ کیا ہے امام۔

یہ لیجیے۔

فرقان واقعی شرارت کا پروگرام بنا کر آیا تھا۔ بیچ بیچ امام ضامن جیب سے نکال کر دریہ کو تھما دیا۔ طارق نے فرقان کو اس طرح دیکھا گویا کچا چبا جائے گا۔

بات صرف پریکٹیکل ہی کی نہیں پروڈکشن کی بھی ہے۔ دو بیویاں، دو گھر پھر پیداوار یعنی بال بچے۔ اس نے طارق کی طرف جھک کر سرگوشی کرتے ہوئے گویا چھیڑا۔

طارق نے امام ضامن دریہ کے ہاتھ سے چھین کر جیب میں اڑس لیا اور فرقان کی سمت گھورتے ہوئے گویا ہوا۔

کمال کرتے ہو یار۔ اتنے لوگ کھڑے ہیں بزرگ وغیرہ۔

پھر دریہ کی سمت دیکھا۔ کراچی میں اماں جان سے بندھوالوں گا۔ فکر نہ کرو۔ دوستوں کے سامنے اب اس کا بھی بھرم رکھنا تھا۔

یہ باندھیں گی تو تاثیر بڑھ جائے گی۔ فرقان جانے کب کب کے بدلے لے رہا تھا۔

ماں کی دعا سے زیادہ تاثیر کسی چیز میں اثر نہیں ہوتا۔

لیکن عزیزم جرمنی جانے کے لیے صرف اماں جان کی دعا ہی نہیں ایک عدد رفیقہ حیات بھی شرط تھی۔ دعا وہ ان کو تم سے نکاح پر راضی ہو گئیں۔ ورنہ جرمنی تصویروں ہی میں دیکھتے رہتے۔ اسی بنیاد پر لسٹ میں تمہارا نام ٹاپ پر آیا۔ اسی بنیاد پر لسٹ میں تمہارا نام ٹاپ پر آیا۔

کمپنی کے دھڑکے اپنی جگہ درست، وہ تمہاری ٹریننگ پر لاکھوں لگا دے اور تم کسی جرمن ہیر کو پیارے ہو جاؤ۔ وہاں کی سٹیزن شپ کی خاطر۔ فرم کو آسمان سے لیٹر تو نہیں آ رہے تھے ناں۔

اس نے گویا ہنس کر بات ٹالی۔

جرمن ہی۔ سٹیزن شپ۔ توبہ فرقان نے تو دریہ کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔

فرقان بھائی۔ اس قسم کا مذاق پھر کبھی نہ کیجیے گا۔ بہت کمزور دل ہے میرا۔ سُن رہے ہو طارق۔

سُن رہا ہوں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

(اتنی خوبصورت باتیں۔ ایسے سُنا کرتے ہیں طارق احمد فاروقی) وہ بجھی بجھی سی اس کے پیچھے ہولی۔

ڈیپارچر لاؤنج میں وہ اس کے نزدیک ہی تھی اس آس پر کہ وہ کوئی شگفتہ سا لفظ کہے گا۔ تسلی کے چڑھاوے چڑھائے گا۔ مگر وہ تو ہمیشہ کی طرح انجان بنا ہوا تھا۔

طارق۔

ہوں۔

سچ بتائیں کتنے دل لگیں گے۔

طارق کو یہ بولڈنیس ذرا نہ بھائی۔ یہ معاشرہ مشرقی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

مرد کی نظر خاموش۔ دھڑکن معتدل اور ذہن اندیشہ ہائے روزگار میں مبتلا ہو۔ تو عورت کی بیقراری اور اظہار بے کلی اسے اس کے مقام سے گرا دیتا ہے۔

(ورنہ۔ تم تو بالکل بھی خوبصورت نہیں ہو)

یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔ اس نے رکھائی سے کہہ کر فرقان کی سمت قدم بڑھا دیے۔

موسم سرما کی چھٹیوں میں فیروزہ عمر کو سوات واپس لے آئی تھی۔ اس غضب کی سردی پڑ رہی تھی کہ ہوش و حواس تک جمتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ عمر کو وہ بہت پہنا اُڑھا کر رکھتی تھی۔ بے پناہ قیمتی، اونی اور گرم ملبوسات کا اس نے ڈھیر لگا دیا تھا۔ فر کا کوٹ اور کیپ خصوصیت سے منگوایا تھا۔ جو عمر کو بے حد پسند آیا تھا۔

ممی۔

ڈارلنگ۔ وہ ایک فیشن میگزین میں گم تھی۔

ایسا کوٹ کراچی والی ممی کے پاس بھی تھا۔ مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔

تو تم اپنے پپا سے منگوا لیتے۔

پپا کیسے لاتے۔ ہمارے ڈریسز تو ممی لاتی تھیں۔

تو ممی سے کہہ دیتے۔

کہا تھا۔ انہوں نے ڈانٹ دیا تھا۔

ظاہر ہے اس نے اس لیے تھوڑی ہی شادی کی تھی کہ ولایت علی شاہ کا مال تم پر خرچ کرے۔ وہ جیسے بڑبڑائی۔

جی ممی۔ عمر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

فیروزہ نے لیٹے لیٹے اسے دیکھا۔ سیاہ لیدر کی جیکٹ، سیاہ دستانے پہنے وہ اس سے کچھ فاصلے پر لکھنے میں مشغول تھا۔ اس کی روح نہال ہو گئی۔

عمر ڈارلنگ۔

جی ممی۔

ادھر آؤ جان۔ میرے پاس۔

وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ فیروزہ نے اپنا کمبل۔ اس پر پھیلا دیا۔

جان ہیٹر آن ہے۔ کمرہ بند ہے۔ اور آپ ابھی تک گلووز پہنے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے بازو کے گھیرے میں اسے سمیٹ لیا۔ اپنے مہکتے سینے سے اس کا سر لگا لیا۔

میرا بیٹا مری میں بور تو نہیں ہوتا۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

بور تو نہیں ہوتا۔ مگر ممی۔۔

مگر کیا وہ بیتابی سے پوچھنے لگی۔

جب رات کو میں بیڈ پر لیٹتا ہوں ناں تو مجھے پپا، بشر، گڑیا بہت یاد آتے ہیں۔

اور میں۔ فیروزہ کا دل ڈوبا۔

آپ تو ہر وقت یاد آتی ہیں۔ وہ اس کے بازو سے پھسل کر بیٹھ گیا اور غور سے فیروزہ کو دیکھنے لگا۔ لبوں پر بہت خوبصورت مسکراہٹ تھی۔

سیاہ گرم نائٹی میں ملبوس فیروزہ کا دودھیا رنگ چم چم کر رہا تھا۔ چہرے پر ملائمت اور نظر

میں حلاوت تھی۔ حسن کو گویا چار چاند لگ رہے تھے۔اس وقت وہ مجرمہ یارانہ نہیں تھی۔

اپنے پسندیدہ خواب کے عمل میں تھی۔ سب کچھ فراموش کیے ہوئے تراشیدہ بالوں کو سمیٹ رکھا تھا۔انتہائی بےتکلف اور بڑا ذاتی سا ماحول ہو رہا تھا۔

ممی۔ویسے آپ لڑکی ہیں ناں

ایسے بھی اور ویسے بھی۔اس نے بیساختہ کھلکھلا کر عمر کو پھر اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

تم نے بھلا یہ کیوں پوچھا وہ مسکرائی۔

ممی۔۔۔لڑکیوں کی تو شادی ہو جاتی ہے۔

لڑکوں کی بھی ہوتی ہے۔فیروزہ کو پھر گدگدیاں ہوئیں۔

نہیں۔۔۔میرا مطلب ہے۔وہ الجھ گیا۔گویا وہ اپنی بات منتقل نہیں کر پا رہا تھا۔

ممی جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے ناں تو وہ اپنے پہلے والے گھر میں نہیں رہتی۔کہیں اور چلی جاتی ہے۔

کہاں۔فیروزہ کو اسے چھیڑنے میں بڑا لطف آ رہا تھا۔

ایک بارات آتی ہے ناں وہ اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔بڑی بزرگی سے سمجھایا گیا۔

خود۔فیروزہ نے بناوٹی حیرانی سے پوچھا۔

ممی۔وہ زچ ہو کر ٹھنکا۔

اچھا اچھا۔وہ جلدی سے بولی۔ہاں تو کیا کہہ رہے تھے۔

آپ بھی تو لڑکی ہیں۔آپ کو بھی بارات لے جائے گی۔پھر میں کہاں رہوں گا۔وہ ازحد فکرمند نظر آیا۔

جان میں صرف لڑکی ہی نہیں ممی بھی ہوں۔اور ممی کی بارات نہیں آتی۔اس کے حلق میں محرومیوں کے کانٹے سے اٹکنے لگے۔

ممی کی بارات بھی آسکتی ہے جب وہ اکیلی ہوتی ہے۔میرا دوست ناصر تھا ناں کراچی میں اس کی ممی کی بارات آئی تھی۔اس نے مجھے خود بتایا تھا۔

عمر مارے جوش کے اٹھ کر فیروزہ کے مقابل گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

اس کی ممی وڈو (بیوہ) ہوں گی۔یعنی اس کے پپا کی ڈیتھ ہوگی ہوگی۔

اچھا جب پپا کی ڈیتھ ہو جاتی ہے تو ممی وڈو ہو جاتی ہے وہ پوچھنے لگا۔

ممی اس کے پپا کی ڈیتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ ناصر کی ممی کی ان سے لڑائی ہوگی تھی۔ممی۔

فیروزہ کا دل کانپا کہ خدا معلوم کیا پوچھنے جا رہا ہے۔اس نے فوراً اسے ٹوکا۔

چھوڑو بیٹے۔بالکل فکر نہ کرو۔میری کبھی بارات نہیں آئے گی۔

کبھی بھی نہیں۔عمر نے پھر یقین کر لینا چاہا۔

کبھی بھی نہیں۔

اس کی رگ رگ میں انگارے سلگنے۔

محض ایک اشک کی تخلیق کے لیے۔

ایک آنسو کشید کرنے کے لیے۔ پورے دل دماغ اور جسم کی بھٹی سلگانی پڑتی ہے۔

تب جا کر آنسو۔ سچا آنسو تسخیر ہوتا ہے۔

اور اس لمحہ بیدار میں۔۔

انسان خدا سے قریب ہوا کرتا ہے۔

عمر نے اس کے بازوؤں میں آنکھیں موند لی تھیں۔

اور وہ خدا سے شکوہ کناں تھ۔

رات بے انتہا خاموش تھی۔

آج تو دیر سے کسی گائے بھینس کے ڈکرانے کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

البتہ کچھ دیر قبل ایک گدھے کی کرخت آواز نے اس کے اعصاب کا تار تار ہلا دیا تھا۔ اور تب سے وہ اس بند کمرے میں سلگتی انگیٹھی کے پاس ٹھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی۔ چہار سمت سوائے سناٹے اور اجنبی وقفے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔

ایک صحت مند و خوبصورت شیر خوار بچی کب سے اس کی آغوش میں ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی۔

تصور اتنا پختہ تھا کہ مارے ڈر کے اس نے ہلکی سی جنبش بھی نہیں کی۔ مبادا تصور ٹوٹ جائے اور اس کی آغوش میں انگارے دہک اٹھیں۔

لیکن تصور بہر حال ٹوٹ گیا۔

اسے نیچے کچھ آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ اس کا دل دھڑک گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کی سمت آئی اور دروازے کی سمت آئی اور دروازے کو چیک کیا۔ آیا اندر سے بند ہے یا نہیں۔ پھر کھڑکی کو بہت آہستگی سے کھول کر نیچے جھانکا۔

اوہ۔ یہ تو وہی ہیں۔ نبی بخش کے میاں صاحب۔

وہ ہینڈ کو چلا کر اپنا لوٹا بھر رہے تھے۔ شاید وضو کے لیے۔ ایک ذرا سے پانی کے لیے اتنی مشقت کرتے دیکھ کر اسے ترس سا آ گیا۔

حالانکہ پہلے تو کبھی اس نے پروا نہیں کی تھی کہ کون کیا کر رہا ہے۔

پہلے تو اس کی اپنی فکرات ہی کم نہیں ہوتی تھیں۔

آج ڈنر میں جانا ہے۔

کل کلب میں سالانہ تقریبات کا آغاز ہے۔

آج کالج میں ڈونیشن دینا ہے۔ کون سا ڈریس پہنے۔

کہیں جیولر اس کا سیٹ پہنچانا نہ بھول جائے۔

آج گاڑی کی ڈلیوری بھی ہے۔ جب سے مسز مختار کی جاپانی کار آئی تھی اس کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ آج وہ ہر قیمت پر مسز افتخار کے ڈنر پر نئی کار میں جانا چاہتی تھی۔

استقبال کرتے وقت یا الوداع کہتے وقت وہ اسے نئی کار میں اترتا بیٹھتا دیکھ ہی لیں گی۔

فلاں تقریب میں بیگم نعیم احمد نے اپنے برازیلی ڈائمنڈ سیٹ پر اترا اترا کر اسے کس قدر

ہرٹ کیا تھا۔

لہٰذا اب لازم ہو جاتا تھا کہ ولایت علی شاہ اسے شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ کے کسی

جزیرے سے ہیرے منگوا کر پہنائیں۔

کسی نوکر کو کھانا ملا یا نہیں۔

اس کے کوارٹر کی بجلی بحال ہوئی یا نہیں۔۔

اس کے ڈرائیور نے میزبان کے گھر میں کھانا کھایا تھا یا واپس گھر آ کر کھانا کھایا تھا

اسے عموماً دھیان نہیں رہتا تھا۔

اس کے بٹلر کا بھگوڑا داماد واپس آ گیا یا نہیں۔ اس کی بیٹی اپنے گھر میں بسی یا نہیں

اسے یاد نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ۔

اسے شاپنگ سینٹر پہنچنے کی جلدی تھی۔ راستہ بند ملا۔ پتا چلا کہ بھری ہوئی بس کے پائیدان

سے ایک آدمی گر کر مر گیا ہے۔

تب اس نے بند راستے کو کوفت بھرے انداز میں دیکھ کر کہا تھا۔

جب بس بھری ہوئی ہوتی ہے تو لوگ چڑھتے ہی کیوں ہیں۔

اسے دھیان ہی نہیں آتا تھا کہ لوگ بھری ہوئی بس میں مجبوری کے تحت چڑھتے ہیں۔

اگرچہ جہالت، غربت کی ایک اہم وجہ ہی۔

مگر ترقی کے انتظار میں انسان بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔

ایک روٹی کی تلاش میں انہیں کسی مل، کارخانے، بھٹے پر جانا ہی پڑتا ہے۔

لیٹ ہونے کے خوف سے بسیں بھر کر پھٹنے لگتی ہیں۔

ان باریکیوں کی سمت اس کا دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ انتہائی خود نگر، مگن، اور مطمئن ذات

تھی اس کی۔

یہ وقت کی کتنی بڑی تبدیلی تھی۔ کہ آج وہ ایک بوڑھے کو پینڈ سے پانی بھرتے دیکھ

کر تڑپ اٹھی تھی۔

بہت تیزی سے زینہ طے کر کے وہ آئی تھی اور لوٹا ان کے ہاتھ سے لے کر بولی۔۔

لائیے میاں جی۔ میں بھرتی ہوں، وضو کریں گے میاں جی۔

ہوں۔ وہ ضعیفی کے باعث ہانپنے لگے تھے۔

اتنی سردی ہو رہی ہے۔ ٹھہریے۔ میں آپ کو پانی گرم کر کے دیتی ہوں۔

تو میری عادتیں نہ بگاڑ بیٹی۔ مجھے عادت ہے۔ میں خوش ہوں۔

کیوں میاں جی۔ کیا آپ کے گھر والے آپ کو پانی گرم کر کے نہیں دیتے روشن نے

ترحم آمیز نظروں سے ان کی ضعیفی کو جانچا۔

اللہ نے رات آرام کے لیے بنائی ہے بیٹی۔ اور نیند دماغ و جسم کا حق ہے۔ مجھے کیا حق

پہنچتا ہے کہ میں لوگوں سے ان کے حقوق چھینتا پھروں۔ اور پھر عبادت میرا ذاتی فعل ہے کسی پر

احسان تو نہیں ہے۔

ابلیس، عزازیل تھا بیٹی۔ ایک ایک چپے پر اس کے سجدوں کے نشان تھے۔ اس سے زیادہ وہ اللہ کا مقرب کوئی نہیں تھا۔ ایک لمحے میں راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ میں اپنی عبادت پر کیا گمان کروں اور دنیا کو کیا پریشان کروں کیوں اپنا تماشا کروں۔ کیا گرم اور کیا ٹھنڈا پانی بیٹی۔ سارا مسئلہ تو سجدے کی قبولیت کا ہے۔ ہم سب بہت بے اختیار ہیں یہاں۔

وہ اس کی خوشی کی خاطر اس کے پیچھے پیچھے باورچی خانے میں چلے آئے تھے۔ وضو کرنے کے بعد وہ سیدھے کھڑے ہوئے۔ چادر میں چھپے ہوئے روشن کے سراپے کو ایک بے نیاز اور سرسری نظر سے دیکھا۔

تو کون ہے بیٹی۔

ایک عورت ہو میاں جی بس۔ اس کا دل بھر بھر آیا۔

تو اسی گھر میں رہتی ہے۔

جی۔

ولایت علی شاہ سے تیرا کیا رشتہ ہے معلوم ہوا ہے کہ یہ گھر اسی کا ہے۔

روشن کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس نے گھبرا کر میاں جی کی شکل دیکھی۔ وہ چار خانے کا رومال اپنے سر پر پھیلاتے ہوئے اپنی مخصوص خود فراموشی اور مگن سی کیفیت میں تھے۔

میں ان کی خادمہ ہوں میاں جی نمک خوار۔ اس نے ہونٹ کاٹے۔

مگر تو بول چال سے پڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کسی اچھے گھر کی عورت۔

روشن نے خوفزدہ ہو کر میاں جی کی سمت دیکھا۔

ماحول کا اثر ہو ہی جاتا ہے میاں جی وہ بمشکل بولی۔

خوب کہا۔ وہ مسکرائے اور ناتواں انداز میں اپنے رہائشی کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

آپ کی جائے نماز بچھا دوں میاں جی۔ کتنے دنوں بعد روشن کو خود کو استعمال کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

مصلی میرا اچھا ہوا ہے بیٹی۔ مجھے معاف کر دینا بیٹی کہ رات کے اس پہر تیری میٹھی نیند خراب کی۔ وہ شفقت سے گویا ہوئے۔

(مجھے میٹھی نیند نہیں آتی) میں جاگ رہی تھی میاں جی۔ وہ گویا ہوئی۔ (جن کے نصیب سو جائیں یا سلا دیے جائیں پھر ان کی آنکھیں جاگا کرتی ہیں)

اسے تو فاروق کے فون کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ نور جہاں ممانی کراچی جا کر اماں جان سے تمام معاملات طے کر آئی ہیں۔ اس کے پاکستان پہنچتے ہی رخصتی کی تقریب عمل میں آ جائے گی۔

اس کے آزو گنگناتے ذہن کو فوراً جھٹکا لگا تھا۔

یہ تو آخر ہوتا ہی ہے طارق احمد، تم کب تک آنکھیں بند کیے خود فریبی میں مبتلا رہو گے یا کسی معجزے کے منتظر رہو گے کہ اچانک ہر شے تمہاری پسند کے مطابق ہو جائے گی۔

ایک تو اللہ جانے ان لوگوں کو اتنی جلدی کیا ہے۔ اتنا کچھ ہے گھر میں کیا لڑکیاں نہیں سما سکتیں

اس نے کلاک کی سمت دیکھا۔ پاکستان اور جرمنی کے وقت میں چار گھنٹے کا فرق تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ گویا پاکستان میں رات کے بارہ بج رہے ہوں گے۔ اس وقت اماں جان عموماً جاگتی ہوئی ہوتی ہیں۔ بقول ان کے جب تم لوگ سو جاتے ہو تو قیامت کے بورے سمیٹتی ہوں۔ ان کا اشارہ ان کی دھما چوکڑی کی سمت ہوتا تھا۔ جو جہاں بیٹھتا تھا وہیں ایک دنیا بسا لیتا تھا۔ کتابیں، اخبار، کشن، چائے کی پیالیاں، قلم، کاغذ۔

وہ غلط نہیں کہتی تھیں۔ اس نے تصور کیا تو اعتراف خود بخود کر لیا۔

فون حسیب نے اٹھایا تھا۔ مارے خوشی کے غیر متوازن ہو گیا تھا۔

چھوٹے بھائی۔ کل صبح جرمنی کا محکمہ اطلاعات و نشریات ہڑتال کرے گا

طارق ہنس دیا یار پاکستان والوں کو ہر بات کی جلدی ہوتی ہے۔ بارہ بھی جلدی سے بجا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں آٹھ بج رہے ہیں تقریباً۔ اماں جان کو بلاؤ جلدی سے۔

چند لمحوں کے بعد ہی اماں جان سے مخاطب تھا۔ علیک سلیک کے فوراً بعد ہی وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔

اماں جان میں پاکستان آ کر ایک بہت خوبصورت سا گھر بنانا چاہتا ہوں۔

آدھا تو بن ہی چکا ہے۔ وہ مسکرائیں۔

میرا مطلب ہے اماں جان وہ محاورے والا گھر نہیں۔ سچ مچ کا گھر اینٹ پتھر کا۔

تو کیا ساری عمر لاہور ہی میں رہنے کا ارادہ ہے وہ بجھ گئیں۔ وہ تو اس امید کے ساتھ مضبوط ہوئی بیٹھی تھیں کہ ایک دن وہ کراچی واپس آ جائے گا۔

بیٹے تم اپنے دفتر والوں سے کہنا کہ وہ تمہیں کراچی ہی کھپا دیں۔

صرف میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے اماں جان یہ تو پورا ایک پروگرام ہوتا ہے ناں۔

تمہاری خود ہی کی نیت نہیں۔ ابھی سے سسرال میں پھنس رہے ہو۔

وہ آپ کے بھائی کا گھر ہے۔ اس ناتے میں ان لوگوں سے ملتا ہوں۔ دوسرے ناتے تو مجھے یاد بھی نہیں رہتے۔ وہ بے ساختہ سچ کہہ بیٹھا۔

کیا مطلب۔۔ وہ الجھیں۔

مطلب یہ اماں جان میں کراچی میں رہوں لاہور میں رہوں یا چک جھمرہ میں۔ ایک بہت خوبصورت گھر بنانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ یہ میری تمنا ہے۔ ایک شوق ہے۔

پھر۔۔ تو بنا لینا بیٹے۔

میں چاہتا ہوں گھر بنانے کے بعد رخصتی ہو۔ خدا کے لیے میرے معاملے میں جلدی نہ کریں۔

تم نے تو اپنے معاملے میں خود جلدی کی تھی بیٹے۔

مجھ پر الزام نہ لگائیں اماں جان سچ بتائیں کیا میں نے آپ سے کچھ کہا تھا

ہر بات کہی تو نہیں جاتی۔کچھ خود سمجھنے کی بھی ہوتی ہے۔بہر حال فرق کوئی نہیں پڑتا۔

وہ فون پر بحث بڑھانے کی خواہشمند نہیں تھا۔

آپ انہیں کسی طرح ٹالیں۔۔پلیز۔۔۔

کیا مطلب۔۔وہ برہمی سے بولیں۔

دیکھو طارق دُریہ ان کی پہلی اور بڑی بیٹی ہے۔بیٹی ایک ذمہ داری اور فرض ہوتی ہے۔میں ان کے احساسات سے نہیں کھیل سکتی۔دو بچیاں ان کی اور بیٹھی ہیں۔مت بناؤ بیوقوف بناؤ ہمیں۔اور سُن لو تمہاری رُخصتی کی تاریخ طے ہوگئی ہے۔چاہے دنیا ادھر ہو یا اُدھر۔چاہے تمہارا کام مکمل ہو یا نامکمل رخصتی اسی تاریخ کو ہوگی۔اب ہم تمہاری ڈگڈگی پر نہیں ناچ سکتے۔

ٹھیک ہے۔اس نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

دیکھو طارق بیٹے۔گھر بنانا کوئی کھیل نہیں ہوتا۔تم گھر چھیڑ بیٹھو گے تو یہ سلسلہ خدا معلوم کتنا دراز ہوگا۔بیٹی والوں کی اپنی بھی مجبوری ہوتی ہے۔خاص طور پر وہاں جہاں ایک نہیں بلکہ تین تین بیٹیاں شادی کے لائق ہوں۔کل کو باپ بنو گے تو اولاد کے مسائل جانو گے۔

(آہ) اس کے سینے سے ہُوک اٹھی۔میں خود اپنی انا وضد سے خوف زدہ ہوں۔

اتنا بہر حال یقین ہے دُریہ کبھی میرے بچوں کی ماں نہیں ہوگی۔

اس نے فون رکھ دیا۔

میں تو یہ چاہتا تھا اماں جان۔دُریہ چندون اور خوشیاں سمیٹ لے اپنے گھر۔اس لیے کہ اسے میری ذات سے خوشی کا سایہ بھی نہیں ملے گا۔

میں وہ وقت آج بھی نہیں بھول پایا ہوں۔

جب میں اپنے گھر والوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ خود اپنی بھی نگاہوں میں ذلیل ورسوا ہو رہا تھا۔

دریہ تمہیں صرف اپنی زندگی گزارنے کا حق تھا۔میری زندگی بھی تم ہی گزارنا چاہتی ہو۔میرے خوابوں کو بھسم کرنے والی۔میں تمہیں کیسے معاف کر سکتا ہوں۔

نفرت ہے مجھے ہر اس گھمنڈی انسان سے جو اپنی دولت کے بل بوتے پر زندہ انسانوں کو بھی اپنی جاگیر سمجھ کر تصرف کرتا ہے۔گویا تم نے یہ جانا کہ جس سمت نظر دوڑاؤ وہ سمت تمہاری، جس چیز کی آرزو کرو وہ تمہاری۔

تم نے مجھے چیز کیسے سمجھ لیا۔میں تمہارے باپ کی جاگیر تو نہیں تھا۔

مجھ زندہ انسان کے ساتھ تم نے یہ انسانیت سوز ڈرامہ رچایا۔

گویا احساسات صرف تمہارے پاس ہیں اس لیے کہ تم بیشمار دولت رکھتی ہو۔تم نے یک طرفہ سوچ کر میری انسلٹ کی ہے میری زندگی اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی کوشش کی ہے۔

تم نے مجھے اس طوفان سے آشنا کرایا جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو کھوکھلا کر دوں گا اپنی دہلیز پر بٹھا کر۔۔۔اپنا قرب مگر کبھی تمہیں نہ

سوچیں گا۔میرے جیسا آئیڈیلسٹ اور آرٹسٹک انسان اس کے خواب ہفت اقلیم سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔بلکہ زندگی سے بھی زیادہ قیمتی۔

کیا کوئی اپنی زندگی کے دشمن کو معاف کر سکتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا گویا اس کے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

آخاہ۔پاکستان سے موسیقار ماسٹر علی جان کا فون تھا۔

وہ ایک دم چہک اٹھا۔(یہ مسٹر علی جان تو میرے لیے ایک نعمت ثابت ہوئے ہیں)۔

اور کیا حال ہے علی بھائی

تمہارا ہجر کاٹ رہے ہیں۔ان کی مشفق سی آواز آئی۔

وہ ہنس پڑا۔کوئی امری دھن تخلیق ہو سکتی ہے اس ماحول میں۔کیوں

تم آؤ تو سہی واپس۔اسقدر خوبصورت دھنیں بنائی ہیں۔امر کر دیں گے تمہیں۔

بہت بہت شکریہ۔انشاءاللہ جیسے ہی وطن واپسی ہو گی۔آپ کا کام پہلے ہی۔

عنایت۔ویسے میں نے بٹ صاحب سے کہہ دیا ہے کہ ایک گیت طارق فاروقی نے بلا معاوضہ گا دیا تھا اب اس کا خیال رکھا جائے۔

بے حد شکریہ۔وہ ممنون ہوا۔

یار میں تمہارے والد صاحب کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ملاقات ضرور کرانا۔

کیوں نہیں علی بھائی ضرور۔

تین فلمیں تمہارے انتظار میں ہیں۔اور سنو کوئی کنسرٹ وغیرہ ہو تو تمہیں شامل کر لیا جائے۔کوئی حرج تو نہیں

کنسرٹ

چند دنوں کی بات ہوتی ہے یار۔فکر کیوں کرتے ہو۔آج کل ایک کنسرٹ کینیڈا میں ہو رہا ہے۔دو دن نکال

لو یار۔ایسے موقعے بار بار نہیں ملتے۔بیس ہزار ڈالر تو کہیں نہیں گئے۔بہت بڑا کنسرٹ ہے۔بھارت سے بھی فنکار آ رہے ہیں۔بین الاقوامی شہرت تمہاری منتظر ہے۔ٹکٹ اور رہائش بھی آرگنائزر کے ذمے ہے۔کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

علی جان صاحب نے گویا اس کی رگ رگ میں جوش بھر دیا۔

اپنا آپ منوانے کا کس قدر نادر موقع مل رہا تھا۔

لیکن یہاں سے شریک ہونا بہت ہی مشکل ہے۔اس نے مایوسی سے کہا۔

ارے دنیا اتنے بڑے بڑے فراڈ کر جاتی ہے۔بندرگاہیں قرضے پار اٹھ جاتی ہیں راتوں رات۔ٹیکنالوجی چوری ہو جاتی ہے۔سرکاری راز غائب کر دیے جاتے ہیں۔ہمارا معاملہ تو بہت فیئر ہے۔وہ تمہارے چیف بھی تو وہیں ہوتے ہیں آج کل۔

وہ کچھ نہیں کر سکتے آخر پاکستان میں وہ تمہیں جی بھر کر نچوڑتے ہیں۔

کوئی بہانہ بنا لو یار۔ میڈیکل میں پر۔ دو دن کی بات ہے۔ دوسرے دن رات کی فلائٹ سے واپسی۔

ایک برا [illegible] سے دوسرے برا [illegible] کا فاصلہ ہے۔ سفر بھی خاصا ٹائم لگے گا۔ وہ الجھا۔

سچ کہتا ہوں طارق فاروقی یہ مواقع روز روز نہیں ملتے۔ تم بہت لکی ہو۔ میں نے تمہارا نام دیا اور منظور کر لیا گیا۔ وگرنہ اس وفد میں سب سینیئرز ہیں۔ پاکستان سے بھی اور ہندوستان سے بھی۔

میں غور کر کے آپ کو جواب دوں گا۔ پرسوں تک۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مجھے یہاں سے اجازت کس طور ملے گی۔

ہاں بس اس بات کا خیال رکھنا کہ دن دن کنسرٹ کے اور باقی سفر کی ٹائمنگ۔

اوکے۔

اوکے۔ خدا حافظ۔

اتنی ملائمت

اتنی شفقت پائی تھی۔ اس لہجے میں کہ پروانہ وار وہ کئی راتوں سے تڑپ رہی تھی اور بڑے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔ مگر پلٹ گئی تھی۔ شاید ہمت نہیں تھی۔

غلام محمد۔ اس کا دکھ، اس کا جرم سب جانتا تھا۔

جرم بھلا کر اس کے دکھ میں شریک ہو رہا تھا۔ مگر دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی۔ شاید دکھ بھی

با اختیار پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ غلام محمد کی پناہیں تو بہت بے اختیاری تھیں۔ مضبوط جسم و جان کے ہوتے ہوئے بھی۔

اور یہ ناتواں۔ ضعیف سا شخص اسے کتنا بھاری بھرکم سا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی صورت پر صرف نظر ڈالنا ہی باعث تقویت ہوتا تھا۔

اللہ سے محبت کرنے والوں کی یہ واضح پہچان ہے کہ جو ان کو دیکھتا ہے ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق سے پیار کرتے ہیں، اللہ کی مخلوق ان سے پیار کرتی ہے۔

وہ بھی ان کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی اور حیران تھی کہ ایسے بھی ہوتا ہے۔

صبح کو تو نبی بخش ان کو اپنے ادھورے مکان میں لے جاتا تھا۔ غلام محمد بھی ان ہی دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ خود بھی مخمصی حالت میں رہتی تھی۔

مگر رات کو اس کا جی چاہنے لگتا۔ وہ محبت اوڑھنے بچھانے والا ناتواں سا بوڑھا آدمی اسے دکھائی پڑے، صرف ایک نظر ڈال کر اس کے گناہ اور دکھ کھوج لے۔ اس کی مغفرت کے لیے ہاتھ بلند کرے اللہ کے حضور۔

کہ اللہ ایسے محبت کرنے والے انسان کی دعا سے صرف نظر کر سکتا ہے۔

اس نے ذرا سا دروازہ کھولا۔ مدھم سی روشنی میں میاں صاحب کی گہری نیند میں نظر آئے۔ رات کا ایک بجا تھا وہ ڈھائی تین بجے کے قریب اٹھتے تھے۔ وہ ان کے باہر آنے تک بستر پر آہٹ کی منتظر بیٹھی رہتی تھی۔

تین چار دن سے وہ انہیں گرم پانی سے وضو کرا رہی تھی۔ انگیٹھی دہکا کر ان کے مصلے کے نزدیک رکھ رہی تھی۔ سردی بھی تو غضب کی پڑ رہی تھی۔ اسی لیے نبی بخش نے میاں صاحب کو جانے بھی نہیں دیا تھا۔ جب وہ جائے نماز پر بیٹھ جاتے تو وہ بہت آہستگی سے دروازہ بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آ جاتی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جونہی انہوں نے اس کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ نے اُن کی دعا سن لی۔

میں کس قدر خود غرض ہوں۔ اس نے دروازہ پھر بند کر دیا۔ اور اپنے آپ سے گھن کھائی۔

دعاؤں کے لالچ میں۔ اس برفیلی رات میں ٹھٹھراتی خون منجمد کرنے والی ہواؤں میں اس بزرگ کے جاگنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اگر میں آسودہ اور سیر ہوتی تو کیا اس بزرگ کی خاطر جاگتی۔

میری کوکھ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ مجھے کب سونے دیتی ہے۔

میں تو آسودہ نیند کا لطف ہی بھول چکی ہوں۔ میں نے تو یوں بھی جاگنا ہے اور یوں بھی۔ میں تو وہ بدنصیب ہوں جسے نیکی کی توفیق ہی نہ ملی۔ ہچکیوں سے اس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔

عمر، بشر۔ ہائے معصومو تم اللہ سے اتنے قریب تھے کہ آن واحد میں اس نے تمہاری سُن لی۔ ذرا تو دیکھو تو۔ میں کہاں ہوں۔

قاف کی اس وادی سے بھی بدتر جگہ۔ جہاں لوگ پتھر بن جاتے تھے۔

پتھر بن کے رہنا کتنا آسان عمل ہے۔ مشکل تو پتھروں کے در و دیوار کے بیچ زندہ رہنا ہے جاگتے احساس کے ساتھ۔ تنہائی کی یہ آگ۔

دن رات ضمیر کے طعنے۔

ولایت علی شاہ۔ تمہارا یہ گوٹھ تو میرے لیے جائے کوئے ملامت ہے۔ یہاں ایک ایک چیز کے ساتھ تمہارا تذکرہ ہے۔ یہاں تو ہر بات ملامت آمیز معلوم ہوتی ہے۔ اتنے بڑے منتقم ہو ولایت علی شاہ۔ کبھی بھید ہی دے دیتے۔

ہائے وہ میرے پہلو میں رہنے والا میٹھا مہربان آدمی اس قدر سفاک ہوگا۔

غم ایک تو نہیں ہے۔

یاالٰہی۔ وہ کون سا اسم ا زبان پر لاؤں کہ مغفرت ہو۔ بڑے بڑے گمراہوں کو راستہ دکھا دیتا ہے۔ بس ولایت علی شاہ کے بچے ملا دے۔ پھر وہ چاہے مجھے دھتکار دے میں تجھ سے پھر کبھی کچھ نہ مانگوں گی۔

وہ برآمدے میں موڑھے پر بیٹھی تھی۔

پاؤں اور ہاتھ سُن ہو چکے تھے۔۔۔ مگر بے تحاشا رونے سے چہرے اور جسم میں حدت سی محسوس ہوتی تھی۔

معاً اسے اپنے سر پر کسی کے دست مہربان وشفیق کی لرزش محسوس ہوئی۔ اس نے چپکے سے

چہرہ پونچھا۔ اس نے جان لیا تھا۔ کہ میاں جی کا مسعود ہاتھ اس کے بدنصیب سر پر ہے۔

کیوں روتی ہے بیٹی کیا تیرا دنیا میں کوئی نہیں تیری راتیں کالی رہتی ہیں۔ کیوں

ایک فصل، ایک موسم تھا میاں جی۔ ساری دنیا میری تھی۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک دکھ سینے سے آزاد کیا۔ کچھ آنچ کم ہوئی۔

یہاں ہم تو سب کے ساتھ آتے ہیں۔ بیٹی۔ اسی لیے تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو لہو ولعب یعنی کھیل تماشا کہا ہے۔ دانائی یہ ہے بیٹی۔ ہاتھ آئے تو موڑو نہیں اور چھن جائے تو جی چھوڑو نہیں۔ جو اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں ان کی زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ جو وقت تُو نے گزار دیا اسے یاد کر کے نہ رو۔ حماقت ہے۔ جو ہے اسے تو ضائع نہ کر۔

میں کیا کروں میاں جی۔ وہ لاچاری سے بولی۔

تُو اکیلی ہے بیٹی۔

جی۔

اگر تُو رشتوں سے آزاد ہے تو انسانیت کے رشتے تجھ سے بندھے ہیں۔ یہ گوٹھ بہت پسماندہ ہے۔ اگر تجھے قرآن آتا

ہے پڑھائی آتی ہے تو ان روشنیوں کو آزاد کر۔ تاکہ اس گوٹھ سے اندھیرا دور ہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کر۔ اللہ کی مخلوق کو فیض پہنچا۔ زندگی آسان سی آسان ہو جائے گی۔

اللہ ظالم نہیں ہے۔ اس نے خود پر ظلم کو حرام کر لیا ہے۔ ہم جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔ اس لیے دکھوں کا موسم میں شکوہ نہیں کرتے۔ مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اظہار ندامت کرتے ہیں۔ معافی مانگتے ہیں۔ بھی تو خادمہ ولایت علی شاہ کی ہے اور خدمت ہماری اور ان ویران در و دیوار کی کرتی ہے۔ وہ مسکرائے۔

انہوں نے اس گھر کو میری پناہ گاہ بنا دیا ہے۔ اکیلی ہوں نا میاں جی۔ اور پھر اس گھر کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ ولایت علی شاہ آتے جاتے رہتے ہیں ادھر۔

بیٹی۔

جی میاں جی۔

بیٹی۔ جب تُو جاگ ہی جاتی ہے تو ہمارے برابر مصلیٰ بچھا لیا کرو۔ جو بچھڑے ہیں ان سے ملنے کی دعا کر اور مغفرت مانگ تجھے بہت میٹھی نیند آیا کرے گی اور تیری بیقراری بھی دور ہو جائے گی۔ قرآن کا فیصلہ ہے بیٹی بے شک دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ولایت علی شاہ کے قدیم اور خاموش در و دیوار اس کی دعائے نیم شبی کی گواہی میں شریک ہو جائے۔ جانے کتنے سچے سجدے اس کی پیشانی سے آزاد ہوئے۔

نہ جانے وہ کب تک سوتی رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد وہ اس قدر گہری نیند سوئی تھی کہ جگانا پڑا تھا وگرنہ غلام محمد کی ہر دستک کے جواب میں وہ ہوں کہہ کر اپنے بیدار ہونے کا اعلان کرتی تھی۔

آج تو اس نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا تب جا کر اس کی ہوں سنائی دی تھی۔

جب تک گمان یقین کے قالب میں نہیں ڈھلتا اس وقت تک روح کا ایک ایک تار بیقرار رہتا ہے۔

خواہ اللہ، وحدہ لاشریک پر یقین کی بات ہو۔

یا کسی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کا یقین ہو۔ منزل تک رسائی کا یقین ہو۔ چاہے کسی دوستی کا یقین انتہائی طلب ہو۔

کسی کی محبت کا یقین۔

بچھڑ کر ملنے کا یقین۔

دعا کی قبولیت کا یقین

یہ طے ہے۔ شک وگمان اضطرار واضطراب ہیں۔

یقین۔ قرار سکون اور ٹھہراؤ ہے۔

نگاہ بصیرت گردو پیش ڈالی جائے تو یہ دل آویز انکشاف ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ہفت اقلیم، ملک فرعون، خزانہ قارون، اولاد، احباب سے بھی بڑی ایک دولت ہے۔ جو یقین کی دولت ہے۔

جس کے پاس یہ دولت ہو وہ بلا کا بے نیاز ہوتا ہے۔ ایک زمانہ اسے رشک سے دیکھتا ہے۔

آخیر رات اس نے یقین کی لہروں کو اپنے وجود میں اترتا محسوس کیا تھا۔

اس بات کا یقین کہ گناہ معاف کرنا رب کائنات کے اختیار میں ہے۔

میاں جی نے اسے بتایا تھا۔ بیٹی۔ اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ رحمٰن کا مطلب ہے اس قدر مہربان جیسے کوئی بے کنار سمندر یعنی اپنے ماننے اور نہ ماننے والے ہر ایک پر مہربانی کرتا ہے۔ مشرک، منکر، کافی، کاہن اسی سبب کھاتے پیتے اور ٹھاٹھ سے رہتے نظر آتے ہیں۔ کمال مہربانی کے سبب ان کی رسی دراز رکھتا ہے۔ انہیں توبہ کا موقع دیتا ہے۔

اور رحیم کا مطلب ہے بہت شفیق، سزا میں جلدی نہ کرنے والا۔ جلد غصے میں نہ آنے والا۔ یہ تو عیب ہیں ناں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا تھا۔

بیٹی کوئی ہم سے محبت کرے تو ہمیں اس سے کیسا سلوک کرنا چاہیے۔

ہمیں بھی اس سے محبت کرنا چاہیے۔ اس نے جواب دیا تھا۔

شاباش۔ تو پھر تم اپنے خالق سے محبت کرو۔ یہی تمہارے آنسوؤں کا علاج ہے۔

فجر کی نماز کے بعد وہ سوگئی تھی۔ ایسی کہ دس بج رہے تھے اور اسے ہوش نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد اوپر دھوپ میں بیٹھ کر بال سلجھانے لگی تو نیچے شور سنائی دیا۔ وہ جلدی سے کمرے کی کھڑکی میں آئی۔

میاں صاحب مرتضی لاشاری کی جیپ میں بیٹھ رہے تھے۔ بی بخش، غلام محمد اور گوٹھ کے دوسرے چند لوگ کھڑے تھے۔

وہ تیزی سے زینہ اتر کر آئی اور پھاٹک کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔ اور پھاٹک کی زنجیر زور سے ہلائی۔

غلام محمد تیزی سے اندر آیا۔

جی مالکن اس نے حیرانی سے اس کا متورم چہرہ دیکھا۔

میاں جی کہاں جا رہے ہیں وہ بیقراری سے بولی۔

اپنے گوٹھ جا رہے ہیں مالکن یہاں تو مہمان تھے ناں۔ آپ ملے تھے ان سے۔ غلام محمد نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

ہوں۔

مالکن آپ نے میاں صیب کو بتا دیا۔ غلام محمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

میاں جی مجھے اچھے لگے۔ میں نے ان سے باتیں کیں اور یہ بتایا کہ میں تمہارے مالک کی نوکرانی ہوں۔ تم کیوں خوف زدہ ہوگئے غلام محمد۔ مین تمہارے احسانات نہیں بھلا سکتی۔

ایک احسان کرو غلام محمد میاں جی سے کہو، میں انہیں سلام کرنا چاہتی ہوں۔

اچھا جی وہ حیران پریشان واپس ہوا مالکن کس وقت میاں صیب سے ملیں اور اسے کیوں پتا نہ چلا۔

تھوڑی دیر بعد میاں صاحب دوبارہ پھاٹک عبور کر کے اندر داخل ہوئے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

شاید تُو سو رہی تھی بیٹی اس لیے تجھے دیکھ نہیں پائے۔ گھبرانا نہیں۔ یہ گھر ہے ماشا اللہ اپنی خوشیوں کے لیے لوگوں کی موجودگی اہم نہیں ہوتی۔ نیکی کرو۔ روح خوش ہوگی تو تنہائی میں بھی میلہ لگے گا۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور اس کا جی چاہا چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

میاں جی۔ پھر آیئے گا۔ وہ بے ضبط بولی۔ باہر کچھ شور سا ہوا تھا۔

انشاء اللہ۔ اس شور میں میاں جی کی آواز پست محسوس ہوئی۔

اسی دم اس نے غلام محمد کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا۔ ایسے تاثرات تھے گویا اس نے ملک الموت کو دیکھ لیا ہو۔

مم۔ مالک۔

اسی دم ولایت علی شاہ نے اندر قدم رکھا تھا۔

کینیڈا کے پروگرام سے متعلق اس نے کسی کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔

شاید یہ سوچ کر کہ ماں نے زبردستی اجازت دی ہے۔ ان کا ذہن قطعی آمادہ نہیں، کیا فائدہ کہ انہیں خوامخواہ ایک کرب میں مبتلا کیا جائے۔

صرف ابا جان کو خط لکھ دیا تھا کہ چند دنوں کے لیے کینیڈا جا رہا ہے۔ اب ان سے دوسروں کو پتا چلا ہو تو وہ دوسری بات تھی۔

اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی زندگی میں ایک دم یہ شاندار موقع آئے گا۔ طبیعت تو اس کی ویسے ہی گدگداتی رہتی تھی۔ سارا ماحول اپنی طرف متوجہ کر لینے کی خداداد صلاحیت تھی۔

پروگرام میں اس نے صرف منتخب غزلیں سنائی تھیں مگر سب کو وہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔ ہر شخص کو اس کی آواز بہت پسند آئی تھی۔ پھر غزلوں کا جچا تلا انتخاب، بے پناہ داد اس کے حصے میں آئی تھی۔

ماسٹر علی جان اس لیے پھولے نہیں سماتے تھے کہ وہ ان کے کریڈٹ پر تھا۔

یہ اس کی زندگی کا ایک یادگار تجربہ تھا۔

جب اس کی دوستی کی حدیں بین الاقوامیت کی حدوں کو پھلانگ گئی تھیں۔

شاید دریہ نے سب سے پہلے اخبار پڑھا تھا۔

اس لیے کہ سب سے پہلا فون اس کا آیا تھا۔ پاکستان ہندوستان کے معروف گلوکاروں وادا کاراؤں کے ساتھ یقیناً اس کے فوٹو گراف لگے ہوں گے۔

ایک جست میں وہ احسان اینڈ فیملی کو پھلانگ گیا تھا۔ ادھر تشویش ہونا لازمی امر تھا۔ وہ دل کھول کر ہنسا۔ استہزائیہ۔

کنسرٹ سے پہلے بھی میں طارق احمد فاروقی تھا۔ کنسرٹ کے بعد بھی میں طارق احمد فاروقی ہوں۔

اس دنیا نے بڑائی اور بلندی کے پیمانے یہ بنائے ہیں۔ ہونہہ۔ یعنی جب تک کسی مشہور آدمی کے ساتھ تصویر نہ بنے کسی بڑے مشہور انسان سے ملاقات نہ ہو اس کی اہمیت اور انفرادیت ہی تسلیم نہیں کی جاتی۔ کیا بڑے اور مشہور انسان درختوں میں لگتے ہیں۔

یہ بھی تو دوراہوں، چوراہوں کے امتحان سے گزر کر اپنا آپ تسلیم کرواتے ہیں۔ گویا ڈریہ بیگم اب تمہارے حساب سے میں پروو شہرت یافتہ ہونے لگا ہوں۔ میں تو لفٹ بھی نہیں کراتا شہرت وہرت کو اور نہ سر پر سوار رکھتا ہوں مگر یہ تمہارے معرکے میں کام آئے گی۔

تمہارے غرور کا بت پاش پاش کرنا ہے۔

تم نے میرا ہر کام تلپٹ کیا ہے۔ ناں۔

ان سوچوں کے ساتھ جب کوالیفائیڈ پر کوالیفائیڈ طارق احمد نے کراچی شہر میں قدم رکھے تو پتا چلا۔ ہر طرف سے گویا جال کی ایک مضبوط تار چلی ہو۔

چھوٹے بھائی۔

بارات کراچی سے جائے گی۔ حسیب نے چھوٹتے ہی اطلاع دی۔ اس کے ہاتھوں کی خوبصورت سی گرمی میں عجب ٹھنڈک سی اتر آئی۔ (میں تو صرف تمہارے خیال سے دیر کر رہا تھا دریہ۔ اس لیے کہ میرے گھر میں آ کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ملے گی۔)

ابٹن کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

امیہ پھوپھو شور مچاتی اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتی اس کے پیچھے بھاگیں۔

پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں کہ ہاکی آگے اور گیند پیچھے۔ حسیب پھر کہہ بیٹھا۔

شرم نہیں آتی پھوپھو پر گیند کی پھبتی کس رہا ہے۔ اماں جان نے گھر کا۔

مجھے اس میں سے بُو آرہی ہے۔

خوشبو اس کے بعد آئے گی چھوٹے بھائی۔ شینل لگاتی ہیں۔

فاروق شریر ہوا۔

اماں جان خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ مجھے متلی ہونے لگے گی۔

تھوڑا سا لگوالو بیٹے یونہی رسما۔ انہوں نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

میں نہیں مانتا ان رسموں وسموں کو۔ آپ مجھے سو رکعت نفل پڑھنے کو کہیں گے تو پڑھ لوں گا۔

وہ تو آپ ویسے بھی پڑھیں گے شکرانہ۔ حسیب برجستہ کہہ بیٹھا۔

زبردست قہقہے برسے تھے۔

دیکھو چھوٹے میاں تم بہت چل نکلے ہو۔ اُبٹن میں نہلا دوں گا۔ اگر تم اُبٹن کی حمایت میں بولے۔ طارق نے حسیب کی کھنچائی کی۔

اسی دم امیمہ پھوپھو اپنا کام کر گئیں۔

ارمغان ایک تصویر بناؤ طارق کی۔ نغمہ نے شور مچایا۔

صرف چہرے کی۔ پاک و ہند کی فلم انڈسٹری میں بھجوائیں گے۔ کہ بوجھو تو جانیں۔

ربیعہ بھی شروع ہوئیں۔

اور بتائیں گے کوئی حرفوں سے بنتا ہے یہ اُبٹن سے بن لیں۔ امیمہ پھوپھو بھی بہوؤں کے ساتھ شروع ہوگئیں۔ اب طارق بری طرح پھنس گیا تھا۔

بیٹے اس طرح بھی کرتے ہیں۔ ذرا دیر کی بات ہوتی ہے۔ اماں جان نے ٹوکا۔

رُوپ آتا ہے۔

رُوپ آئے گا تو دلہن کے دل پر چڑھ جاؤ گے۔ نغمہ شریر ہوئیں۔

یہ تو ان کے سر چڑھ کر بول رہے ہیں۔ شاکر نے ہانک لگائی۔

دیکھیں پھوپھو مجھے کالا جادو کہہ رہا ہے۔ بے ادب۔ طارق نے پھوپھو کا کام میں رخنہ ڈالا۔

خالی کالا تو نہیں کہا ناں۔۔

وہ تو میں ہوں بھی نہیں، جب ہی تو کہہ رہا ہوں مجھے ابٹن کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے جلدی سے جان چھڑائی۔

اور نکھرو گے ماشاءاللہ۔ پھوپھو پیار سے بولیں۔

ان تمام رسموں، ہنگاموں سے گزر کر وہ نازک وقت آ ہی گیا تھا کہ وہ یہ اس کے گھر میں تھی۔

دو بجے رخصتی ہی ہوئی تھی۔ فوزیہ اور ثوبیہ نے خوب خوب اس کی درگت بنانے کی کوشش

کی تھی۔

اس کا جی ذرا بھی مائل نہ تھا کہ وہ اندر جائے مگر مجبور تھا۔ سارے گھر میں مہمان براجمان تھے۔

جرمنی میں قیام کے دوران اسے ایک ہی لت لگ گئی تھی، شاید تنہائی کی وجہ سے۔ یعنی سگریٹ نوشی۔ اس نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر جلدی جلدی دو تین کش لگائے۔ باقی ٹکڑا جوتوں تلے مسل دیا۔ اور دروازہ آہستہ سے دھکیلا۔

سرخ انگارہ شرارہ سوٹ اور صرف پھولوں کے زیور سے آراستہ دُریہ بستر سے ٹیک لگائے بہت دلکش زاویے سے بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔

ایک لمحے کو وہ عین بیچ دروازے میں رک گیا۔

پھر آہستہ سے پلٹا۔ دروازہ بند کیا اور خوب مضبوطی سے دبا کر چٹخنی لگائی۔

جب انسان ذہنی خلفشار کا شکار ہو تو اس کے معمول کے کام بھی رک رک کر انجام پاتے ہیں۔ قوت عمل کی پھرتی ذہنی ارتکاز کی مرہون منت ہوتی ہے۔

اور اس وقت طارق کی فکری قوت سینکڑوں حصوں میں منقسم تھی۔ دریہ کے یہ انداز اسے مزید بھسم کر گئے تھے۔ وہ روایتی دلہنوں کی طرح گھبرائی شرمائی نظر نہیں آ رہی تھی۔ خواب پرور طارق کی روح میں بیزاری کے آسیب اُترنے لگے تھے۔

ملبوسات کی دکانوں میں، ٹیلرز کے شوروم میں جوہریوں کے ہاں اس نے پلاسٹک کے بے حد حسین ماڈلز دیکھے ہوئے تھے۔ اس سے دریہ انہی میں سے ایک دکھائی دے رہی تھی۔

یہ اس کے احساسات تھے۔

دوسری سمت بظاہر پُراعتماد سی دریہ کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

سینے میں دل خوف و مسرت کے مشترکہ احساس کے ہمراہ بری طرح دھڑک رہا تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا۔ طارق بولے گا نہیں بلکہ پھٹے گا۔

اس کے دلکش دہن سے لعنت و ملامت کے انگارے برسیں گے۔ مگر وہ پھر بھی خسارے میں نہیں رہے گی کہ بہرحال وہ اس کا ہی ہے ناں۔ اس سے مارے خوف کے نظریں بھی نہ اٹھائی گئیں۔ صورتحال بہت ڈرامائی سی ہو رہی تھی۔

طارق بیڈ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔

اور دریہ کے کان منتظر

اس نے جیب میں سے ایک خوبصورت ہیرے کی انگوٹھی نکالی۔ کچھ دیر تک تو دیکھتا رہا۔ انتہائی متضاد سوچوں کی یلغار تھی اس پر۔

دریہ کی سمت دیکھتا تو کچھ سوچنے لگتا۔ نظریں ہٹاتا تو کچھ۔

پھر وہ کنارے پر بیٹھ گیا۔ دریہ کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ نہ جانے کیوں انگوٹھی اس نے دریہ کی آغوش میں ڈال دی۔

بہت سمجھدار ہیں اماں جان۔ رونمائی کے لیے بہت قیمتی انگوٹھی منتخب کی ہے۔ بڑی

بھابھی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ دلہن کو رونمائی میں کیا دینے کا ارادہ ہے شاید انہوں نے مذاق میں پوچھا تھا۔ مگر میں نے بتا دیا کہ مجھے دھیان نہیں رہا۔ آخر یہی کہہ سکتا تھا میں۔ جھوٹ بولنے کی مجھے عادت نہیں ہے۔ تب اماں جان نے یہ انگوٹھی مجھے دے دی کہ دریہ کو دے دینا۔ ان کی امانت تم تک پہنچا دی ہے۔ انہوں نے تمہارے معیار کا خیال رکھا ہے غور سے دیکھ لو۔ اصلی ہیرے ہیں۔

ایسی پتھریلی اور بے محل باتیں۔ دریہ نے آہستہ سے شاکی نظریں اٹھائیں۔ انگوٹھی اس کی آغوش میں پڑی تھی۔

دریہ نے آہستگی سے انگوٹھی اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

طارق نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ پھر ایک سمت بہت سارا دھواں چھوڑ کر اچٹتی نظر سے دریہ کو دیکھا۔

خوش ہو اس کی بھاری آواز تھکی تھکی سی لگی۔

دریہ نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

ہر چند کہ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا پھر بھی اتنا بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تم نہ میرا انتخاب ہو نہ میرے لیے میری ماں کا۔ یہ سارا عمل تمہاری ہٹ دھرمی اور بیجا مداخلت کا نتیجہ ہے لہذا ہر قسم کے نتائج کے تم ذمے دار ہو اور یہ کہ مجھ پر کبھی اپنے والد صاحب کی امارت کی دھاک بٹھانے کی کوشش نہ کرنا اور نہ ان کے گھر سے یا ان کی طرف سے کوئی شے میرے گھر میں آئے۔ خواہ معمولی سی راکھ ہو یا قیمتی ڈیکوریشن پیس۔

تم میرے نکاح میں اپنی مرضی سے آئی ہو بالجبر نہیں۔ لہذا میری منکوحہ ہونے کی حیثیت سے تم میرے گھر پر اختیار رکھتی ہو یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے۔ سوائے۔ وہ رک گیا۔

سوائے دریہ کا کلیجہ پھٹنے لگا۔

یہ اتنا شقی ہے۔ بھلا کیا کمی ہے مجھ میں۔ حسن، دولت، جوانی، صحت اور کیا خوبیاں ہو سکتی ہیں ایک لڑکی میں۔

چار دن کی اکڑ ہے طارق احمد۔ اتنے کڑیل سے ہو۔ آپ ہی آپ ڈھے جاؤ گے۔

ہونہہ۔

اس صورت حال کی تو مجھے ویسے بھی توقع تھی۔ دیکھ لیں گے۔

طارق کو حیرانی ہوئی۔ وہ کچھ بولی نہیں۔

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پھنس گیا۔ اس قدر حسین لگ رہی تھی تمام دنوں سے الگ۔

یہ تمہاری ہے طارق تمہاری دسترس میں، اللہ کی نعمت۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ خودداری اور انسانی حقوق کی پاسداری کی جنگ ہے۔ میں جہاد کر رہا ہوں۔

ایک انسان کو دوسرے انسان پر اتنی دھونس سے تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کی حیثیت تو اس ریاست کی سی ہو رہی تھی جسے فتح کے شوق میں بلاوجہ جارحیت کا نشانہ بنایا گیا ہو

پامال کیا گیا ہو، پھر اس پر فاتح نے اپنا جھنڈا لہرایا ہو۔

وہ باتھ روم کی سمت بڑھ گیا۔ اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہائٹ سلیپنگ سوٹ میں باہر آیا اور تعمیرات سے متعلق ایک میگزین اٹھا کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

دریہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی میک اپ وغیرہ صاف کر رہی تھی۔ پھر وہ شب خوابی کا ملبوس پہن کر آئی۔

طارق نے نوٹ کیا۔ وہ کافی دیر سے بالوں میں برش کیے جا رہی ہے۔

وہ۔ وہ اٹھا اور وارڈروب کھول کر خوامخواہ کچھ تلاش کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد پلٹا تو دریہ بیڈ پر دراز ہو چکی تھی۔ وہ دوسری سمت آ کر دراز ہو گیا اور دوبارہ میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔

دریہ نے اس کی طرف پشت کی ہوئی تھی۔ مگر اسے احساس تھا۔ وہ جاگ رہی ہے۔

اس نے لیمپ بجھا دیا۔

میں بالکل اندھیرے میں سونے کا عادی ہوں۔ اگر تمہیں کوفت محسوس ہو تو مجبوری ہے

طارق احمد تمہارے غرور کا بت پاش پاش نہ کیا تو میرا نام بھی دریہ نہیں۔ دیکھ لینا۔ میری نفسانی خواہشات اتنی بھی بے لگام نہیں ہیں کہ بیدام بن جاؤں۔ پوچھ لوں گی تمہیں۔ میرے اپسرا اون جیسے حسن کی انسلٹ کرنے والے احمق انسان۔

دو موتی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

دن بھر کی تھکاوٹ تھی یا شاید انتقام کا پہلا مرحلہ طے ہونے پر کلیجہ ٹھنڈا ہوا تھا کہ طارق کو ٹوٹ کر نیند آئی تھی۔

صبح کو زندگی میں شاید پہلی بار سورج نکلنے کے بعد بیدار ہوا تھا۔

خوب تیز چمکدار دھوپ کھڑکیوں کے شیشے سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھا اور سوئے ہوئے ذہن کے ساتھ معمول کے انداز میں بائیں طرف سے رسٹ واچ اٹھانا چاہی۔ مضبوط سا ہاتھ نرم وگداز وجود سے جا ٹکرایا۔

اس نے گہرے سانس کے ساتھ ہوشمندی کی دنیا میں قدم رکھا۔ زہریلی صبح کا آغاز تھا۔ جونہی گردن موڑ کر دیکھا دریہ بیڈ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی ریموور سے ناخن صاف کر رہی تھی۔

کلپ میں مقید زلفوں کے ساتھ اس کا چہرہ بالکل سادہ اور بےتاثر تھا۔

اس نے جھک کر سلیپر میں پاؤں ڈالے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر بالوں میں برش چلانے لگا۔ پھر باتھ روم کی سمت بڑھا۔ دریہ کی آواز آئی۔

دروازہ کھول دیں۔ نغمہ بھابھی دو مرتبہ آ چکی ہیں۔

دروازہ تم بھی کھول سکتی ہو۔ اس نے کھٹاک سے باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا۔

دریہ نے دانت پیس کر ریموور سائیڈ ٹیبل پر پٹخا۔ ہونہہ۔ اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور

پھر واپس آکر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد خواتین کی ایک ڈار اندر داخل ہوئی۔ کہاں ہیں وہ تمہارے نپولین بوناپارٹ نغمہ شریر ہوئیں۔

ارے وہ تو خاصے لمبے پارٹ ہیں۔ سمیرا ہنسی۔ پہلے دن ہی اصول توڑ دیے بھابھی۔ کہاں مرغ کی اذان سے پہلے اُٹھنے والا بندہ۔ کہاں یہ نصف النہار۔ سمیرا دریہ کے پاس بیٹھ گئی۔

ایک ساتھ بہت سارے خوف دریہ پر حملہ آور ہوئے کہ وہ جل کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔

اس پر انکشاف ہوا۔ اس ضمیر کے ظلم کا اعلان اس کی اپنی رسوائی کا اعلان ہوگا۔ اس کے بیرخی کا اعتراف اس کی اپنی ہی جگ ہنسائی ہے۔

اسے معاً احساس ہوا کہ بہت کچھ ہو گزرا ہے۔

اب وقت بدل چکا ہے۔ اسے اپنے گلے گلے پھنسنے کا بھی احساس ہوا۔

یہ میں نے کیا کیا۔

مگر اس کے سوا چارہ بھی تو نہ تھا۔

کیسا اچانسا ہے تم نے مجھے طارق۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تم میرے بجائے کسی اور کے کہلاؤ۔ اگر تم نے مجھ ٹھکرا دیا ناں تو شوٹ کر کے دم لوں گی۔

اس کا دل بھر آیا۔

کتنے لطیف۔۔

کتنے خوبصورت مذاق طارق کے حوالے سے کیے جا رہے تھے۔ وہ جو اس کا تھا۔ مگر جس کی مہک وباس سے وہ محروم تھی۔

اس کا وہ کشادہ وفراخ سینہ کالے پانی سے بھی زیادہ دور تھا۔ جس پر سر رکھ کر اپنے ٹوٹ جانے کا اعتراف کرنا اس کی

اولین خواہش تھی۔

اسی دم تم پیشہ مسکراتا ہوا باتھ روم سے برآمد ہوا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس نکھرا نکھرا اور بے حد شفاف سا۔

آپ لوگوں کو میرا کمرہ اتنا پسند ہے، پہلے بتایا ہوتا۔ میں رات کہیں اور گزار لیتا۔

جیسے گزار ہی تو لیتے۔ ربیعہ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

سب ہنس پڑیں۔ دریہ بھی مسکرائی۔ جبر کی زندگی کا اولین ادراک ہوا۔

یہ آپ نے سیاہ سوٹ کیوں لپیٹا ہے سمیرا نے قریب جا کر طارق کو سر سے پاؤں تک گھورا۔

کل میری آزادی کا انتقال ہوا تھا۔ سوگ منا رہا ہوں۔ وہ مسکراتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

بہت ڈھول جھونکتے ہیں یہ جملہ کہہ کر تمام مرد حضرات۔ بالکل رعب میں نہ آنا دریہ۔

ربیعہ نے دریہ کو نصیحت کی۔

آپ تو کم از کم کر اس کمنٹس نندیں بھابھی سب سے سادہ ترین پیس چھانٹ کر آپ کو دیا ہے۔ طارق نے ربیعہ کو چھیڑا۔

بتاؤں گی ارمغان کو پیس کہتے ہیں آپ کو، آپ کے چہیتے لاڈلے بھائی۔ ربیعہ نے بناوٹی ناراضگی کا اظہار کیا۔

دریہ کو حاضر خواتین پر رشک آیا جن کی خاطر اپنا لب و لہجہ و مزاج بدلنے پر مجبور تھا۔

واقعی دریہ بھابھی بھابھی جان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ گرفت ہی میں نہیں آتے یہ کسی کے۔ آپ ذرا ٹائٹ کیجیے گا۔ حمیرا نے جانے کب کا ادھار چکایا۔

ارے حمیرا کی بچی خدا کے لیے انہیں اتنا نہ چڑھاؤ۔ یہ تو ویسے ہی باغی حسینہ ہیں۔ وہ شرارت سے مسکرایا۔

ارے دریہ کیا بہت ستایا تھا رات کو۔ نغمہ نے اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کی۔

دریہ کے سینے میں شعلے سے دہک اٹھے۔ بڑی نا آشنا سی تپش تھی۔ ایک نیا تجربہ۔

حمیرا جانی۔ دریہ کا خوبصورت سا جوڑا نکال دو۔ میں ناشتے وغیرہ کا انتظام دیکھتی ہوں۔ ربیعہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نوٹ کر لیں دریہ نندوں سے اس طرح بات کرنی ہے۔ طارق نے دریہ کو مخاطب کیا۔

سب ہنس پڑیں۔ دریہ کے دل پر آری سی چل پڑی۔

جانے دیں چھوٹے بھائی۔ پتا ہے نہیں۔ چار دن بعد دریہ بھابھی آپ کو بتائیں گی کہ بہنوں سے کس طرح بات کرنا ہے۔ سمیرا نے کھنچائی کی۔

بہت ٹیڑھی کھیر ہوں میں۔ مجھ سے ڈرو۔ وہ شرارت سے اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے بولا۔

اللہ کے سوائے ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ آپ بھی نہیں ڈریے گا چھوٹی بھابھی۔ حمیرا نے دریہ کو ورغلایا۔

تم کیسی بہنیں ہو یار۔ ایک رات کی بھابھی کے سامنے میرے ساتھ غداری کر رہی ہو۔ وہ ان کے پاس چلا آیا۔

اپنے ارمان پورے کر رہے ہیں۔ حمیرا نے اطلاع بہم پہنچائی۔

گویا۔ کینہ۔ مجھے تو تمہارا تعلق اونٹ کے خاندان سے معلوم ہو رہا ہے۔

اگر خود کو اونٹ تصور کرتے ہیں کرتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بیساختہ قہقہے ابھرے تھے۔

ارے بچیوں تم یہیں کی ہو رہیں۔ کب سے انتظار کر رہی ہوں، سورج سر پر آ پہنچا۔ بھابھی جان کا فون آیا تھا کہ وہ لوگ دریہ کو لینے آ رہی ہیں۔ جلدی کرو۔

لیکن شام کو تو ولیمہ ہے۔ حمیرا نے الجھ کر ممانی کو دیکھا۔

وہ کہہ رہی تھیں دریہ وہیں سے تیار ہو کر ہوٹل پہنچ جائے گی۔ بےفکر رہو۔ اے لو۔ دریہ ابھی تک یونہی بیٹھی ہے۔ اے تم لوگ کیا کر رہی تھیں اتنی دیر سے

دریہ پھوپھی کو دیکھ کر سٹپٹا سی گئی تھی۔ بعض دفعہ عقل برمحل آجاتی ہے۔ اس نے عروسی دوپٹہ جلدی سے کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

سرخ نائٹی پر کامدانی کا بھاری دوپٹہ عجب منظر پیش کر رہا تھا۔

وہ سب کی سب مسکرا دیں۔

اماں جان نے یہ بات محسوس کی۔ بلکہ انہیں ناگواری محسوس ہوئی۔ صرف انہی کے سامنے دوپٹہ کیوں اتنی دیر سے

بہنیں، بھاوجیں بیٹھی ہیں۔ میاں پاس کھڑا ہے۔ اس کے باوجود یہ اس بے ہودہ لباس میں بیٹھی ہوئی تھی۔

چلو، یہ بھی بہت ہے کہ ساس کا لحاظ کرلیا۔ انہوں نے اس پر بھی خیر منائی۔ اور لڑکیوں کو جلدی کا کہہ کر جانے لگیں۔

تم نے میری ماں کو سلام نہیں کیا طارق نے بظاہر مذاق کیا۔

دریہ جھٹ ہاتھ پیشانی تک لے گئی۔ حالانکہ توہین کے احساس نے اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

عابدہ بیگم آگے بڑھیں۔ دریہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

ڈریہ کو دلہنوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا ناں اس لیے ان باتوں کی اسے سمجھ نہیں ہے۔ پھر سالوں باہر رہی ہے۔ اگر میری بیٹی سلام کرنا بھول گئی تھی، مجھے تو کم از کم اپنی بہو کو پیار کرنا چاہیے تھا۔ مگر تم نے سب کچھ بھلا دیا لے کر۔ انہوں نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

اس کی پھوپھی نے بھری محفل میں اس کی عزت بحال کی تھی۔ اسے ان کی ذات ایک مضبوط پناہ گاہ محسوس ہوئی اور ایک عجیب سی آسودگی اور طمانیت کا احساس پیدا ہوا۔

اچھی بھئی بچیوں اب جلدی کرو۔ شاباش۔ وہ دریہ کا شانہ تھپتھپاتی باہر نکل گئیں۔ طارق بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر چلا گیا۔

حمیرا اور ربیعہ اس کے بناؤ سنگھار کا اہتمام کرنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا اور پھر طارق۔

وہ پیازی سلکی سوٹ مین جس پر خاصا بھاری کام تھا بہت حسین لگ رہی تھی۔ طارق اکے ہاتھ میں اخبار تھا۔ وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔

ناشتہ کرو دل لگا کر۔ بس مجھے ایک کپ چائے بنادو۔ وہ شاہانہ اسٹائل میں حکم صادر کر کے اخبار چاٹنے لگا۔

ڈریہ نے چائے بنا کر چمچے سے پیالی بجائی۔

طارق نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹایا۔

منہ میں زبان نہیں ہے۔ طارق کے لہجے مین آگ لگا دینے والی تلخی تھی۔

ڈریہ کی شریانوں مین خون اُبلنے لگا۔ اس کے تو باپ نے بھی کبھی اونچی آواز میں اس کا

نام نہیں لیا تھا۔ کجا کہ یہ انداز۔

نہیں ہے۔ اس نے چیچ ٹرالی میں بڑے زور سے پٹخا۔ اور بستر سے اتر کر صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جنگل میں آگ گھر چکی ہو۔ آنسو ابل ابل کر آنا چاہتے تھے اس نے بمشکل کنٹرول کیا تھا خود پر۔

طارق ایک لمحے کو سناٹے میں رہ گیا۔ اس کی مردانہ انا پر بڑی زوردار ضرب پڑی تھی۔

اس کی خوشیوں بھری زندگی کو جہنم کا راستہ دکھانے والی یہ گلے پڑی بلا۔ اس کی یہ مجال۔

اس نے بمشکل خود کو سنبھالا پھر اٹھ کر دوسری پیالی میں اپنی چائے تیار کی اور گھونٹ گھونٹ اطمینان سے چائے پی۔

وہ بھوکی پیاسی بیٹھی تھی۔

ایک روشن ضمیر انسان کی حثیت سے طارق کے دل پر ملال کے بادل تو منڈلائے۔ مگر وہ اس کے دیے ہوئے زخم بھلا نہیں سکتا تھا۔

آج تک اس کی یادداشت میں وہ احساس ذلت تازہ تھا جب وہ بھائی میاں کے بجائے دلہا بنا تھا۔

اس دوراہے کا زخم جب اس کا تصور دھواں بنا تھا۔

یہ قطعی قابل رحم نہیں ہے۔ جسے دوسرے انسان کے جذبات واحساسات کی قدر و اہمیت کا ادراک نہیں۔

وہ ایک کمزور لمحے سے پھر بچ نکلا۔

میرے خواب بہت قیمتی تھے ذریہ۔ میرے مستقبل کی پوری عمارت کی بنیاد

کیسے معاف کردوں ذریہ۔

ہاں اگر کچھ سوچا نہ ہوتا تو شاید۔ صورت حال مختلف ہوتی۔

وہ چائے پی کر باہر چلا گیا۔ ذریہ کا دل چاہا کمرہ بند کر کے چیخ چیخ کر روئے۔ مگر وہ اپنے پروگرام پر عمل درآمد نہ کر سکی۔ کہ اس کے میکے والے

آ چکے تھے

ولیمہ شام کا تھا یعنی شام سے مراد وہی رات جو اس خطے کے انسانوں کو بہت پسند ہے۔ انتظار کرانے کی عادت یہاں کی آب و ہوا میں ہے۔ شام کی تقریب بھرپور رات کی تقریب بن جاتی ہے۔

مگر یہاں تو ذریہ نے جان بوجھ کر کاروائی کی تھی۔ ٹھیک ہے ٹینشن کی وجہ سے اس کے سر میں درد تھا۔ مگر اتنا بھی نہیں جتنا وہ ظاہر کر رہی تھی۔

اکثریت ہوٹل پہنچ چکی تھی اور دلہن غائب تھی۔ عابدہ بیگم مطمئن تھیں کہ ان کی بھابھی نے بتا دیا تھا ذریہ کی سہیلیاں اسے نو بجے تک لے آئیں گی۔ مگر جب نو بھی بج چکے تو انہیں تشویش ہوئی۔ بلکہ سب ہی کو ہوئی۔ فون کیا تو معلوم ہوا دلہن تیار ہو رہی ہے۔ تمام ذمہ دار لوگوں کو غصہ تو آیا مگر کیا کر سکتے تھے۔ ولیمے کی تقریب میں دلہن ہی غائب ہو تو خاک ہی حسن

باقی نہیں رہتا تقریب کا۔

سب نے بری طرح شور وغل مچانا شروع کر دیا۔ تقریب کا مزا کرکرا ہونے لگا۔ طارق نے کسی کی نہیں سنی کھانا شروع کرا دیا۔ اور فاروق وحسیب کو گارڈن ٹاؤن بھیجا۔ دس بجے وہ منہ لٹکائے واپس آتے دکھائی دیے۔

چھوٹے بھائی ان کی سہیلیاں بہت شریر ہیں۔

یار اتنے نرم الفاظ۔ فاروق نے حسیب کی بات کاٹی۔ وہ کون سا سُن رہی ہیں

چھوٹے بھائی وہ انتہائی خطرناک ہیں۔ کہہ رہی ہیں طارق بھائی کو بھیجو۔ وہ سہاگن ہیں اپنے میاں کے ساتھ آئیں جائیں گی۔ فاروق نے بتایا۔

اماں جان اور ان کی بھابھی نور جہاں قریب آ چکی تھیں اور سُن چکی تھیں۔

ارے لڑکیاں تو یونہی شرارتیں کرتی ہیں۔ تم خود کیوں نہیں گئے تھے۔ تمہیں چلے جانا چاہیے تھا۔ اماں جان نے اسے ایک طرح سے ڈانٹ ہی دیا۔

فوزی، ثوبی کہاں ہیں۔ اس نے اپنی ساس کی سمت دیکھا۔

ارے وہ اندر مہمانوں کے ساتھ مصروف ہیں۔ کیا راستہ نہیں آتا تمہیں اب کیا تب ہی جاؤ گے جب سب مہمان چلے جائیں گے۔

عابدہ بیگم کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ نور جہاں بے حد شرمندہ سی نظر آ رہی تھیں۔ کہ فون پر دُریہ نے خود کہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں، تیار ہو رہی ہوں۔

طارق نے بہت رش ڈرائیونگ کی تھی آندھی طوفان کی طرح وہ دُریہ کے کمرے کی سمت بڑھا تھا۔ دستک دیے بغیر کھٹاک سے اندر چلا گیا تھا۔

سبز بھاری شرارہ سوٹ اور خوب زیورات لادے ہوئے بہت اہتمام سے میک اپ کیے وہ صوفے پر بیٹھی سہیلیوں کے ساتھ کافی پی رہی تھی۔

طارق کا موڈ انتہائی خطرناک ہو چکا تھا۔ آخر وہ بلاوجہ اس کی زندگی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔

اس کی سہیلیوں نے شوخی کا مظاہر کرنا چاہا تو اس نے بیچ میں ٹوک دیا۔

معاف کیجیے گا معزز خواتین آپ لوگ ذرا ایک منٹ کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔

اس کا انداز اتنا قطعی تھا کہ وہ بچوں چرا باہر چلی گئیں۔

طارق نے دروازہ بند کیا اور بجلی کی تیزی سے دریہ کے پاس آیا۔

ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

آخر تم ہو کیا چیز۔ میں تم پر چار حرف بھیجنا وقت کا زیاں سمجھتا ہوں برباد کر کے رکھ دیا ہے تم نے مجھے۔

ٹھیک سے بات کریں مجھ سے مجھے اس لہجے کی عادت نہیں ہے۔ وہ بھڑک اٹھی۔

تم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ اطلاعاً سُن لو۔ میں اس طرح کی باتیں کرتا ہوں، کرتا رہوں گا۔ یہی میری عادت

ہے۔ وہ اس سے زیادہ برہم ہوا۔
پہلے تو آپ ایسے نہیں تھے۔ دریہ کی آواز بھرا گئی۔
تم نے مجھے ایسا کر دیا ہے۔ ڈکٹیٹر لڑکی اب تم ہی بھگتو گی۔
کیوں کیا کمی ہے مجھ میں۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔
انسانیت نہیں ہے تم میں۔ وہ تلخی سے منہ موڑ کر بولا۔
دریہ نے صوفے پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔
صورت حال مزید خراب ہو رہی تھی۔
رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، فوراً اٹھ کھڑی ہو، وہاں ہوٹل میں موجود لوگ آپ کے یا آپ کے والد صاحب کے زر خرید نہیں ہیں۔
میں نہیں جا رہی۔ وہ چیخی۔ بلکہ کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔ اس نے اشک صاف کیے۔
طارق نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا مقابل کھڑا کیا، بغور اس کا چہرہ دیکھا اور مسکرا دیا۔
یہ خوشخبری رات ہی کو کیوں نہ سنا دی۔ بہت بہت شکریہ۔ اس کرم نوازی کی وجہ سے میں تمہاری پچھلی ہر زیادتی معاف کر دوں گا۔ میرا کیا بگڑا ہے۔ آخر مرد ہوں۔ عورتوں کی طرح زمانے کی باتوں کے خوف سے بھی اپنی زندگی مشکل نہیں بنا سکتا۔
جس طرح تم نے شادی کی تمام کاروائی میں لیڈنگ رول ادا کیا تھا۔ اب علیحدگی کی تمام کاروائی میں بھی تمہیں مرکزی کردار ادا کرنا ہے۔ وہ پلٹا۔
دریہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔
طارق کے مضبوط سراپے کو دیکھا، اس کی خوشبو کو محسوس کیا۔
اف۔ یہ اس کی رگ رگ میں بسا ہوا انسان۔ جس کی مضبوط چال وخوش اطواری۔ اسے خوار کر گئی تھی۔ اس نے تو اپنے آگے مردوں کو موم کی طرح پگھلتے دیکھا تھا۔ اس نے ایسا مضبوط وکڑیل مرد کب دیکھا تھا۔
طارق۔ اس نے پکارا۔
طارق رک گیا مگر پلٹا نہیں۔ دریہ بھاگ کر اس کے پاس گئی۔
چل رہی ہوں میں۔
مگر طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ عورت کو نیچا دکھانا نہیں چاہتا تھا۔
اس کا تو واقعہ ہی کوئی اور تھا۔
اس لیے اسے دریہ کی ہار سے کوئی روحانی مسرت نہیں ہوئی۔ وہ باہر نکل کر تیزی سے گاڑی کی سمت بڑھا۔
دریہ کی سہیلیاں جانے کہاں سے پھر اُبل پڑیں۔
آپ دونوں جائیں، ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔ گاڑی لائی ہوں نا میں۔
زارا نے دریہ کا شانہ چھو کر تسلی دی۔ وہ بہت ہوشیار لڑکی تھی اس نے دولہا کے موڈ کا

اندازہ کرلیا تھا۔اس لیے اس نے دونوں کا تنہا جانا مناسب جانا۔

دُریہ نے جیسے ہی گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔طارق نے نہایت تیزی سے گاڑی روڈ پر دوڑادی۔

ہونٹ بھینچے ہوئے وہ انتہائی خطرناک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

معاً اس نے دریہ کی سسکیاں سنیں۔اس نے رفتار ذرا دھیمی کی اور دُریہ کی سمت دیکھا۔

دریہ خدا کے لیے۔مجھے مزید پریشان نہ کرو۔

دُریہ کی سسکیاں بدستور تھیں۔

راستے میں ایک آرمز سینٹر پڑتا ہے۔وہاں سے ایک ریوالور لے کر مجھے گولی ماردو۔اس نے جھلا کر پھر اسپیڈ بڑھائی۔

دریہ نے جلدی سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔مگر سر نہیں اٹھایا۔

دریہ میں قطعی اچھا انسان نہیں ہوں، تم دھوکا کھا گئی ہو۔میں تو بہت گیا گزرا سا شخص ہوں۔یقین کرو۔اس نے بہت کرب سے اسے بتایا۔

دریہ تو پھر ہزار جان سے نثار ہونے لگی۔

طارق احمد تمہاری ان ہی بیساختگیوں نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔تم میری روحانی آسودگی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔کہ تم جو اتنے منفرد سے ہو ساری دنیا میں سب سے زیادہ میرے ہو۔میری قانونی اجارہ داری ہوگئی ہے تم پر۔اگر تم میرے بجائے کسی اور کے ہو جاتے تو کچھ کھا کر مر جاتی۔کاش میرے دل میں جھانک کر دیکھ سکو۔

جب وہ ہوٹل پہنچے تو سب بے حد فکر مند سے باہر ہی آ کھڑے ہوئے تھے۔فوزی، ثوبی انہیں دیکھ کر لپک کر آگے بڑھیں۔

آپی۔کیسی طبیعت ہے آپ کی۔

سر میں درد تھا بہت شدید۔اس نے نظر چرائی۔

اوہ سب جیسے مطمئن سے ہو گئے۔فاروق کیمرہ لیے آ موجود ہوا۔

اتنی دیر لگا دی چھوٹی بھابھی میرے کیمرے کو تو زنگ لگنے والا تھا۔آپ جلدی سے بھابھی کے ساتھ کھڑے ہو جائیں میں آپ کے بیڈروم کے لیے ایک شاندار سی تصویر بنانا چاہتا ہوں۔اس نے طارق کو مخاطب کیا۔طارق ناچار دریہ کے ساتھ کھڑا ہوا، فاروق نے فوراً کیمرے کا بٹن دبا دیا۔

ارے لڑکے کیا تماشہ ہے۔بیچ دروازے میں اڑ گیا ہے۔اندر سب دلہن کا انتظار کر رہے ہیں۔عابدہ بیگم نے بیٹے کو گھر کا۔دریہ کو لے کر اندر بڑھ گئیں۔

کیا غضب ڈھا رہی ہے دریہ داد دیتے ہیں طارق احمد تمہارے انتخاب کی۔طارق نے نفی کی پشت تھپتھپائی۔

طارق شدید حیرانی سے سوچتا رہ گیا۔کہ وہ کتنی دیر سے اس کے سامنے تھی اور اسے پتا

تک نہیں کہ وہ کیا غضب ڈھا رہی ہے۔

طارق بھائی۔ ثوبیہ چھم سے اس کے سامنے آئی۔ فیروزی بھاری کامدار سوٹ اور دیگر لوازمات کے ہمراہ وہ واقعی روشنی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

ہوں۔ اس نے نظر چرائی۔

سچ بتائیں، آپ نے ہماری آپی کو مارا تو نہیں۔ ایسا لگ رہا ہے وہ بہت دیر سے رو رہی تھیں۔ وہ شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

طارق ایک دم گھبرا گیا۔ ارے نہیں بھئی۔

کبھی ڈانٹیے گا بھی نہیں، بہت نازک مزاج ہیں ہماری آپی۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا ناں میں تو مر جاؤں گی۔ میری جان ہیں آپی۔ اس نے شریر انداز میں طارق کو دھمکی دی۔

طارق کا سر پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

حیرت ہے میں نے ابھی تک راستے کا تعین بھی نہیں کیا کہ مجھے اپنی آئندہ زندگی کس موڈ اور انداز سے گزارنا ہے۔

کتنی سفاک ہو تم دریہ۔ زندہ انسان سے کھیل گئیں۔

وہ اپنے دوستوں کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا

فیروزہ تجھ سے تو حد ہے نامراد بڑھاپے میں کیا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کا ارادہ ہے میرے منہ میں خاک۔ بڑھیا کب سے اسے سمجھا سمجھا کر ہلکان ہو رہی تھی۔

اماں خدا کے لیے مجھے اب اپنی مرضی سے جینے دو۔ خدا کے لیے۔ اس نے دونوں ہاتھ زور سے جوڑ کر ماں کے سامنے کیے۔

میں تمہاری ماں ہوں فیروزہ۔ بےفکر نہیں رہ سکتی۔ ساری زندگی شاہانہ ٹھاٹھ سے گزار کر مشکل وقت کاٹے نہیں کٹتا بیٹی۔ مجھے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے بیٹی۔ میں بیماریوں کی پوٹ روٹی سے زیادہ دوائیوں پر گزارا کرنے والی۔ مجھے کوئی لالچ نہیں ہے۔

فیروزہ کا دل نرم پڑ گیا اسے اپنی ماں پر ترس سا آ گیا۔ آخر کو وہ اس کی ماں تھی۔

میں یہ کب کہہ رہی ہوں اماں۔ میرا سب کچھ تمہارا ہی ہے۔

مگر میں اب اس راستے پر نہیں چل سکتی۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑ چکی ہیں۔ تمہیں پتا نہیں ہے اماں میں آدھی پاگل ہو چکی ہوں۔

رات کو گھونگھٹ نکال کر صحن میں دبے پاؤں پھرتی ہوں۔ ایک تصوراتی دنیا میں اس دنیا میں میرا سسر ہے۔ اور میں اٹھارویں صدی کی ان پڑھ اور باعصمت عورت ہوں۔ میں اپنے سسر سے گھونگھٹ کرتی ہوں۔ اپنے جیٹھ سے پردہ کرتی ہوں ان سب کے سامنے میرا شوہر آ جائے تو اس تک سے گھونگھٹ کرتی ہوں۔ میری دنیا اور معلومات صرف اس تک محدود ہیں۔ میری اٹھان اور پیدائش صرف اسے پتا ہے اتنی پردہ دار ہوں کہ میری ماں کو بھی میری قامت کا اندازہ نہیں۔ میں اس دنیا میں کتنا سکون محسوس کرتی ہوں۔ تمہیں کیا پتا۔

وہ بڑھیا کی آغوش میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میں پاگل ہو چکی ہوں۔ اماں۔ مجھے اب اسی طرح رہنے دو۔

فیروزہ مجھے تیری فکر نے کے منہ پر پہنچا دیا ہے۔ اس دنیا میں ہر شے اپنے مقام پر ہو تو ٹھیک رہتا ہے اس دنیا کا نظام۔

ہاتھی، شیر، بھیڑیے جنگل میں، چڑیا پرواز میں، بچہ ماں کی آغوش مین رہے تو اس دنیا کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

اگر ان میں سے ہر ایک کی جگہ بدل دی جائے تو کچھ باقی نہ بچے۔ بیٹی۔ یہ ہمارا نصیب ہے۔ اس نے فیروزہ کی پیشانی سے بال سمیٹ کر بوسہ دیا۔

اماں۔ مت بہلاؤ مجھے۔ تمہارے بہلاووں نے بےموت مار دیا ہے۔

تیرا کیا بنے گا بیٹی۔ بینک کا کھاتہ دیکھ کر آئی ہوں۔ بیٹھے بیٹھے تو خزانے ختم ہو جاتے ہیں۔

میں نے سوچ لیا ہے۔

لبرٹی میں ایک چلتا ہوا بوتیک خرید رہی ہوں۔

اچھا تو اب کاروبار ہو گا۔ بڑھیا قدرے مطمئن ہوئی۔

کاروبار تو ہمیشہ سے کر رہی ہوں اماں اس نے ماں کے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

تو اپنے باپ پر گئی ہے فیروزہ مگر اس سے زیادہ بہادر ہے۔

مت لو اس بھیڑیے کا نام میرے سامنے۔

وہ بہت بھلا مانس تھا فیروزہ میں کم از کم تیرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی۔

ماں جو مرد وفادار نہ ہو اس کی پر مٹی بھی نہیں ڈالنا چاہیے۔ تم بیٹھی ہو قصیدوں کے ہار لے کر۔

بالکل اسی کی طرح انتہا پسند ہے۔

مت ملاؤ مجھے اس بزدل سے اور۔ اس نے ماں کو چپ کرا دیا۔

ستارہ تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ پتا نہیں تجھے ہی کیوں اُبال اُٹھتا ہے

فیروزہ آنکھیں بند کیے ہوئے مسکرا پڑی۔

کیسی انوکھی و نرالی دنیا ہے ہماری۔ ٹھیک ہونے کے اپنے اپنے معیار ہیں سب کے۔

ستارہ ابھی بہت چھوٹی ہے اماں۔ انجوائے کر رہی ہے۔ پھر اسے وہ حادثے بھی پیش نہیں آئے جو انسان کو تبدیل

ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

شاید کاروبار لاہور میں کرے گی۔ بچہ مری میں ہے۔ خود سوات میں۔

سوات سے پہلے ہی کراچی میں تھی۔ بھول گئیں۔ جب کراچی سے سوات آ سکتے ہیں تو

سوات سے لاہور بھی جاسکتے ہیں۔

عمر اب اچھا خاصا ایڈجسٹ ہو چکا ہے۔ ویک اینڈ پر آئے گا تو دیکھنا۔ ماشاءاللہ دیکھنا کس قدر حسین ہو رہا ہے۔ مجھے تو اس کی باتیں پاگل کر دیتی ہیں۔ مجھے ممی کہتا ہے تم دیکھنا اماں کیسے سجتے ہیں ہم دونوں ماں بیٹے۔

فیروزہ کے لہجے میں عجیب سی مٹھاس تھی۔

احتیاط لازم ہے فیروزہ لمبے ہاتھ والوں کی اولاد ہے۔

دیکھنا اماں ہم نیکی کر رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں۔ ولایت علی شاہ کی نکاحی معشوقہ کچا چبا رہی تھی اور کس دھونس سے رہ رہی تھی۔ بلکہ دھول جھونک رہی تھی آنکھوں میں۔ میں نے تو ولایت علی شاہ کے ولی عہد کو پھولوں میں سلایا ہے۔ وہ ستر جنم میں بھی میرا قرض نہیں اُتار سکتا۔

ولی عہد کہہ رہی ہے۔ کیا ولایت علی شاہ کے تخت تک پہنچائے گی اسے۔ فیروزہ کی ماں ہنسی۔

ولی عہد تو جلاوطن بادشاہ کا بھی ہوتا ہے۔ تخت تو بخت سے ملتے ہیں اماں۔

ویسے خوش ہے، پریشان تو نہیں ہوتا۔ فیروزہ کی ماں نے مزید تشفی چاہی۔

پریشان ہوں گے اس کے دشمن۔ وہ اتنا خوش ہے کہ کوئی حد نہیں۔ وہ جس ماحول اور مٹی کا بچہ ہے میں نے اس سے بڑھ کر ماحول دینے کی کوشش کی ہے۔ گلاب اُکھاڑ کر پتھریلی زمین پر نہیں لگایا۔ مچھلی کو پانی دیا ہے۔ اماں۔

تُو بہت سمجھدار ہے فیروزہ۔ اپنے باپ کی طرح گہری۔ تیری حالت دیکھ دیکھ کر پچھتاتی ہوں۔ تجھے ان راستوں پر ڈالا ہی کیوں تھا۔ مجھے بھی دھن چڑھ گئی تھی۔ بہت جذباتی تھی میں۔ بس اس سے انتقام لینے کی ضد سوار ہو گئی تھی۔ اس کی مجبور حقیقت تھی۔ جو اس وقت مجھے سمجھ نہیں آئی تھی۔

فیروزہ کو ماں کی آغوش میں سر رکھ کر میٹھی نیند آ رہی تھی۔ اس نے اپنی ماں کے الفاظ نہیں سُنے۔ اس کی ماں اس کے نقوش میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔

اُف توبہ۔

روشن تو کئی دن تک تصور کر کے کانپتی رہی تھی۔ اگر میاں صاحب نہ ہوتے تو۔ اسے خوف سے جھرجھری آ جاتی۔

کتنے عرصے بعد اس دن ولایت علی شاہ سے نظر ملی تھی۔ گو کہ انہوں نے فوراً چرا لی تھی۔ مگر اسے کسک سی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ولایت علی شاہ کی بھرپور ذات کے ساتھ بہت خوشیوں بھرا وقت گزارا تھا۔ باہر سے واپس آ کر وہ ولایت علی شاہ کو زیادہ باہر نہیں رہنے دیتی تھی۔

اس کی ولایت علی شاہ کی عمر میں اچھا خاصا فرق تھا۔ اس پر اس کا غضب کا پہننا اوڑھنا۔ پاگل کرتا حسن نشے میں مبتلا کر دینے والی دلکش مسکراہٹ۔ ولایت علی شاہ بہت مدہوش ہو گئے تھے۔

ان کی کم عمر بیوی انہیں ہر خوشی دے رہی تھی۔ وہ ہر شے سے بے نیاز اس کے اشاروں پر چل رہے تھے۔

اس کے سینے سے ہوک اٹھی۔

جب انسان کو نعمت ملتی ہے تو وہ حریص ہو جاتا ہے تو اللہ اس سے نازل کردہ من وسلویٰ چھین لیتا ہے۔ اور گندم اُگانے کی مشقت پر لگا دیتا ہے۔

کاش ٹھوکروں سے پہلے آگاہی ملا کرے۔ اس کی روح سسکی۔

اس نے چادر سے آنکھیں پونچھیں۔

زرینہ۔ آ کر سبق لے لو۔ اس نے تیسرے درجے کے چاول صاف کر کے ایک طرف رکھے۔

آئی اوی زرینہ جھٹ آموجود ہوئی۔

آموختہ سناؤ پہلے۔ اس نے قرآن اپنے ہاتھ میں تھاما۔ اس کی دور کی نظر کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ فاصلے سے صاف پڑھ نہیں سکتی تھی۔

زرینہ اس کے شانے سے لگ کر آموختہ سنانے لگی۔ پھر اس نے آگے سبق لیا۔

لاؤ اوی چاول صاف کردوں زرینہ نے ٹرے کی سمت ہاتھ بڑھائے۔

کر چکی ہوں۔ تم اپنا سبق یاد کرو۔

اوی۔ تم میرے کو اپنے گھر کا کام کیوں نہیں کرنے دیتیں وہ آزردہ ہوئی۔

گھر۔ وہ تلخی سے ہنسی۔

کام ہی کتنا ہوتا ہے یہاں۔ آہ۔

پانی تم خود بھرتی ہو، کھانا پکاتی ہو، جھاڑو دیتی ہو۔ تم ہماری استانی ہو اوی۔ ہمارے گوٹھ والے اچھا نہیں سمجھتے کہ اُستانی کام کرے۔

بڑی مہربانی تم لوگوں کی۔ وہ اظہار تشکر کے طور پر اسے چھُو کر بولی۔

ساجدہ۔ قمیص پوری ہو گئی

اوی تُرپائی باقی ہے۔ آج ہو جائے گی۔ وہ دور ہی سے بولی۔

نعیمہ۔ وہ میں نے تمہیں چنگیر اور ٹوپیاں دی تھیں، ان کے پیسے ملے

اوی بابا شام کو آئے گا تو پتا چلے گا۔

میں تمہیں ایک دو کتابوں کے نام لکھ کر دوں گی۔ اپنے بابا سے ان پیسوں سے منگا دینا۔ پیسے کم پڑے تو پرسوں تک اور ٹوپیاں تیار کر کے دے دوں گی۔ فکر نہ کرنا۔

میں کہہ دوں گی اوی۔ نعیمہ نے سوئی منہ میں دبا کر جواب دیا۔

پھر اس کے پاس آئی۔

اوی۔ تم شاہ سائیں سے کتابیں نہیں منگا تیں

نہیں۔ میں ایک منت پوری کر رہی ہوں۔ کہ کتابیں اپنی محنت کی کمائی سے خریدوں گی۔

اس نے نظر چرائی۔

یہ کیسی منت ہے چاروں پانچوں لڑکیاں حیران ہوئیں۔

مانی تھی میں نے۔ پیر بگل شاہ کی منت۔ اس نے دل کو سنبھالا۔

ادی پہلے تو تم بہت فیشن والی عورت تھیں۔ چزمہ (چشمہ) لگاتی تھیں۔ اونچی جوتی پہنتی تھیں۔ اب تو تم پچھانی (پہچانی) بھی نہیں جاتیں۔

نعیمہ نے سیاہ چادر میں لپٹی روشن کو بہت غور سے دیکھا۔

(ہاں۔ دل اور مقدر بدلتے ذرا دیر نہیں لگتی۔) آہ۔

اللہ سائیں کا کرم ہے نعیمہ۔ پہلے اچھا نہیں کرتی تھی یہ اچھا ہے۔

تم اللہ والی ہوگئی ہو ادی۔ زرینہ نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

روشن کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ لڑکیاں گھبرا گئیں۔

میں تو اللہ والوں کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہوں۔ آئندہ ایسے نہ کہنا۔ میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ اس نے آنکھیں صاف کیں۔

اب نہیں کہیں گے ادی لڑکیوں نے جھٹ آئندہ کا پروگرام قبول کیا۔

ادی جب تم پہلے گوٹھ آئے تھے تو کسی سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ ہم نوکر ہیں ناں لیکن اب ہمیں اپنے پاس بلاتے ہو۔ پڑھائی بتاتے ہو۔ اور شہر بھی نہیں جاتے ہو۔ ساجدہ نے انتہائی سادگی سے اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات اس کے سامنے کیے۔

مجھے گوٹھ اچھا لگتا ہے۔ اس کا دل رو دیا۔

سچ مچ ادی۔ لڑکیاں مارے خوشی کے پھولی نہ سمائیں۔

ہاں۔

ادی۔

بابا غلام محمد گوٹھ کی اور عورتوں کی ادھر آنے کو منع کرتا ہے۔ کہتا ہے پڑھنے والی چھوکری جائے گی ور کوئی نہیں۔

ٹھیک کہتا ہے۔

تم نے اسے بولا تھا۔ ساجدہ نے پوچھا۔

ہاں۔ شاہ سائیں غصہ کرتے ہیں۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

شاہ سائیں کا غصہ بہت برا ہے۔ اس نے مزید ڈرایا۔

لگتا ہے ادی سارے گوٹھ والے شاہ سائیں سے ڈرتے ہیں۔ پر ادی شاہ سائیں بہت مہربان ہے۔ سارا گوٹھ اس کی عزت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے گوٹھ میں کبھی نہیں رہا۔ پڑھائی کرتا تھا ناں باہر غیر وطن میں۔ زرینہ نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

میرا بابا کہتا ہے۔ اس کا باپ بھی بہت اچھا تھا۔ اس نے غلام محمد کے باپ کو مفت (مفت) میں زمین دی تھی۔ کلثوم جو کافی دیر سے چپ بیٹھی تھی اس نے نئی اطلاع آگے بڑھائی۔

ادی۔ تم اپنے بچوں کو پڑھائی کے واسطے شہر میں رکھتے ہو۔ وہ غیر وطن میں پڑھتے ہیں۔

اس نے سخت کرب ناک آواز میں بتایا۔

جب ہی تم یہاں آگئی ہو۔ تمہارا دل نہیں لگتا ہوگا۔ ساجدہ نے گویا وجہ ڈھونڈ لی۔

میری ماں کو تم سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ پر شاہ سائیں کے غصے کی وجہ سے وہ ادھر نہیں آتی۔ کلثوم نے کہا۔

ٹھیک کرتی ہے۔ اور خدا کے لیے کسی کو آنے بھی نہ دینا۔ مجھے بھی شاہ سائیں کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ روشن نے مضبوط اساس پا کر جان چھڑائی۔

اچھا اب تم لوگ جاؤ۔

وہ سب اپنا اپنا بکھیڑا سمیٹنے لگیں۔

ولایت علی شاہ تو کسی طور انسانوں کو اس کے پاس نہ پھٹکنے دیتے۔ وہ تو غلام محمد نے اچھے دنوں کا قرض اُتارا تھا اور بڑی عاجزی سے درخواست کی تھی کہ گوٹھ کی بچیوں کو ایک استانی قرآن پڑھانا چاہتی ہے۔ ان کے مکان کا صحن اس مقصد کے لیے چاہیے۔

معاملہ قرآن کی روشنی پھیلانے کا تھا۔ یہاں ولایت علی شاہ مجبور ہو گئے تھے مگر انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ روشن کا تعلق صحن میں موجود افراد سے نہیں ہوگا۔ غلام محمد پر انہیں بہت اعتماد تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق سوالات وغیرہ نہیں کیے تھے کہ

استانی کون ہے

کہاں سے آرہی ہے

یا اسی گوٹھ سے متعلق ہے

وہ فطرتاً ہی کم گو تھے۔ اور اب تو جیسے ان کے ہونٹوں پر تالے لگ چکے تھے۔ اگر اس روز میاں صاحب از خود یہ نہ کہتے۔ کہ ولایت علی شاہ تمہاری خادمہ بہت نیک اور محنتی ہے اس کا خاص خیال رکھا کرو۔ تو نہ جانے وہ اس کے ساتھ کیا کر بیٹھتے تب ولایت علی شاہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ ورنہ وہ تو روشن میاں صاحب کے مقابل دیکھ کر پہلے گھبرائے تھے۔ پھر ان کی سوچ انتہا کی طرف پرواز کرنے لگی تھی۔

مگر اعتراض ان کو بہر حال تھا۔

یعنی روشن انسانوں کے سامنے۔ ان کے درمیان آگئی کیوں یہ استانی والا آئیڈیا روشن نے غلام محمد کو خود سمجھایا تھا۔

اور غلام محمد پر سے تو اس کے قرض اُتارے نہیں اُتر رہے تھے۔ فوراً تعاون کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔

جب تک لڑکیاں صحن میں موجود رہتیں، بڑے پھاٹک کی زنجیر اندر سے چڑھی رہتی۔ غلام محمد آس پاس موجود رہتا۔ چھوٹے چھوٹے کام کرتا رہتا۔

یا مشین پر جانوروں کا چارہ کاٹتا رہتا۔ زرینہ اسی کی بیٹی تھی، سب سے بڑی۔ روشن کا روم روم غلام محمد کا ممنون احسان ہو چکا تھا۔ اور روشن نے یہ رسک تنہائی کی وجہ سے نہیں لیا تھا بلکہ میاں صاحب کے یہ الفاظ اس کے دل میں تیر کی طرح ترازو ہو چکے تھے۔

بیٹی تو پڑھی ہوئی ہے۔ یہ گوٹھ انتہائی پس ماندہ ہے۔ یہاں اپنے علم کی روشنی پھیلا۔ نیکی

کر۔ روح خوش ہوگی تو تنہائی میں بھی میلہ لگے گا۔

اور پھر یہ آسرا کہ نیکی خدا سے قریب کرتی ہے۔

خدا کا قرب حاصل ہوگا تو دعائیں جلد سنی جائیں گی۔ خصوصی توجہ ملے گی۔ جس لمحے

روح پھول کی طرح ہلکی محسوس ہوگی۔

اس لمحے وہ اللہ سے دعا کرے گی۔ کہ

ولایت علی شاہ کو اس کے بچے مل جائیں۔۔۔اور۔۔۔

اس کی بھی کوکھ کا جہنم ٹھنڈا ہو۔

اس نے میاں صاحب جیسا پُراسرار انسان آج تک نہیں دیکھا تھا۔

اردگرد کے تمام انسانوں سے زیادہ جاننے والا۔

اور اردگرد کے تمام انسانوں سے زیادہ جاننے والا۔

اور اردگرد کے تمام انسانوں سے زیادہ بے نیازی کا حامل۔

غصہ، کینہ، شکوے۔ ان جالوں سے آزاد۔

درگزر کی مٹی سے بنا ہوا انسان

جس کی زبان پر کوئی حرف ملامت نہیں۔

جس کو کسی سے شکایت نہیں۔

جو اللہ کی تعریف کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

روشن کو اپنی ذات کی گندگی کا وہ چند احساس ان کے روبرو ہوا تھا۔

اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ وہ میاں صاحب کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔

ہر آہٹ پر اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔

کوٹھی کی گلی میں داخل ہونے والی ہر موٹر پر اسے لگتا میاں صاحب آئے ہوں۔

پیشگی خوشی کی حالت میں وہ کھڑکی تک گرتی پڑتی پہنچتی تھی۔

غلام محمد پھاٹک کے اندر داخل ہوتا تو اس کے کان منتظر ہو جاتے۔

جیسے اب یہ کہے گا میاں صاحب آ گئے ہیں مالکن۔

توبہ۔۔۔میاں جی۔۔۔آپ نے تو سب کچھ بُھلا دیا۔ کاش آپ مجھے پہلے ملتے۔

لڑکیاں چلی گئیں اور وہ اپنے اور غلام محمد کے لیے کھانا تیار کرنے لگی۔

غلام محمد بہت منع کرتا تھا مگر وہ غلام محمد کے قبل از مسیح انداز کے کھانے کھا کھا کر تنگ آ چکی تھی اور اب کھانا خود پکاتی تھی۔

دُریہ کی دوست کے ہاں ڈنر تھا۔ نور جہاں ممانی نے دو مرتبہ آفس فون کر کے اسے تاکید کی تھی۔ ڈنر وغیرہ سے وہ ویسے ہی بچتا تھا کہ اس کا خیال تھا ان تقریبات میں وقت بہت برباد ہوتا ہے۔

اس پر مستزاد دریہ کی دوست کے ہاں ڈنر۔ تمام افراد کراچی واپس سدھار چکے تھے۔ اور

آج پہلا ہی دن تھا کہ

دریہ اس کے چھوٹے سے گھر میں تنہا تھی۔ جب ممانی جان نے دوسری مرتبہ فون کھڑکایا

تو وہ بادل نخواستہ سیٹ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

معاً اسے یاد آیا اس کے براؤن شوز خراب ہو رہے ہیں۔ حسب سابق وہ فرقان کی گاڑی

لے کر لبرٹی کی طرف چل پڑا۔

اس نے ابھی تک اپنی کنوینس حاصل نہیں کی تھی۔ بائیک وہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ جس

پروجیکٹ پر وہ آج کل کام کر رہا تھا۔ اس کی تکمیل کے بعد وہ گاڑی ہی لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

پیسہ تو اس کے پاس تھا مگر فی الوقت وہ گاڑی لے کر غیر پیداواری اخراجات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ویسے ہی گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔

وہ جیسے ہی مارکیٹ کی بھیڑ بھاڑ کا حصہ بنا اس کی نظر فیروزہ پر پڑی۔

اس مرتبہ وہ بوکھلایا، گھبرایا نہیں۔ کہ ظاہر ہے وہ بھی انسان ہے۔ انسانوں کے بیچ رہتی

ہے۔

فیروزہ کی اس پر نظر پڑی، اس وقت وہ ایک مشہور گلوکارہ کے ساتھ بیتحاشا باتوں میں

مصروف تھی۔ فیروزہ کو یک دم چپ پا کر اس گلوکارہ نے فیروزہ کی نظروں کا تعاقب کیا اور

طارق کو دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

ہیلو طارق احمد

وہ ان کے نزدیک چلا آیا۔ ہیلو مادام وہ مسکرایا۔ ہائے دونوں ہنس پڑیں۔

روز۔ یہ طارق ہیں، ان کا یہ گیت تو تم ن۔

اچھا۔ گلوکارہ کو کچھ حیرانی سی ہوئی۔

اور طارق صاحب کی گاڑی ٹھیک ہو گی۔ فیروزہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

اسی میں آیا ہوں۔ وہ ہنس دیا۔

کس قدر ثابت قدم اور باہمت ہیں آپ۔ وہ بھی ہنس دی۔

بات سُنیں۔ وہ یک دم بولی۔

یہ آپ اتنے کنجوس کیوں ہیں

محنت سے کماتا ہوں۔

اچھا ڈیئر۔ میں چلتی ہوں، رات کو میری ریکارڈنگ بھی ہے۔ گلوکارہ نے اجازت

چاہی۔۔ اور دونوں کو خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

آپ محنت سے کماتے ہیں تو دوسرے کیا جادو کی چھڑی کے ذریعے کماتے ہیں

فیروزہ نے وہیں سے بات شروع کی۔

ہاں۔ محنت محنت میں بھی فرق ہے اور کمائی کمائی میں بھی۔ اس کے منہ سے عادتاً برجستہ

جملہ ادا ہو گیا تھا۔

فیروزہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اعصاب روئی کے گالے بننے لگے۔

کتنی چاہ سے وہ اس بوتیک میں مصروف تھی۔

اس کا دل بھر آیا۔ اس نے فوراً منہ موڑ لیا۔

آپ تو اسلام آباد میں نظر آئی تھیں۔ اس وقت یہاں ۔۔۔ کیا شاپنگ کرنے آئی ہیں۔

میں اسلام آباد میں نہیں سوات میں گھر رکھتی ہوں۔

اُف اتنی خوبصورت جگہ۔۔۔ بہت خوب۔ طارق نے مسرت کا اظہار کیا۔

سوات میں آپ کس جگہ ہیں

منگورہ میں۔ اس نے بدستور منہ پھیرا ہوا تھا۔ طارق اس انداز پر الجھ سا گیا تھا۔

وہ اس خیال سے اس سے باتیں کرنے لگا تھا کہ اس روز ۔۔۔۔ اس نے فیروزہ کو بہت سخت سست سنا ڈالی تھیں۔ نہ جانے کیوں اسے ملال سا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ۔۔۔

جانے کیوں اس کی تمام حسیات یکجا ہو کر یہ محسوس کرتی تھیں کہ یہ لڑکی انتہائی قابل رحم ہے۔ ایمان کی بات یہ تھی کہ اس نے طارق کی توجہ حاصل کرنے کے لیے قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

مرد اس سلسلے میں خاصا حساس واقع ہوتا ہے۔ اس نے تجزیہ کیا تھا۔ اس روز فیروزہ نے جس شوخی کا مظاہرہ کیا تھا وہ اس کی فطرت کا حصہ تھی اور وہ کہ اسے اس کے بیک گراؤنڈ کے ساتھ محسوس کر رہا تھا اس لیے فیروزہ کی شوخی سے خائف ہو گیا تھا۔ وگرنہ اس نے کیا کہا تھا۔ ایک ہمدردانہ پیشکش کی تھی۔

اسی وقت کاؤنٹر پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فیروزہ نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز بدستور پژمردہ تھی۔

ہاں ۔۔۔ بوتیک تو ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔ کئی ملازم ہیں میرے پاس۔ میں تو بس تین چار گھنٹے ہی بیٹھتی ہوں۔

کہاں اماں۔۔۔ ستارت تو خود شوٹنگ میں مصروف ہوتی ہے۔ بس گھر جا کر سو جاتی ہوں۔ ستارہ ٹھیک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔

اس نے فون رکھ دیا۔

ارے آپ کھڑے ہیں۔ وہ پلٹی۔ میں سمجھی جا چکے ہیں۔

یہ بوتیک آپ کا ہے وہ حیران ہوا۔

جی۔ وہ ہینگر اٹھانے لگی۔

محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے کی کوشش تو کرتے ہیں۔ مگر آپ جیسے بلند ذات اور گھمنڈی انسان ہمیں جینے نہیں دیتے۔

اتنا کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی اندر گودام میں گھس گئی۔

چند ثانیے تو طارق بھونچکا سا کھڑا رہا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

مجھے یہ لڑکی نفسیاتی کیس معلوم ہوتی ہے۔ اب بھلا کیا کہہ دیا میں نے اسے دور دور اپنی کوتاہی نظر نہیں آئی۔

مطلوبہ شاپنگ کر کے جب گھر پہنچا تو حیرت انگیز نظارہ دیکھا۔

دریہ کچن میں کھڑی آملیٹ بنا رہی تھی۔

کیا آملیٹ لے کر جاؤ گی ذرا کے ہاں وہ متعجب ہوا۔

احتیاطاً بنا رہی تھی کہ اگر آپ نے جانے سے انکار کر دیا تو کھائیں گے کیا

تمہاری ممی کے دو فون آئے تھے اب مجبوری ہے۔

دریہ کا جی تو چاہا کہ خوب کرارا کرارا سا جواب دے مگر آٹھ گھنٹے کی تنہائی نے کچھ مصلحتیں سکھا ڈالی تھیں۔ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

میں تیار ہو رہا ہوں۔ مجھ سے زیادہ انتظار نہیں ہو گا۔

وہ اس کی چاہ تھا۔ ان اداؤں کا مالک جن پر وہ مرمٹی تھی۔ پھر اس کے انداز وہی تو ہیں۔ تو پھر شکایت کیسی۔

کیا ابھی اس کے اندر ثوبیہ کے ملال زندہ ہیں۔ اس کا دل سکڑا پھیلا اور سمٹ کر پھیلا۔

طارق تم میری پسند ہو۔ میں تمہیں جیت کر رہوں گی۔ میں دریہ ہوں۔ چند دن کانٹوں پر چلنا ہو گا۔ چلوں گی۔ میں تمہیں گنوا کر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ میری انسلٹ تھی۔

میری ہر خواہش پوری ہوئی ہے۔

پھر تمہیں اپنا کہنے کی تمنا سے کیسے ہاتھ دھو بیٹھتی۔

اف۔ میں تو یہ سوچ کر کانپ اٹھتی ہوں۔

اگر میں اپنے کھیل میں ناکام ہو جاتی۔۔۔ تو کس قدر انسلٹ ہوتی میری۔ میں نے تمہاری ویلیو محدود کر کے تمہارے غرور کو شکست دی ہے۔

تم کیا کر سکے میری تدبیر کے مقابلے میں۔ ہونہہ۔

کیا کر لیا تم نے تم نے مجھے نظر انداز کر کے میری انسلٹ کی تھی طارق احمد۔ دیکھا کیسے بےبس ہوا اب۔۔۔

میری چیز۔۔۔ میرا اجارہ۔۔۔۔ کہاں گیا وہ تمہارا غرور وہ ناز، وہ افتخار تم اگر مجھے پاؤں کی جوتی بھی بنا لو۔

تب بھی فتح مند میں ہی ہوں۔ احمق آدمی۔ وہ اپنی جیت کے نشے میں سرشار ہو رہی تھی۔ دیکھ لیں گے تمہاری مضبوطی۔ آدمی ہی ہو آخر۔ سیسہ پلائی دیوار نہیں ہو۔

اے فولادی انسان، تمہارا سارا فولاد نئے گھر کی بنیادوں میں ڈلوا دوں گی۔ تم موم بن کر میری گرفت میں ہو گے۔ عنقریب۔۔۔ اتنا مجھے یقین ہے۔

وہ بلیو بھاری ساڑھی اور زیورات میں شعلہ جوالہ بنی اس کی منتظر تھی۔ طارق نے آئینے میں اسے دیکھا۔ مگر کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ نہ نظر سے نہ زبان سے۔

اف۔۔۔ سخت کوفت کا احساس ہوا تھا۔ شرٹ کی آستین کا بٹن غائب تھا۔

بٹن لگانا تو آتا ہو گا۔ میرے گھر میں تو تمہیں یہ سب کام کرنا ہوں گے بھی۔

آتا تو مجھے بہت کچھ ہے طارق۔

وہ سنبھل کر چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل تک پہنچی اور جھک کر نچلی دراز سے سوئی دھاگہ نکالا اور اپنی معنی خیز بات درمیان میں چھوڑ دی۔اس نے اپنی پھوپھو کی سلیقہ مندی کو سراہا۔

لاہور چھوڑنے سے قبل وہ اسے ایک ایک چیز کے بارے میں بتا کر گئی تھیں۔سوئی دھاگہ اس کے سامنے نچلی دراز میں ڈالا تھا کہ یہ ایک انتہائی ضروری چیز ہے۔اس نے دل ہی دل میں ساس کا شکریہ ادا کیا۔

اگر سوئی دھاگہ اس وقت نہ ملتا تو خدا معلوم صورت حال کیا ہوتی۔ بزار ہو فتح مند ہے مگر طارق احمد فاروقی سے بعید کچھ بھی نہیں ہے۔

اس نے سوئی میں دھاگہ ڈالا اور اس کے نزدیک چلی آئی۔

کیا سینا ہے

(کیا کیا سیو گی) بھی یہ بٹن لگانا ہے۔

بٹن کہاں ہے۔

کہیں سے لاؤ۔یہ کام خواتین کے ہوتے ہیں۔وہ تو جیسے اڑ گیا۔

مجھے اس گھر میں آئے ہوئے چند دن ہوئے ہیں۔دریہ کی جان جل کر رہ گئی۔

مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔

میں مڈل کلاس بندہ ہوں۔اپنی بیوی سے اس قسم کے کام کراتے ہوئے بڑی روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔وہ اسے سلگا رہا تھا۔

آپ دوسری شرٹ پہن لیں۔

میرے پاس صرف یہی میچنگ شرٹ ہے۔وہ جھلایا۔

دریہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔وہ دراز میں بٹن تلاش کرنے لگی۔اب اسے رونا آ رہا تھا۔بمشکل بٹن ملا۔اس نے شکر ادا کیا اور اس کے پاس چلی آئی۔

لایئے۔بٹن لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے دو قطرے ٹپک پڑے۔وہ انجان سا بن گیا۔بٹن لگا تو وہ نیچے فرقان کو اطلاع دینے چلا گیا۔

واپس آیا تو دریہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

اسے دیکھ کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

آپ کا فون ہے۔کوئی مس حنا ہیں۔اس نے بغور طارق کی شکل دیکھی۔

وہ تیزی سے اس کی جانب آیا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

ہیلو۔

جی بول رہا ہوں۔

دوسری طرف ستارہ تھی۔انتہائی گھبرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

طارق صاحب فیروزہ نے بہت ساری خواب آور گولیاں کھا لی ہیں۔ابھی ابھی انہیں ہوش آیا تھا۔آپ کا نام لے کر جانے کیا کہہ رہی تھیں۔پلیز فوراً آ جایئے۔

طارق نے کلینک کا پتا پوچھ کر ریسیور کھٹاک سے رکھ دیا تھا اور بہت تیزی سے باہر کی

سمت بڑھا تھا۔

دریہ دھک سے کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ اسے کچھ بتائے بغیر باہر نکل گیا تھا۔ زارکا یا ممی کا فون آئے تو وہ کیا کہے گی۔ شدید کوفت اور سخت اذیت کے عالم میں وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔

سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ نیچے موٹروں کا شور تھا۔ اور اندر وہ خاموش تنہا۔

کیا یہ مستقبل ہے

یہی اس کا مقدر ہے

نہیں۔ نہیں۔ آئی ایم ڈیفنیٹ کونفیڈینٹ۔ نو ڈاوٹ۔ بٹ اٹ از چیلنج۔ آئی شڈ ٹو فیس اٹ۔ وہ خود سے گویا ہوئی۔

وہ آنسو روک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور لباس تبدیل کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی آرائش از سر نو کرنے لگی۔

اچانک سائیڈ میں رکھی طارق کی تصویر پر اس کی نظر پڑی۔ اب آپ تنہا تو نہیں ہیں۔

طارق پھر یہ تنہا تصویر کیا معنی۔ مہمانوں کے قیام اور اس سلسلے کی آپا دھاپی میں اسے خیال نہیں آیا کہ فاروق جاتے ہوئے اس کا اور طارق کا انلارجڈ فوٹو گراف بطور گفٹ دے کر گیا تھا۔ جو انتہائی خوبصورت فریم میں فٹ تھا۔

دریہ نے وارڈ روب کھول کر دراز سے فریم نکال کر ڈریسنگ ٹیبل کے ایک کارنر پر سجا دیا۔

مرد تو بہت سارے ہوتے ہیں۔

اور خوبصورت مردوں کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں۔

پھر تم میں ایسی کیا بات ہے کہ میں نے اتنی پر سکون اور آرام وہ زندگی کو تم پر قربان کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

مگر میں یہ بات سمجھنا چاہتی ہوں۔

وہ بیڈ پر دراز طارق کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی۔ اسی دم فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری جانب طارق تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

جی بول رہا ہوں۔

ممی کو آپ نے فون کر دیا ہے ٹھیک ہے میں زار کو فون کر دیتی ہوں، اور۔۔۔

طارق نے فون رکھ دیا تھا، وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ طارق کہاں ہے اور کیوں ہے مگر۔

وہ جھلا کر زار کو رنگ کرنے لگی تھی۔

اسے کلینک پہنچ کر کافی دیر انتظار کرنا پڑا تھا۔ کہ فیروزہ کے کمرے میں ڈاکٹرز کاروائی میں مصروف تھے۔ اس لیے اسے وقت مل گیا تھا کہ وہ دریہ کو فون کر سکے۔

وہ فون کر کے نہایت اضطراری کیفیت میں ٹہل کر ستارہ کے بلاوے کا انتظار کر رہا تھا۔

یا الٰہی اس بیوقوف لڑکی کی زندگی بچ جائے۔ نام تو لے دیا ہے میرا۔ خدا معلوم کہاں

کہاں پھنسوائے گی۔ وہ پوری طرح روح کی گہرائیوں سے دعا گو تھا۔

اس وقت اسے اپنے مہربان و ہمدرد سے گھر والے یاد آرہے تھے۔ جن کے ہمراہ اس طرح وقت گزارا تھا کہ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ امتحان کسے کہتے ہیں

مسائل کیا ہوتے ہیں، زندگی کا یہ موڑ کس قدر اعصاب شکن ہے۔ اسی دم ستارہ آ گئی۔

ابھی چلتے ہیں طارق صاحب، نرس بتا رہی تھی کہ ہوش آرہا ہے۔

اوہ گاڈ۔ ستارہ ایک گہری سانس لے کر نزدیک پڑے اسٹول پر ڈھے گئی۔

اگر میری شوٹنگ ہوتی اور میں گھر نہ پہنچ پاتی، یہ کیا کیا تم نے روز۔ وہ خود کلامی میں مصروف ہو گئی۔

آپ کی روز سے کہاں ملاقات ہوئی تھی طارق صاحب۔ وہ ایک دم طارق کی طرف متوجہ ہوئی۔

لبرٹی میں۔

اوہ۔ کوئی بات ہو گئی تھی آپ سے اس نے سر اٹھا کر طارق کو دیکھا۔

نہیں تو۔ اس نے خود سے بھی ڈر کر جیسے نہیں تو کہا تھا۔

واقعی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ یہ آپ کی دوسری ملاقات تو تھی روز سے۔

ایک مرتبہ گیٹ ٹو گیدر میں ملے تھے اور اب لبرٹی میں۔ وہ خود ہی بولی۔

وہ تصحیح کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ورنہ ضرور بتا دیتا کہ یہ دوسری نہیں بلکہ چوتھی ملاقات تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں چپ کھڑا رہا۔

یہ سوچ کر کہ جب اس کی بہن ہی نہیں بتایا تو وہ کیوں۔

توبہ میری جان ہی نکل گئی تھی۔ تھینک گاڈ۔ ویسے طارق صاحب۔

جی وہ متوجہ ہوا۔

میرے لیے یہ بات باعث حیرانی ہے کہ آپ کا نام لے کر وہ کیوں بڑبڑا رہی ہے۔

مجھے تو ڈاکٹر مختار نے کہا کہ آپ کے کوئی جاننے والے طارق صاحب ہیں ان کو بلا دیں۔

مریضہ ان کا نام بار بار لے رہی ہیں۔

طارق چور سا بنا چپ کھڑا تھا۔

پتا نہیں۔ روز نے یہ حماقت کیوں کی

طارق صاحب کاریڈور میں نرس نمودار ہوئی۔

جی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔

آپ آئیے۔

ستارہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

طارق ہچکچا کر رک گیا۔

مس حنا۔ پلیز۔ برا نہ منائیے گا۔ ذرا میں بات کر آؤں۔

ستارہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ اور مسکرا دی۔

جائیے۔ آپ۔ کوئی بات نہیں۔ اور وہ اللہ سے دعا کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

سر۔ مسٹر طارق۔ نرس نے حاضر ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

یو آر لکی مسٹر طارق۔ یہ بچ گئی ہیں۔ ویسے یہ خودکشی کا کیس ہے۔ ان سے مل کر آپ میرے پاس تشریف لائیے گا۔ ایک ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔

یہ ہوش میں ہیں طارق نے فیروزہ کی جانب اشارہ کیا۔

جی۔ اینٹی سلیپنگ ڈوز دیا ہے۔ مکمل ہوش میں ہیں۔ کیونکہ ان کا بیان بھی ریکارڈ کرنا ہے۔ انسپکٹر میرے آفس میں انتظار کر رہا ہے۔ ڈاکٹر کا خوش اخلاق انداز طارق کو قدرے سرد سا محسوس ہوا۔

ڈاکٹر کے باہر جاتے ہی اس نے خود پر کنٹرول کیا۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں تو پھر خوف چہ معنی وہ اپنی پُر اعتماد چال کے ساتھ فیروزہ کے بیڈ کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

میں آپ سے زیادہ طویل بات نہیں کرنا چاہتا۔ صرف اتنا پوچھ رہا ہوں۔ میرا قصور۔

فیروزہ نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور ایک ٹک اسے دیکھے گی۔

میں نے اپنا قصور پوچھا ہے وہ نظریں چُرا کر تھوڑا سا تلخ ہوا۔

یہ کیا طریقہ ہے، کسی کی اچھی بھلی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کا۔ وہ اس کی خاموشی سے بیزار ہوا۔

فیروزہ نے اس کے کوٹ کا کونہ سختی سے پکڑ لیا۔ کئی قطرے اس کی آنکھوں سے دائیں بائیں لڑھک کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے طارق کا کوٹ کناروں سے پکڑ لیا اور پوری قوت سے کھینچا جس کے نتیجے میں طارق کو جھکنا ہی نہیں بیٹھنا بھی پڑا۔

فیروزہ نے کوٹ کے کونے چھوڑ کر کوٹ کا کالر تھام لیا۔ اس کے لب پھڑ پھڑا رہے تھے۔ گویا آنسوؤں کے طوفان میں الفاظ قابو میں ہی نہیں آ رہے تھے۔

یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ کسی کی اچھی بھلی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کا۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

طارق نے اس کے ہاتھوں سے اپنا کالر چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

میرا آپ سے کیا تعلق ہے۔ میں کیوں آپ کی زندگی ڈسٹرب کرنے لگا۔ ناچار اس نے کہا۔

آہ۔ اکثر وہ لوگ ہماری زندگی ڈسٹرب کر جاتے ہیں جن کی آمد ہوا کے جھونکے کی مانند ہوتی ہے۔ وہ کرب سے بولی۔

کس نے حق دیا ہے آپ کو کہ اس قدر غرور سے پیش آئیں۔ جن کے منہ پر پہلے ہی کیچڑ ملی ہوئی ہے آپ مزید کیچڑ ان پر اچھالیں۔

وہ طارق کا گریبان سختی سے پکڑے جھٹکے دے رہی تھی۔ اور مسلسل شارہ رہی تھی۔

خدانخواستہ۔ مجھے قطعی اس قسم کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اور مجھے کیا ضرورت ہے کہ

میں غیر متعلق معاملات میں ٹانگ اڑاؤں۔ وہ ازلی صاف گو انداز میں کہہ بیٹھا۔

ہائے۔ یہ تمہاری سادگی طارق احمد یا تو تم واقعی سادہ ہو یا انتہائی ہوشیار۔ تمہارے چند الفاظ مجھے اس حالت تک پہنچا گئے۔ اور تم۔

میرے الفاظ۔ وہ شدید حیرانی کے عالم میں سوچنے لگا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔ وہ فیروزہ کے ہاتھوں سے

اپنا کالر آزاد کرانا چاہتا تھا۔ جس کے سبب فیروزہ کے دودھیا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اور وہ بےخبر سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔ وہ سابقہ ملاقات کو ذہن میں دہرا رہا تھا۔ اور وہ مکالمے بھی جو اس کے اور فیروزہ کے مابین ہوئے تھے۔

معاً اسے وہ حساس الفاظ یاد آ گئے۔ بلاشبہ ان سے کئی طرح مطالب اخذ کیا سکتا تھا۔

اس نے چوری سے فیروزہ کو دیکھا۔ پھر چونک کر اپنے اور اس کے ہاتھوں کے ملاپ کو محسوس کیا اور اپنے ہاتھ خود ہی ہٹا لیے۔ گریبان بدستور اس کے ہاتھ مین دیے رکھا۔ وہ واقعی شرمسار تھا۔

میں بہت شرمندہ ہوں۔ میرا مطلب قطعی یہ نہیں تھا۔

آہ کاش ایک لفظ کا ایک ہی مطلب ہوا کرتا۔ یا ہم لہجے کے معاملے میں اتنے حساس نہ ہوتے۔ فیروزہ نے چہرہ موڑ کر اشک پیے۔

میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ نہ میں کسی کو گالی دے سکتا ہوں۔ میں اللہ کے فضل سے بہت سلجھے ہوئے ماحول سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس قسم کی حرکات میرا مزاج نہیں ہیں۔

طارق احمد ہم تو خود سر سے پاؤں تک بذات خود گالی ہیں۔ ہمیں کیا کوئی گالی لگے گی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

میرا مطلب یہ تھا کہ بعض کام سخت محنت طلب ہوتے ہیں۔ اور بعض کام بہت لائٹ، بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ یعنی روٹین ٹائپ ہوتے ہیں۔ طارق نے مزید وضاحت کی۔

فیروزہ نے اس کا کالر چھوڑ دیا۔

آہ۔ آپ نے تو ہمیں مار ہی دیا تھا طارق احمد۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

اور آپ نے ہمیں مار دیا ہے۔ طارق نے برجستہ کہا۔ اور اٹھ کر کرسی پر آ بیٹھا۔

یعنی۔ وہ حیران ہوئی۔ اضمحلال اس کی نظروں سے ظاہر تھا۔

کل میرا اور آپ کا فوٹوگراف اخبار کی زینت بنے گا۔ کہ انسپکٹر صاحب ڈاکٹر نثار کے آفس میں تشریف رکھتے ہیں۔

پھر آپ کی کتنی جگ ہنسائی ہوگی کہ طارق احمد کال گرل فیروزہ کے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

شاید یہ امر آپ کے لیے باعث راحت ہو اور شاید آپ دوسروں کو خوش نام نہیں دیکھ سکتیں۔

طارق کو صورت حال کی نزاکت کا ادراک ہوا تو اس کی ازلی صاف گوئی عود کر آئی۔

(یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ اچھے بھلے شریف آدمی کو کانٹوں پر گھسیٹ لیا جائے)

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

آپ اپنی تقدیر کا انتقام سارے معاشرے سے لینا چاہتی ہیں۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

یعنی ہر نیک نام کو ننگ نام دیکھنا چاہتی ہوں۔اس نے اپنے متورم پپوٹے ہاتھوں سے دبائے۔

مادام فیروزہ میں لاعلم تھا۔آپ خود چل کر میرے پاس آئیں۔آپ نے اپنی حقیقت گوش گزار کی۔

آپ کی خواہش ہے کہ لوگ اپ کی حقیقت سے واقف ہوں۔اس کے برخلاف نہ سمجھیں۔جب لوگ اس کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو۔۔۔اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

مادام فیروزہ میں لاعلم تھا۔آپ خود چل کر میرے پاس آئیں۔آپ نے اپنی حقیقت گوش گزار کی۔

آپ کی خواہش ہے کہ لوگ آپ کی حقیقت سے واقف ہوں۔اس کے برخلاف نہ سمجھیں۔جب لوگ اس کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو۔اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

تو میں خودکشی کر لیتی ہوں۔اس نے بدستور ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اس کی آواز میں زہر کا اثر محسوس ہوتا تھا۔

طارق احمد یہی تو میرا مسئلہ ہے۔یہی تو وہ گرہ ہے جو کسی سے نہیں کھل سکی۔

آیئے۔میں آپ کو خود بتا دوں کہ کوئی بھی میرا مدعا سمجھ نہیں پایا۔

طارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کے حسین مگر زرد چہرے کو دیکھا۔

اس کا سانس پھول گیا تھا۔وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔چند ثانیے ایک خاموشی کا عالم رہا۔

طارق دروازہ اندر سے بند کر لیجیے۔پلیز۔اس نے آنکھیں کھول کر طارق کو دیکھا۔

طارق ایک انچ آگے نہیں بڑھا۔وہ الجھن میں تھا۔

ڈر کیوں رہے ہیں۔میں آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔آپ مرد ہیں میں ایک کمزور عورت یوں بھی۔ہتھیار بھی نہیں ہے میرے پاس۔وہ دل شکستہ سے بولی۔

آپ سے اتنی دیر بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

کسی کے باپ کی ہمت نہیں کہ اندر آئے یا مداخلت کرے۔وہ بھڑک سی گئی۔آپ فکر نہ کریں طارق احمد آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔خواہ یہ پورے پاکستان کے آئی جی اکٹھے کر لیں۔وہ اس لیے کہ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔

آپ نے مجرم بنانے میں کوئی کسر چھوڑی تو نہیں۔اس نے فیروزہ کا کہنا مان کر یعنی

دروازہ بند کر کے آہستگی سے کہا۔

میں نے ہوش کے عالم میں آپ کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ رک گئی۔ اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

آپ کچھ بتانا چاہ رہی تھیں۔

فیروزہ نے اشارے سے پانی مانگا۔

طارق نے ایک عجیب قسم کی بے بسی محسوس کرتے ہوئے پانی کا گلاس اُٹھایا۔

فیروزہ نے بمشکل کہنوں کے بل ذرا سی اونچی ہوئی۔

طارق کو بیٹھنا پڑا۔ بلکہ اسے شانوں سے تھامنا پڑا اور گلاس بھی منہ سے لگانا پڑا۔ فیروزہ کا سارا اعصابی نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ وہ مٹی کی طرح اس کے مضبوط بازو پر ڈھے گئی۔

یہیں بیٹھ کر سن لیں طارق احمد آپ فاصلے پر بیٹھے ہیں۔ مجھے زیادہ قوت سے بولنا پڑ رہا ہے۔ پلیز آپ مجھے اس وقت ایکوئل ٹریٹ کریں۔ یہ ذہن سے جھٹک دیں کہ میں ایک لڑکی ہوں کہ آج میں آپ کی بات کا جواب ضرور دوں گی۔

وہ رک کر سانس درست کرنے لگی۔ طارق نے آہستگی سے اسے دوبارہ لٹا دیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی عورت کے اس قدر قریب ہوا تھا۔ اس کے باوجود کہ شادی شدہ تھا۔

فیروزہ کی مہک اس کے ملبوس میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ اس کی بات بلکہ اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا۔

طارق احمد آپ نے سوال کیا ہے کہ میں خود ہی تو چاہتی ہوں کہ لوگ میری اصلیت سے واقف ہوں۔ اور جب لوگ میری اصلیت یاد دلاتے ہیں تو بُرا بھی مانتی ہوں یا دکھی ہوتی ہوں۔

طارق احمد اس نے آنکھیں موند کر طارق کو پکارا۔

جی سُن رہا ہوں میں۔

میں اپنی اصلیت اس لیے تو نہیں بتاتی کہ لوگ مجھے طعنوں کے تیروں سے بیموت مار ڈالیں۔ بلکہ میں تو سچ اس لیے بتاتی ہوں کہ خوبصورت دل میری روح کو پہچان کر میرے ناکردہ گناہ معاف کر دیں۔ مجھے میری اصلیت کے ساتھ قبول کر لیں۔ میری روح سے واقف ہو کر میری قدر کریں۔

طارق

جی۔

دوسرا گناہ اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ پہلا گناہ معاف نہیں کرتے۔ اس کی آواز بھیگ گئی۔

شاید۔ وہ بولا۔

شاید نہیں یقیناً۔ یقین کریں میرا۔ تجربات کے کانٹوں سے پاؤں لہولہان ہیں۔

آپ جانتے ہیں طارق کہ میرا پہلا گناہ کیا تھا۔

طارق خاموش رہا۔

میرا پہلا گناہ یہ ٹھہرا کہ مجھے اپنے باپ کا اتا پتا نہیں معلوم۔ یہ میرے سارے گناہوں کی بنیاد ہے۔ بس اس سے زیادہ میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ وہ خاموش ہو گئی۔

طارق کے حق آشنا قلب پر فیروزہ کے ایک ایک حرف کی آہٹ رقم ہوئی تھی۔ اس نے فیروزہ کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور خوبصورت پلکیں لرز رہی تھیں۔ ایرانی النسل ستواں ناک سرخ ہو رہی تھی اور لب لرزیدہ تھے۔ اس کا بے پناہ حسن طاری نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر محسوس کیا۔

جانتا ہوں اپنے نیک نام معاشرے کو۔ گدھی پر بھی جوانی آئے تو معاشرے کو وہ حسین لگتی ہے۔ تم تو ایک قیامت ہو میڈم فیروزہ۔ تمہارے تاریک پس منظر کا ہونا بہت کافی تھا۔ کون بخشتا تمہیں۔ وہ حقیقت کا تجزیہ کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

طارق احمد

اللہ بہتر جانتا ہے۔ میں نے آپ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ سارے سچ نہیں سنائے۔ مجھے آپ سے کوئی مطلب نہیں ہے کوئی لالچ و غرض نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ اتنے سارے آدم زادوں میں مجھے آپ ہی انسان دکھائی دیے۔ میں نے آپ کو کسی بھی لمحے کمزور نہیں پایا۔ میں آپ کی اس عظمت اور نیک طبیعت کی عزت کرتی ہوں۔ بلکہ۔۔۔ وہ رکی۔ بلکہ پرستش کرتی ہوں۔ کسی خوش نصیب ماں کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں آپ۔

طارق کا رواں رواں جانے کیوں کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔

میں بہت کم ظرف، بہت چھوٹا انسان ہوں۔ ان تمام خطابات کا حقدار نہیں ہوں۔ وہ شرمندہ ہوا۔

اور مجھے یقین ہوا کہ آپ ہی وہ واحد انسان ہیں جو میرا سچ سن کر کبھی بھی مجھے گالی نہیں دیں گے۔ دنیا بھی چاہیں گے تو دے نہیں سکیں گے۔ مجھے آپ کی مٹی کی خوشبو بتا رہی تھی۔ مگر اس دن لبرٹی میں۔ اس دن میرا انسانوں پر سے مکمل یقین اُٹھ گیا اور میں نے موت کو گلے لگانے کی کوشش کی۔ وہ چپ ہو گئی۔

میڈم فیروزہ۔ وہ ڈاکٹر۔۔ مس حنا۔۔ انسپکٹر۔۔ وہ کب سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ اسے ایک دم یاد آیا۔

مجھے درمیان میں ہوش آیا تھا تو انہوں نے میرا بے ربط بیان ریکارڈ کیا تھا۔ یہ میرے ملازم کی بیوقوفی تھی۔ اس نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا تھا۔ اب وہ تفصیلاً مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بات کیا کرے گا۔

ابھی آپ کے سامنے ٹیپ صاف کرے گا۔ اور جاتے وقت ہو سکتا ہے گھبراہٹ میں مجھے سیلوٹ بھی کرتا جائے۔ وہ ہنس دی۔

اکیلا انسپکٹر نہیں ہے۔ دو سپاہی بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ ممکن ہے کہ دو سیلوٹ آپ کے حصے میں بھی آ جائیں۔ کیونکہ گھبراہٹ میں یادداشت قائم نہیں رہتی۔ اور انسان بے موقع کام کر جاتا ہے۔

آپ فکر نہ کریں طارق احمد میرے جیتے جی آپ کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ ہم کب سے باتیں کر رہے ہیں۔ کسی نے مداخلت نہیں کی۔ اس کا مطلب ہے ستارہ نے معاملہ نمٹا لیا ہے۔

ستارہ طارق متعجب ہوا۔

حنا۔ اس کا فلمی نام ہے۔ فیروزہ نے۔۔ وضاحت کی۔ بہت پیار ہے ہم دونوں میں۔

طارق احمد

جی۔

فکر ختم ہوئی

یہ وضاحت پہلے کیوں نہ کر دی۔ وہ سادگی سے مسکرایا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ صرف مسکرا دی۔

اس قدر اثر ورسوخ کی مالک ہیں۔ پھر بھی آرزدہ رہتی ہیں وہ شگفتگی سے مسکرایا۔

یہ سکھ کے پیمانے نہیں ہیں طارق احمد اس کی آواز کمزور ہو گئی۔

طارق نے ریسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

میں آپ کو روکوں گی نہیں بلکہ بہت سا شکریہ ادا کروں گی۔۔ طارق احمد میرے اور آپ کے درمیان یقین کا تعلق ہے۔ مجھے آپ سے کسی کمزوری کی توقع نہیں۔ اور آپ کو مجھ سے کوئی غرض نہیں۔ اس وقت ہم بہت فیئر ہیں۔ اس لیے میرا دل چاہ رہا ہے آپ سے بہت ساری باتیں کروں۔ مگر۔ جانے کیسا ڈوز دیا ہے ایسا لگتا ہے آئندہ دو دن تک جاگتی رہوں گی۔

وہ ہنس دی۔ انسان ہونے کے ناتے طارق نے اطمینان محسوس کیا۔

میں شرمندہ ہوں کہ میری ذات سے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچی۔

چلیں، یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ سہی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کس قدر کمفرٹ ایبل (آرام دہ) زندگی ہے آپ کی۔ اس پرائیوٹ ہاسپٹل میں بھی آپ کی حکمرانی ہے۔ وہ مسکرا دیا۔ کسی نے ڈسٹرب نہیں کیا۔

فیروزہ جو آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ اسی حالت میں مسکرا دی۔

اب میں آپ کی کسی بات سے غلط مطلب اخذ نہیں کروں گی۔

شکریہ، ہمارے درمیان کوئی آئندہ تو نہیں ہے ناں۔ وہ پھر پلٹا۔

قطعی نہیں۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ شاید وہ اس طرح سکون محسوس کر رہی تھی۔

طارق باہر آیا۔ نرس سامنے کاؤنٹر پر موجود تھی۔ اس کی ہدایت کے مطابق وہ ڈاکٹر نثار کے آفس کی سمت بڑھا تھا۔

دریہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ کمرہ مرکری ٹیوب میں جگمگا رہا تھا۔ اور ہنوز اپنے مکین کا منتظر تھا۔ اس نے کلاک کی سمت نظر کی ڈھائی بج چکے تھے۔ وہ ایک دم بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔تمام گھر چھان مارا۔اف خدایا۔کہاں رہ گئے۔کہاں چلے گئے وہ پریشانی کے عالم میں بڑبڑائی۔پھر واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔اور انٹر کام پر نیچے فرقان سے رابطہ قائم کیا۔وہ غالباً بہت گہری نیند میں تھا کہ کافی دیر بعد اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

ہیلو ارے پیس میں اس کی نیند سے بوجھل آواز گونجی تھی۔

ہیلو فرقان بھائی۔آپ کو طارق کچھ بتا کر گئے ہیں وہ وحشت زدہ سی تھی۔

طارق کہاں ہے وہ اس کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

یہی تو پوچھ رہی ہوں۔وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے ہیں بھابی غضب خدا کا۔مجھے تو وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ اپنے کسی دوست کے ہاں جا رہا ہوں۔وہ حیران پریشان سا کہہ رہا تھا۔

ان کے سب دوستوں کو تو آپ جانتے ہوں گے

تقریباً۔وہ بولا۔

پلیز رنگ کر کے دیکھیں۔میرا بہت برا حال ہے۔وہ رونے کو تھی۔

ارے بھابی حوصلہ کریں۔کبھی کبھار یوں بھی ہو جاتا ہے۔اس نے تسلی دی۔

دریہ نے فوراً ہی میکے فون کھڑکا دیا۔ریسیور نور جہاں نے اٹھایا۔

ممی طارق تو نہیں ہیں،آپ کی طرف وہ بے انتہا پریشان تھی۔

ہائیں۔نور جہاں کی نیند بھی فوراً اڑ گئی۔یہاں۔طارق۔۔مگر کیوں۔وہ بوکھلا گئیں۔

پتا نہیں کہاں چلے گئے۔وہ رو پڑی۔

تم ہی تو بتا رہی تھیں کہ اسے بہت ضروری کام سے اپنے دوست کے ہاں جانا پڑ گیا وہ حیران ہوئیں۔

اور پھر اس نے فون بھی تو کیا تھا۔مجھے کہ میں زارا سے ایکسکیوز کر لوں۔وہ مزید گویا ہوئیں۔

رات کے ڈھائی بج چکے ہیں۔ابھی تک نہیں آئے۔ساڑھے سات بجے کے گئے ہوئے ہیں۔

وہ بری طرح رو دی۔فون تو انہوں نے مجھے بھی کیا تھا۔مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔

اچھا اچھا ڈیر۔تم رو نہیں میں آ رہی ہوں۔تمہارے پپا کے ساتھ۔حوصلہ رکھو۔انہوں نے فوراً ریسیور رکھ دیا۔دریہ کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

پھر اس نے دوبارہ انٹر کام استعمال کیا۔

کچھ پتا چلا فرقان بھائی وہ بیقراری سے بولیں۔

معلوم نہیں کہاں لا گیا،کہیں سے بھی پتا نہیں چلا۔وہ فکر مند لہجے میں بولا۔

اف اللہ دریہ ریسیور رکھ کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔تھوڑی دیر

بعد کمرے میں عجیب چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ نور جہاں احسان صاحب، فوزیہ، ثوبیہ، فرقان اور دوسرے دوست کمرے میں جگہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

اپنا ایڈنٹی کارڈ تو وہ جیب میں ہی رکھتا ہوگا۔ احسان صاحب نے بیٹی کی سمت دیکھا۔ جس نے یہ جملہ سن کر زار زار رونا شروع کر دیا تھا۔

پتا نہیں پپا۔ میں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ بولی اور اُٹھ کر باتھ روم چلی گئی۔ وضو کر کے آئی اور جائے نماز بچھا کر دے سجدے پر سجدے ہونے لگے۔

اس کے تایا جان کے ہاں بھی فون کیا نور جہاں نے بیٹی سے پوچھا جو سلام پھیر چکی تھی۔

نہیں۔ ٹھہریے، ابھی کرتی ہوں نمبر مجھے یاد ہے۔ وہ تیزی سے جائے نماز سے اُٹھ کر فون تک آئی۔ کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔

کیا کہتے ہیں نور جہاں متفکر ہوئیں۔

وہاں بھی نہیں ہیں۔ تایا جان تائی جان کے ساتھ آ رہے ہیں۔

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور پھر جائے نماز پر آ کر بیٹھ گئی۔ طارق کے دوست آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ فرقان، احسان صاحب کے ساتھ مصروف تھا۔

اسی دم گاڑی آ کر رکی۔ فرقان اپنی گاڑی کی آواز پہچان گیا۔

تھینک گاڈ۔ آ گیا۔ خدا کرے خیریت ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور نیچے چلا گیا۔

طارق کا ماتھا تو جب ہی ٹھنک گیا تھا جب اس نے دور سے پورے گھر کی لائٹیں آن دیکھی تھیں۔ اور گھر کے باہر کی گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں کھڑی دیکھی تھیں۔

مروا دیا یار فرقان اسے گاڑی سے اترتا دیکھ کر جھلا کر بولا تھا۔

کیا ہو گیا بھئی وہ قدرے حیران ہوا۔

ابھی تو ہوگا، چلو ذرا اوپر۔ وہ اس کا بازو تھام کر اوپر آیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی طارق چکرا کر رہ گیا۔ یہاں وہاں۔ انسان ہی انسان۔ اس پر مستزاد دریہ کی حالت زار جو چادر منڈھے جائے نماز پر سجدے میں تھی۔

بھئی، یہ کیا حرکت ہے احسان صاحب اپنی جھلاہٹ پر قابو نہ رکھ سکے۔

السلام علیکم۔ اس نے احسان صاحب کی بات نظر انداز کر کے حاضرین پر سلامتی بھیجی۔

کہاں تھے بیٹے نور جہاں بیتابی سے آگے بڑھیں۔

بتا کر تو گیا تھا۔ کہ میں اپنے دوست کے ہاں جا رہا ہوں۔ اس نے کڑے تیوروں سے دریہ کو دیکھا جو کھڑی جائے نماز تہہ کر رہی تھی۔

مگر تمہارے تمام دوستوں کے ہاں تو فون کیا تھا۔ یہ دیکھو سب آئے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اس کے کولیگز کی سمت اشارہ کیا۔ جو سلیپنگ سوٹوں میں ملبوس طارق کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔

ان کی بھی دوڑ لگوا دی۔ اس کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔

ابھی تو تایا جان دوڑ لگا کر آ رہے ہوں گے۔ آپی نے رو رو کر فون کیا ہے۔ فوزیہ نے جل

کر کہا۔

اور میرے خدا وہ ایک کرسی پر ڈھے گیا۔ کراچی تو فون نہیں کر دیا وہ دریہ سے مخاطب ہوا۔

اُن بھلے لوگوں کو اگر پلین کی سیٹ نہ ملی۔ تو وہ پروں سے لپٹ کر بھی آجائیں گے۔ مارے کوفت کے اس کا بُرا حال تھا۔

طارق بھائی جب اتنی دیر ہو ہی گئی تھی تو آپ درمیان میں آپی کو فون تو کر دیتے۔ ثوبیہ کو اپنی نیند خراب ہونے کا ملال ہو رہا تھا۔

اور کیا بھی۔ یہ تو سخت غیر ذمہ داری ہے۔ احسان صاحب نے اپنے دوٹوک انداز میں کہا۔

طارق کی روح تک سلگ گئی۔

میرا دوست سخت بیمار ہے۔ بڑی نازک صورت حال تھی۔ دھیان نہیں رہا۔ احسان صاحب اس کے سسر ہی نہیں اس کے ماموں بھی تھے۔ آخر سوا اسے وضاحت کرنا پڑی۔

کون ہے یار ہمیں تو پتا چلے۔ اس کا ایک کولیگ گویا ہوا۔

بھئی تم تو اچھے خاصے آدمی ہو۔ کیوں بیچاروں کو بلایا اور پریشان کیا۔ وہ فرقان کی طرف مڑا۔

بھابھی بہت پریشان تھیں۔ لامحالہ مجھے فون کر کے معلوم تو کرنا ہی چاہیے تھا۔ بلایا تو نہیں تھا۔ بس تمہارے عشق میں گلے گلے پھنسے ہوئے ہیں۔ بیقرار ہو گئے۔ سیدھے یہاں آ کر گرے۔ فرقان آہستگی سے اس کے قریب آ کر شرارت سے گویا ہوا۔ اب وہ اس صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

بیٹے جب کہیں جاتے ہیں تو اس جگہ کی معلومات گھر میں دے کر جاتے ہیں۔ نور جہاں اس کے قریب آ کر گویا ہوئیں۔ میری حالت تو بگڑنے لگی تھی۔ ایک تو تم نہیں۔ اس پر دری کی حالت۔

طارق نے دریہ کی سمت نظریں اٹھائیں۔ وہ اس کی سمت ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتا پا کر اس نے اپنی بھیگی پلکیں گرا لیں۔

اور تو کوئی نہیں رویا۔ وہ جھلا سا گیا۔ احسان صاحب باتھ روم میں جا چکے تھے۔

ارے کہاں رہ گیا بچہ۔ الٰہی خیر کرنا۔ ماں باپ سے دور پڑا ہے۔ اس کی ماں تو ویسے ہی اس کے بغیر بیقرار رہتی ہے۔ ارے اللہ نہ کرے کچھ تو گیا تو۔ ارے السلام علیکم بھابھی آپ بھی آ گئی ہیں۔ ارے بھیا جیسے ہی آپ کے بھائی نے مجھے جگا کر بتایا۔ مانو میری تو جان ہی نکل گئی۔ ارے میں تو ایسی بوکھلائی کہ ایک پاؤں میں اپنی چپل ڈالی اور دوسرے میں اُن کی۔

ارے تین بج۔ بج۔۔ ہائیں۔۔۔

تائی جان کی زبان کو بریک لگ گئے۔ وہ ہونق سی ہو کر طارق کو دیکھ رہی تھیں۔

السلام علیکم اس نے بہت مؤدب انداز میں تائی اور تایا کو سلام کیا۔

جیتے رہو بھئی۔ آخر کیا ڈرامہ ہے طارق میاں تایا مجسم سوال بن کر اس کے قریب پہنچے۔

بیٹھیے تایا جان اس نے کرسی چھوڑ دی۔ کوئی ڈرامہ نہیں ہے۔ میرے ایک دوست کی بہت طبیعت خراب تھی۔ میں اس کے پاس ہاسپٹل میں تھا۔ فکر اور پریشانی کی وجہ سے گھر رنگ کرنا بھول گیا۔ اور پھر یہ سب ہو گیا۔ وہ بیچارگی سے سب کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔

آپ کے دوست تو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں۔ فوزیہ نے اس کے کولیگز اور دوستوں کی سمت دیکھ کر کہا۔

دوستوں کے سلسلے میں راشن کارڈ نہیں بنتا کہ فہرست میں ردوبدل دشوار ہو۔ فرقان نے طارق کی ساکھ بحال کرنے میں حق دوستی ادا کیا۔ فوزیہ اسے گھور کر رہ گئی۔

ارے تمہارے تایا جان نے جب مجھے بتایا۔ دریہ فون پر رو رہی تھی۔ میرے تو ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔

بیٹے آئندہ دھیان رکھنا۔ ماشاءاللہ اب گھر والے ہو۔ چھڑے چھڑانگ نہیں۔ اپنی ذمہ داری کو سمجھو۔ تائی جان نے اسے سمجھایا۔

احسان صاحب نے جب طارق کی تائی کو نصیحت کا سلسلہ شروع کرتے دیکھا، تو اپنا پروگرام موقوف کر دیا۔

چلو بھئی بیگم۔ وہ اپنی بیگم سے بولے۔ فوزیہ تو یہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اچھا بھئی۔ اس کے کولیگز بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

یار بہت شرمندہ ہوں۔ طارق کو ایک ایک سے معذرت کرنا پڑی۔

ہم تو خیر تمہیں معاف کر دیں گے۔ بھابھی معاف کر دیں تو بات ہے۔ رو رو کر بیچاری آدھی ہو گئیں۔

بھابھی ذرا دھیان سے۔ بیچارہ کمزور دل کا مالک ہے۔ اس کے ایک کولیگ اشرف نے شرارت سے دریہ کو مخاطب کیا۔ دریہ جھینپ کر مسکرا دی۔

اچھا بھئی، طارق میاں اس کے تایا جان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ رہ جایئے ناں صبح چلے جایئے گا۔ اس نے اخلاقاً اپنے تایا کو روکا۔

بس بیٹے صبح چلے جایئے گا۔ اس نے اخلاقاً اپنے تایا کو روکا۔

بس بیٹے صبح بھی ہوئی سمجھو۔ تائی جان نے اپنی چادر لپیٹی۔

اچھا بیٹے آئندہ خیال رکھنا۔ وہ بھی رخصت ہونے والے قافلے میں شامل ہو گئیں۔

طارق نے ان سب کو چھوڑنے نیچے چلا گیا۔

واپس آیا تو دریہ گلابی نائٹی پہنے اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ طارق کو اندر آتے دیکھا۔ تو تھوڑا سا دل لرزا۔ کیا معلوم اب کیا کہے گا۔

طارق نے مرکری ٹیوب بند کر کے نائٹ بلب جلا دیا۔ پھر اس کے نزدیک آ کر ترش لہجے میں گویا ہوا۔

کیا ضرورت تھی یہ ڈرامہ کرنے کی آخر کیا جتانا چاہا ہے تم نے

یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا ضرورت تھی یہ ڈرامہ کرنے کی وہ سلگ کر رہ گئی۔(اس بیمبر کو میری سوجی ہوئی آنکھیں تک نظر نہیں آئیں)

فون تم ہی نے اٹینڈ کیا تھا۔ میں ایمرجنسی میں گیا تھا۔ مجھے کال کیا گیا تھا۔ پھر اس کے باوجود وہ تمہارے اندر کا احساس جرم ہے۔ جو ایک دم حواس باختہ کر دیتا ہے۔ تمہیں اور کچھ نہیں۔ وہ بولا۔

میری مجبوری ہے کہ میں آپ کے حق میں یہ دعا بھی نہیں کر سکتی کہ آپ بھی کسی کو چاہیں۔

اور اس احساس جرم کے ذائقے سے آشنا ہوں۔ وہ تلخی سے کہہ کر بیڈ پر دراز ہو گئی۔

حتی کہ میں تو یہ بھی نہیں پوچھ رہی کہ یہ مس حنا کون ہیں اس کے لہجے میں انگارے تھے۔

اور یہ کہ کیا یہی وہ سخت بیمار دوست ہیں جن کی وجہ سے۔۔اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

بالفرض محال اگر یہی دوست ہیں تو پھر کیا کروں گی

وہ باتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ اور دریہ کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

اس کی سانسیں بےترتیب ہو گئیں۔ اور اٹھ کر وہ اضطراری انداز میں ٹہلنے لگی۔ وہ لباس تبدیل کر کے آیا۔ تو اسے ٹہلتا دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔

کیا پچھتا رہی ہو کہ کس کمینے آدمی سے شادی کی ہے وہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق سونے سے پہلے بالوں میں برش چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

دریہ کچھ نہیں بولی۔ اب وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس پتھر کے سامنے۔ طارق نے سنگدلی کی معراج کو چھو کر آنکھوں پر بازو رکھ کر مزے سے سو گیا۔

شاید وہ آدھا گھنٹہ بھی نہیں سویا ہوگا۔ کہ عجیب سی کیفیت میں اس کی آنکھ کھل گئی۔

ایک انسان۔۔

دوسرے انسان کو اپنے وجود کی تمام قوت مجتمع کر کے شدت سے سوچ رہا ہو یا محسوس کر رہا ہو تو اس کی شدت کی لہریں دوسرے فریق کو ضرور متاثر کرتی ہیں۔

وہ نیند سے جاگ گیا تھا۔

دریہ بیڈ پر نہیں تھی۔

کمرے میں بھی نہیں تھی۔

اس نے دیکھا دائیں طرف باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور دریہ کی دبی دبی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔

باتھ روم میں مکمل تاریکی تھی۔

اس کے دل کی عجیب سی کیفیت ہوئی۔

بہرحال انسان تھا۔

وہ دریہ کو جائے نماز پر سجدے میں سر رکھے دیکھ کر ہی کچھ نرم سا ہو گیا تھا۔ کہ اچھی مٹی کا پودا تھا۔

اچھے درختوں کا پھل تھا۔ زیادہ سے زیادہ کتنا سنگدل بنتا۔

انسان کے حاضر رویوں کا انحصار ننانوے فیصد مقابل کھڑے ہوئے فریق کے رویے پر ہوتا ہے۔

وہ بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ اور آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ تھپتھپایا۔ دریہ کی سسکیاں رک گئیں۔ طارق نے باتھ روم کی لائٹ جلادی۔ دریہ دیوار سے لگی آنکھیں پونچھ رہی تھی بلکہ طارق کو باتھ روم میں دیکھ کر ٹپٹا گئی تھی۔ دریہ کا چہرہ اور آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔

سوتی کیوں نہیں ہو۔ کیوں پریشان کر رہی ہو۔ صبح مجھے آفس بھی جانا ہے۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت کی نفی کرتے ہوئے بظاہر جھلایا۔

کیا کہہ دیا ہے میں نے تمہیں جو آنسوؤں کے دریا بہا دیے ہیں۔ وہ اسی خشک انداز میں بولا۔

یہ مس حنا کون ہیں وہ ہچکیوں کے بیچ میں غرائی۔

طارق اپنی بیساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔ بہت ہی فطری ردعمل تھا اس کا۔

ایک ایکٹرس ہے۔ لڑکی ہے۔ وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

کیا کر رہے تھے آپ اس کے پاس، رات کیڈھائی بجے تک

طارق نے ایک گہری سانس لی۔

کیا الٹی سیدھی باتیں سوچتی ہو، چلو آرام کرو۔ حد کر دی ہے۔ چلو بھی۔

دریہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آنسو پھر رخساروں پر لڑھکنے لگے۔

(ستم گری بھی اور اشکباری بھی۔ کہاں پھنس گیا یا الہی) وہ آگے بڑھا۔

اپنی انا کی قوت کو زیر کرنے کی اذیت اٹھائی جو بہر حال ضمیر کی خلش سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اپنے دائیں بازو کے گھیرے میں لے کر آہستگی سے بولا۔

جب اس قدر چھوٹا انسان ہوں تو کیوں اپنی جان پر ظلم کرنے کا پروگرام بنایا

آپ نہیں تھے ایسے۔ اس نے ہچکیاں بھریں۔

اب ہو گیا ہوں ایسا وہ آہستگی سے پوچھ رہا تھا۔

مجھے یقین نہیں آیا۔ اس نے سسکیاں دبائیں۔

طارق احمد کے قلب پر یہ جملہ ٹھنڈی پھوار بن کر اترا۔

دریہ۔۔۔ ہر چند کہ تم نے میری زندگی کو مشکلات کی راہوں پر لا ڈالا۔ حتی کہ میرے وقار کو اپنی آرزو کی قیمت بنایا۔ مگر یاد رکھنا نکاح کی رو سے جو فریضہ مجھ پر عائد ہوتا ہے میں لاعلم نہیں۔ اور میں تمہارا حق کسی اور کے کھاتے میں ڈال کر نہیں آؤں گا۔ اگر زندگی میں کبھی ایسا قدم اٹھانے کی حماقت کی۔ تو پہلے تمہیں تمہارا حق دوں گا۔ پھر۔۔۔۔ وہ رک گیا۔

اگرچہ دریہ آج بھی اسی حالت میں تھی جس حالت میں اپنے باپ کی چھت کے نیچے تھی۔مگر وہ بچی نہیں تھی۔اس کی بات سمجھ گئی۔دل و دماغ میں اطمینان کی لہریں سرایت کرنے لگیں۔روح ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی۔

بھلا کیوں کر گنوا دیتے تمہیں۔کون ہوگا تم جیسا طارق احمد۔تم میرے حق کی اہمیت سمجھتے رہو۔چاہے نہ دو۔مجھے تمہارا نام تمہاری نسبت بہت ہے۔اس نے جذباتی انداز میں سوچا۔

طارق اسے بیڈ تک لے آیا اور بہت نرمی سے اسے سونے کو کہا۔اور خود دوسری طرف آکر اپنی سابقہ حالت میں دراز ہوگیا۔انسان پورا تھا۔شاید منتقم بھی پورا تھا۔فاصلے برقرار رکھے۔

یہ تو خوامخواہ کی بیخ لگائی ہے تمہارے ابا جان نے۔شادی بھی ہوگئی اور ولیمہ بھی۔اب ایک اور دعوت کراچی میں ہو کہ ان کے بہت سے دوست نمک حلالی کا ارمان پالے بیٹھے ہیں۔

ابا جان کی خوشی ہے یہ۔نغمہ ساس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

ہاں یہی تو سوچ کر چپ ہو رہی پھر یہ بھی کہ اس بہانے چند دن کے لیے وہ دونوں بھی کراچی آجائیں گے۔میں تو دریہ کو ساتھ ہی لا رہی تھی۔طارق کو چھٹی نہیں مل رہی تھی۔شادی کے شروع دن ہیں اب کیا ایک کو ادھر کرتی اور ایک کو ادھر۔

انہوں نے ابا جان کا کرتا جس کی ترپائی کر رہی تھیں،ایک طرف رکھا اور عینک اتار کر اس پر ہی رکھ دی۔

دیکھا بھابھی جان۔انسانی جذبات کا کتنا خیال رکھتی ہیں اماں جان۔فاروق نے شرارت سے کہا۔

اچھا اب تم اپنی زبان بند رکھو ور مجھے بتاؤ کہ مہمانوں کی فہرست بنالی یا نہیں

یہ معجزہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔اماں جان۔اس نے قطعی انکار کیا۔

کیا مطلب انہوں نے فاروق کو گھورا۔

یہی کہ زبان بند رکھوں اور مہمانوں کے نام بھی پڑھ کر سناؤں،زبان بند رکھوں تو کیا کان سے بولوں۔وہ نہایت لاچارگی سے پوچھ رہا تھا۔

زبان پکڑنے کی تو تمہاری عادت ہے،ارے میں ہاری۔ہاں بتاؤ اب کس کس کا نام لکھ چکے ہو۔

فاروق نے کاپی سے نام پڑھنا شروع کیے۔

چھوٹے بھائی کو بھی مطلع کر دیا ہے یا حسیب نے بیچ میں ٹوکا۔

اے ہاں۔کبھی گھر کے جنھی کنوارے رہ جائیں۔آج تو حسیب نے بڑے موقع پر بات کی ہے۔اماں جان نے ہنس کر بڑے پیار سے حسیب کو دیکھا۔

میں تو ہمیشہ ہی موقع سے بات کرتا ہوں۔آپ لوگ ہی چھوٹے دلوں کے ہیں۔داد ہی نہیں دیتے۔وہ منہ بنا کر بولا۔

اچھا اب تم آنسو پونچھو اور چپ کر کے خاندان اور دنیا بڑھانے والے رہنماؤں کے نام

سنو۔ فاروق نے جیب سے رومال نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔

بھئی فاروق تم مت ستایا کرو حسیب کو۔ ربیعہ کچن سے برآمد ہو کر دیور کی حمایت میں بولیں۔

بھابھی صاحبہ زندہ باد۔ حسیب نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ آپ لوگوں کی آمریت کے خلاف تو کبھی اماں جان نے بھی میری حمایت نہیں کی۔

ہوں۔ بھائی صاحب سے گاڑی چلانے کی اجازت دلوائیں تب جانیں۔ فاروق نے اور سلگایا۔

ارے بھئی، جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا تو جہاد ہے۔ جب بھی حق کی بات ہوگی۔ ہم تمہاری مکمل حمایت کریں گے۔ ربیعہ نے ہنس کر یقین دلایا۔

کیا ہو رہا ہے بھئی ارمغان بھی اپنے کمرے سے نکل آئے۔

آپ کو جابر سلطان کہا جا رہا ہے۔ فاروق نے فوراً جمالو کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا۔

بڑی دلہن۔ اس طرح کرتے ہیں یہ میرا دماغ خراب۔ بات کیا تھی اور کہاں پہنچا دی۔

ہاں تو بتاؤ۔ کس کس کا نام لکھ لیا ہے۔

کس سلسلے میں چالان پیش ہو رہے ہیں ارمغان نے ربیعہ سے دریافت کیا۔

اسی جرم کے سلسلے میں جو آپ بھی کر چکے ہیں۔ ربیعہ ہنسیں۔

عابدہ بیگم نے شرارت سے ہنستی بہو کو محبت سے دیکھا۔

اللہ نہ کرے کہ یہ خوش بختی جرم ہو۔ ماشاء اللہ گھر آباد ہوئے ہیں۔ اللہ رہتی دنیا تک قائم رکھے۔

لیکن یہ زمین کی لیز ناوے سال کے لیے ہوتی ہے۔ حسیب نے سنجیدگی سے یاد دلایا۔

ناوے سال کے بعد دوبارہ بھی ہو سکتی ہے۔ فاروق نے اطلاع دی۔

مگر فاروق بھائی اُس وقت تو زمین کے ریٹ آسمانوں سے باتیں کر رہے ہوں گے۔ حسیب نے عجیب طرح کی فکرمندی کا اظہار کیا۔

ظاہر ہے۔ زمین خود تو آسمان سے باتیں کرنے سے رہی۔ کیا کہیں گے لوگ، شرم نہیں آتی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔

فاروق نے حسیب کو چھیڑا۔

دیکھیں اماں جان سمجھا لیجیے فاروق بھائی کو۔ حسیب بُرا مان کر بولا۔

ارے میرے اللہ مجال ہے جو کوئی کام ان کے غل غپاڑے کے بغیر ہو جائے۔ اماں جان نے اپنا سر پیٹ لیا۔

اماں جان میرا غل تو لاہور کو پیارا ہو چکا ہے۔ ہائے میں اکیلا بیچارہ غپاڑہ۔ فاروق نے ایک سرد آہ کھینچی۔

دیکھ رہے ہو ارمغان ایک گھنٹے سے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ مہمانوں کی فہرست بنانے۔ چار نام نہیں لکھے گئے۔

اب بھی سب کو تو بلانا نہیں ہے۔ چند خاص خاص لوگ ہوں گے۔ تمہارے ابا جان کے دوست اور تم لوگوں کے ملنے والے جنہیں ہم لاہور لے کر نہیں گئے تھے۔

اوہ۔ ارمغان اب سمجھے۔

چھوڑیں اماں جان یہ کیا آپ آئے دن مہمانوں کی فہرست بناتی رہتی ہیں۔ حسیب بیزاری سے گویا ہوا۔ وہ فطرتاً بھیڑ بھاڑ سے دور بھاگنے والا کتابی کیڑا قسم کی کوئی شے تھا۔

ہائیں کیا مطلب ہے عابدہ بیگم نے تعجب سے لاڈلے بیٹے کی صورت دیکھی۔

ان محترم کا مطلب یہ ہے اماں جان کہ بلینک چیک قسم کی دعوتیں ہونی چاہئیں۔ یعنی کھانا پکوا کر مسجد میں اعلان کر دیا جائے۔ لوگ آتے جائیں کھاتے جائیں۔ فاروق نے وضاحت کی۔

یہ دعوت ہوئی یا لنگر نغمہ نے دریافت کیا۔ دونوں ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھیں۔

میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ حسیب جھلایا۔ آخر دعوتوں کی بھی حد ہوتی ہے۔ میرے پیپرز ہونے والے ہیں لے کے۔ ہاں نہیں تو۔ وہ سلگ رہا تھا۔

ارے تو کیا میں تم سے دیگیں دم کرنے کو کہوں گی

ارے یار تم فکر نہ کرو۔ ارمغان نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ کوئی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔ ہم خود کریں گے سب کام۔ تم آرام سے اسٹڈی کرو۔

حسیب کو ارمغان کے رویے سے عجیب سی تقویت کا احساس ہوا۔

ارمغان بیٹے

جی اماں جان

وہ کیا کہتے ہیں۔ طارق کو تم ہی فون کر کے پوچھ لو۔ وہ کب تک آ سکتا ہے تا کہ پھر دعوت کا دن مقرر کیا جائے۔

بہتر اماں جان ابھی معلوم کیے لیتا ہوں۔ ارمغان فون کی سمت بڑھے۔

تم لکھ ڈالو اب نام۔ ایک گھنٹے سے بیٹھے ہیں کام ایک دھیلے کا نہیں کیا۔ دیکھ لو۔ عابدہ بیگم بہوؤں سے مخاطب ہوئیں۔

چ۔ کتنا دل لگتا ہے ان کی نوک جھونک میں۔ ربیعہ ہنسیں۔

اماں جان گوشت میں کیا ڈالیں نغمہ کو یکدم یاد آیا۔

بھنگڑا۔ فاروق نے بات اچکی۔

ارے فاروق۔ اللہ کے واسطے، کام کر لے بیٹے۔ عابدہ بیگم نے سر تھام لیا۔

نام تو میں لکھ چکا ہوں۔ آپ سنیئے ناں۔ اس نے سنجیدگی سے نام پڑھنا شروع کیے۔

پپا۔

جی پپا کی جان۔ انہوں نے بشریٰ کی سمت دیکھتے ہوئے محبت کی معراج محسوس کی۔

اگر عمر بھائی اور گڑیا نہیں آتے تو ممی کو ہی بلا لیں۔ وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

پپا

جی۔ان کا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔

پپا کیا ممی بھی کھو گئی ہیں۔

(ہاں۔وہ میرے ماضی میں کھو گئی ہیں) شاید وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئے۔

آپ انہیں ڈھونڈیے ناں وہ مصر ہوا۔

اگر اس کا پرس پھر ٹرین سے باہر گر گیا ان کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

تو کوئی بات نہیں۔اس مرتبہ میں ٹرین سے نہیں اُتروں گا۔ممی سے سوری کہہ دوں گا۔

بشر انتہائی معصومیت سے بولا۔

ولایت علی شاہ نے اسے کھینچ کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ان کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا۔(کاش میرا قلب اعلی و اسفل کی تمیز سے نا آشنا ہوتا۔تمہارے دل کی طرح)

کس قدر معصوم ہو تم میرے بیٹے اتنا بڑا دل کہاں سے لاؤں وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

کیا دل بھی کہیں سے لاتے ہیں بشر کی معصومیت کو حیرانی نے چار چاند لگا دیے۔

ہاں۔دل عرش کی بلندیوں پہ ملتے ہیں اور ہم میں سے اکثر انسانوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔

پپا میاں صاحب بتا رہے تھے عرش تو اللہ تعالی کا تخت ہے۔

(اور تخت بخت سے ملتے ہیں) تمہیں یاد رہا بیٹے وہ حیران ہوئے۔

مجھے میاں صاحب کی ہر بات یاد ہے۔اس نے وثوق سے کہا۔

پپا میاں صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں

وہ آسمانی باتیں کرتے ہیں۔وہ بیساختہ بولے۔

پپا کیا آسمانی باتیں بھی ہوتی ہیں وہ اُلجھا۔

ہاں بیٹے جن لوگوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ان کا راستہ صراط مستقیم کر دیتا ہے اور انہیں خود سے انٹر ڈیوس کرا دیتا ہے۔پھر وہ ایسی باتیں کرتے ہیں حکیمانہ اور محبت آمیز۔

وہ جیسے خود کلامی کے عادی ہو رہے تھے۔اور یہی آسمانی باتیں ہوتی ہیں۔

پپا

جی۔

پپا کیا میاں صاحب نے اللہ میاں کو دیکھا ہے وہ بہت مدبرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

جو خود کو پہچان لیتا ہے وہ اللہ کو پہچان لیتا ہے۔اللہ کو دیکھنا یہی ہے بیٹے

اور خود کو کیسے پہچانتے ہیں اس کے ذہن میں نیا سوال اُبھرا۔

قربانیاں دے کر۔دوسروں کے کام آ کر۔دکھوں میں صبر کر کے۔دشمن کو معاف کر کے۔

تو پھر آپ ممی کو معاف کر دیں۔بشر نے باپ کی بات کاٹی۔

ولایت علی شاہ کے ذہن و جسم کو زور کا جھٹکا لگا۔

انہوں نے بوکھلا کر بشر کی شکل دیکھی۔

کیا مطلب

آپ ممی سے ناراض ہیں ناں۔

کون کہتا ہے وہ ایک دم گھبرا گئے۔

میں نے آپ کی آواز سُنی تھی۔ آپ ممی کو ڈانٹ رہے تھے۔ جب کوئی ناراض ہوتا ہے پھر ہی ڈانٹتا ہے۔ بشر نے فلسفہ بگھارا۔

ولایت علی شاہ نے ایک گہری سانس لی۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا جو میرے بچوں کا دشمن ہے۔ وہ میرا ابھی بدترین دشمن ہے۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔ میں ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ اللہ نے مجھے قصاص کا حق دیا ہے۔ وہ جیسے خود سے نبرد آزما ہوئے۔

قصاص۔ عضو کے بدلے عضو۔ مال کے بدلے مال۔ عورت کے بدلے عورت اور جان کے بدلے جان۔ وہ خود کو مطمئن کر رہے تھے۔

کیا آپ میاں صاحب جیسے نہیں بنیں گے بشر گویا ہوا۔

ولایت علی شاہ نے جھک کر اس کا منہ چوم لیا۔ (مٹی کی زرخیز کا فرق ہے شاید)

کہاں سے سیکھ لی ہیں تم نے، اتنی بڑی بڑی باتیں

شاید میاں صاحب سے۔ بشر نے جانا جواب دینا لازمی ہے۔

ولایت علی شاہ نے ایک بار پھر اس کا منہ چوم لیا۔ خدا کرے میرا بیٹا بہت بڑا انسان بنے۔ اور ہاں۔ وہ صبح تمہاری عائشہ آنٹی کا فون آیا تھا۔ کیا کہہ رہی تھیں انہیں یکدم یاد آیا۔

کچھ نہیں۔ پوچھ رہی تھیں کہ میں کیسا ہوں آپ کیسے ہیں

پپا معاً اسے کچھ یاد آیا اور ان کی آغوش سے پھسل کر ان کے مقابل بیٹھ گیا۔

ایک بات بتاؤں پلیز پرامس کیجیے۔ آپ عائشہ آنٹی کو ڈانٹیں گے تو نہیں

نہیں۔ ولایت علی کو عجیب سا خدشہ لاحق ہوا۔ کیا بات ہے

عائشہ آنٹی کہہ رہی تھیں۔ آپ نے ممی کو نکال دیا ہے گھر سے۔ میں نے کہا نکالا نہیں ہے۔ بلکہ خود ڈراپ کر کے آئے ہیں۔ ٹھیک کہا ناں پپا

ولایت علی شاہ دم بخود سے خاموش بیٹھے رہے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ بشر سب جانتا ہے۔ اپنے طور پر تو انہوں نے نہایت رازداری سے کام کیے تھے۔

عائشہ آنٹی نے مجھے منع کیا تھا کہ آپ کو نہ بتاؤں ورنہ آپ اُن سے ناراض ہو جائیں گے۔ ویسے پپا عائشہ آنٹی مجھے بتاتیں تھوڑا ہی۔ وہ تو میں رو رہا تھا ناں اس لیے بتا دیا۔ بشر نے نہایت ذہانت سے پھوپھی کا دفاع کیا۔

ہوں۔ ولایت علی شاہ گہری سوچ میں گم تھے۔

پپا

جی بیٹا

آپ ناراض تو نہیں ہیں بشر ولایت علی شاہ کی گہری خاموشی سے گھبرا گیا۔

نہیں میری جان۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ انہوں نے شفقت سے بیٹے کو دیکھا۔

پپا چلیں میاں صاحب کے لے آئیں۔ گرمی بھی ہو رہی ہے ناں۔ ہم میاں صاحب کو اپنے بیڈروم میں سلائیں گے۔ ہمارے بیڈروم میں تو اے سی ہے ناں۔ میاں صاحب کو گرمی لگتی ہوگی۔

بہت خیال ہے تمہیں میاں صاحب کا وہ شفقت سے مسکرائے۔

جی پپا۔ پپا آپ میاں صاحب کو کب لائیں گے وہ پوچھ رہا تھا۔

ابھی چلتے ہیں وہ جانے کیا سوچ کر ایک دم تیار ہو گئے۔

ابھی۔ بشر مارے خوشی کے کھڑا ہو گیا۔

محمود کو بلاؤ۔ انہوں نے ملازم کو بلوایا۔

بشر تیزی سے باہر بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر میں محمود کے ہمراہ داخل ہوا۔

دیکھو محمود ہم کہیں جا رہے ہیں۔ بٹلر سے کہنا کہ بہت اچھا سا کھانا پکائے۔ کیونکہ میاں صاحب کے گھر میں بٹلر نہیں ہے۔ بشر نے حکم صادر کیا۔ ولایت علی شاہ مسکرا دیے۔

جاؤ بیٹا تم لباس تبدیل کرو۔ میں بھی تیار ہوتا ہوں۔

او کے۔ پپا بشر خوشی سے اچھلتا کودتا باہر بھاگ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں باپ بیٹے۔ وہائٹ اکورڈ میں طوالت سے پر راستے طے کر رہے تھے۔

پپا میں میاں صاحب سے کہوں گا کہ وہ اللہ میاں سے کہیں کہ عمر بھائی اور گڑیا کو گھر بھیج دے۔ ٹھیک ہے ناں پپا

بالکل ٹھیک ہے۔ غم کی ایک لہر ان کے استخوان کو رگیدتی ہوئی گزر گئی۔

پپا کیا عمر بھائی کھانا کھاتے ہوں گے۔

ہاں میرے بیٹے اللہ سب کا رزاق ہے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

بشر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نیند سے جھومنا شروع کر دیا۔

بیٹے آپ پیچھے جا کر لیٹ جائیں۔ انہوں نے ہدایت کی۔

پپا جب میاں صاحب کا گھر آئے تو آپ مجھے اٹھا دیجیے گا۔ اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر تلقین کی۔ میں ان کو فوراً دیکھنا چاہتا ہوں۔

او کے بیٹا۔

پپا آپ کو نیند تو نہیں آ رہی اسے معاً باپ کا خیال آیا۔

نہیں۔ انہوں نے مختصراً جواب دیا۔

پپا۔ جب میں بڑا ہو جاؤں گا ناں تو گاڑی ڈرائیو کیا کروں گا۔ پھر آپ بیک سیٹ پر جا کر سو جایا کیجیے گا۔

او کے۔

او کے میری جان۔ انہیں اپنے معصوم بیٹے پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔ انہوں نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ وہ پیچھے جا کر سو گیا۔

وہ شام چار بجے کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ اور تقریباً رات گیارہ بجے کے قریب گوٹھ پہنچے۔

انہوں نے میاں صاحب کے کچے مکان کے قریب گاڑی روکی تو بیچارہ کتے بھونکتے ہوئے آموجود ہوئے۔ ان آوازوں سے بشر جاگ گیا۔

پپا کیا میاں صاحب کا گھر آ گیا

آ گیا بیٹے۔

اسی دم میاں صاحب لالٹین کی لو بڑھاتے ہوئے اپنے برآمدے میں نظر آئے۔

کون مہربان ہے ان کی کمزور آواز ابھری۔

میں ہوں آپ کا خادم، ولایت علی شاہ۔ السلام علیکم۔

وعلیکم السلام۔ اللہ کی رحمتیں ہوں تم پر۔ ان کی آواز میں خوشی کی لہریں تھیں۔

بشر جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

السلام علیکم میاں صاحب وہ بے تکلفی سے ان سے لپٹ گیا۔

میاں صاحب نے لالٹین زمین پر رکھ دی۔ خوش بخت روح کو میرا مہمان کیا ہے۔ اے میرے اللہ میں تیرا شکر کیونکر ادا کروں۔ وعلیکم السلام۔ اے نئی امید۔ وعلیکم السلام۔ وہ بیٹھ گئے۔ بشر کو سینے سے لگا لیا۔

میاں صاحب میں آپ کو اتنا سارا یاد کر رہا تھا۔ میں نے پپا سے کہا۔ پپا مجھے آپ کے پاس لے آئے۔

تیری مہربانی ہے میرے دوست اور تیرے باپ کی بھی۔ وہ گویا ہوئے۔

ولایت علی شاہ نے ایک بڑا سا بیگ گاڑی سے نکال کر گاڑی لاک کی۔ میاں صاحب انہیں اندر لے آئے۔ ایک چارپائی کمرے میں بچھی ہوئی تھی۔ اور زمین پر ایک بہت پرانی اور بوسیدہ چٹائی تھی۔ نزدیک ہی دو ایک برتن پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ میاں صاحب نے مچھر بھگانے کے لیے اپلے سلگا رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا۔

ولایت علی چارپائی پر بیٹھو۔ میاں صاحب نے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے ولایت علی شاہ کو ٹوکا۔

میں ٹھیک ہوں۔ میاں صاحب

ولایت علی شاہ نے بیساختہ ان کے ہاتھ تھام لیے۔ میاں صاحب آپ کی محبت کافی ہے۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔

پپا آپ میاں صاحب کا کہنا مانیے۔ آپ ہی تو کہتے ہیں۔ بڑوں کو کہنا ماننا چاہیے۔ میں آپ کا کہنا مانتا ہوں۔۔۔ آپ میاں صاحب کا کہنا مانیے۔ بشر نے انتہائی معصوم انداز میں باپ کو ٹوکا۔

میاں صاحب نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کتنے خوش نصیب ہو۔ ولایت علی شاہ کتنا

خوبصورت تحفہ اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ نیکی بن کر اس کے دل و دماغ پر نقش ہو جاؤ۔ یہ تمہارا احسان مند ہوگا۔ کیسا آئینہ جیسا دماغ ہے۔ ماشاءاللہ ایک بار جو کہہ دیتے ہو۔ اس کے ذہن پر مستقل عکس بن جاتا ہے۔ انہوں نے بشر کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔ اس کی پیشانی چوم لی۔

ماشاءاللہ۔ مگر یاد رہے میرے دو تحفے میری آنکھوں سے دور ہو کر میرے دل و دماغ کا ناسور بن چکے

ہیں۔ ولایت علی شاہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

مجھے تمہارا دکھ حفظ ہے ولایت علی شاہ۔ میں مایوس نہیں ہوں۔ ان معصوموں پر پہلا حق اللہ کا ہے وہ پہلے اس کا خیال ہوئے۔۔۔۔ اور بعد میں تمہاری خوشی۔ اللہ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ مایوسی کفر ہے۔

میں مر رہا تھا۔ میاں صاحب زندہ ہونے آیا ہوں۔ آپ کی باتیں مجھے حوصلہ مند بنا دیتی ہیں۔ میرے گرتے وجود کی عمارت کو سہارا دیتی ہیں۔

میں اللہ کا شکر ہزار زندگیوں میں بھی ادا نہیں کر سکتا۔ میاں صاحب ایک سمت بڑھے۔

کھانا تو نہیں کھایا ہوگا تم نے

کھانا میں ساتھ لایا ہوں۔ بشر کو شام کی چائے کے ساتھ کچھ کھلا پلا دیا تھا۔ پھر یہ سو گیا تھا۔

یہ شرمندہ کرنے کا کون سا انداز ہے ولایت علی

خدا نہ کرے میں نے یہ سب اس خیال سے کیا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

تکلیف کیسی ولایت علی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔

پھر بھی میاں صاحب طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔ میں آپ کا ہوں میاں صاحب یہ گھر میرا بھی ہے۔ یہ تکلفات ہمارے درمیان فاصلے پیدا کر دیں گے۔

میں کھانا لایا ہوں اور بہت اچھا سوپ بھی اور خالص شہد بھی۔ آپ مجھے جگہ بتا دیجیئے جہاں میں کھانا گرم کر سکوں۔ پھر ہم مل کر کھائیں گے۔

تمہاری خوشی ولایت علی۔ وگرنہ میری نیت یہ ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔ میں کھانا کھا چکا ہوں۔

اگر اور کھا لیا تو جائے نماز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکوں گا۔ صبح ناشتے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ انشاءاللہ۔ لاؤ میں تمہارا کھانا گرم کر دوں۔

مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔ وہ جگہ بتا دیجیے میں خود گرم کر لوں گا۔ ولایت علی شاہ شرمندہ سے ہوئے۔

آؤ میرے ساتھ۔ وہ انہیں لے کر برآمدے میں چلے آئے۔ اور اس کونے کی سمت بڑھے۔

اس طرف چولہا ہے۔ لکڑیاں اور کانٹے بھی ہیں۔ اپنے کرتے سے ماچس نکال کر ان کی

سمت بڑھائی۔ یہ مٹی کے تیل کا لیمپ رکھا ہے اسے روشن کر لو۔

ولایت علی شاہ کے ذہن پر ایک ضرب سی لگی۔ (روشن کتنا اندھیرا کلام تم میں)

عشاء کی نماز پڑھ کر میں تو ذرا فاصلے پر اپنی کٹیا میں چلا جاتا ہوں۔ آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے چلا نہیں جاتا۔ ورنہ فجر تک وہیں رہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں گوٹھ والے آدھی رات کو پانی لگانے اُٹھتے ہیں۔ تو چہل پہل سی ہو جاتی ہے۔ کتے بھونکتے ہیں۔ جانور ڈکراتے ہیں۔ یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ مزہ نہیں آتا۔ اعصاب بالکل کمزور ہو چکے ہیں ناں۔ بڑھاپے کی آخری منزل ہے۔

ووالی میاں صاحب آپ نے

ہاں لے رہا ہوں۔ پانی سے نقصان ہوتا ہے۔ آج کل تیمم سے نماز پڑھتا ہوں۔

خدا آپ کو صحت دے۔ میاں صاحب ہم خود غرجوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔

خوش رہو۔ میاں صاحب مسکرائے۔

میں اندر بشر سے باتیں کرتا ہوں۔ تم کھانا گرم کرو۔ برتن اندر ہی ہیں۔ وہ دوبارہ اندر کی سمت بڑھ گئے۔

میں بہت خوش ہوں میرے گھر میں بشر آیا ہے۔ وہ کہتے ہوئے جا رہے تھے۔

ولایت علی شاہ نے چولہے میں کانٹے لگانے شروع کر دیے۔ بڑی مشکل سے آگ جلائی۔ دیر تک خشک کانٹوں سے چڑ چڑ کی آوازوں کے ساتھ اٹھنے والے شعلوں کو بغور دیکھتے رہے۔ آگ ذرا دھیمی پڑی تو انہوں نے کھانا گرم کرنا شروع کیا۔

وہ جانے کتنے عرصے بعد اپنے ہاتھ سے کام کر رہے تھے۔ وہ بھی اتنی مشکلات سے گزر کر۔ معاً انہوں نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔

یہی جانا کہ دیہاتی کوئی گھر کو لوٹا ہوگا۔

اس لیے گردن موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

اس چھوٹے سے برآمدے اور گلی کی درمیان کوئی آڑ نہیں تھی۔ ایک ستون پر اس برآمدے کی چھت پر قائم تھی۔ بائیں کونے میں ایک دیوار کی آڑ بنا کر باورچی خانہ بنایا ہوا تھا۔ وہ اسی آڑ میں تھے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز میاں صاحب کے دروازے کے نزدیک آ کر بند ہو گی۔

نبی بخش یہی گھر ہے نا میاں صاحب کا

ہاں سائیں یہی گھر ہے۔

ویسے میں ایک بار آ چکا ہوں۔ یہ غلام محمد کی آواز تھی۔ جس کو ولایت علی شاہ لاکھوں میں پہچان سکتے تھے۔

اچھا سائیں پر کیوں نبی بخش کا لہجہ سوالیہ تھا۔

ایک بہت ضروری کام سے۔ غلام محمد کی آواز اس بار دھیمی تھی۔

ولایت علی شاہ نے برتن چولہے سے اتار دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

نبی بخش یہ نیم کے نیچے سفید موٹر کھڑی ہے۔ یہ موٹر تو مجھے شاہ صاحب کی دکھائی پڑتی ہے۔ غلام محمد کی آواز میں ایک عجیب سا خوف واضح تھا۔

پر غلام محمد۔ شاہ سائیں کا ادھر کیا کام نبی بخش حیران ہوا۔

غلام محمد جلدی سے تانگے پر سوار ہوا اور تانگہ واپس موڑ دو۔ خدا کے لیے جلدی کرو۔

ولایت علی شاہ آڑ سے نکل کر آئے تھے اور انہوں نے یہ نسوانی آواز بھی سُن لی تھی۔

پھر انہوں نے سیاہ چادر میں لپٹی روشن کو تانگے کے پچھلے حصے میں بڑی عجلت کے ساتھ سوار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

ولایت علی شاہ کا خون کھول کر جیسے شریانوں سے اُبلنے کو بیتاب ہونے لگا۔

یہ ان کا سب سے لائق اعتبار، جانثار، سیدھا سادھا ملازم، ان کی زندگی کے اہم ترین دور میں یوں بدلے گا۔ جس کی ذات پر ایک دو نہیں بلکہ کئی احسانات کا بوجھ ہے۔ صرف ان ہی کے نہیں بلکہ ان کے باپ بھی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی غلام محمد۔

کہیں اس سارے کھیل میں غلام محمد کا تو کوئی کردار نہیں ورنہ کون اس طرح راتوں کو کسی کی خاطر خوار ہوتا پھرتا ہے شک کا ناگن ان کے ذہن میں کیا کلبلایا ان کا سکون و قرار نئے سرے سے لٹ گیا۔

جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت گاڑی میں بیٹھیں اور پیچھا کریں اور چمڑے کے ہنٹر سے ان کا چمڑا ادھیڑ ڈالیں کسی بھوک کہاں کی پیاس وہ تمام اشیاء اٹھا کر اندر کمرے میں لے تو آئے مگر چکھنے کو بھی جی نہ چاہا۔

نسبتاً ہلکی قسم کی غذا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بشر کو کھلائی۔ اس دوران میاں صاحب نوافل و تسبیح میں مصروف رہے۔

چپا۔ آپ بھی تو کھایئے ناں۔

مجھے بھوک نہیں ہے بیٹے۔ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پا کر کہا۔ ورنہ ان کی حالت تو یہ ہو رہی تھی کہ ہر شے کو آگ لگا کر بھسم کر دینے کو جی چاہنے لگا تھا۔

دھوکا۔

ایک بدصورت فعل کا بدہیت نام۔

عہد وفاداری میں ہو یا محبت میں۔ غلامی میں ہو خودمختاری میں۔

انسانی اعصاب پر چیونٹیوں کی مانند چمٹ جاتا ہے۔

جس کے بعد انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا وجود کائنات سے کٹ گیا ہو۔ وہ خود کو اتنا خالی محسوس کرتا ہے اور اتنا تنہا کہ اسے پوری دنیا فریب کا جال نظر آنے لگتی ہے۔

ولایت علی شاہ خود پر ظلم نہ کرو۔ کچھ کھا لو۔ اتنی دیر تک موٹر چلائی۔ تھکن اور بھوک نڈھال کر دے گی تمہیں۔

میاں صاحب سلام پھیر کر ان کی جانب متوجہ تھے۔

مجھے خواہش نہیں ہے میاں صاحب وہ بمشکل گویا ہوئے۔

بعض اوقات ایک ہی انسان کی ذات میں خواہش تقسیم ہو جاتی ہے۔ پیٹ کی خواہش، دل کی خواہش۔ دماغ کی خواہش۔ ولایت علی شاہ۔ انسان زیادہ دیر منقسم رہے تو سمٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سمیٹو اور کفران نعمت نہ کرو۔

ولایت علی شاہ نے چونک کر میاں صاحب کی شکل دیکھی۔

جی۔۔بہتر۔۔۔انہوں نے کھانا طوعاً کرہاً کھانا شروع کر دیا۔

ہم انسان اندر سے اتنے منقسم ہیں ولایت علی شاہ۔ ہماری جنگیں ہمارا ذہنی بخار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اپنی ذات کے پاتال میں اترنے کو تیار نہیں۔ جسے اپنی ہی خبر نہیں وہ دوسرے کے بارے میں وثوق سے بات کیسے کر لیتا ہے تعجب ہے۔ اپنے آپ کو تقسیم ہونے سے بچاتے رہو ولایت علی شاہ۔ سراغ ڈھونڈو گے تو ملے گا۔ مال کا نقصان، جان کا نقصان، عزیز پیارے کا نقصان۔ یہ کوئی نقصان نہیں ہیں۔ اصل نقصان تو اپنی ذات کا تقسیم ہے۔ بیٹکل۔ بلا ارادہ کسی خودساختہ معیار تک پہنچنے کی تگ ودو۔

ہماری آج کی پریشانی ہماری پچھلی غفلت کی چغلی کھاتی ہے۔

ہمارا آج کا پچھتاوا۔ ہمارے ماضی کی کسی خود فریبی کا اعلان ہے۔

سچ کہا میاں صاحب آپ نے۔ ولایت علی شاہ نے بیساختہ کہا۔

مگر میاں صاحب۔۔۔

کہو ولایت علی۔۔۔

ذات کی تقسیم یوں بھی تو ہوتی ہے کہ ایک انسان بیک وقت اپنی کسی ضروری خواہش کی تکمیل، حقوق العباد اور کار منصبی میں تقسیم ہوتا ہے۔

یہ ذات کی تقسیم نہیں۔ زنجیر ذات کی کڑیاں ہیں۔ ان میں تسلسل ہے۔ قوت ارتکاز ہے۔ آگہی ہے۔ اپنی ذات کے ہونے کا احساس ہے۔ اپنی موجودگی کا پتا ہے۔ ذات کی تقسیم۔۔۔کچھ اس طرح ہوتی ہے۔ اور جو سراسر بے ترتیب ہوتی ہے۔

مجھے کن لوگوں سے نفرت کرنا ہے۔ ان کی فہرست میرے پاس نہیں۔ اپنے دشمن سے مجھے بدلہ لینا ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا شعور نہیں کہ اس کو دشمن بنانے میں میرا اپنا کیا کردار ہے۔ میری غفلت والاعلمی کا کتنا حصہ ہے۔ اور یہ کہ بدلہ لینے کے بعد میرا نقصان پورا ہو رہا ہے یا نہیں۔

اگر نقصان پورا ہو رہا ہے تو کتنا۔

انتقام کی آگ ہمارے آج کو ہڑپ کر لیتی ہے۔ ہم کتنے ہی زمانے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایک زمانہ ہم میں ٹھہر جاتا ہے اور اس زمانے میں ہم۔

ہماری قیمتی قوت تقسیم در تقسیم کے مرحلوں سے گزرتی رہتی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ مادے کا مرکزہ تک تقسیم ہو جاتا ہے اور سائنس اور ذات کو پتا تک نہیں چلتا۔ یہ خوامخواہ کی بے فائدہ تقسیم ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی پانی پر نقش بنانے کی کوشش کرے اور پھر

کچھ بھی حاصل نہ آئے۔

ہم اللہ اور مذہب کا شعور اس لیے نہیں رکھتے کہ ہم نے اپنی فکری قوت کو جو اصل میں قوت حیات ہے۔ بے ترتیب تقسیم کر رکھا ہے۔ اس بے ترتیب تقسیم کے ساتھ کوئی بھی انسان خود کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب انسان خود کو نہیں پہچانے گا، نہ اسے اللہ کی پہچان ہوگی نہ مذہب کے فلسفے کا ادراک

ذات میں تسلسل کا نظام ہے تو ٹھیک ہے ورنہ بے ترتیبی۔۔ اسے حرف غلط کی طرح مٹا دے گی۔ تقسیم اور تسلسل کے فرق کو جان لو ولایت علی شاہ۔

میاں صاحب

ہوں۔

شدید انتقام کے جذبے کے تحت اور دشمنی کی وجہ سے بھی تو انسان اپنی تمام تر قوت کو ایک نکتے پر مرتکز کر لیتا ہے اس ارتکاز کی کیا وضاحت ہے۔

ولایت علی شاہ نے کھانے کے برتن ڈھانپ دیے تھے اور دستر کو اپنے بازو۔۔ میں سمیٹ لیا تھا۔

میاں صاحب نے ان کے ذہنی ہیجان کو ختم کر کے ایک دوزخ سے انہیں نکالا تھا مگر شاید ابھی کچھ انگارے سلگ رہے تھے۔ اس کا مظہر ان کا پُر شوق انداز میں پوچھا گیا سوال تھا۔

پانی پیو ولایت علی۔ میاں صاحب نے ایک صاف ستھرے گلاس میں انہیں پانی دیا۔

جزاک اللہ میاں صاحب ولایت علی شاہ نے کہا۔

الحمد للہ رب العالمین۔ ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے۔ جو سراسر جمال ہے۔ جو شے جتنی پُر جمال ہوتی ہے اس میں اتنی ہی جاذبیت ہوتی ہے۔ اللہ کا جاذبیت یوں محسوس کرو کہ وہ مکمل جمال ہے۔ ہر عیب و نقص سے پاک صاحب جمال جلال و کمال۔ ہم اصل میں ارتکاز کے معنی ہی سے ناواقف ہیں ولایت علی۔ اگر ہم ایک سیکنڈ کے لیے بھی کسی نکتے پر مرتکز ہو جائیں تو شعور پر چھائے یہ دھوئیں کے بادل پل میں چھٹ جائیں۔ کسی سمت زیادہ توجہ کر لیتے ہیں کسی سمت کم۔۔ جب زیادہ توجہ کرتے ہیں تو اسے ارتکاز کا نام دیتے ہیں۔

جب کہ ہر گھڑی ہمارا یہ حال ہے کہ ہماری سماعت کسی آواز کی سمت، نظر کسی اشارے یا منظر کی طرف اور ذہن ماضی کی کسی گرہ میں اٹکا ہوا۔ اس پر مستزاد خواہش کی حصوں میں منقسم۔

اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو کسی سے زیادہ تر اس جانب سوچتے ہو۔ اسے ارتکاز نہیں کہتے۔ نسبتاً زیادہ توجہ کہتے ہیں۔

یعنی ایک ایسے نکتے پر تم اپنی قوت حیات زیادہ خرچ کر رہے ہو۔ باقی سمت بچی کھچی۔ اور یہ سب لاعلمی کے سبب ہو رہا ہے۔ یعنی اپنے آپ سے لاعلمی کے سبب۔

ہماری ساری پریشانیاں جو بنیادی اور بڑی ہوتی ہیں ہماری لاعلمی کی کوکھ میں پلتی ہیں۔

انصاف تو یہ ہے کہ پہلے اپنے آپ کو چھان پھٹک لیا جائے۔ بعد میں دوسرے کو چھاننے کی کوشش کی جائے۔

بجا فرمایا۔ ولایت علی شاہ نے ایک گہری سانس لی۔

ولایت علی۔ بشر سو چکا ہے۔ دیکھو یہ پلنگ باہر لے چلو۔ ولایت علی میری آج کی میزبانی تمہاری طبع نازک کی آزمائش ہی سہی۔

آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں میاں صاحب۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ میں آپ کے قریب ہوں۔ ولایت علی شاہ شرمندہ سے نظر آئے۔

یہ تمہاری سعادت مندی اور فطرت کی خوبی ہے۔ اگر اس حادثے سے پہلے بھی تم ایسی ہی طبع کے مالک تھے تو میرا یقین ہے تمہاری آزمائش لمبی نہیں ہوگی۔ انشا اللہ۔

یہ تمہارے ماں باپ کی کوئی نیکی ہے کہ اتنی دولت نے تمہارا ذہنی توازن نہیں بگاڑا۔ دولت بڑی آزمائش ہوتی ہے ولایت علی شاہ۔ اللہ کبھی دے کر آزماتا ہے اور کبھی لے کر۔ میاں صاحب آہستگی سے گویا ہوئے۔

ولایت علی شاہ پلنگ اٹھا کر باہر لے گئے۔ میاں صاحب نے ایک چادر دی اور ایک صاف ستھرا تکیہ۔ بستر کرنے کے بعد انہوں نے چٹائی پر سوئے ہوئے بشر کو آہستگی سے اٹھا کر باہر پلنگ پر لٹا دیا۔ پھر وضو کر کے برآمدے میں عشاء کی نماز ادا کرنے لگے۔

میاں صاحب ہزاری تسبیح لے کر وہیں آبیٹھے۔ ایک نظر اُٹھا کر ولایت علی شاہ کو بغور دیکھا۔ ٹخنوں سے اونچی شلوار، سر پر سفید جالی کی ٹوپی۔ دھیرے دھیرے ہلتے لب۔ میاں صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

جب مجھے اتنے اچھے لگ رہے ہو تو اللہ کو کتنے اچھے لگ رہے ہو گے۔ تمہارا انہماک اور لگاؤ اس وقت قابل دید ہے۔ اللہ تم پر مہربان ہو۔

نماز سے فارغ ہوئی اور میاں صاحب کو مصروف دیکھ کر وہ اپنے پلنگ کی سمت بڑھے۔

ولایت علی شاہ۔ ایک بات کہوں۔

ارشاد میں صاحب۔

تم ہمارے اپنے ہو۔ وہ محبت سے مسکرائے۔

ولایت علی شاہ کے لبوں پر تشکرانہ آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اگر میاں صاحب آپ نہ ہوتے تو آج تو روشن کا کیا حشر ہوتا۔

میں زندگی کے نہ جانے کتنے سنگ میل لڑھکا کر کس انجانے مقام پر جا کھڑا ہوتا۔

میرا وجود شعلوں کی زد میں تھا۔ آپ نے پھولوں پر لا ڈالا۔

تم مقدر کی کتنی دھنی ہو روشن۔

لیکن میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ یہ بھی طے ہے۔

انہوں نے بشر کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا اور اس کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے کچھ سوچنے لگے۔

پہلے پہل تو وہ اس کے اُٹھنے کے بعد ہی اٹھتی تھی لیکن آج کل اس پر نیا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ وہ اس سے پہلے بیدار ہوتی تھی۔ نیچے جا کر پودوں کو پانی دیتی تھی۔ جب وہ مسجد سے

واپس آتا تو وہ سحر کی نوخیز روشنی میں جائے نماز پر بیٹھی ملتی۔ اس سے مخاطب ہوئے بغیر وہ سیدھا زینے چڑھنے لگتا۔

یہ تبدیلی۔۔ کیا میری توجہ کے لیے۔ کاش تم بےغرض عبادت کرو۔ مجھے فراموش کر کے۔ یہیں تو ہوں تمہارے پاس۔ کیوں دھڑکے تم نے دھڑکنوں میں پرو لیے ہیں۔ شاخ کی طرح توڑ کر اپنے دل کے آتش دان میں تو دبے بیٹھی ہو۔ راکھ تو ہو رہا ہوں۔ اب کیوں مجھے۔ وہ انتہائی آزردگی سے سوچتا تھا۔

ان کے مابین گفتگو انتہائی ضرورت کے تحت ہی ہوتی تھی۔ وہ تو اس کی موجودگی میں اس کے چہرے کی سمت بھی نہیں دیکھتا تھا اور نہ اس کو یہ یاد رہتا تھا کہ وہ کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

ہر صورت تمہاری تسکین ہوئی ہے شاطر لڑکی۔ میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ یہ سوچ اس کے اندر راسخ ہو چکی تھی۔ آج کل تو ویسے بھی اس کی مصروفیات بہت بڑھ چکی تھیں۔ ٹی وی پر پوری سہ ماہی کا ایک پروگرام ملا ہوا تھا۔

پھر رات کو فلم اسٹوڈیوز میں ریکارڈنگ یا ریہرسل۔ پھر اپنی پسندیدہ جاب۔

جس روز رات کو دیر تک باہر رہنے کا سلسلہ ہوتا وہ ایک چٹ پر اسٹوڈیو کا نام، فلور کا نمبر، متعلقہ ڈائریکٹر یا موسیقار کا فون نمبر لکھ کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

اگر اب بھی غیر مطمئن ہو تو لاعلاج ہو۔ دیکھنا چاہو تو کبھی بھی۔ مگر نہیں دریہ تم کبھی بھول کر بھی اسٹوڈیو کی سمت نہ آنا۔ اگر کبھی تم یہ بھی پوچھ گیا تو یاد رکھنا۔

وہ خاموش ہو گیا۔

اور یوں بھی میں کونسا تمہارے حقوق پورے کر رہا ہوں۔ تمہیں میرا پیچھا کرنے، میری مصروفیات میں دلچسپی لینے سے تو کچھ ملے گا نہیں۔ خود ہی کہو کیا ملے گا

یہ جملے اس نے پہلی مرتبہ چٹ کے ساتھ اس کی سماعت کو منتقل کیے تھے۔

اتنے بے رحم ہو طارق۔ اس کے منہ سے بیساختہ مارے دکھ کے نکل گیا تھا۔

لیکن تم سے کم۔ وہ سفاکی سے مسکرایا تھا۔

آج بھی اس کی ریکارڈنگ تھی۔ مگر وہ رات کے ایک بجے تک فارغ ہو گیا تھا۔ یہ اتفاق تھا۔ وہ شکر کرتا گھر میں داخل ہوا کہ کل جمعہ ہے مزے سے آرام کرے گا۔

مگر اندر نظر ڈالتے ہی ٹھٹھک گیا۔

کالی ساڑھی اور کالے پتھروں کا زیور پہنے دریہ ٹیبل پر رکھے ایک کیک پر موم بتی روشن کر رہی تھی۔ آہستگی سے پلٹی۔ اور اس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔

سالگرہ مبارک ہو۔ وہ حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ وہ اس کے سامنے صرف اردو بولے۔ پہلی ملاقات سے آج تک وہ اس کی ایک ایک بات یاد رکھے ہوئے تھی۔

طارق نے چونک کر اپنی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔۔ 3 مئی۔۔

شکریہ۔ اس نے بےتاثر انداز میں شکریہ ادا کیا۔ دریہ مڑ کر ایک گلاس میں اسکوائش

اندر چلنے لگی۔

طارق نے اس کی پشت دیکھی۔ جس پر ایک بالشت سے بھی کم چوڑی پٹی کی ڈھال تھی اور انتہائی گھبرا گلا۔ آگے اور پیچھے سے۔

دریہ۔۔

جی۔۔

تمہارا کیا خیال ہے جو خواتین برائے نام قسم کا لباس پہنتی ہیں ان کی سائیکالوجی الگ ہوتی ہے داد ری چاہیے تو۔۔ ذہانت، قوت عمل، استقامت، حیا کی لینا چاہیے۔

اُف یہ بیمار لوگوں کا ہجوم جو فیشن کے نام پر عریانی و فحاشی کے وہ مظاہرے کرتے ہیں۔ صعوبتوں اور محنت سے جان چُرا کر فریب میں رہنے والے یہ جہل انگار، ست الوجود، ذہنی طور پر دیوالیہ لوگ۔

اگر ایک عورت خوبصورت جسم کی مالک ہے یا خوبصورت جسم کی مالکہ ہے تو وہ آخر سب سے داد کیوں لینا چاہتی ہے۔ داد حاصل کر کے اسے مل کیا جاتا ہے۔

کم از کم میں اپنی بیوی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس طرح سرعام میری امانت میں خیانت کرے۔ جس کے وجود کو میں نے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اس سے دوسرے لوگ۔۔ تم بخوشی مجھے دقیانوسی کہہ سکتی ہو۔ وہ نزدیک پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہ میری انا کا سوال ہے۔ میرے وقار کا مسئلہ۔ میں کسی سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ تقلید جیسی توہین آمیز عادت کا مالک ہوں۔ لباس باوقار انداز میں پہنا کرو دریہ۔

یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کے نازک مزاج پر یہ بندش بھاری گزری۔

تم مجھے اپنی ذاتیات کے کانٹوں میں کھینچ چکی ہو۔

گویا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ میں آپ کی ذات کا حصہ ہوں۔ دریہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

مجبوری ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

یہ ظالم مجھے مار ڈالے گا۔ میں اس کے گھر کے زنداں میں ایک دن مری ہوئی پائی جاؤں گی۔

آہ۔۔۔ پتھر۔۔ تجھے نہ مان رکھنے آتے ہیں اور نہ دل۔

دن بھر کی محنت کا یہ صلہ۔۔

اس نے دانت پیس کر طارق کا گریبان پکڑ لیا۔ آج وہ اسے نہیں چھوڑے گی۔ پوچھ کر رہے گی۔ کسی پر مر مٹنے کا یہی نتیجہ ہے۔ تُو تو محبت سے بھی نہیں پگھلتا۔ میری انا ریزہ ریزہ تیرے قدموں میں بکھی ہے خود پسند خود غرض انسان۔

طارق ایک دم ٹپٹا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اس نے اپنی سرد نظریں دوڑائیں۔

پھر آنسو۔ وہ مارے کوفت کے زہریلا ہو گیا۔ اس پر مستزاد گریبان تک آ گئی تھی۔

آہستگی سے گریبان پر رکھے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے اور اس کی سمت دیکھ کر مسکرایا۔

کیا چاہتی ہو اس وقت مجھ سے۔

اور دُریہ اس لہجے پر جیسے زندہ دفن ہو گئی۔ اس کی جھکی نظریں نہ اُٹھ سکیں۔ اس نے آہستگی سے اپنے ہاتھ طارق کے ہاتھوں سے آزاد کرائے۔ اتنی توہین۔۔ ایسی ذلت۔۔۔ ایسی رسوائی۔۔۔ اس قدر بے بسی۔۔۔

اس کے نسوانی وقار کی طارق نے کھڑے کھڑے دھجیاں بکھیر دی تھیں۔

وہ جیسے قریب المرگ ہو رہی تھی۔ جاتے جاتے دوبارہ پلٹی۔

طارق۔۔ مت آزماؤ میرے حوصلے۔ شدید محبت کا دوسرا رخ شدید نفرت ہوتا ہے۔ ایسا ڈسوں گی پانی نہ مانگ سکو گے۔

وہ تیز تیز تنفس کے دوران کہتی بے حد خطرناک لگی۔

تمہیں ڈسا جا چکا ہے دُریہ بیگم۔ خوار ہو تم میرے گھر میں۔ وہ پاؤں پٹختا ہوا ڈریسنگ روم کی سمت بڑھا تھا۔ ہونہہ ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔

دریہ نے اپنے زیورات نوچ نوچ کر ڈریسنگ ٹیبل پر اچھالنے شروع کر دیے۔ ساتھ ہی دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

بے حس، پتھر، خود غرض۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

کتنے اہتمام سے، کتنی چاہ سے وہ اس کی سالگرہ منا رہی تھی کہ شاید اس پتھر میں دراڑ پڑ جائے۔

کوئی تو ایسی ادا ہو گی کہ وہ پیا کا دل چھین لے گی۔

کوئی تو واقعہ ایسا ہو گا کہ وہ یار منائے گی۔

کوئی تو بات ایسی ہو گی کہ پیا اسے انگ لگائے گا۔۔ لیکن۔۔۔

ایک بڑا سا سوالیہ نشان ہر بار اس کا منہ چڑاتا تھا۔

طارق نے کمرے میں آ کر اسے روتے دھوتے دیکھا تو نظر چُرالی۔

بعد میں کراچی سے آ کر رو لینا۔ تیاری کر لو صبح کی فلائیٹ ہے۔ فرقان تو ابھی سے سو گیا ہے کہ صبح ہمیں لے کر ایئر پورٹ جائے گا۔

نہیں جا رہی میں کراچی وراچی۔ وہ چیخ کر بولی۔

تمہاری خوشی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر ذرا آہستہ۔۔۔ نازک حلق پھٹ سکتا ہے۔ وہ اسے مزید سلگا گیا۔

میں پاگل ہو جاؤں گی طارق۔ وہ پھر چیخی۔

یہ پیشگی اطلاعات تمہیں کہاں سے ملتی ہیں کیا ساتویں آسمان سے ہاٹ لائن پر رابطہ قائم ہے ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اس کے لبوں پر رقصاں تھی۔

اللہ کرے میں مر ہی جاؤں۔ وہ پاؤں پٹختی باتھ روم کی سمت چلی۔

میں آمین بھی نہیں کہہ سکتا۔تم بُرا مان جاؤ گی۔وہ معصومیت سے بولا۔

جیسے بہت پروا ہے میرے بُرا ماننے کی۔آمین ہی نہیں تم آمین کہیں۔وہ جل کر بولی۔

بہت بہتر۔۔وہ پھر بڑی سادگی سے بولا جیسے انتہائی تابعدار ہو۔

دریہ تیر کی سی تیزی سے اس کے پاس آئی اور اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

آپ پاگل کر دیں گے مجھے طارق۔پاگل کر دیں گے۔

جب تمہیں میرے ارادوں سے آگاہی ہوگئی تھی تو یہ رسک کیوں لیا۔وہ مسکرایا۔بڑی کاٹ دار مسکراہٹ تھی۔

میں آپ کو اتنا شقی نہیں سمجھتی تھی۔وہ اس سے دور ہٹ گئی۔وہ اس کے چوڑے چکلے وجود کے آگے بےبس سی کھڑی تھی۔گھنی مونچھوں تلے مسکراتے لب اس کے اندر الاؤ دہکا رہے تھے۔

آپ کیا چاہتے ہیں طارق۔۔وہ بےبسی سے پوچھ رہی تھی۔

میرے تو تمام اختیارات تم سلب کر چکی ہو۔میرا چاہنا اب کوئی معنی نہیں رکھتا۔وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

یہ چھوٹے موٹے اختیارات میری تسکین نہیں کر سکتے۔وہ وقت جب میرے انتہائی اختیار کی ضرورت تھی نکل گیا ہے۔اب مجھے کتنے ہی اختیار مل جائیں۔میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔تم مجھے بےاختیار ہی سمجھو۔وہ ایک کتاب لے کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

اُف بےاختیاری ہے تو مختاری کیا ہوگی دریہ نے کرب سے ہونٹ کاٹے۔

تم پانی کاٹنے والے غاصب کاشتکار کی طرح ہو جو اپنے علاوہ کسی اور کا کھیت سیراب نہیں ہونے دیتا۔

کس کا پانی کاٹا ہے میں نے، کس کھیت کو پیاسا رکھا ہے۔بتایئے مجھے۔

ہر سوال کا جواب تمہارے پاس ہے۔تم اناڑی اور بیوقوف اداکارہ ہو۔اس نے سائیڈ سے لائٹر اٹھا کر سگریٹ سلگائی۔

آپ میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔سمجھے آپ۔وہ پھنکاری۔

اور تمہارے پاس دوسرے انسانوں کی توہین کرنے کا ٹھیکہ ہے غالباً۔

میں کبھی لوگوں سے اس قدر انوالو نہیں ہوتی کہ اس قسم کے مواقع آئیں۔بند کریں یہ الزام تراشی۔

آج احساس توہین تمہیں ہو ہی گیا ہے تو موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔سنو دریہ بیگم۔تمہاری والدہ محترمہ کے خط اس کے بعد نکاح کے دن تمہارے دروازے پر آتے ہوئے میں اپنے بھائی اپنی اماں کے سامنے جس احساس توہین اور احساس بیچارگی سے گزرا تھا تو تم اس کا پاسنگ بھی نہیں ہو۔ظالم لڑکی۔

میرا آپ کے بھائی کے ساتھ کوئی کمٹ منٹ نہیں تھا۔وہ ٹھوس لہجے میں گویا ہوئی۔

میرے ساتھ تھا طارق نے کتاب سینے پر رکھ کر اسے بغور دیکھا۔

تھا۔۔۔میں آپ کے ملنے جلنے کے انداز سے جو سمجھی تھی وہ غلط بہر حال نہیں تھا۔ وہ برش بالوں میں چلانے لگی۔

یہ تبسم، یہ تکلم میری عادت ہے۔ وہ کتاب دوبارہ دیکھنے لگا۔

کتنے لوگوں کو اُلو بنایا ہے آپ کی اس عادت نے وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

میرے ملنے جلنے والے انتہائی سمجھدار لوگ ہیں۔ نکتہ رس اور صحیح الدماغ۔ وہ اصل بات سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیشتر میرے کلاس فیلوز، میرے محلے میں بسنے والی لڑکیاں، کزنز۔۔۔یہ سب خواتین میرے نزدیک نہایت قابل احترام رہی ہیں۔ خدا کا شکر ہے ان سب کے دماغ درست تھے۔

گویا میرا ہی دماغ خراب ہے۔ وہ مارے غصے کے اسٹول سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

تمہیں بہر حال اپنا چیک اپ کرا لینا چاہیے، کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ مسکرایا۔

دریہ کا جی چاہا بال نوچ کر کپڑے پھاڑ کر کھڑکی سے چھلانگ لگا دے۔

وہ آنکھیں بند کر کے ہونٹ کاٹنے لگی۔ ساتھ ساتھ اپنے تیز تنفس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

معاً طارق کو کچھ یاد آیا۔ اس نے کتاب رکھی اور ٹیلی فون سیٹ اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

ہیلو۔۔۔کون۔۔۔طارق۔۔۔وعلیکم السلام یار۔۔۔کیسے ہو تیاری ہو رہی ہے۔۔۔

چھوڑو یہ تم لوگ اس قدر ندیدوں کی طرح خوشیاں کیوں مناتے ہو۔۔۔ جیسے خدانخواستہ آگے خوشی ہی نہیں ملے گی۔ خوامخواہ کے کھڑاگ پھیلاتے ہو۔

یار۔۔۔ تمہاری دفعہ میں سات عدد ولیمہ پارٹی دیں گے۔ پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں۔ اماں جان کو بلاؤ ذرا۔ انہیں سمجھا دیتا ہوں ساری بات۔

ہیلو۔۔۔اماں جان۔۔۔السلام علیکم۔۔۔جی بس ایمرجنسی ہو گئی ہے اس لیے پارٹی کینسل کر دیجیے۔

ارے۔۔۔رے۔۔۔رے۔۔۔اتنی صلواتیں۔۔۔آپریٹر سن رہا ہوگا۔ کچھ تو خیال کریں۔۔۔اتنی رات کو اس لیے فون کیا ہے ارادہ ابھی بدلا ہے۔ صبح فاروق وغیرہ ایئرپورٹ پہنچتے اور پریشان ہوتے۔

دریہ۔۔۔تیزی سے آگے بڑھی اور ریسیور طارق کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور روئی روئی بھاری آواز میں بولی۔

السلام علیکم پھوپھو۔ ہم آ رہے ہیں صبح، آپ پریشان نہ ہوں۔ مذاق کر رہے تھے۔ یہ عموماً اتنی رات ہی کو مذاق کرتے ہیں۔ دیر سے جو آتے ہیں۔ ہماری سیٹیں بک ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔

کون۔۔۔فاروق وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہوں۔۔۔وہ بھی ٹھیک ہیں۔۔۔خیال رکھنے کی کوشش تو کرتی ہوں۔۔۔اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

یہ کیا تماشا ہے طارق نے کڑے تیور کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

میں انہیں کوفت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے آپ سے زیادہ ان سے تعلق کی فکر ہے۔ وہ چیخ کر بولی۔

اور مڑ گی۔

طارق نے اس کی سیاہ ساڑھی کا آنچل تھام کر کھینچا۔ وہ پلٹ پڑی۔ ساڑھی کا پورا آنچل زمین پر آ گرا۔ وہ ایک قیامت بن کر مڑی تھی۔ مختصر سے بلاؤز سے اس کا چم چم کرتا وجود شعاعیں پھینکنے لگا۔ اس کے وجود کا ہر ہر حصہ اس کے زیر استحقاق تھا مگر اس نے نظر چرا لی جیسے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

بہت سیاست دان ہو۔ مگر بات نہیں بنے گی۔ اس نے کتاب اٹھا کر سامنے کر لی۔

آپ بات بنانے والے کون بات تو اللہ کی رضا سے بنتی ہے۔ وہ تلخی سے کہہ کر مڑی۔

چلو گناہ کے راستے سے گزر کر ہی سہی تمہیں یقین کی دولت تو ملی۔

میں آپ کی طرح نمائشی مسلمان نہیں ہوں۔ وہ طنزیہ مسکرائی۔

مجھے تمہاری گالی سے بالکل رنج نہیں ہوا۔ ہماری نیتوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔

دریہ خاموشی سے باتھ روم میں چلی گی۔ واپس آئی تو لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اور بال گیلے تھے۔ غالباً طارق کے بھڑکائے ہوئے الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

کافی دیر بالوں میں برش چلاتی رہی۔ پھر طارق کے برابر سے تکیہ اٹھا کر قالین پر ڈالا اور لیٹ گی۔

آج یہاں میرے پاس کیوں نہیں۔۔۔ وہ اسے جی بھر کر جلا رہا تھا۔

(میرے پاس۔۔۔ ہونہہ) مرضی میری۔ میں یہاں پر سکون ہوں۔ اس کی آواز بھرا گی۔ (تمہارے پاس سو کر بھی زمین آسمان کے فاصلے بدستور ہیں۔ کیا فائدہ)

گویا بوریا نشین ہو گی ہو وہ چڑا رہا تھا۔

جو چاہیں سمجھ لیں۔ اس کا دل بھر آیا

تم میری منکوحہ ہو۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے حقوق تمہیں حاصل ہیں۔ یہاں کی ہر شے تمہاری ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ لہذا جیسے تمہاری خوشی۔ وہ بڑی سادگی سے بولا۔

قالین پر سو یا بستر پر دونوں ہی تمہارے ہیں۔

دریہ نے اس کی طرف پشت کر لی۔ وہ آہستگی سے رخساروں پر بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔

ہونہہ۔ ہر چیز تمہاری ہے۔ سر پر رکھ کر ناچوں اپنی چیزوں کو۔

معاً اسے یاد آیا صبح جلد بیدار ہوتا ہے۔ اٹھ کر الارم سیٹ کیا۔ لائٹ بجھائی اور آنکھیں موند لیں۔ مشکل سے ڈھائی گھنٹے ہی مل پائے تھے نیند کے۔

نیند کے سبب کچھ آنسوؤں کے سبب آنکھیں کھل کر ہی نہیں دے رہی تھیں۔

طارق بے خبر سو رہا تھا۔

دریہ نے پہلے نیچے فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ اٹھ چکا تھا۔ تب وہ ٹائم پیس اُٹھا کر طارق کے نزدیک آئی اور الارم لگا کر اس کے کان کے پاس رکھ دیا۔ اور خود اپنے کپڑے وارڈروب سے نکال کر باتھ روم چلی گئی۔

واپس آئی تو طارق اُٹھ چکا تھا۔ اس نے توجہ دیے بغیر جائے نماز بچھا کر نماز شروع کر دی۔ نور کے تڑکے جب وہ پلین میں سوار ہوئے اس وقت تک دونوں کے مابین کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

دریہ تمام راستے میگزین دیکھتی رہی اور وہ تمام ملکی وغیر ملکی اخبارات۔

کراچی ایرپورٹ پر پہنچ کر دریہ کو ایک خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا کہ اس کی پھپھو خود بہ نفس نفیس اس کے استقبال کو موجود تھیں۔ ان کے بازو وا دیکھ کر وہ بے اختیار ان کے سینے سے جا لگی اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ تمام موجود افراد حواس باختہ نظر آنے لگے۔

لگتا ہے بھابھی کی یادداشت کھو گئی ہے۔ بھابھی مل ہے یہ رخصتی نہیں۔ یاد کیجیے وہ وقت جب چھوٹے بھائی سہرا لگا کر۔

سہرا نہیں باندھا تھا چھوٹے بھائی نے۔ حبیب نے تصحیح کی۔

اچھا بابا۔ جب چھوٹے بھائی گلے میں ہار ڈال کر پہلی قسط میں آپ کو قبول کرنے اور دوسری قسط میں لینے گئے تھے۔

اور آپ قصر نور جہاں سے رخصت ہو کر وحدت کالونی آ گئی تھیں۔ اور۔

سب بیتحاشا ہنس پڑے۔ طارق کی جان میں جان آئی۔ دریہ بہت بری طرح روئی تھی۔ اسے تو اپنی گردن خطرے میں محسوس ہوئی تھی۔

سب ہنس دیے تھے مگر دریہ اسی طرح تھی۔ عابدہ بیگم نے اس کا متورم چہرہ ہاتھ میں لے کر اس کی پیشانی چومی۔

کیا بات ہے بیٹی۔ طبیعت خراب ہے دشمنوں کی۔ وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

دشمن تو بیگ اُٹھائے بہت مطمئن کھڑے ہیں۔ مجھے تو بھابھی ہی کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ فاروق نے شرارت سے طارق کی سمت دیکھ کر کہا۔

جہاز کچھ لیٹ ہو گیا۔ ہم تو بہت دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔ پہلی بار طارق کی دلہن کراچی آ رہی تھی آخر۔ مجھے اپنی بیٹی کا استقبال خود کرنا چاہیے تھا کہ نہیں۔۔ وہ مسکرا کر دریہ سے کہہ رہی تھیں۔

شکریہ پھپھو۔ اسے یہی جواب سوجھا۔

مزاج تو اچھے ہیں دریہ انہیں برابر تشویش تھی۔

بس پھپھو ایسے ہی ٹینشن سا ہے۔ طبیعت گری گری رہتی ہے اور سر میں تو سخت درد رہنے لگا ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔

چیک اپ کرایا تھا۔ انہوں نے پڑتال شروع کی۔

نہیں۔۔ یونہی معمولی سا تو درد ہوتا ہے۔

کسی بھی تکلیف کو معمولی نہیں سمجھتے۔ کب سے ہے تمہاری یہ حالت۔ وہ از حد فکر مند نظر آئیں۔

(جب سے اس پتھر سے سر پھوڑا ہے) اس نے نظر اٹھا کر طارق کی سمت دیکھا۔ کچھ دنوں سے۔ بالآخر اس نے کہا۔

طارق یہ کس قدر افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ تمہیں بھی خیال نہیں آیا۔

اپنی ماں کو بتایا تھا بیٹی۔۔

کیا۔۔ دریہ چونکی۔

ہو سکتا ہے کوئی دوسری وجہ ہو۔ عموماً جب لڑکیوں کے ساتھ پہلی بار اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں تو بہت رویا کرتی ہیں۔ بہانے بہانے۔

دریہ کا جیسے کلیجہ پھٹ گیا۔

آہ۔۔۔ آپ جانے کیا سمجھ رہی ہیں پھپھو۔ خدا نہ کرے کسی لڑکی کا یوں امتحان ہو۔

بولڈ تو فطری طور پر وہ تھی ہی۔ انتہائی کورے انداز میں حواس سے بولی۔

ایسی کوئی بات نہیں پھپھو۔ اور ایسی بات ہو گی بھی نہیں۔

ارے۔۔۔ خدا نہ کرے۔۔۔ تم نے تو کلیجہ دہلا دیا میرا۔ عابدہ بیگم لرز کر رہ گئیں۔

کس بنیاد پر یہ خوفناک بات تم نے کہی بیٹی۔۔۔ عابدہ بیگم نے خود پر قابو پا کر بمشکل اپنی ناگواری کو کنٹرول کیا۔

ایسے ہی۔ اب دریہ کیا کہتی۔

ایسے ہی۔ عابدہ بیگم نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت مشکوک ہو۔

بیٹی۔۔ اس تمہاری ایسے ہی نے میری کیا حالت کر دی۔ ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ ابھی تو سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا ہے۔ اللہ میرے طارق کو سات خوبصورت بیٹوں سے نوازے۔ اس کا آنگن آباد ہو۔ خبردار جو آئندہ بدفال منہ سے نکالی۔ انہوں نے دریہ کو اپنے ساتھ لگا کر پیار سے ڈانٹا۔

کوئی ضرورت نہیں اتنا لمبا سکور کرنے کی۔ پھر خود ہی اماں جان آپ سے جیلس ہو جائیں گی کہ میرے تو صرف پانچ بیٹے اور اس کل کی لڑکی کے سات۔

فاروق اور طارق آگے بیٹھ چکے تھے اور عابدہ بیگم کے دعائیہ کلمات سُن چکے تھے۔ طارق تو اپنی آنکھوں پر گلاسز چڑھا کر اپنے تاثرات محفوظ کر چکا تھا مگر فاروق کب جان چھوڑنے والا تھا۔

کچھ شرم غیرت کہیں سے اُدھار لے لو فاروق۔۔ بڑا بھائی برابر میں بیٹھا ہے۔ ماں پاس ہے۔ کہاں گنوا دیے اتنے برس اماں جان نے لتاڑا۔

دریہ کو عجیب سے احساس رہائی اور طمانیت نے آگھیرا۔ اس کے بائیں طرف عابدہ بیگم تھیں اور دائیں طرف حسیب۔

اس پر اپنوں کی اہمیت اور وابستگی کا انکشاف ہوا۔ اچھی سسرال کی اہمیت کا احساس ہوا۔

طارق سے معرکہ کرنے کا نیا عزم۔ نیا حوصلہ اور نئی ہمت اس نے بجلی مانند اپنے اندر دوڑتی محسوس کی۔

تم مجھے جتنا اپنی نظر اور مقام سے گرا رہے ہو۔ مجھے پہلے سے زیادہ زہریلا بنا رہے ہو۔ چکنا چور نہ کر دیا۔ طارق احمد فاروقی تو میرا نام بھی ذریہ نہیں۔

ایک تو میری سمجھ میں یہ دو مہینے بعد کی ولیمہ پارٹی۔۔۔ نہیں آئی۔ طارق نے خاصے ناراض انداز میں کہا تھا۔

وہ اپنے سابقہ انداز میں جو اس گھر میں وہ روا رکھتا تھا مصروف و مگن تھا۔ کاندھوں پر تولیہ ڈالے برآمدے میں لگے واش بیسن کے سامنے کھڑا شیو بنا رہا تھا۔

حد کر دی ہے طارق۔ اس قدر روٹھا اور روکھا ہو چکا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ ارے یہ تو بہانا تھا تمہیں بلانے کا۔ تمام رشتے دار انتظار میں ہیں دعوتیں کرنا چاہتے ہیں۔ کس قدر پیار کرتے ہیں تجھ سے اور تیرے مزاج ہی نہیں ملتے۔ آنکھ او جھل پہاڑ او جھل۔ اے کیا سب کچھ بھول بھال گیا۔۔

عابدہ بیگم نے پان کی تیاری کا سلسلہ روک کر اسے تقریباً ڈانٹا۔

میرا مطلب ہے اماں جان تسلی سے آجاتے۔ اس طرح گرتے پڑتے نہ آتے۔ بہت کام پھیلا ہو تھا۔

اماں جان چھوٹے بھائی مصروف گلوکار بن چکے ہیں۔ بہت بڑے فنکار۔ فاروق نے چھیڑا۔

اے ہاں۔ ماشاءاللہ۔۔ چاند چڑھا رہے ہیں۔ اماں جان سلگیں۔ ایک ڈھول تمہارے باپ کے سر بھی رکھوں گی تاکہ دونوں باپ بیٹے کی فنکاری سے دال روٹی کا آسرا ہو۔

ابا جان سے بھی ان کی ناراضگی بدستور تھی جن کی وجہ سے طارق کو گیت وغیرہ ریکارڈ کرانے کی اجازت ملی تھی۔ بڑے طنز سے انہوں نے فنکاری کا ذکر کیا تھا۔

ارے بچے۔ تیرا دل بہت بدل چکا ہے۔ آج تو اس باپ پر ناراض ہے کہ تجھے کراچی کیوں بلوایا۔ کیوں پریشان کیا۔ طارق۔ بیٹے۔۔ اللہ کی رحمت اور برکت میرے گھر میں ہمیشہ رہی ہے۔ یہ اس کا احسان ہے۔ میں نے ہمیشہ درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ جس میں سکون ہوتا ہے۔ پیسہ کم ظرفوں کا دماغ خراب کرتا ہے بیٹے۔

اُف۔۔ طارق ساکت کھڑا رہ گیا۔ ماں کا بدگمان دل۔ یہ تو بہت المناک سانحہ ہوتا ہے وہ تولیے سے منہ پونچھتا تیزی سے عابدہ بیگم کے قریب آیا۔

کیا ہو گیا ہے اماں جان۔ اپنی اولاد کی عادتیں اس گھر میں میری ہر خواہش کی تکمیل ہوئی ہے جیسا پہننا چاہا، پہنا جیسا کھانا چاہا، کھایا، جتنے مانگے مل گئے۔ وہ بھائی میاں کی رقم تھی۔ یا بھائی صاحب کی یا ابا جان کی مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ تفریق ہمارے گھر کا مزاج نہیں۔

میں ترسا ہوا یا ناآسودہ نہیں تھا اماں جان جو اتنی جلدی کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا

ہو جاتا۔

عابدہ بیگم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

ارے میں تو ایسے کہہ رہی تھی۔ جانتی ہوں اپنے بچے کو۔ دیوانی ہوئی رہتی ہوں تجھے سوچ سوچ کر۔ یہی دھیان رہتا ہے کہ کوئی بہانہ ہو اور تجھے بلوا بھیجوں۔

ہر کسی کی تمنا ہے کہ طارق کی دلہن کو اپنے گھر مہمان کریں۔

کیا ہو رہا ہے یہاں نغمہ دریہ کو لیے ہوئے زینے اُترتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

عدالت لگی ہوئی ہے۔ آپ بھی آجایئے۔ فاروق نے کرسی اُٹھا کر برآمدے کے ستون کے ساتھ رکھی تاکہ مزید کھل جائے۔

چھوٹی بھابھی۔ وہ دریہ سے مخاطب ہوا۔ آپ کی گواہی مطلوب ہے۔ دریہ نے حیرانی سے پہلے طارق کو پھر ساس کو دیکھا۔

چھوٹے بھائی کہہ رہے ہیں۔ جب تک آپ نہیں ملی تھیں، آپ کو لینا چاہتے تھے، انسان سدا کا حریص ہے چھوٹے بھائی کا کیا قصور آپ مل گئیں تو کہہ رہے ہیں جنت میں جا کر حوریں لیں گے۔

کیا مطلب۔۔۔ وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی۔

کہہ رہے ہیں کہ آج کل بہت نیک ہو گئے ہیں۔ کوئی ریکارڈنگ وغیرہ نہیں کراتے۔ کیا سچ کہہ رہے ہیں۔

ارے فاروق۔ بی جمالو کے گدی نشین ہو گئے ہو نغمہ ہنسیں۔

پتا نہیں۔ ان کا آفس ٹائم کیا ہے یہ کب آف ہوتے ہیں۔ کب ریکارڈنگ یا ریہرسل ہوتی ہے۔ سچ پھپھو مجھے کوئی علم نہیں آپ قسم لے لیں۔ جب دل چاہتا ہے چلے جاتے ہیں جب دل چاہتا ہے آجاتے ہیں۔ دریہ نے قرض چکایا۔

طارق نے آئینے میں دریہ کو بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

ہائیں یہ کیا بات ہوئی۔ گھر میں اور ہے کون دوسرا جیو۔ تمہیں نہیں بتاتا تو کیا دیواروں کو بتاتا ہے۔ اور تم کیا کرتی رہتی ہو دن بھر ماں کے گھر چلی جاتی ہو گی انہوں نے خود ہی اندازہ لگایا۔

نہیں پھپھو۔ شادی کے بعد سے اب تک میں امی کے ہاں صرف تین بار گئی ہوں وہ بھی ان کے ساتھ۔ اس نے طارق کی سمت دیکھا۔

ہاں بیٹی گھر اکیلا چھوڑنا بھی مت زمانے بھر کی چیزیں ہیں۔ وقت بہت خراب ہے۔

تو تم نے شکایت کی ہوتی بیٹی، اس سے دس بار پوچھتیں تمہارا حق ہے۔ بیوی کو کم از کم اپنے شوہر کی اوقات کار تو معلوم ہونا چاہیں۔ کوئی اور ہی اس سے پوچھ بیٹھے تو وہ کیا جواب دے۔ یہ باتیں تو بہت دوریوں کی ہیں۔ تم کیوں نہیں پوچھتیں اگر یہ تمہیں کچھ کہے تو کیا ہم مر گئے ہیں خبر لینے والے

اتنا سننا تھا کہ دریہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور بری طرح رو دی۔

ہائیں۔۔ہائیں۔عابدہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔طارق بری طرح چکرا کر رہ گیا۔عابدہ بیگم نے دریہ کو آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔

کیا بات ہے بیٹی۔۔طارق نے تم سے کچھ کہا۔۔جھگڑا ہوا ہے تم دونوں میں۔۔فاروق اور نغمہ الگ حیران و پریشان اسے دیکھ رہے تھے۔

دریہ کے آنسو تھم کر نہیں دے رہے تھے۔وہ عابدہ بیگم کے سینے سے بچوں کی مانند لگی ہوئی تھی۔

طارق۔

جی اماں جان۔وہ پسینے پسینے ہو گیا۔

یہ کیوں رو رہی ہے۔کیا کہا ہے تم نے۔ان کے لہجے میں انتہائی خفگی تھی۔

کون سی قسم کھاؤں۔میں تو ان سے کہنے والی باتیں بھی نہیں کہتا اور کیا کہوں گا۔وہ بے بسی کے انداز میں گویا ہوا۔

کہنے والی باتیں کیوں نہیں کہتے۔نغمہ نے اس کی بات پکڑی۔

طارق نے چونک کر بھاوج کو دیکھا۔بڑے چھنے۔

ایسے ہی وقت نہیں ملتا۔

اے ماشاءاللہ۔گھر انسانوں سے بھرا پڑا ہے۔دریہ کا نمبر ہی نہیں آتا۔وہ طنزیہ بولیں۔

ضرور کوئی بات ہے۔کوئی خوامخواہ اس طرح نہیں روتا۔تم بتاؤ طارق کیا کہا ہے تم نے

اے دو مہینے پہلے کیا ہو رہی تھی بچی اور اب دیکھو۔دیکھ رہی ہو بڑی بہن اس کا چہرہ۔دو مہینے کی بیاہتا کا چہرہ بھی ایسا ہوا۔کیسا پھول کی طرح کھلا رہتا تھا۔

اماں جان آپ کو میرا اعتبار نہیں تو دریہ سے خود پوچھ لیں۔میں نے پورے گھر کا اختیار انہیں دے رکھا ہے۔جو کماتا ہوں ان کے ہاتھ پر رکھتا ہوں۔بیمار ہوں تو ڈاکٹر کو فون تک کر دیتا ہوں۔کیوں دریہ۔اس نے دریہ سے پوچھا۔اور اس کے لہجے کی سرد سفاکی صرف اور صرف دریہ نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اُترتی محسوس کی۔

دریہ کچھ نہیں بولی۔طارق سرتاپا سلگ اٹھا۔

بہرحال اگر کوئی بات ہوئی بھی ہے تو تمہیں اس کا دل بہلانا چاہیے۔اب غسل کر کے اسے کہیں سیر کرانے لے جاؤ۔

اماں جان۔۔میں لے جاؤں۔۔۔حسیب نے وارد ہو کر صورت حال کی نزاکت سمجھے بغیر اپنی خدمات پیش کیں۔

اے ہاں۔تم کہیں کے پنچوں کے سردار۔اپنی ٹانگ ضرور اڑایا کرو۔وہ جل کر بولیں۔

فاروق اور نغمہ بیتحاشا ہنس رہے تھے۔طارق بھی اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا تھا۔

ستارہ کے فلمساز نے مار بلز اسلام آباد میں فلم کے یونٹ کو ریفرشمنٹ دیا تھا۔فیروزہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی بہن کے شدید اصرار پر آنا پڑا تھا۔

انتہائی خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے طارق فیروزہ کو دیکھ کر بیتحاشا

چونکہ پڑا میرون اسکرٹ سیال جالی کا کارڈیگن جس میں سفید نگینے ٹنکے تھے وہ بہت منفرد نظر آ رہی تھی۔ سیاہ خوبصورت سوکس اور شوز اسے بے حد نمایاں کر رہے تھے۔

کانوں میں میرون نگینوں کے سیاہ آویزے ہلکورے لے رہے تھے۔ اور ہاتھ میں سیاہ پارٹی ویئر پرس تھا۔ ہنستی مسکراتی سب سے علیک سلیک کرتی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ طارق کی ٹیبل پر فلم کا ہیرو اور موسیقار علی جان بیٹھے تھے۔

وہ ان کے نزدیک آ کر رکی۔ اور انتہائی اجنبیت اور پُر تکلف انداز میں تینوں کو ہیلو کہا۔

ستارہ نے قریب آ کر تعارف کرایا۔ علی جان صاحب اور طارق صاحب سے تو تم پہلے بھی مل چکی ہو۔

ہاں شاید۔ اس نے عجب بیگانگی سے کہا۔ ستارہ نے تعجب سے فیروزہ کو دیکھا۔ پھر نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

اور یہ ہمارے ہیرو۔ راحیل آفتاب۔

ہماری ایسی قسمت کہاں کہ آپ کے ہیرو۔ راحیل آفتاب نے شرارت سے ذومعنی بات کہی جس پر ایک قہقہہ پڑا۔

فیروزہ بھی دلکشی سے مسکرائی۔

اور راحیل صاحب یہ میری سسٹر۔ فیروزہ۔

ایلڈر یا ینگر۔ وہ مسکرایا۔

اکول۔ ستارہ نے برجستہ کہا۔ جس پر ایک مرتبہ پھر قہقہہ پڑا۔

بہت ہوشیار ہیں میڈم حنا۔ علی جان صاحب مسکرائے۔

بس جی۔ آپ بزرگوں کی صحبت فیض رسا کا اثر ہے۔ وہ کھلکھلائی۔

چوتھا حصہ:

صفحہ 301 سے اخیر تک

یہ بزرگ کہہ رہی ہیں میڈم۔ راحیل آفتاب نے علی جان صاحب کو چھیڑا۔

میں تسلیم کرتا ہوں۔ وہ شفیق انداز میں مسکرا دیے۔

فیروزہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس نے طارق کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ اور طارق نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا بلکہ ایک طرح سے اللہ کا شکر ہی ادا کیا۔

فیروزہ ان کے برابر والی ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔ جس پر دو حضرات پہلے سے براجمان تھے۔ تیسرا فیروزہ کے بیٹھنے کے بعد آیا۔

فلساز آ کر راحیل آفتاب کو لے گئے۔ علی جان صاحب اپنے کسی دیرینہ دوست کو دیکھ کر اٹھ کر اس کے قریب جا رہے تھے۔ جب طارق کے کانوں میں برابر سے مردانہ آواز آئی۔

پہچانا نہیں میڈم روز۔

اگر بالفرض محال نہیں۔ تو۔ یہ فیروزہ کا جواب تھا۔

تو میں پہچان کرائے دیتا ہوں۔ فدوی کو سجال کہتے ہیں۔ جو آپ کی تلاش میں یورپ اور مشرق وسطیٰ تک کی خاک چھان چکا ہے۔

ارے نہیں۔ فیروزہ نے ہنس کر بے یقینی سے کہا۔

ائی سویئر۔ وہ مسکرایا۔

مگر میں کہیں روپوش تو نہیں تھی اور نہ ہوں۔ وہ حیرانی سے بولی۔

مگر کبھی ڈیوٹی پر نظر نہیں آئیں۔ اونچی چیز ہو۔ بانے خیال ظاہر کیا ہو سکتا ہے یورپ کے کسی منسٹر یا ریاست کے کسی شیخ۔

نو اسٹیپ پلیز۔ ایک لفظ بھی مزید نہیں۔ فیروزہ نے اسے روکا۔

کیا مطلب۔۔ مخاطب حیران ہوا۔

مطلب یہ کہ میں اب۔۔ مذکر قسم کے کسی چڑے کو بھی دوست نہیں بناتی۔ کیریئر از ڈفرنٹ ناؤ۔

تمہاری ریٹائرمنٹ کی عمر تو نہیں۔ وہ خباثت سے مُسکرایا۔

لینگویج پلیز۔ تمہارا باس بھی مجھ سے اجازت لے کر تم کہتا تھا۔ وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

کیا شادی وادی کرلی ہے۔ سوال ہوا۔

یہ میری پرائیوٹ لائف سے متعلق ہے، جس کو موضوع بنانا پسند نہیں کروں گی۔

یہ تو تم سراسر خسارے کی تجارت کر رہی ہو۔

نشاندہی کا شکریہ۔ وہ سرد لہجے میں بولی۔

بہر حال، باس وہ لاسٹ ٹیبل پر بیٹھے ہیں اور آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔

ان سے کہو کوئی ضروری بات ہے تو میری ٹیبل پر آ کر کرلیں۔

جاؤ یار باس ہی کو بھیج دو۔ وہ دونوں حواری جو دیر سے خاموش بیٹھے تھے ان میں سے ایک بولا تھوڑی دیر میں ایک خوب مضبوط ڈیل ڈول کا شخص فیروزہ کی ٹیبل کی سمت آتا دکھائی دیا۔ جو سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تک سک سا درست تھا۔

ہیلو مادام۔ اس نے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ بڑھایا۔

ہیلو۔ فیروزہ نے اپنا دستانے چڑھا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے نہایت مہذبانہ انداز میں گویا ہوئی۔

ٹیک یور سیٹ پلیز۔

تھینک۔ وہ کھسیا کر جلدی سے بیٹھ گیا۔

کیسے ہیں آپ حشمت علی جعفادری صاحب فیروزہ کا انداز انتہائی سرد تھا۔

آپ نے دیکھنے کی چاہ تو کی ہوتی کہ کیسے ہیں ہم۔ ان کی رگ رگ میں جیسے عاشقی بہ رہی تھی۔

ویسے میڈم آپ نے ہمیں عرفیت دی۔ جعفادری ہاہا۔۔۔ ہا۔

شکریہ۔ وہ سرد مہری سے بولی۔

آپ کی دی ہوئی ہر چیز سر آنکھوں پر۔ ہاہا۔۔۔ ہا۔

سر آپ کا پالعنذ اور آنکھیں چھوٹی ہیں، کہاں ٹھہریں گی ہماری دی ہوئی بڑی چیزیں۔۔ فیروزہ نے استہزائیہ لہجے میں مذاق کیا۔

ہو۔۔ ہو۔۔ میم آپ کے سینس آف ہیومر کے تو ہم قائل ہیں۔۔۔ ہاہا۔۔۔ ہو۔۔

کیسے یاد کیا۔۔ فیروزہ نے ٹیبل پر کہنیاں ٹکا کر جھک گئی۔

یاد اسے کرتے ہیں جسے بھولے ہوں۔ آپ کو دیکھ کر تو خود کو بھول جاتے ہیں۔ کس دُنیا میں گم ہیں۔

اسی دنیا میں۔ وہ رُکھائی سے بولی۔

اس بار سمر سیزن سوئٹزرلینڈ میں گزارنے کا ارادہ ہے۔ سوچا پیشگی اطلاع دے دوں۔

کیا خیال ہے پھر۔ جغادری پوچھ رہا تھا۔

اچھا خیال ہے۔ یہاں کی گرمی تو اچھے بھلے انسانوں کو ڈامر میں بدل دیتی ہے آپ ضرور جائیے آپ کی صحت پر خوشگوار اثر ہوگا۔

مگر آپ کا ساتھ ہونا شرط ہے۔ وہ مسکرایا۔

میرا خیال ہے۔ سجاول نے آپ کو میری کہی ہوئی باتیں پہنچا دی ہوں گی۔

آپ کیوں فکر کرتی ہیں میم۔ ہر چیز آپ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ یہ آپ کا سیزن ہے میم۔ دونوں ہاتھوں سے سمیٹیں، بڑھاپا آرام سے گزر جائے گا۔ وہ عجب بیہودگی سے ہنسا

یہ کسی کو خبر ہے کہ بڑھاپا بھی لازم دیکھے گا۔ وہ تیکھے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

خدا نہ کرے۔ یہ آپ کی دلکشی سدا بہار رہے۔ حقیقت تو بہرحال حقیقت ہے۔ وہ چاپلوسی سے گویا ہوا۔

آپ اتنی دیر سے میرا دماغ کھائے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کے چمچے نے سب کچھ آپ کو بتا دیا ہے۔ فیروزہ کی قوت برداشت شاید جواب دے گئی تھی۔ ایک دم اُلٹ گئی۔

آہستہ میڈم روز۔ آہستہ۔۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ یہ بتانا ضروری نہیں۔ سمر سیزن کا مرحلہ تو کچھ دن بعد ہوگا۔ پرسوں میرے غریب خانے پر کاک ٹیل ہے۔ یہ میرا انویٹیشن ہے۔ قبول کیجیے۔ اس نے وہائٹ لفافہ اس کے سامنے رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لہجے میں دھمکی کا تاثر واضح تھا۔

فیروزہ نے لفافے کی سمت دیکھا بھی نہیں۔

طارق بظاہر دوسری سمت دیکھ رہا تھا لیکن اس کی پوری توجہ فیروزہ اور جغادری کی طرف تھی۔ اسے اس شخص کی ڈھٹائی اور دھونس پر سخت غصہ آ رہا تھا مگر وہ چپ تھا۔ کہ قطعی غیر متعلق تھا۔

جغادری اُٹھ کر چلا گیا ساتھ ہی اس کے دونوں حواری بھی۔

طارق نے بیساختہ فیروزہ کی سمت دیکھا اور وہ بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی

جانب دیکھا پا کر اپنی آنکھوں میں زمانے بھر کی اجنبیت سمو کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

دریہ تو کراچی ہی میں ٹھہر گئی تھی۔ اماں جان کا بھی اصرار تھا۔ اور کچھ دریہ بھی سسرال میں رہنا چاہ رہی تھی۔ وہ شکر مناتا لاہور آیا تھا۔

یہاں آتے ہی اس کے پے در پے مصروفیات شروع ہو گئیں۔ کئی گیتوں کی ریکارڈنگ، عید کے بعد کے متواتر کمرشیل پروگرام۔ نجی محفلیں پھر اس کا اپنا پروجیکٹ۔ ایک تا تھیا شروع ہو چکی تھی۔ ایک گھنٹہ وہ علی جان صاحب

کے پاس کافی عرصے سے گزار رہا تھا۔ سُروں اور راگوں پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لیے۔ مسلسل ریاضت نے اس کی آواز کو بلا کا نکھار بخش دیا تھا۔

مردانہ وجاہت، رچاؤ، گمبھیرتا اس کی آواز کی انفرادیت تھی۔ علی جان صاحب کا کہنا تھا کہ اب اس کی آواز میں حقیقی سوز بھی پیدا ہو گیا ہے۔

یہ سُن کر اس کے روئیں روئیں میں آنچ دی تھی۔ میر نے درد و غم جمع کیے تھے تو دیوان کیا تھا۔ اور اس کی محرومیاں اور خوابوں کی شکست اسے بام شہرت پر لے آئی تھی۔ اتنی مصروفیات کے ہوتے ہوئے دریہ کی غیر حاضری اس کے لیے سکون بخش تھی۔

الحمرا آرٹس کونسل نمبر 1 میں اعلیٰ پیمانے پر موسیقی کا پروگرام تھا جو تمام رات جاری رہنا تھا۔

اس کے لیے ہر طرح سے زبردست تیاری کی تھی۔ اور اپنے خاص دوستوں کو بھی خصوصیت سے مدعو کیا تھا۔ سیاہ ڈنر سوٹ و شوز میں ملبوس کالر میں سرخ گلاب کی ادھ کھلی اٹکائے جب وہ آڈین کے روبرو آیا تو دیکھنے کی چیز لگ رہا تھا۔ نفیس سا ہیئر اسٹائل تازہ شیو کی نیلاہٹوں میں چمکتا چہرہ۔ چکنی جلد کے مضبوط ہاتھ۔ بائیں ہاتھ میں کلائی دمکتی ہوئی قیمتی رسٹ واچ ہر نظر میں پسندیدگی تھی۔ اس پر ستم ڈھاتی اس کی خود اعتمادی اور سان استغنا جو اسے مزید متاثر کن بنا رہی تھی۔

اس نے پہلے ابن انشاء کی نظم تم میری ہو سنائی اور اس کے بعد بصد فرمائش احمد فراز کی غزل شروع کی۔۔

چلے تھے یار بڑے زعم میں ہوا کی طرح
پلٹ کے دیکھا تو بیٹھے ہیں نقش پا کی طرح

جب اس نے یہ شعر گایا کہ۔

مجھے وفا کی طلب ہے مگر ہر اک سے نہیں۔
کوئی ملے مگر اس یار بے وفا کی طرح۔

تو تالیاں بجا بجا کر داد دی گئی۔ تالیوں کی وجہ سے وقفہ کچھ لمبا ہو گیا۔ اس نے تالیاں حاضرین پر تفصیلی نظر ڈالی۔ تو بےتحاشا چونک پڑا۔ سامنے فیروزہ سیاہ شلوار سوٹ دوپٹے میں اپنی مخصوص سجاوٹ وچھب کے ساتھ متمکن تھی۔۔

اس نے نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ اور اگلا شعر شروع کیا۔

وہ اجنبی تھا تو کیوں مجھ سے پھیر کر آنکھیں

گزر گیا کسی دیرینہ آشنا کی طرح

اس نے بالکل غیر ارادی طور پر فیروزہ کو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھی مگر نگاہوں میں پہچان کا کوئی عکس نہیں تھا۔ ہنوز بیتاثر سی نظر تھیں۔

دو غزلیں اور دو گیت اس نے معاہدے کے مطابق سنائے تھے ایک مقبول فلمی گیت بصد فرمائش سنایا بقول شخصے شو چرا کر لے گیا تھا۔

فرقان کو طے شدہ پروگرام کے مطابق باہر اس کا منتظر ہونا چاہیے تھا۔

طے ہو گیا تھا کہ وہ اپنا آئٹم پرفارم کر کے فوراً ہی ہال سے باہر آ جائے گا۔ اور فرقان گاڑی کے پاس پہلے سے موجود تھا۔

شو ابھی جاری تھا اسی وجہ سے اکا دکا ہی گاڑیاں سرکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ فرقان ڈی جے سائنس کالج پھر این۔ ای۔ ڈی کراچی اب یہاں لاہور تک میں اس کا رفیق تھا۔ بے حد سچا اور مخلص ایسا دوست جس پر اپنی ذات کی طرح اعتماد کیا جاتا ہے۔

اس کی محدود قسم کی مصروفیت تھیں۔ آفس سے آف ہونے کے بعد عموماً گھر پر ہی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے طارق بےفکری سے باہر اپنی مصروفیات نمٹا لیتا تھا۔

شاید اسے شو دلچسپ لگ رہا تھا اور ابھی اندر ہی ہے۔ یہ سوچ کر وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

بغلی دروازے سے فیروزہ برآمد ہوئی تو اس نے چہرہ موڑ لیا تاکہ نظر نہ ملے اور دونوں کسی کٹھنائی سے محفوظ رہیں۔

اس نے فیروزہ کے پرس کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز بھی اس کی ہیل کی کھٹ کھٹ کے دوران سنی غالباً اس نے کار کی چابیاں نکالی تھیں۔

طارق نے بدستور چہرہ موڑے کھڑا تھا۔ خاصی خاموشی رہی تو طارق سیدھا ہوا۔ ایک دم چونک پڑا ایک بھاری مردانہ خشک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

شور نہیں۔

اس سے پہلے کہ طارق صورت حال سمجھتا گاڑی زن سے اُڑی تھی۔

پلک جھپکتے میں اس نے فیروزہ کو گاڑی کی بیک سیٹ پر تقریباً گرتے اور ایک مرد کو اس کے ساتھ ہی بیٹھتے دیکھا تھا اور دروازہ بند ہونے سے قبل گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

اس نے تجائی تیزی سے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ چابیاں اس کے پاس نہیں تھیں اور فرقان کا دور دور پتا نہ تھا۔ اور کار بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا اور ستارہ کا نمبر ڈائل کیا۔

ہیلو، مس حنا ہیں؟ نہیں؟ کس اسٹوڈیو میں۔ ایورنیو۔ فلور نمبر۔ ٹھیک ہے۔ اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔

ہیلو۔ دیکھو بوائے۔ میڈم حنا کو کہو طارق کا فون ہے۔ اس نے تیزی سے کہا چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔

ہیلو میں طارق احمد فاروقی بول رہا ہوں۔ ایک منٹ میری بات سنیں۔ کیا آپ کسی حشمت علی کو جانتی ہیں۔؟

ٹھیک ہے۔ غور سے میری بات سنیے۔ چند دن قبل آپ کو یاد ہو گا وہ اسلام آباد میں بھی آپ سے ملا تھا۔ جی۔ جی۔ ابھی ابھی الحمرا آرٹس کے سامنے وہ لوگ فیروزہ کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ آپ کو اگر ان کا اتا پتا معلوم ہے تو فوراً کچھ کیجیے۔

ہاں۔ ہاں۔ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔ ہرگز میرا وہم نہیں ہے۔ آپ یقین کیجیے۔۔

اس نے ستارہ کو یقین دلایا جسے یقین آ کر نہیں دے رہا تھا۔

وہ انتہائی پراشانی میں باہر آیا تو فرقان اس کا منتظر تھا۔

کہاں غائب ہو گئے تھے یار۔؟ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

کہیں نہیں اندر تھا۔ کافی دیر میں نے تمہارا انتظار کیا۔ تم نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ وہ جواباً اس کا قصور نکال کر بولا۔ ذہن پریشانی کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ اسے رہ رہ کر فیروزہ کا خیال آ رہا تھا۔

گھر آ کر بھی اس سے نہ تو کوئی کام ہوا اور نہ نیند ہی آئی۔

ولایت علی شاہ رات کو تو تھکن اور میاں صاحب کی باتوں کے سبب سو گئے تھے۔ لیکن صبح اٹھ کر انہیں نئے سرے سے احساس دغا بازی کی بلا نے آ گھیرا تھا۔

بشر کو میاں صاحب کے پاس چھوڑ کر اور یہ کہہ کر ابھی دو گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔ وہ اپنے گوٹھ روانہ ہو گئے۔

تمام راستے وہ پروگرام ترتیب دیتے رہے کہ انہیں گوٹھ پہنچ کر کیا کرنا ہے۔ کس طرح پیش آنا ہے انتہائی تیز ڈرائیونگ کے بعد جب وہ اپنے گھر کے پھاٹک پر پہنچے اور زور زور سے ہارن دیا تو غلام محمد ہانپتا کانپتا باہر آیا تھا۔ ولایت علی شاہ کو دیکھ کر اس کا رنگ غیر متغیر ہو گیا تھا۔ اس نے بہت غور سے ولایت علی شاہ کی گاڑی کو دیکھا تھا۔

سلام شاہ سائیں۔ وہ عاجزی سے بولا۔

وعلیکم اسلام۔ انہوں نے خشک انداز میں جواب دیا اور کار لاک کرنے لگے۔

سامان نہیں ہے سائیں موٹر کے اندر۔۔؟ وہ لجلجائے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

نہیں۔ انہوں نے سرد انداز میں مختصراً جواب دیا۔ اندر بڑھ گئے غلام محمد ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا بڑے کمرے میں پہنچ کر وہ رک گئے۔

پانی پلاؤ غلام محمد۔ وہ بھاری بھر کم مسہری پر بیٹھ گئے۔

ابھی لایا سائیں۔ غلام محمد گرتا پڑتا باہر نکل گیا۔ ولایت علی شاہ خود کو پرسکون بنانے کی کوشش کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد غلام محمد اہتمام سے پانی لایا۔

مٹکے کا پانی ہے سائیں۔ زیادہ ٹھنڈا نہیں ہوا ابھی۔ دھوپ نہیں چڑھی ناں ابھی سائیں۔

گرمی بڑھے گی تو پانی ٹھنڈا۔۔

اچھا۔ اچھا۔ جیسا بھی ہے۔ لاؤ۔ انہوں نے ناگواری کے انداز میں اس کی بات کاٹی۔

سائیں کماد کی فصل کے بارے میں کیا سوچا۔ شوگر مل والے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

کوئی شوگر مل آس پاس تو ہے نہیں۔ بڑی دور کے لوگ ہیں۔ سائیں نواب شاہ میں تو شوگر مل لگانے کا پرمٹ نہیں ملا۔ پابندی ہے ابھی۔ حکومت سے بات چیت چل رہی ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کماد کے بجائے گندم ہی۔

غلام محمد۔ روشن کو بلا کر لاؤ۔ انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

مالکن کو سائیں۔ غلام محمد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

مالکن نہیں وہ تمہاری۔ اللہ کے بندے کتنی مرتبہ بتاؤں۔؟ وہ برہمی سے بولے۔

غلام محمد کو تو لرزہ چڑھ گیا۔ جلدی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد روشن غلام کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی۔

اس نے سفید کھدر کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس طرح کے اس کا چہرا تقریباً چھپا ہوا تھا۔

وہ رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی اور غلام محمد ہاتھ باندھ کر۔

رات تم کہاں تھے غلام محمد۔۔؟ ان کی آواز تیکھی اور لہجہ خشک تھا۔

سائیں۔۔ غلام محمد کی ٹانگیں بے جان ہوگئیں۔

ابھی میں رات کو سائیں۔ یہاں وہ۔ غلام محمد بری طرح گڑبڑا گیا۔

غلام محمد۔ ولایت علی شاہ اٹھ کر زور سے دہاڑے۔ نمک حرامی سے مجھے نفرت ہے۔ وہ غلام محمد کی طرف بڑھے۔

روشن تیزی سے دونوں کے بیچ آگئی۔

شاہ صاحب خدا کے لیے میری وجہ سے اس لاچار اور غریب انسان پر ظلم نہ کریں۔

ہوں۔ تو تمہیں بھی ظلم کے معنی پتہ چل گئے۔ ایک طرف ہٹو تم سے تو بعد میں نمٹوں گا۔ غلام محمد کیوں مجھے کم ظرفی کی راہوں پر گھسیٹ لائے ہو۔ کیا اپنے احسانات گنوانا شروع کروں۔

آپ ہمارے مائی باپ ہیں سائیں۔ آپ کے واسطے جان بھی حاضر۔ آپ ابھی میرے کو حکم کرو۔

بند کرو یہ چاپلوسی۔ حکم۔ ہونہہ۔ تمہارے ذمے ایک کام کیا تھا۔ وہی تم سے نہ ہوسکا تم جس کی چاکری چاہو قبول کرلو۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے بہت اذیت کے ساتھ اپنے دیرینہ ملازم کو برخاستگی کا حکم سنایا۔

آپ اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتے شاہ صاحب۔ قصور جتنے ہیں، میرے ہیں۔ روشن نے تڑپ کر کہا۔

یہ تو تم نے بالکل درست کہا فنکار عورت۔ قصور تو تمام ہی تمہارے ہیں۔ یہ بھی تمہاری فنکاری کا نقطۂ عروج ہے کہ تم نے میرے ایک جانثار ملازم کو جانے کس طرح خرید لیا۔

شاہ سائیں۔ آپ میرا چمڑا کھینچ لو پر میرے کو یہ تنگی گالی نہ دو۔

غلام محمد بلبلا کر بولا۔ غلام محمد آج بھی آپ کا جانثار ہے۔ جو بولو قسم اٹھا لوں۔

خدا کا خوف کرو غلام محمد۔ اس بڑھاپے میں جھوٹی قسمیں کھاؤ گے۔۔؟ انہوں نے غلام محمد کو ناراضگی سے دیکھا۔

آپ کا اعتبار ٹوٹا ہے۔ آپ کا دکھ میری روزگاری کے دکھ سے بڑا ہے سائیں۔ میں سمجھتا ہوں۔

اس کا کوئی قصور نہیں ہے شاہ صاحب۔ یہ سیدھا سادھا غریب آدمی۔ اپنی انسانیت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ آپ میری کھال اتار دیں یا جیل میں ڈال دیں یا پھانسی کے تختے پر پہنچا دیں۔ میں ہر انتہائی سزا کے لیے تیار ہوں میرا ضمیر ایک پل مجھے سکون لینے نہیں دیتا۔ مجھے نہیں یاد کے آرام وہ نیند کیا ہوتی ہے۔ ہر انتہائی سزا میرا علاج ہے۔ آپ اپنی ہر سوچ کی انتہا مجھ پر آزمالیں یہی میری نجات کا راستہ ہے۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

ولایت علی شاہ۔ دم سادھے کھڑے رہ گئے۔

تم ضمیر کے طمانچوں کی زد میں ہو روشن تو یہ روحانی سزا بہت خوب ہے۔ وہ نفرت سے بولے۔

میاں صاحب کے پاس رات کیوں گئی تھیں۔۔؟۔

غلام محمد متوحش نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ روشن چپ کھڑی رہ گئی۔

مجھے تباہ کر کے بھی کو ان کی نظروں میں گرانا چاہتی ہو۔؟ تمہارا رویہ سراسر گراوٹ سے عبارت ہے۔ وہ حقارت سے گویا ہوئے۔

خدا نہ کرے۔ آپ کا دل بدلنے میں میرا پورا ہاتھ ہے۔ میں جلتے انگاروں پر بھی کھڑی ہو کر آپ کا اعتبار حاصل نہیں کر سکتی۔ آپ ہر طرح کا شک کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن یہ سراسر الزام ہے۔ مجھ میں اتنی سکت کہاں کی مزید۔۔

میاں صاحب۔ میری دوا بن کر اس گھر میں آئے تھے۔ مجھے ان کی ایک نگاہ نے خرید لیا۔ میں انہیں سلام کرنے گئی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ میری سزا تو یہ ہے کی مجھے ہر طرح کی بے سکونی حصل ہو۔

آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ اس غریب اور سادہ انسان کو معاف کر دیں۔ اور میری سزا میں جو چاہیں۔ اضافہ کر دیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔

ولایت علی شاہ نے رخ موڑ لیا۔

تھوڑے توقف کے بعد آہستگی سے گویا ہوئے۔

اگر یہ تمہارا نیا ڈرامہ ہے روشن۔ تو جان رکھو یہ آخری ڈراما ہوگا۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

طارق کو فیروزہ کی جانب سے قدرتی طور پر تشویش تو تھی مگر یہ جان کر اور زیادہ پریشانی ہوئی کہ میڈم حنا بھی اسنے ہدایتکاروں اور فلم سازوں کو کسی قسم کی اطلاع دیے بغیر غائب ہیں۔ ان کی رہائش گاہ پر تالا پڑا تھا اور ملازمین کوارٹروں میں تھے۔ جو سب کے سب لاعلم تھے کہ ان کی مالکن کہاں ہے۔

اس پر مستزاد دریہ بھی واپس آ گئی تھی۔ اس وجہ سے وہ دیر تک آفس میں بیٹھتا تھا اور پورے انہماک سے اپنا کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دونوں کے مابین کراچی کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

ایک نئی تبدیلی البتہ یہ شروع ہوئی تھی کہ ہفتے میں دو مرتبہ اماں جان نے فون کیا تھا اور طارق کی مصروفیات کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی اور دریہ کا خاص خیال کرنے کی پرزور تاکید کی تھی اگرچہ اسے دریہ پر رہ رہ کر غصہ تو بہت آ رہا تھا۔

مگر مصلحتاً چپ ہو رہا تھا۔ آج آفس میں کام زیادہ نہیں تھا تو سسرال کی سمت چل دیا۔ تاکہ ثوبیہ

فوزیہ سے گپ شپ کر کے وقت پاس کر لے کہ آج کل ریکارڈنگ وغیرہ ابھی موقوف تھی۔

ایک باضمیر انسان کی طرح اس نے نکاح سے قبل ہی ثوبیہ کی معصومیت کو اپنی سوچ کی آلودگی سے کبھی میلا ہونے نہ دیا تھا۔ اور خود کو بروقت سنبھال لیا تھا۔

وقت کے حساب سے اپنے آپ کو سمیٹ کر زندگی کے نئے تقاضوں سے گلے مل رہا تھا۔

کھانا کھا کر جب وہ اپنے گھر کی سمت روانہ ہوا تو رات کے نو بج چکے تھے۔

ایک عجیب سے دکھ اور ڈپریشن کے عالم میں جب وہ زینے طے کر کے اوپر پہنچا تو بری طرح چونک پڑا۔

دیکھو بیٹے۔ یہ بنیادی سات سر ہیں جن سے بے شمار راگ تیار ہوئے ہیں۔ جو گیت ابھی میں نے اٹھایا تھا یہ دیپک میں ہے۔ مکھڑا اس کا مکمل دیپک میں ہے اور انترا میں دادرا کا ٹھیکا دے کر ایک نیا پن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

جی میں سمجھ گئی۔ کچھ چیزیں تو میں نے پہلے ہی آپ سے سیکھ رکھی ہیں۔ دریہ کی آواز ابھری۔

ہاں تو شروع کرو۔ من درپن میں۔ صورتیا تو ری۔ آگ لگائے ہے۔

اوں ہوں۔ یوں نہیں۔ پھر کہو۔ آگ لگائے ہے۔ علی جان صاحب نے دریہ کو ٹوکا تھا۔

اور طارق نے شدت جذب سے یوں ہونٹ کاٹا تھا کہ خون چھلک پڑا تھا۔

پھر اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔

نیچے نیلے کارپٹ پر دریہ گلابی کپڑوں میں ملبوس گھٹنوں کے بل علی جان صاحب کے مقابل بیٹھی ہوئی تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے اور چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے جھکا ہوا چہرا اٹھانے کی بجائے صرف نظریں اٹھا کر سامنے

دیکھا۔طارق کی نگاہیں ننگی تلوار کی طرح اس کے وجود میں اتر گئیں۔

اسلام علیکم علی صاحب۔طارق نے موڈ بدل کر علی جان صاحب کو سلام کیا۔علی جان صاحب ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

ارے میرا یار۔۔انہوں نے تپاک سے طارق کو سینے سے لگایا۔کب سے تمہارا منتظر ہوں اور تم ہو کہ۔کیسے ہو پارٹنر؟۔

دعائیں ہیں آپ کی۔اس کے لبوں سے پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

ہم صرف دعاؤں کے سوا تمہیں دے کیا سکتے ہیں۔ہماری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔کل گیلانی صاحب کی آفس میں باتیں ہو رہی تھیں۔بہت تعریفیں ہوئیں تمہاری۔کہہ رہے تھے ایسا نک سک سے درست نوجوان ہے جیسے آرڈر پر بنوایا گیا ہو۔۔تمہاری تو تعریفیں ہوتی ہیں، سیروں خون ہمارا بڑھتا ہے۔وہ محبت سے بولے۔

بڑی کرم نوازی ہے آپ کی۔وہ آخر بولا۔

مس حنا کہہ رہی تھیں۔بہت جلد باز نکلے طارق احمد فاروقی۔اتنی جلدی شادی رچا بیٹھے۔کتنے دلوں کو توڑا ہے، کتنے لوگوں کو مایوس کیا ہے۔علی جان صاحب قہقہہ لگا کر ہنسے۔

اچھا۔مجھے تو اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔وہ مسکرایا۔ویسے مسلمان ہونے کے ناطے خاصی گنجائش ہے ابھی میرے پاس۔وہ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے مسکرایا۔

خاتونِ اول کے بعد خاتونِ دوئم، سوئم، چہارم بھی۔

ارے۔ارے۔۔اس معاملے میں ہم دریہ بیٹی کا ساتھ دیں گے۔تمہیں اس ظلم کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔وہ دریہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت شفقت سے گویا ہوئے۔

علی جان صاحب آج کل کی لڑکیوں کی شادی خاصا پرابلم بن چکی ہے۔اگر خاتون اول فراخدلی کا مظاہرہ کرے تو بہت سا ثواب سمیٹ سکتی ہے۔۔اس کے لہجے میں جانے کیا تھا۔دریہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔

اب مزید اصلاحات کی گنجائش نہیں ہے اس معاشرے میں طارق۔۔تم میری بیٹی کو ڈراؤ نہیں۔وہ طارق کی بات کو محض شرارت سمجھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ارے بھئی۔۔علی صاحب کی تواضع بھی کی۔۔؟۔۔یا۔۔وہ دریہ سے مخاطب ہوا۔

بھئی ہماری بیٹی نے ہمیں سیر کر رکھا ہے۔بہت مہمان نواز ہے۔برسوں سے مہمان نوازی کا لطف اٹھا رہے ہیں اچھا بھئی اجازت؟۔

کیوں ہمارے ساتھ بیٹھنے میں اعتراض ہے۔اس نے کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈالا اور علی جان صاحب کی طرف پلٹا۔

ارے بھئی، تمہارے ساتھ بیٹھنا تو عین سعادت ہے۔وہ ہنسے۔بھئی مجھے شاہ نور جانا ہے۔ریکارڈنگ ہے رات ایک بجے۔وقت پر پہنچنا بہت ضروری ہے۔تم جانو میک اپ، میڈم ہیں۔۔اچھا بھئی پھر ملیں گے۔خدا حافظ۔وہ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر نکل گئے۔

طارق ان کے پیچھے نکل گیا غالباً ان کو نیچے پورچ تک خدا حافظ کہنے گیا تھا۔دریہ کچن کی

طرف بڑھ گئی۔

واپس آیا تو دریہ راہداری میں مل گئی۔ کھانا لاؤں؟۔

نہیں۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

کیوں۔؟ میں نے مٹن چانپ بنائی ہے خاص طور پر۔

مت بنایا کرو مجھے بیوقوف۔ وہ جیسے برس پڑا۔ دریہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

کیا کھانا کھا کر آئے ہیں؟ وہ پھر ہمت کر کے بولی۔

کھانے جا رہا ہوں۔ چائنیز کوئی اعتراض۔۔؟ وہ غرا کر پلٹا۔

اگر ہو بھی تو فائدہ۔۔؟ وہ سلگ کر بولی اور واپس کچن میں چلی گئی۔

طارق نے اندر جا کر کوٹ اٹھا کر بازو پر ڈالا پھر انٹر کام کی سمت آیا۔ بٹن پش کیا۔

فرقان۔ یار۔ کہیں پروگرام تو نہیں ہے۔؟۔

خواب میں جنت کا پروگرام ہے، عجیب لوگ ہیں۔ شادی کی ڈیٹ ہی نہیں دے رہے۔

کچھ وقت حروں کے ساتھ ہی۔ انٹر کام پر فرقان کا شکوہ ابھرا۔

اچھا اچھا میں نیچے آ رہا ہوں۔ گاڑی کی چابی چاہیے۔

ریکارڈنگ ہے۔؟ فرقان نے پوچھا۔

نہیں یار۔۔ بس کام ہے۔ وہ بولا۔

کوئی پھر بیمار ہو کر ہاسپٹل تو نہیں پہنچ گیا۔؟ اس کی شریر آواز ابھری۔

خدانہ کرے۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

دیکھتے ہوں تمہاری خود پسندی کی انتہا کیا ہے؟ دریہ نے راہداری سے گزرتے طارق کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر خود سے خطاب کیا تھا۔

ممی دیکھیے گا۔ میں ان لوگوں کو جان سے مار دوں گا۔ عمر کا چہرا غصے سے تپ رہا تھا۔

میری زندگی۔ فیروزہ نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ سارے دکھ بھول گئی اپنے شیر جیسے بیٹے کا غصہ دیکھ کر۔ وہ کھلکھلائی۔

میں سیریس ہوں ممی ڈونٹ بی سلی۔ عمر نے فیروزہ کی ہنسی کا سخت برا منایا۔

فیروزہ اپنے بیساختہ قہقہے پر قابو نہ پا سکی۔

میں ان کی ٹانگیں بھی توڑ دوں گا اور دونوں ہاتھ بھی۔ عمر اس کی آغوش میں پھڑ پھڑایا۔

بالکل ہی للو لنجے بنا کر مارو گے؟ ستارہ نے حصہ لیا۔

آپ دیکھ لیجیے گا آنٹی۔ وہ مارے جذبات کے جیسے ابل رہا تھا۔

ہاں۔ میرا بیٹا ہے جری، اس میں شک کیا ہے؟ فیروزہ نے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے۔

ممی اس نے چہرہ اٹھا کر فیروزہ کو دیکھا۔

ممی کی جان۔ فیروزہ نے اس کا منہ چوم لیا۔

وہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

یہیں۔ اللہ کی زمین پر۔ وہ مسکرائی۔

آپ مجھے ان کا ایڈریس دیجئے ذرا۔ وہ بڑے جذب سے بولا۔

اللہ کی شان۔۔ ستارہ کو گدگدیاں ہونے لگیں۔ بھئی روز مجھے تو تمہارے اس دبنگ بیٹے سے خوف آنے لگا ہے۔ وہ ہنسی۔

ماشاءاللہ۔ نظر لگاؤ گی کیا۔۔۔؟

آپ سنتی کیوں نہیں ہیں؟ کیا کہہ رہا ہوں میں آپ سے؟ وہ جھلا گیا۔

میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔ ہاتھوں پاؤں کے نشان اپنے وجود پر دکھاؤں گی۔ مگر صبر کرو میری جان۔ ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔ فیروزہ پیار سے بولی۔

چھوٹے بھی مار سکتے ہیں۔ اس نے گویا انکشاف کیا۔

ہاں اور کیا۔ تم لیے جفاوری کے سامنے تو کرو۔ پھر دیکھنا ہمارا عمر پہلے اسٹول رکھے گا پھر اسٹول پر چڑھے گا اور ایک دے گا جما کر۔ ستارہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

آنٹی جوک نہیں کریں۔ آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں؟ آئی ایم مین۔۔۔ فورفٹ سیون انچ ہائٹ۔ آئی ایم اسٹرونگ عمر علی شاہ۔ انڈراسٹینڈ۔۔۔؟

اسے کہتے ہیں خون کا اثر۔ آم کے درخت میں آم لگتے ہیں اور گلاب کے پودے میں گلاب۔

فیروزہ نے تفاخر سے عمر کو دیکھ کر ستارہ سے کہا۔

ممی۔ جب آپ اسٹک لے کر چلتی ہیں تو میں ناں تو میں بہت سورو () فیل کرتا ہوں اور میں رونا چاہتا ہوں مگر میں روتا نہیں ہوں، اس لیے کہ آپ کہتی ہیں بہادر مرد بدلہ لیتے ہیں روتے نہیں ہیں۔

ہائے یہ تمہارا تابعدار بیٹا۔ ستارہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

تم میرے بیٹے کو نظر لگا کر چھوڑو گی۔ فیروزہ نے کہا۔

مجھے بھی لگتا ہے۔ عمر نے ناراضی سے کہا۔ دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔

پوری دنیا بھی تیرا مول نہیں میری جان۔ تجھے میرے دکھ پر دکھ ہوتا ہے۔ کتنا بڑا محسن ہے تو میرا۔ فیروزہ نے جھک کر پھر اس کا منہ چوم لیا۔

میں چند روز میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ پھر ہم مل جل کر اس چغد قسم کے میئے ہمالین مین سے بدلہ لیں گے۔ تم فکر مند ہو میں ڈسٹرب ہو جاتی ہوں۔ فیروزہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

تم کہہ رہے تھے تمہیں کچھ چیزیں چاہئیں۔۔۔؟ فیروزہ نے گفتگو کا رخ موڑا۔

جی۔۔۔

لسٹ بنا کر خواجہ کو دے دو، وہ لا دے گا۔ اس نے محبت سے اس کے بال سنوارے۔

فارگاڈ سیک ممی۔۔۔ عمر کو ایک دم جیسے کچھ یاد آ گیا۔

آپ خواجہ کو مری نہ بھیجا کریں۔ وہ جھلا کر کہہ رہا تھا۔

کیوں بیٹا۔۔۔؟ وہ حیران ہوئی۔

وہ مجھے گود میں اٹھالیتا ہے۔ آئی فیل شیم ممی۔ وہ ناراضگی سے کہہ رہا تھا۔

وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے جان۔ فیروزہ نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔

مجھے انسلٹ فیل ہوتی ہے۔ میرے کامریڈز بھی وہاں ہوتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ میں ابھی بچہ ہوں۔ وہ منہ بنا کر بولا۔

حالانکہ تمہارے پیٹ میں ڈاڑھی ہے۔ ستارہ نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

جی نہیں۔۔۔ آپ کو اتنا بھی نہیں پتہ ڈاڑھی پیٹ میں نہیں ہوتی بلکہ چیکس (رخسار) اور چن (تھوڑی) پر ہوتی ہے۔

جیسے جغادری کی ہے۔ ستارہ نے چھیڑا۔

ارے۔۔رے۔۔۔ یہ کیا بتا رہی ہو۔ ہر ڈاڑھی والا مشکوک سمجھا جائے گا اب تو۔

کیا سچ ممی۔ اس بدتمیز آدمی کی ڈاڑھی ہے۔ عمر چونکا۔

ارے نہیں، ایسے ہی آنٹی مذاق کر رہی ہیں۔ فیروزہ نے ستارہ کو گھورا۔

یہ اماں کیا کر رہی ہیں؟ ستارہ کو ایک دم ماں کا خیال آیا۔

جاؤ بیٹے اب تم کھیلو۔ پھر شام کو آپ نے مری واپس جانا ہے۔ ٹیسٹ کی تیاری کرنا ہے۔ فیروزہ نے عمر کو گویا ٹالا۔

عمر کودتا پھاندتا باہر نکل گیا۔

یہ ساری تفصیل اپنے سورما بیٹے کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ ستارہ نے فیروزہ کی خبر لی۔

مجھے کیا ضرورت پڑی تھی، اماں اور میں باتیں کر رہے تھے۔ ہمیں دھیان نہیں رہا کہ یہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔

آئندہ خیال رکھنا روز۔ کبھی زیادہ بیدھیانی ہوگئی تو یہ تمہارا نہیں رہے گا۔ ستارہ نے آہستگی سے خبردار کیا۔

ارے فیروزہ۔ بیٹی کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے۔ وہ تجھ سے کوئی غلط فرمائش تو نہیں کر رہا تھا۔ ہیروں کے سیٹ، ہزاروں ڈالر وہ تو تیری خاطر بکنے کو تیار ہے۔ بڑھیا ہائے ہائے کرتی کمرے میں داخل ہوئی۔

میرا دل نہیں مانتا اماں۔۔۔ وہ تکیے پر سر رکھ کر آہستہ آہستہ مگر گہری سانسیں لینے لگی۔

اس دل کو چولہے میں دے دے جو تیری جان کا دشمن بن رہا ہے۔ وہ جل کر بولی۔

خدانخواستہ اگر نا نکل ہی پاؤں سے چلی جاتی۔

کاش مر ہی جاتی۔ وہ بات کاٹ کر بولی۔

تجھے کیا ہوگیا ہے فیروزہ کیوں اپنے عیش و آرام کو آگ لگانے پر تل گئی ہے؟ بڑھیا نے لاچاری سے سر تھام لیا۔

اماں میرا ضمیر۔۔۔ سہاگنیں بستروں پر کروٹ بدلیں اور میں ان کے۔

چھوڑو یہ ضمیر ومیر۔ فیروزہ ہمارے ہاں ان باتوں کا رواج نہیں ہے۔ بڑھیا نے ناگواری

سے ٹوکا۔

مجھے اپنے رواج پروان چڑھانے دو اماں۔ مجھے یہ زندگی پہلی اور آخری بار ملی ہے۔

یونہی کسی روز جان سے چلی جائے گی۔ ہماری جان کو روگ لگا کر۔ عمر بھر کے کلیس۔

بڑھیا نے اپنا نقش پاندان کھول کر پان بنانی شروع کر دیا۔

جفادری تیرا اچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ بڑھیا نے اندیشہ ظاہر کیا۔

چھوڑ و اماں۔ موت سے لمبے ہاتھ کسی کے نہیں ہوتے۔ میں اس کی موجودگی میں جان بھی دے سکتی ہوں۔

کروا کر تو بیٹھی ہے حشر اپنا۔ چلتی موٹر سے چھلانگ مارنا کوئی کھیل ہے۔ تیرا تو ہو چکا ہے دماغ خراب۔

یہی سمجھ لو۔ اس نے بازہ آنکھوں پر رکھ لیا۔

اس کو سمجھانا بے کار ہے اماں۔ کیوں سلگتی ہو۔۔۔؟ ستارہ نے قصہ کوتاہ کیا۔

تو کسی کو خوش کرنا نہیں چاہتی۔ کوئی تجھے اپنا نہیں سکتا۔ کیسے زندہ رہے گی اپنے نفس کو مار کر۔ بڑھیا نے ایک اور زاویے سے نشانہ لیا۔

تمہارے ہندوستان میں آج بھی عورت اپنے مرد کے ساتھ ستی ہو جاتی ہے اماں۔ نفس کشی بھی کرتی ہے اور روح سے بھی پیچھا چھڑا لیتی ہے۔

تجھے کوئی نہیں اپنائے گا فیروزہ۔ تو بہتی گنگا ہے جس میں لوگ ہاتھ دھونا چاہتے ہیں۔

مگر یقین کرو اماں میں پر سکون ہوں۔

یہ جفادری۔

مت ہولاؤ مجھے، کسی جفادری کسی وڈیرے، کسی منسٹر سے، خدا نہیں ہیں یہ لوگ۔ ایک بیمار نفس اور بوسیدہ روح کے مالک ہونہہ۔

تم فکر نہ کرو اماں میں تمہارا علاج تمہاری مرضی کے مطابق کراؤں گی۔ نیویارک ہی میں مگر مجھے اپنے جسم و روح پر اپنا حق استعمال کرنے دو۔

اب کیسا ہے تمہارا پاؤں ستارہ نے اکتا کر بات کا رخ موڑا۔

اچھا ہے۔ چل پھر سکتی ہوں۔ اس نے اپنے پاؤں پر نظر ڈالی۔

تارو۔۔

ہوں۔۔۔

ذرا ماں تو لے چل مجھے۔ دیکھوں سوٹ تیار ہو کر آ گئے ہیں یا۔۔

طبیعت ٹھیک نہیں ہے تیری۔ سوات سے مال پہنچنا کوئی گھڑی کی بات ہے بڑھیا نے ٹوکا۔

تنگ آ گئی ہوں میں یہاں قیدیوں کی طرح رہتے رہتے۔ بہت بور ہو رہی ہوں۔

ہاں اماں۔ ذرا اس کا جی بھی بہلے گا۔ افلاطون سے کچھ زیادہ ہی ہو رہی ہے۔ ستارہ ہنسی۔

خواجہ کو ساتھ لے جاؤ۔

میں نہیں لگا رہی یہ دم چھلا۔ فیروزہ نے بیزاری سے کہا۔ بڑھیا چپ ہو گئی۔

کچھ رقم رکھ لو ستارہ۔ میرے لاکر سے۔ اس نے چابی نکال کر ستارہ کی جانب پھینکی تھی۔

چالیس ہزار لے لو۔ ہو سکتا ہے رقم ایڈوانس دینا پڑ جائے۔ وہ اسٹک تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی اور برش اُٹھا کر بال بنانے لگی۔

تو کیا کل تک آ ؤ گی۔ بڑھیا پھر پوچھ بیٹھی۔

ہم مری کے مال جا رہے ہیں اماں۔ لاہور کے مال پر نہیں۔

موٹر احتیاط سے چلانا ستارہ

اچھا اماں۔

وہی ہوا جس کا خدشہ تھا یعنی شام خاصی اُتر آئی تھی۔ ستارہ پارلر سے ابھی تک برآمد نہیں ہوئی تھی۔ فیروزہ ملبوسات کے آرڈر بک کرا کر روزمرہ کی ضروریات کی ہلکی پھلکی چیزیں خریدنے میں مگن تھی۔

ایک ہاتھ میں پیکٹ اور دوسرے میں چھڑی تھامے جب وہ اپنی موٹر کی سمت بڑھی تو ایک نوعمر لڑکا تیزی سے سائیکل چلاتا اس کے سامنے سے زن سے گزرا۔ وہ ایک دم اچھل کر پیچھے ہٹی۔ ہاتھ میں موجود چند پیکٹ اور بلیو فریم کے سن گلاسز ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرے۔

اس نے سنبھل کر پھر جھک کر چیزیں اٹھانا چاہیں تو مضبوط مردانہ خوبصورت ہاتھ اس سے پہلے پیکٹوں کی جانب بڑھے ایک مخصوص مہک فیروزہ کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس نے نزی طرح چونک کر سر اُٹھایا اور سیدھی ہو گئی۔

یہ لیجیے۔ طارق نے پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

شکریہ۔ وہ اجنبیت سے بولی۔

طارق نے سن گلاسز کی سمت تاسف سے دیکھا۔ یہ تو ٹوٹ گیا افسوس۔

چلیں، آنکھیں تو سلامت ہیں۔ وہ بیتاثر لہجے میں گویا ہوئی۔

کون سی اندرون یا۔ وہ بہت لطیف انداز میں مسکرایا۔

الحمداللہ۔ دونوں۔ وہ بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

ٹھیک تو ہیں آپ۔ طارق نے اس کی چھڑی پر نظر ڈال کر بالآخر پوچھ ہی لیا۔

میں تو اس دن سے بہت فکرمند رہا آج تک۔

کس دن سے وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی مگر چونک کر پوچھنے پر مجبور ہو گئی۔

جس دن آپ کو سرخ ٹویوٹا کار۔

فیروزہ نے اپنی الجھی ہوئی آنکھیں اس کی سمت مرکوز کیں۔

جس دن آپ الحمرا آرٹس کونسل میں میرے گیت سننے آئی تھیں۔

وہ ایک مکمل کنسرٹ تھا، محض آپ کے گیت۔

اوہ میں خاصی خوش فہمی کا شکار ہو گیا تھا کیونکہ میری پرفارمنس کے فوراً بعد ہی آپ باہر آ گئیں تھیں۔ اس نے فیروزہ کی بات کاٹی۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ آپ خیریت سے تو رہیں ناں۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

یہ راہگزر ہے مسٹر فاروقی۔ میری آنکھوں سے لہو گرنے لگے گا۔

وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر اپنی سمت بڑھ گئی۔

طارق تشویش سے اسے چھڑی کے سہارے آگے بڑھتا دیکھ رہا تھا۔

وہ میاں صاحب کو ساتھ لے آئے تھے۔

گھر میں عجب سے رونق اتر آئی تھی عائشہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ بھائی کے ہاں رہنے آ گئی تھیں۔ سوچ تو وہ کافی دنوں سے رہی تھیں کہ بھائی کے ہاں جا کر ان کے گھر کی جھاڑ پونچھ کر آئیں چونکہ خود بھی گھرداری میں پھنسی تھیں، موقع ہی مل کر نہیں دے رہا تھا۔

کپڑوں کو دھوپ لگانے کا کام، سردیوں کے کپڑوں کو ڈرائی کلین کرانے کا کام۔ لحافوں اور کمبلوں کی صفائی کا کام، کچن میں استعمال ہونے والے برتنوں کی دیکھ بھال، کوکنگ رینج کی صفائی، کیبنٹس کی صفائی ستھرائی، ملازم تو سر سے بلا اُتارتے ہیں ان سے بھی کام لینے والا کوئی ہونا چاہیے یہی خیال انہیں بھائی کے گھر میں مصروف کرنے کا سبب بنا تھا۔

صبح کو اٹھ کر شروع ہوتیں تو سانس نہ لیتیں۔

میاں صاحب پورچ سے لان اور لان سے پورچ تک کا مارچ کرتے ہوئے بغور انہیں دیکھا کرتے۔

ولایت علی شاہ۔ تمہاری بہن بہت ذمہ دار ہیں اللہ اس کی عمر میں برکت دے۔ ایک روز کھانے کے دوران انہوں نے محبت سے کہا تھا۔

جی میاں صاحب یہ میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔

ان کے دم سے میرا میکہ آباد ہے میاں صاحب عائشہ نے محبت سے بھائی کو سوچ کر کہا۔

اس وقت بھی وہ کچن میں ملازمین کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہی تھیں۔

ذرا پینٹری کا حال دیکھو۔ زمین پر کس قدر چاول بکھرے ہوئے ہیں۔ پیاز کے چھلکے علیحدہ۔ کنستروں کے ڈھکن تک بند کرنے کی تم لوگوں کو فرصت نہیں۔ حد ہے۔

فریج دیکھو پتا پڑا ہے مہینوں پرانی چیزیں اب بھی اس میں موجود ہیں ڈیپ فریزر دیکھو دیکھو تو اس کا حال بُرا۔ ایک مرغی تو غالباً اس میں سال بھر سے پڑی ہے۔ سکڑ کر حنوط ہو گئی ہے۔

کوکنگ رینج پر کیسے نشان پڑ گئے ہیں تمہیں معلوم ہے کتنا قیمتی ہے کسی اور گھر میں یہ حرکت کی ہوتی تو مالکن نکال باہر کرتی۔ عجب لوٹ مچی ہوئی ہے۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹیں تو دروازے میں میاں صاحب کو کھڑے ہوئے پایا کچھ جھینپ سی گئیں۔

بھئی۔ ذرا آرام سے۔ کیوں اس قدر ناراض ہو رہی ہو۔

گھر اُلٹا رکھا ہے میاں صاحب ان لوگوں نے۔ کام کرنے کو دل نہیں چاہتا مفت کی تنخواہیں چاہتے ہیں۔

وی سی آر دیکھنے سے فرصت نہیں ہے۔ بھائی جان نے کہا ہے کہ لاک لگا جایا کریں وہ لحاظ کر جاتے ہیں کہ

برسوں پرانے نمک خوار ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ سر چڑھتے جا رہے ہیں کہیں اور مل سکتے ہیں یہ ٹھاٹھ۔۔۔

یہ بہت غلط حرکت ہے بھئی۔ مہربانی کا جواب سوائے مہربانی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن نہیں پڑھا تم نے اللہ خود سوال کر رہا ہے۔ حل جزاء الاحسان الا احسان۔ کیا احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ اور ہو سکتا ہے۔

یاد رکھو خیانت قابل مذمت ہے۔ یاد رکھو جو پیٹ میں ڈالا ہے وہ ہمیشہ پیٹ میں نہیں رہتا اور جو جیب میں رکھا ہے وہ ہمیشہ جیب میں نہیں رہ سکتا۔ سانپ گزر جاتا ہے لکیر رہ جاتی ہے، عمل بظاہر تمام ہو جاتا ہے مگر روح پر نشان رہ جاتا ہے۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ یہ جواب ہے ان بھلے لوگوں کی مہربانی کا۔ چلو بی بی سے معافی مانگو اور اللہ سے استغفار کرو۔ انہوں نے خادمیہ کہا۔

ہم بے ایمانی نہیں ہیں جی۔ ہم نے آج تک بغیر پوچھے اس گھر سے کوئی چیز نہیں لی۔ ایک نوکر کھسیایا۔

نا سمجھ اپنے فرائض سے غفلت سب سے بڑی بے ایمانی ہے۔ بہت بڑی چوری ہو رہی ہے۔ وہ ناراضگی سے گویا ہوئے اور اپنا عصا ٹکاتے ہوئے باہر کی جانب نکل گئے۔

شام کی چائے پر عائشہ کو نہ پا کر انہوں نے استفسار کیا۔

گھر کے لیے کچھ ضروری چیزیں لینے بازار گئی ہے۔ ولایت علی شاہ نے بتایا۔

ماموں جان ممی بشر کا یونیفارم ٹیلر کے ہاں دینے گئی ہیں۔ عائشہ کی بیٹی نے ولایت علی شاہ کو اطلاع بہم پہنچائی۔

ہاں بیٹے۔ مجھے یاد آ گیا۔

تم نے بہن پر بہت بار ڈال دیا ہے ولایت علی شاہ۔

نہیں میاں صاحب وہ اپنی خوشی سے۔۔

تمہیں خوش اور پُر سکون دیکھنے کی آرزو میں وہ اپنی ذات کو قربان گاہ تک لے جا سکتی ہے۔ بہنیں اپنے بھائیوں کے لیے بے پناہ حساس ہوتی ہیں علایت علی شاہ۔ وہ اپنی محبت سے مجبور ہے۔ مگر تھک تو سکتی ہے۔

میں تو اسے بہت منع کرتا ہوں میاں صاحب یقین کریں۔

تمہاری ممانعت کی قوت اس کی محبت سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں بے اختیار ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ اپنے گھر میں بھی بے چین ہے۔ سکھی نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا آدمی بہت اچھا ہے۔ اس کے گھر میں اللہ کی برکت ہے اسے تو پُر سکون ہونا چاہیے۔

میں سختی سے منع کردوں گا میاں صاحب ولایت علی شاہ کو یہی سوجھا۔

یہ غضب نہ کرنا۔ وہ ڈر جائے گی ولایت علی شاہ۔ تم دونوں ہمیشہ کے لیے دلی طور پر دور ہو جاؤ گے۔ تمہارے گھر میں اس کی یہ اپنائیت اور تصرف ہی اس کا مان ہے۔

پھر کیا کروں ولایت علی شاہ بیساختہ کہہ بیٹھے۔

جو اس گھر کی مالکن ہے اسے معاف کردو۔

ولایت علی شاہ دم بخود میاں صاحب کو دیکھتے رہ گئے۔

ناممکن۔ ہر صورت ناممکن۔ میاں صاحب معاذ اللہ۔ میں پیغمبر نہیں ہوں۔ چوٹ کھا کر پتھر نہیں چوم سکتا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

پیغمبر انسانیت کا نمونہ بن کر آتا ہے ولایت علی۔ اس کے عناصر ترکیبی وہی ہوئے ہیں جو آدم کے لیے مختص ہیں۔ وہ رہنما بن کر آتا ہے ولایت علی اور اللہ وحدہ لاشریک پر یقین کی انتہا یہ کہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا اس کے رسول کو صرف رسول ہی نہ سمجھے بلکہ اس کے بندہ ہونے کا بھی اقرار کرے۔

محض نفس کشی ہی پیغمبری نہیں ہوتی اور پیغمبری صرف نفس کشی نہیں ہوتی یہ حجاب کی باتیں ہیں اللہ اور اس کے مخصوص بندوں کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ میں تم انہیں اپنی سوچ کی گرفت میں نہیں لاسکتے۔

مگر یہ غلط سوچ اپنے ذہن سے جھٹک دو اور ہمیشہ کے لیے یاد کرلو کہ پیغمبر پہلے اللہ کا بندہ ہے پھر پیغمبر۔

تم نے تو ایک لمحے میں سب کچھ اکارت کردیا۔ پتھر کھا کر چوٹ سب کو ایک جیسی لگتی ہے۔

خون بہتے وقت رگ جاں سب کی ایک طرح کھینچتی محسوس ہوتی ہے۔ راستے میں بچھے کانٹے سب کے پاؤں میں چبھ کر ایک سی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اللہ اسے برداشت کی طاقت سے نوازتا ہے۔ جو اس کی نظر سے گر جائیں انہیں طاقت نہیں درماندگی ملتی ہے۔ یہ جو راستے ہماری قوت برداشت کی آزمائش ہیں۔ یہاں ہمارے ایمان کی کسوٹی نصیب ہے۔ ولایت علی شاہ۔

روئی پانی کی طرح مذہب کو بھی کھینچتے پھر رہے ہیں۔ ہماری لائبریریاں بھر رہی ہیں۔ ہماری روحیں خالی ہو رہی ہیں۔

بجا ارشاد فرمایا میاں صاحب مگر۔ میاں صاحب ولایت علی شاہ ہچکچا کر چپ ہو گئے۔

کہو ولایت علی شاہ وہ معصومیت سے نظریں جھکا کر منتظر ہوئے۔

چھوٹا منہ ہے بڑی بات کہنے جا رہا ہوں۔ ولایت علی شاہ گویا ہوئے۔

میاں صاحب۔ آپ اولاد کے امتحان سے نہیں گزرے۔ آپ اس آگ میں نہیں جلے جس میں ہر لحظہ میں جلتا رہتا ہوں۔ ان کی آواز بھیگ گی۔ وہ سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

ولایت علی شاہ۔ ایک خیال بار ہا دل میں آتا ہے۔

یہی کہ تم نے آج تک ہمارے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ کہ ہم کون ہیں۔ ہمارا تعلق کہاں سے ہے۔ ہماری اولاد کہاں ہے۔ ہمارا گھر اتنا سنسان کیوں ہے میاں صاحب نے پست آواز میں کہا۔

ولایت علی شاہ نے چونک کر میاں صاحب کی شکل دیکھی۔

واقعی ۔۔انہوں نے یہ جاننے کی تو کبھی کوشش ہی کی جب کہ میاں صاحب سے کئی بار مل چکے تھے۔

یہ میری کوتاہی ہے میاں صاحب۔ آپ اپنے بارے میں کچھ فرمائیے۔ یہ تو بڑی اہم بات آپ نے یاد دلائی۔ ولایت علی شاہ نے بیچینی کا مظاہرہ کیا۔

ولایت علی جس آگ میں تم کچھ عرصے سے جل رہے ہو اس آگ میں، میں بیالیس سال سے جل رہا ہوں مگر راضی بہ رضا ہوں۔ میرے رہبر کی دعا ہے۔ میرے مالک کا دیا ہوا حوصلہ۔۔ وگرنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔ ان کی آواز پست ہو گئی۔

میاں صاحب۔۔ ولایت علی شاہ ششدر سے ان کی صورت دیکھنے لگے۔

ہاں۔۔ ولایت علی۔۔ تم ایک دم اپنے جگر گوشوں سے مل سکو گے اس لیے کہ تم اپنے وطن میں بستے ہو۔ مجھے دیکھو۔۔ میری نظروں کے سامنے میرے جسم کے حصے چھین لیے گئے اور پھر یقین کے اس راستے پر ڈال دیا گیا کہ اب میری آنکھیں انہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گی۔

میاں صاحب ولایت علی شاہ دم بخود سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کا جگر قطرہ قطرہ پگھلنے لگا تھا۔

ہاں۔ ولایت علی یہ آسمان میرے سر پر ٹوٹا ہے۔ یقین کرو۔ وہ آزردگی سے گویا ہوئے۔

یہ کیونکر ہوا میاں صاحب۔۔ کیسے۔۔ ولایت علی شاہ نے بیقراری کا اظہار کیا۔

یہی میں آج تک سوچ رہا ہوں۔ شاید میرے رب نے میرے یقین کی آزمائش کرنا چاہی تھی۔ میاں صاحب اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔

میاں صاحب مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایئے۔ میری حالت غیر ہو رہی ہے۔ ولایت علی شاہ نے ان کے گھٹنے چھوئے۔

میاں صاحب نے اپنی سفید پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

تم نے دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دے دی ہے ولایت علی شاہ۔ میں پھر بکھرنے لگا ہوں۔ مجھے دعا کرنے دو کہ میرا رب مجھے پھر حوصلہ دے۔ میں پھر اپنے آپ کو سمیٹ لوں۔

میں بہت بےچین ہو رہا ہوں۔ ولایت علی شاہ اپنی بیقراری چھپا نہ سکے۔

میاں صاحب نے گھاس پر بیٹھے ہوئے ولایت علی شاہ کو بغور دیکھا اور اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ولایت علی شاہ کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

رات کو چھت پر چلیں گے۔ پھر میں تفصیل سے اپنے امتحانی واقعات تمہیں بتاؤں گا۔

ولایت علی شاہ نے درختوں پر پھسلتی دھوپ کو دیکھا اور اندازہ کیا کہ رات کتنی دیر بعد

ہوگی۔

دو دن قبل دریہ نے عجیب سے لہجے میں اسے بتایا تھا کہ ایک فیملی ثوبیہ کے رشتے کے لیے بے انتہا مصر ہے۔ اور وہ لوگ جمعہ کو باقاعدہ رشتہ مانگنے آ رہے ہیں۔ ممی نے آپ کو بلایا ہے، لڑکا بھی آئے گا۔

ممی کہہ رہی تھیں آپ کا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔ سخت تاکید ہے۔

اس نے سن کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ اتنا ضرور کہا تھا کہ فوزیہ میں کیا برائی ہے موقع ہاتھ لگے تو یہ سوال آپ ان سے کر لیجیے گا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

پھر ماموں جان نے بھی دو مرتبہ فون کر کے یاد دہانی کرائی تھی کہ اسے ہر حال میں وہاں موجود ہونا چاہیے۔ وہ صبح سے لکیروں کے کھیل میں الجھا ہوا تھا۔ دریہ کو تو صبح ڈرائیور آ کر لے گیا تھا۔ دوپہر کو وہ سو گیا تھا۔ اب اٹھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ اپنے اندر سے قطعی لاتعلق سا ہو رہا تھا نہ جانے کیوں۔

ڈریہ اس کے کپڑے تیار کر کے اسے مطلع کر گئی تھی مگر اس نے دریہ کے تیار کردہ پُرتکلف لباس کو نظر انداز کر کے سفید کرتے پاجامے کا انتخاب کیا۔ جس وقت وہ بہت دل لگا کر جما جما کر پریس کر رہا تھا فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا تو عجیب سی سرخوشی کا احساس ہوا۔ دوسری طرف عابدہ بیگم تھیں۔

السلام علیکم اماں جان وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔

وعلیکم السلام۔ اللہ اپنا کرم کرے۔ کیسا ہے میرا بیٹا وہ ممتا سے پُر لہجے میں مخاطب تھیں۔

بالکل ٹھیک۔ اس نے مسکرا کر کہا مگر ایسا لگا جیسے بالکل ٹھیک کی صدا اس کے خالی وجود میں بازگشت بن کر گونج رہی ہو۔

کیا کر رہے تھے آج تو جمعہ ہے۔ خوب آرام ہو رہا ہوگا ان کی پُرشفقت آواز ابھری۔

بس تھوڑا سا آرام اور زیادہ کام۔ یہ پروجیکٹ مکمل ہو جائے تو کچھ اطمینان ہوگا۔

اور جو تم اپنا گھر بنانے کا پروگرام بنا رہے تھے عابدہ بیگم کو معاً یاد آیا۔

آپ دعا کرتی رہیے انشاءاللہ وہ تو بنے گا۔ اس پروجیکٹ کے بعد میں دوسری کمپنی جوائن کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

سوانا بلڈرز۔ یہاں میری خدمات کا معاوضہ میری مرضی کے مطابق ہوگا اور ممکن ہے چند سال مجھے آسٹریلیا یا امریکہ میں گزارنا پڑیں۔ اس نے ماں کو تفصیل بتائی۔

دل تو تیری دوری پر بہت کڑھتا ہے مگر پھر تیرے خواب، تیری خوشی۔ عابدہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

کچھ پانے کے لیے تگ و دو تو کرنا ہی پڑتی ہے اماں جان اور پھر دیکھیے ناں یہ تو میرے اپنے ساتھ زیادتی ہے کہ دنیا کو تعمیرات کے شاہکار دیتا ہوں اور خود موہن جو داڑو کے مکان میں رہوں۔ میں اپنے ہنر کی انتہا اپنے گھر پر کرنا چاہتا ہوں اماں جان۔

ماشاءاللہ خدا تمہارے خواب سچ کرے۔ میرا بیٹا کامیابیوں کے نئے جہان دیکھے۔ عابدہ

بیگم نے حرف حرف محبت میں بھگو کر دعا دی۔

اور گھر میں سب خیریت ہے عابدہ بیگم نے دریافت کیا۔

جی۔۔

دُریہ کیا کر رہی ہے۔بات کراؤ۔

وہ صبح ماموں جان کی طرف چلی گی تھی۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ دراصل وہ کچھ لوگ ثوبیہ کے رشتے کے سلسلے میں آ رہے ہیں۔

ثوبیہ کے وہ کچھ حیران ہوئیں۔

جی ثوبیہ کے سلسلے میں۔

تو کیا فوزیہ کا کر چکے ہیں کہیں۔ان کی آواز میں استعجاب تھا۔

میری معلومات کے مطابق تو ابھی تک اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ طارق نے بتایا۔

ہاں خیر ایسا بھی ہو جاتا ہے۔وہ خود ہی بولیں۔

طارق اس بار ان کی آواز مین سوچ کا عکس تھا۔

جی اماں جان

بیٹے ذرا غور سے میری بات سنو۔بھابھی جان کا عندیہ لینے کی کوشش کرو ثوبیہ کے سلسلے میں۔ہم چاہتے ہیں یہ بچی ہمارے ہی گھر آ جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

ہمارے گھر۔۔

ہاں بھئی فاروق سے اگر۔۔۔ مجھے یہ بچی شروع ہی سے پسند ہے۔ اگر تم۔۔۔خیر۔۔۔میں یہ کہہ رہی تھی کہ جب اس کے رشتے آ ہی رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی بات صاف کر لیں، بات ٹھہر جائے۔ شادی کا کیا ہے ہو جائے گی۔ابھی تو وہ بہت کم عمر ہے۔ طارق۔۔سُن رہے ہو ناں

جی اماں جان۔۔

بیٹے۔۔۔یہ جو آج آ رہے ہیں کیا بہت دولتمند ہیں

پتا نہیں اماں جان، ابھی میں ان سے ملا نہیں۔وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

اچھا، دھیان رکھنا۔ اور کوئی خاص بات نہیں، سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بھابھیاں تمہاری اچھی ہیں۔گی ہوئی ہیں ایک تقریب مین۔ گھر میں اس وقت میں ہی ہوں۔سوچا تم سے بات ہی کر لوں۔

اچھا خدا حافظ۔۔انہوں نے طارق کے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا تھا۔

طارق ریسیور رکھ کر جلدی جلدی تیار ہونے لگا۔

گارڈن پہنچتے پہنچتے ساڑھے چھ تو بج ہی چکے تھے۔

سفید کُرتے اور پائجامے میں ملبوس مضبوطی سے قدم جما کر چلتا ہوا طارق ٹیرس پر کھڑی دُریہ کے دل کا ناسور سا بن گیا۔ان نے وہیں سے آواز لگائی تھی۔

ممی طارق آ گئے ہیں۔

طارق نے سر اُٹھا کر ٹیرس کی سمت دیکھا تک نہیں اور سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

ماموں جان اسے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے سب کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہا۔

آؤ آؤ۔ طارق بھی خاصے لیٹ ہو گئے۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوئے۔ بھئی یہ میرا ہونہار بیٹا۔ طارق احمد فاروقی۔ میرا سگا بھانجا ہے۔ بیٹا ہے۔ داماد ہے۔ انہوں نے طارق کو شانوں سے تھام کر بڑی اپنائیت سے تعارف کرایا۔ مہمانوں کے سامنے احسان علی بچھے جا رہے تھے جس کی وجہ سے طارق نے مہمانوں کا بغور جائزہ لیا۔ جو کثورین طمطراق کے حامل نظر آ رہے تھے۔

آپ کو تو ٹی۔ وی پر دیکھا ہے۔ وہ کیا پروگرام تھا مہمانوں میں سے ایک لڑکی نے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے مخاطب کیا۔

کبھی کبھی شوق کر لیتا ہوں۔ وہ مسکرایا۔

ارے بھئی بہت بڑا سنگر ہے ہمارا بیٹا۔ مگر صرف شوقیہ۔ پیشے کے اعتبار سے آرکیٹیکٹ انجینیر ہے۔ اور اس میدان میں بھی نمبرون۔ نور جہاں نے تعارف کا سلسلہ آگے سرکایا۔

ماشاءاللہ مہمانوں میں سے ایک خاتون بولیں۔

بھئی آپ سے تو آپ کے سسرال والے بہت ہی امپریس ہیں۔ ہمارے بھائی جان کی بھی دال گلنے دیں گے یا۔ وہی مخاطب لڑکی ایک بار پھر شرارت سے گویا ہوئی۔

میں پیشگوئی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ برجستہ بولا۔ اس ذومعنی بات پر کچھ قہقہے خاصے بلند تھے۔

طارق ان لوگوں سے خاصا گھل مل گیا تھا۔۔۔۔ اس لیے کہ اس نے احسان علی اینڈ فیملی کے عزائم بھانپ لیے تھے۔

ویسے اسے پوری فیملی میں نوجوان امیدوار ہی کچھ متوازن نظر آیا تھا۔ اس نے ثوبیہ کے الہڑپن اور سادگی کو اس کے مقابل کیا تو وہ مناسب دکھائی دیا تھا۔ اسے اتنا یقین ہو چلا تھا اگر یہ شخص اتنا متوازن نہ بھی ہوتا تو احسان علی انہیں مایوس نہیں کرتے کہ ثوبیہ کے ہونے والے سُسر اُن کے نئے شراکت دار تھے اور اپروچ مین سرمائے میں، ان سے بہت آگے تھے۔

اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ نور جہاں ممانی صرف شوہر کی طرف سے مجبور ہیں، ان کی حرکات و سکنات اس بات کی مظہر تھیں کہ انہیں اپنے شوہر کی جلد بازی پر تشویش ہے۔

اور دوسرے قریبی تعلق دار بھی رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں طارق کو گھیرے بیٹھے تھے لڑکیاں خاصی پُر جوش نظر آ رہی تھیں۔

اسی دم زارا دُریہ کا ہاتھ تھامے ہال میں داخل ہوئی طاؤسی تنگ پاجامے کرتے اور سُرخ کامدانی کے دوپٹے میں ملبوس دریہ جیسے اس کے ساتھ زبردستی کھینچی چلی آ رہی تھی۔

یہ دیکھو تمہارا میاں سخت خطرے میں ہے۔ ہر سمت یلغار ہے۔ اسٹار بن رہا ہے دھیان رکھا کرو۔ زارا نے اسے صوفے پر طارق کے پہلو میں جیسے پٹخ دیا۔ دریہ بمشکل سنبھلی۔ طارق کے زانو پر اس نے ہاتھ رکھ کر خود کو متوازن کیا تھا۔

اس پر نوجوان دو عمروں کو نیا ٹارگٹ ہاتھ آ گیا تھا وہ شور وغوغا شروع ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دی۔ اس پر مستزاد ثوبیہ کو بھی وہیں کھینچ لائے۔ سرخ رخساروں کے ساتھ آج اس کی چھب بھی نرالی تھی۔ انتہائی گھبرائی اور بوکھلائی ہوئی بہت دلچسپ لگ رہی تھی۔

ارے زارتم ثوبی کو یہاں کیوں لے آئیں۔ ممی دیکھیں گی تو ناراض ہوں گی۔

طارق نے چونک کر دُریہ کی سمت دیکھا تو سناٹے میں رہ گیا۔ دُریہ کنکھیوں سے طارق کو دیکھ رہی تھی۔ طارق کے نزدیک اس کا یہ انداز بہت حیران کن تھا۔

وہ اسے محض وہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

اس نے یہ جانچنے کے لیے آیا دریہ کی حرکت اتفاق تھی یا سوچا سمجھا طرزِ عمل۔ ایک نظر ثوبیہ پر ڈالی۔۔۔ اور انتہائی مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

کوئی ضرورت نہیں ثوبیہ کو اندر جانے کی۔ جب سب لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

ثوبی۔

جی طارق بھائی۔ وہ مسکرا کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

آؤ یہاں بیٹھو۔ اس نے نزدیکی کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ میں دیکھتا ہوں کون تمہیں تنگ کرتا ہے۔

ثوبیہ نے اپنی مخصوص الھڑ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل کی۔ دریہ کے چہرے پر کئی رنگ آئے گزر گئے۔

طارق کی روح از سرِ نوحہ کناں ہوئی۔

گیا واقعی دریہ۔

یہ سچ ہے

کہ

جو بات میں نے خود سے بھی نہیں کی تھی تمہاری اس تک رسائی تھی۔۔

اور یہ دُکھ اس سے بھی بڑا ہے کہ مجھے رشتوں سے احترام سے عاری سمجھا جائے۔

وہ بات جو میں نے خود سے بھی نہیں کی تھی۔

میں نے بہت آرام سے بُھلا دی تھی کہ رشتوں کی تذلیل ضمیر گوارا نہیں کرسکتا۔ مجھے غیر فطری تعلق کسی صورت گوارا ہو سکتا۔

یہ گلابی کپڑوں میں ملبوس بچوں جیسی اداؤں کی مالک لڑکی عفت و عصمت کا غرور۔۔ اس وقت اسی رشتے کے تحت مجھ سے قریب اور متعلق ہے۔ جس رشتے سے قدرت نے ہمیں باندھا ہے۔۔

یہ میرے حقیقی ماموں کی بیٹی میری بیوی کی بہن ہر لحاظ سے میرے لیے قابل احترام اور لائق توجہ۔ کیا مجھ سے اس قسم کی آلودگی کی توقع رکھ سکتی ہو دریہ۔۔

تمہارا جرم تو اور زیادہ گھناؤنا ثابت ہو رہا ہے۔۔

کیا تم بھید پا گئی تھیں۔۔

خواب تو سب کے برابر ہوتے ہیں۔۔پھر

تمہاری خود غرضی بے کنار ہے دریہ۔۔میں تمہارا حشر کروں گا۔

دریہ کی معنی خیز اور حیرت انگیز نظر نے طارق کے اندر آتش فشاں متحرک کر دیا تھا۔

انسان غیر موافق حالات سے گزر رہا ہو تو یوں بھی غیر معمولی حساس ہو جاتا ہے۔اس نے اپنے تمام حواس کی قوت کے نقطہ ارتکاز پر دریہ کی شکی نظر محسوس کی تھی۔

اور۔

وہ موڈ جو اس نے بڑی مشکل سے درست کیا تھا۔پھر بگڑ گیا تھا۔

زخم کے کھرنڈ نوچ دیے جائیں تو۔

زخم جیسی تکلیف ازسرنو محسوس ہونے لگتی ہے۔

وہ خود پر قابو پانے کے خیال سے اٹھ کر گھر سے باہر چلا آیا۔دس پندرہ منٹ ٹہل کر سگریٹ کے دھوئیں میں تفکرات اڑانے کی کوشش کرنے کی۔

جب دوبارہ گھر میں داخل ہوا تو کھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

فوزیہ نے ایک دم پوچھا تھا۔

کہاں چلے گئے تھے طارق بھائی۔۔

جب جانے والے آچکے ہوں تو یہ سوال خود بخود بے معنی سا ہو جاتا ہے۔وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے گویا ہوا۔

آپ سے نہیں جیت سکتے ہم۔آیئے۔معبد بھائی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔وہ اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گی۔

کھانے کے بعد پھر محفل جمی۔

دریہ۔ارے بھی شادی کی سالگرہ پر طارق کو کوئی تحفہ دینے کا ارادہ نہیں ہے۔

تحفہ۔دریہ کافی سرو کر رہی تھی اپنی ایک آنٹی کو آواز پر چونکی۔

ہاں بھی۔اے لائیو گفٹ۔اس کی آزاد منش آنٹی نے قہقہہ لگایا۔

موضوع بہت دلچسپ تھا۔تمام خواتین متوجہ ہو گئی تھیں۔دریہ کچھ جھینپ سی گی۔

چھوڑیں آنٹی۔ٹاپک چینج کریں۔وہ دھیمے سے ہنس کر بولی۔یہ بہت بور موضوع ہے۔

ارے کیوں۔دماغ خراب ہے۔بور کیوں ہونے لگا۔

بھی دریہ میری پہلی اولاد ہے اس کا پیارا سا بھی دیکھنے کی بہت شدید تمنا ہے۔نور جہاں نے محبت آمیز خواہش ظاہر کی۔

خیر ابھی تو شادی ہوئے کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔ہو جائے یہ خواہش بھی پوری ہاں بس۔یہ تمنا ہے۔۔میری دری کو اللہ ایک پیارا سا بیٹا دے۔

ممی آپ بھی ایسا سوچتی ہیں۔دریہ نے تعجب سے ماں کو دیکھا۔

بیٹا ہو یا بیٹی کیا فرق پڑتا ہے۔

بھی تیری ممی نے بیٹے کی خواہش میں تین لڑکیاں پیدا کیں۔ چوتھی مرتبہ رسک نہیں لیا۔
اب یہ سوچتی ہے کہ بیٹی ہی ایک بیٹا پیدا کرلے۔
اس کی ممی کی ایک بےتکلف دوست اپنے مخصوص بیباک انداز میں ہنس کر گویا ہوئیں۔
کچھ سلسلہ شروع ہوا دری۔ انہوں نے کھوجا۔
ارے نہیں آنٹی۔ اس کے سینے میں آنچ سی محسوس ہوئی۔ کھوکھلی ہنسی ہنس کر انکار کیا۔
ویسے دُری۔ ڈارلنگ۔۔۔ بیفکری سے نہ بیٹھ جانا۔ چیک اپ ضرور کرالینا۔ تاکہ تسلی
رہے۔ بھلے پانچ برس بعد بچہ پیدا کرلینا۔ اس کی شادی شدہ دوست نے مشورہ دیا۔
طارق دو تین افراد کے ساتھ وہیں نزدیک بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اور ان خواتین کی باتیں
سنتے ہوئے سوچ رہا تھا۔
خواتین خواہ کسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں۔ سوچ کے محور ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔
دریہ کے ذہن میں ایک انتہائی کاٹ دار خیال بجلی کی مانند کوندا۔
آنٹی۔ وہ ذرا بلند آواز سے گویا ہوئی۔ میری ڈاکٹر کہتی ہے میں ایک آئیڈیل ہیلتھی لڑکی
ہوں۔ ہر طرح سے پرفیکٹ۔
البتہ طارق۔۔۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر طارق کے تمام حسابات پل میں صاف
کر دیے تھے۔
اور طارق۔۔۔ اس کے پاؤں سے جیسے زمین کھینچ لی گئی تھی۔ مرد اکثر غیر متوجہ تھے۔ مگر
خواتین کی مکمل توجہ اس موضوع پر تھی۔
پہلی بار اس نے انتہائی ذلت کی انتہا محسوس کی۔ ایک لمحے کو تو جیسے خود ہی کٹ کر رہ گیا۔
اس کی شریانوں میں کھولتے خون نے طوفان اٹھا دیا تھا۔ وہ اب وہاں ٹھہرنا نہیں چاہ رہا تھا۔
اس نے کافی کا مگ رکھ کر سرزیادہ ماموں کم سے رخصت کی اجازت چاہی اور بہت کام اکٹھا
ہونے کا عذر کیا۔
دریہ ڑے ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔
چلو۔ طارق نے سرد آواز میں اسے متوجہ کیا۔
دریہ نے چونک کر سر اٹھایا۔
کہاں۔۔۔ وہ طارق کا چہرہ دیکھ کر کچھ ڈری۔
جہاں سے آئی تھیں صبح۔ اسی جہنم میں۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔
کل آجاؤں گی۔ ابھی تو دیکھیے ناں یہاں۔
سیدھی طرح چل کر گاڑی میں بیٹھو۔ وہ غرا کر گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔
میں دریہ کو لے جا رہا ہوں۔ اسے بھی ضروری کام ہے۔ اچھا خدا حافظ۔
وہ خاص خاص لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر باہر آیا تو دریہ گاڑی کے دروازے سے ٹیک
لگائے کھڑی پور پور سلگ رہی تھی۔
اتنے مہینوں کی رفاقت نے اسے طارق کی سمجھ اچھی خاصی دے دی تھی۔ ایک لفظ نہیں

بولی۔

جس انے لاک کھولا تو خاموشی سے بیٹھ گئی۔

طارق نے چابی پھنسا کر سگریٹ سلگائی کھڑکیوں کے شیشے نیچے کیے۔ دو تین کش لے کر راکھ جھاڑی پھر

سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر بہت خطرناک حد تک تیزی سے گاڑی مین سڑک پر ڈال دی۔

دریہ ایک لفظ نہیں بولی۔ اور نہ ہی گردن موڑ کر طارق کو دیکھا۔

کار کی رفتار انتہائی تیز تھی دریہ کے بال بھی اسی تیزی سے اُڑ رہے تھے۔ بالوں کو سنبھالنے کے لیے جب وہ ہاتھوں کو حرکت دیتی تو دونوں ہاتھوں میں پڑے طلائی چوڑیاں اور کنگن کھنک اُٹھتے اور کار کے اندر جامد سناٹا چند لمحوں کے لیے ٹوٹ جاتا۔

گھر کے گیٹ پر گاڑی رکی تو دریہ فوراً ہی اُتر گئی اور بٹن پش کیا۔

شب خوابی کے لباس میں ملبوس فرقان نے گیٹ کھولا۔

اکیلی آئی ہیں، اس بنجارے کو کہاں چھوڑ دیا۔ وہ اسے تنہا دیکھ کر شرارت سے گویا ہوا۔

دریہ نے پیچھے اشارہ کیا تو فرقان نے نظر ڈالی۔ اوہ۔۔۔ کیسی رہی تقریب۔۔۔ اس نے گیٹ کے دونوں پٹ وا کرتے ہوئے پوچھا۔

دریہ کا دل بھر بھر آ رہا تھا وہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ چپ چاپ زینے چڑھنے لگی۔ طارق گاڑی اندر لایا۔

سوری یار۔۔ خاصی دیر ہو گئی۔ تم ڈسٹرب تو ہوئے ہوں گے۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں گھر تو بے گا جب بنے گا۔ گاڑی ہی لے لوں۔ شیراڈ یا سوزوکی کی چھوٹی گاڑی۔ تمہیں بھی بہت الجھن ہوتی ہو گی۔ طارق کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

ظاہر ہے تم کار میرے اُوپر سے جو گزارتے ہو۔ الجھن تو ہو گی۔ فرقان برا مان کر بولا۔

حد کرتے ہو یار دوستی کے بیچ ان معمولی باتوں کو لاتے ہو۔ تم دوستی کے ناتے مجھ پر حق رکھتے ہو تو میری ہر چیز پر بھی تمہارا اختیار ہے۔ اس نے طارق کی کمر میں ہاتھ ڈال کر شکوہ بھی کیا اور محبت بھی ظاہر کی۔

ایسی باتیں اس وقت کرتے ہیں جب دور ہونا چاہتے ہیں۔ میرا یقین کرو۔ میں تمہارے عشق میں ذہنی توازن کھو چکا ہوں۔ تمہاری خاطر میلوں پیدل چل سکتا ہوں۔ مگر تمہیں بے کار نہیں کر سکتا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں۔ شادی کے بعد کہیں تبدیلی کے پراسس سے تو نہیں گزر رہے۔ اس نے طارق کی سیاہ بھنورا سی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا۔

طارق مسکرا دیا۔

ایسے ہی خیال آ گیا تھا کہیں تمہیں تکلیف نہ ہوتی ہو۔ وہ چابی اس کو تھماتے ہوئے بولا۔

اچھا۔۔ شب بخیر۔۔۔ صبح جلدی تیار ہو جانا۔ دیر ہو گی تو پریشانی ہو گی، کام بہت پھیلا ہوا

ہے۔ وہ تاکید کرتے ہوئے زینے چڑھنے لگا۔

اپنے کمرے میں پہنچا تو دریہ موجود نہیں تھی غالباً لباس تبدیل کر رہی تھی۔

طارق پر منفی سوچیں اور جذبات ایک مرتبہ پھر شدت سے حملہ آور ہوئے۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ساری عورتیں اپنی آنکھیں اس کے وجود سے چپکائے بیٹھی ہو۔ دریہ کے لیے ترحم اور اس کے لیے ملامت کے انگارے برسا رہی ہوں۔ شدید احساس تذلیل کے ساتھ اس نے سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ پھر رسٹ واچ سے کلائی آزاد کی۔

اسی دم باتھ روم کا دروازہ کھلا ور دریہ وہائٹ نائٹی میں باہر آئی۔

طارق سائیڈ کے کنارے کھڑا ایک ہولاکھی سے نبرد آزما تھا۔

دریہ بالوں کو ربڑ بینڈ میں مقید کر کے خاموشی سے ایک میگزین اٹھا کر بیڈ پر دراز ہو گی۔

طارق نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا ور کولر سے ٹھنڈا یخ پانی نکال کر پورا گلاس ایک سانس میں پی گیا۔ اور زور سے گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

کیا تمہیں احساس ہے دریہ کہ تم اپنے گھر سے مجھے کس آگ میں گھیر کر لائی ہو۔ وہ آہستگی سے مگر

جلتے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

خدا معلوم کتنی قسم کی آگ سے جلتے رہتے ہیں۔۔۔ وہ پھنکاری۔

تم نے مجھے۔ وہ اس کے قریب آیا۔ دریہ اٹھ کر بیٹھ گی۔

تم نے مجھے دسیوں لوگوں کی موجودگی میں ذلیل کر کے اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ میرا تمہارے ساتھ جو بھی سلوک ہے جائز ہے۔

تم اتنی بیباک ہو۔ اس قدر حیا سے عاری۔ میں نے تمہیں آج تک اپنے حق کے تحت استعمال نہیں کیا اور تمہاری زبان اس قدر بیباک ہے۔

وہ جو میری آئیڈیل لڑکی تھی دریہ اگر وہ میرے چار بچوں کی ماں بھی بن جاتی تب بھی اس کی حیا آئیڈیل ہوتی۔ گویا تم میرے آئیڈیل سے کالے کوس دور ہو۔

کیا تمہیں احساس ہے عورت میں اگر حجاب نہ ہو تو وہ محض ایک کاغذ کا پھول ہے۔ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں اس بات کا اعلان کرتی ہو۔

اب خاموش ہو جایئے مسٹر طارق احمد۔

بلاشبہ جس ماحول سے آپ کا تعلق ہے وہاں اسی قسم کی لڑکیاں آئیڈیل بنائی جا سکتی ہیں جو آپ جیسے بہروپیوں کا ہر ستم اپنی جان پر جھیلیں اور اپنے حق کے لیے آواز بلند نہ کر سکیں۔ وہ طارق کو گھورتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

میں نے ایک سچ بات کا اظہار کیا ہے۔ کوئی مرد اتنا مضبوط نہیں ہو سکتا کہ ایک بند کمرے میں۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے۔۔۔ کہ۔۔۔ وہ رکی۔

طارق کا ہاتھ پوری قوت سے دریہ کے رخسار پر جا ٹکا تھا۔ اس کے لہو کھولنے نے اس کا

وجود ہلا کر رکھ دیا تھا۔

دُریہ اپنے رخسار پر ہاتھ رکھے ششدر طارق کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

یہ گالی میری قوت برداشت سے بہت زیادہ ہے دریہ۔ وہ طمانچہ رسید کر کے قطعی نادم نہیں تھا۔ اس نے کرتے کے بٹن کھول کر وہیں کرتا اُتار دیا۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا دریہ کہ تم میرے سائے سے بھی پناہ مانگو گی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بٹن دبا دیا۔ اس سے قبل کہ دریہ کچھ سمجھتی کمرہ تاریک کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔

اس کے مضبوط ہاتھ کے نیچے دریہ کے لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

ہر انسان بہرحال انسان ہوتا ہے۔

عزت نفس ہر ذی نفس کی ہوتی ہے۔

اور پھر وہ تو مسلسل پل صراط کے سفر سے گزر رہا تھا۔ اس پر تو خون سوار ہو گیا تھا۔ وہ قتل عمد تک کے جذبات کو پہنچ گیا تھا۔

بہت سارے انگاروں پر چھینٹے ڈال کر جب اس نے سونے کی کوشش کی تو دریہ کی مسلسل گریہ وزاری اور ہچکیوں نے اسے سونے نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور مرکری ٹیوب آن کی۔

محترمہ دریہ بیگم تم کیا سمجھتی ہو میں بے اختیار ہوں۔ تم موسیقی کے رموز و اسرار ضرور سیکھو۔ بلا اجازت سہی۔ مگر جس روز تم میری اور میرے ماں باپ کی اجازت کے بغیر اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے باہر نکلیں تو یاد رکھنا۔ امید ہے تم مجھے اب چیلنج نہیں کرو گی۔

(ہائے ایک وقت میں کن کن باتوں کے بدلے لیتا ہے۔ کینہ پرور) وہ اشک پونچھ رہی تھی۔ طارق ایک کتاب اٹھا کر تکیہ پائنتی کی طرف رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔

دریہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور لائٹ بند کر دی۔

میں خود بھی سونا چاہتا ہوں۔ ویسے کتنا رونا دھونا ابھی باقی ہے

بات نہیں کریں آپ مجھ سے۔ وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی تھی۔

طارق نہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

اس کا پروجیکٹ تکمیل کے مراحل میں پہنچ چکا تھا۔ اور سکون کی کیفیت اس پر طاری ہوا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے فلموں اور کمرشل شوز کے معاہدے بھی شروع کر دیے تھے۔

گھر کی فضا مکدر رہتی تھی۔ دریہ نے اس سے بات چیت قطعی بند کر رکھی تھی۔ اس پر اس کے اس حُسن سلوک کا خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

بلکہ آج کل تو وہ اپنے اندر ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا تھا۔ اپنا آپ منوانے کا الگ مزہ ہے۔ دُریہ کی اُتری اُتری صورت اس کے روحانی سکون کا ذریعہ بنتی جا رہی تھی۔

شاہنور اسٹوڈیو وہ ذرا دیر کے لیے آیا تھا۔ صرف علی جان صاحب سے علیک سلیک کرنے۔ ریہرسل اس کی ایورنیو میں تھی۔ دونوں اسٹوڈیوز میں معمولی سا تو فاصلہ ہے۔

وہ علی جان صاحب سے بات چیت کر کے فوراً ہی باہر آ گیا تھا۔ شاہ نور کے سبزہ زار پر مس حنا (ستارہ) ایک لائٹ مین کی بیگم کی بیماریوں کی تفصیل بڑی ہمدردی سے سُن رہی تھی۔

طارق کو دیکھ کر ستارہ فوراً لپک کر آگے بڑھی تھی۔

ہیلو۔ مسٹر فاروقی

السلام علیکم مادام۔ وہ مسکرایا اور ساتھ کئی سوالات اسکے ذہن میں رینگنے لگے۔ جعفاوری والے حادثے کو اگرچہ کئی ماہ ہو چکے تھے مگر اس کے حافظے سے محو نہیں ہوا تھا۔

کیسی ہیں آپ۔۔

ویری فائن۔۔

اور۔۔ وہ ایک دم رُک گیا۔

فیروزہ بھی ٹھیک ہے۔ ستارہ نے بات اُچکی۔ طارق کو اس کا اسٹائل نیا سا لگا۔ لبرٹی نہیں جا رہے۔ آج کل آپ وہاں بوتیک میں بیٹھتی ہے ناں۔

اچھا۔ اچھا۔ میں چلتا ہوں۔ ذرا ایورنیو جانا ہے۔ وہ جیسے بات ختم کرتے ہوئے بولا۔

ایورنیو جا رہے ہیں

جی۔۔

ریکارڈنگ ہے

نہیں ریہرسل ہے۔ ایک کورس ہے۔ خاصے لوگ انتظار میں ہوں گے۔ اس نے قدم آگے بڑھایا۔

مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ کیا آپ نو بجے تک میرا انتظار کر سکیں گے۔

طارق نے ستارہ کے چہرے پر نظریں دوڑائیں۔

کیا بہت ضروری۔۔

بہت ہی ضروری۔ وہ بات کاٹ کر بولی۔

ٹھیک ہے۔ فلور نمبر 3 پر مجھے دو تین شاٹ دینا ہیں۔ دیر ہو جائے تو آپ وہیں آ جایئے گا۔ میں شکر گزار ہوں گی۔

طارق کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ اسے ستارہ کے انداز میں غیر معمولی پن محسوس ہوا تھا۔

ریہرسل سے تو وہ ساڑھے آٹھ بجے تک فارغ ہو گیا تھا۔ آئے دن اسٹوڈیوز میں آنے جانے سے خاصے لوگ شناساؤں میں شامل ہو چکے تھے۔ بور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک فلور سے دوسرے فلور، فلور سے سبزہ زار تک لوگوں سے ملتا رہا۔

بقول علی جان صاحب کے وہ اسٹار کوالٹیز کا حامل گلوکار تھا۔ جہاں جاتا تھا چھا جاتا تھا۔ اسٹوڈیوز کے معمولی ورکرز سے لے کر ہدایت کار تک اس کی پُر لطف شخصیت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

پونے نو بجے اس نے ایک فلمساز کے آفس جا کر فرقان کو فون کر کے بتا دیا کہ اسے خاصی دیر ہو سکتی ہے اور وہ ایورنیو میں ہے۔

واپس آیا تو ستارہ اس کی منتظر تھی۔

یہاں تو شدید گرمی ہے مسٹر فاروقی۔ ایسا کرتے ہیں قاسم صاحب کے آفس چل کر بیٹھتے ہیں۔ قاسم صاحب مصروف ہیں۔ وہاں پرائیویسی بھی ہے۔ اور اے۔ سی بھی۔ وہ دل آویز انداز میں ہنسی۔

طارق تفکرات میں گھرا اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

ستارہ نے اطمینان سے بیٹھ کر کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔

جی۔ ارشاد فرمایئے وہ کیا ضروری بات ہے طارق نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا۔

آپ کی فیروزہ سے دوستی کب ہوئی تھی ستارہ نے طارق کو چونکا سا دیا۔

وہ میری محض شناسا ہیں دوست نہیں ہیں۔ وہ خود بھی مجھے دوست تسلیم نہیں کرتیں۔

اچھا ستارہ کے لہجے میں استعجاب تھا۔

کیا وہ آپ کی مسز سے ملی ہیں۔

نہیں۔ طارق پر پھر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا۔

اچھا بتایئے آپ نے ہمیں اپنی شادی کی اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ ستارہ نے یک دم پینترا بدلا۔

ایسے ہی۔ فلم اور ٹی وی سے متعلق چند ہی لوگ میں نے انوائٹ کیے تھے۔ تقریب اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہوئی تھی۔ اسے یہی جواب سُوجھا۔

مسٹر احسان علی کی صاحبزادی کی شادی اور محدود پیمانے پر۔ وہ لاہور کے ممتاز و مشہور شہری ہیں۔ ستارہ ہنسی۔

لیکن دعوت ولیمہ میں انوائٹ کرنے کا اختیار صرف میرے پاس تھا۔ وہ حیرت چھپا کر تحمل سے مسکرایا۔

خیر، یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے تو سچ سچ یہ بتا دیجئے۔ آپ فیروزہ سے کتنی بار ملے ہیں۔ یہ حکم نہیں ہے۔ التجا ہے اور اصرار بھی۔ وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

مگر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ طارق اُلجھ گیا تھا۔

وہ بھی آپ کو بتا دوں گی۔ پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔ وہ مُصر ہوئی۔

کئی مرتبہ ملاقات ہوئی ہے۔ مجھے صحیح سے یاد نہیں ہے۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔

اتفاقاً یا۔ وہ رُک گئی۔

محض اتفاقاً۔ میرے لیے تو اتفاقاً ہی ہوا کرتی تھی۔ ان کے پروگرام بہر حال انہی کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں عالم الغیب نہیں جانتا۔ اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی

کیا آپ نے اپنی شادی کی خبر فیروزہ کو خود سُنائی تھی ستارہ نے استفسار کیا۔

میرے اور ان کے درمیان اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی۔ میرے خیال میں ہمارے درمیان اس قسم کا کوئی تعلق بھی نہیں ہے کہ میں ان کو اپنی ذات سے متعلق اطلاعات فراہم کروں۔ اب وہ مسکرایا۔

کیا سچ مچ آپ کا اس سے کوئی کمٹمنٹ نہیں ہوا۔ وہ اُلجھ کر بولی۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مخصوص پیرحمانہ انداز (جس کو لوگ غرور سے بھی تعبیر کر سکتے تھے) میں بولا۔

اچھا کیا آپ آخری مرتبہ مال روڈ مری میں ملے تھے۔

جی۔۔غالباً ان کے پاؤں میں تکلیف تھی ان دنوں۔اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بتایا۔

اس کے پاؤں میں تکلیف اس لیے تھی اسے ٹی () فریکچر ہوا تھا۔

اچھا۔

جی۔آپ نے مجھے جس رات اس کے اغوا کی اطلاع دی تھی اس رات اس نے چلتی کار سے چھلانگ مارنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ستارہ نے اہم خبر دی۔

اوہ۔طارق نے متاسفانہ انداز اختیار کیا۔

حالانکہ اسے خود بھی اس واقعے کے بعد کے واقعات سے خصوصی دلچسپی تھی مگر احتیاط ملحوظ تھی۔

حالانکہ اس روز میں بھی اس کے ساتھ تھی مگر میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ مجھے خاصا تعجب ہے۔وہ مسکرائی۔

وہ ملاقات شاید ایک منٹ سے زیادہ نہ تھی۔ ان کے پیکٹس گر گئے تھے۔میں نے تھما دیے تھے۔

بس۔۔۔

بس وہ مطمئن انداز میں مسکرایا۔

اب اس کی کیفیت تبدیل ہو رہی تھی۔ چابیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ پاؤں پھیلا کر اطمینان سے ستارہ کے مقابل بیٹھا تھا اور بغور ستارہ کا چہرہ ٹٹولنے کی اور کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کی سوچتی ہوئی نظریں ستارہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

آپ اس طرح میرا جائزہ لینے میں حق بجانب ہیں۔ وہ مسکرا پڑی۔

میں سوچ رہا ہوں آخر کب تک یہ صحافیانہ انتقام لیتی رہیں گی۔ آخر آپ اصل بات کیوں نہیں کر رہیں

اصل بات کا انحصار دراصل ان ہی سوالات کے جوابات پر تھا۔ وہ بولی۔

تھا۔۔کیا مطلب سوالنامہ، جواب نامہ ختم۔طارق سنبھل کر بیٹھ گیا۔

آپ بالکل وہی نکلے جو میری اور فیروزہ کی سوچ کے مطابق تھے۔

دراصل۔۔۔ہم ہیں ہی خوش امید اور بے وقوف۔

وہ بار ہا دھوکے کھا چکی ہے مگر آپ سے اس نے دھوکہ نہیں حقیقتوں پر مبنی دکھ پائے ہیں جس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

طارق صاحب ہم جس ماحول کے پروردہ ہیں وہ تو آپ کو بتا ہی چکی ہے۔مگر کسی کو آپ جتنا آبدار بھی نہیں ہونا چاہیے۔

مس حنا۔ یقین کریں۔ میں انتہائی معمولی اور پرلے درجے کا انسان ہوں۔ پتا نہیں آپ لوگ کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔

آپ بہت اچھے ہیں سچ۔ مگر مجھے بس ان سوالات کے ذریعے یہ کھوج لگانا تھا کہ اس کا ذہنی توازن بگاڑنے میں آپ کا کیا کردار ہے۔ مگر مجھے ان سوالات کے ذریعے یہ کھوج لگانا تھا کہ اس کا ذہنی توازن بگاڑنے میں آپ کا کیا کردار ہے۔ مگر آپ کو تو ماں کی دعا لگی ہوئی ہے۔ کسی طرح گرفت ہی میں نہیں آتے۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

مگر میں آپ کو اس طرح جانے نہیں دوں گا جب تک یہ معلوم نہ کرلوں کہ اس تمام واقعے میں سوائے مجھے اُلو بنانے کے کوئی اہم بات ہے۔

ہاہا۔۔ ہا ستارہ اپنے بیساختہ قہقہے پر قابو نہ پا سکی تھی۔

سوری۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پایا۔

میں آپ کو اس طرح اُلجھن میں ڈال کر نہیں جاؤں گی۔ میں تو اپنا بیگ اٹھانے کے لیے کھڑی ہوئی ہوں۔

طارق بھرپور اور پُر تجسس نظروں سے اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

ستارہ بیگ لے کر دوبارہ اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

اس نے بیگ کھول کر ایک سیاہ مخملی جلد والی ڈائری نکالی اور بیگ ایک طرف رکھ دیا۔ یہ لیجیے۔ چوری کا گناہ کیا ہے مگر میں اور میری والدہ اس کی طرف سے بہت پریشان ہیں۔ یقین کریں۔

آپ اسے پڑھیے اور اس کی حماقت آمیز سوچوں پر جی چاہے تو ہنسیے۔ چاہے تو ماتم کیجیے۔ مگر اتنی درخواست ہے کہ اسے پڑھ کر اسے زندگی کا راستہ دکھانے ایک بار ضرور آئیے۔

مجھے یقین ہے اور اس ڈائری کو پڑھنے کے بعد آپ کو بھی یقین ہو جائے گا کہ اس دنیا میں صرف آپ اور صرف آپ اسے سمجھا سکتے ہیں۔ زندگی کے راستوں پر موڑ سکتے ہیں۔

اتنا یقین دلاتی چلوں طارق احمد فاروقی۔ آپ کے کردار پر کوئی حرف نہیں آئے گا کہ ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے کہ ایک بار آپ اسے سمجھا دیں۔ وہ آپ کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کا مرحلہ طے کر رہی ہے۔

آپ سے سوال کرنے کا یہ مقصد تھا کہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ ہمارے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں اور ہمیں آپ پر بھروسہ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔

اس ڈائری میں بھی آپ سراسر بےقصور ہیں۔ مگر مجھے شک تھا۔

یعنی۔ طارق نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

اب نہیں ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ یاد رکھیے گا یہ ڈائری آپ کو تحفتاً نہیں بلکہ امانتاً دے رہی ہوں۔

بہتر۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

ستارہ باہر نکل گئی۔ وہ وہیں کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اس کی متجسس نظریں ڈائری پر تھیں۔ اس نے ڈائری الٹ پلٹ کرنا شروع کی تو چند ماہ قبل کی تاریخ نکل آئی۔ لکھا تھا۔ ستارہ اصرار تو بہت کر رہی ہے۔ ایک دل کہتا ہے چلی چلوں۔ ایک کہتا ہے کہ پھر خود کو سنبھالنے میں مہینے لگ جائیں گے۔

ستارہ بتا رہی تھی وہ ضرور ملے گی۔ مگر پھر آخر کار۔

وہ چلے گا تو میرا دل مسلے گا۔ دیکھے گا تو جان کھینچنے لگے گی۔ مسکرائے گا تو۔ تو میں مر جاؤں گی۔

اف۔ طارق نے لرز کر ڈائری بند کر دی۔ اس غضب کی جذباتیت۔ اسے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہ میری تقدیر میں کس قسم کے امتحان ہیں۔

پتا نہیں وہ کون لوگ ہوتے ہیں جو ایسے حالات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میرے وجود میں تو اس انکشاف سے خون کی جگہ اذیت دوڑنے لگی ہے۔ وہ گاڑی کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے مار بلز میں فیروزہ سے ملاقات کا منظر متحرک تھا۔ جہاں وہ اس سے اجنبیت اور بیگانگی کی انتہا پر ملی تھی۔

دریہ نے یہ وطیرہ بنا لیا تھا کھانا لا کر سامنے رکھ دیتی تھی خواہ وہ کھائے یا نہ کھائے۔ جب وہ بنا توجہ دیے لباس بدل کر لیٹ جاتا تو ہوا خود سمجھ آ جاتی کہ کھا کر آیا ہے۔

رات اگرچہ کافی ہو چکی تھی اور وہ نیند سے بے حال بھی تھی مگر انتظار بھی مجبوری تھی۔ وہ کافی دیر سے بالکنی میں کھڑی تھی۔ جب وہ آیا تو فوراً اپنے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھی کہ وہ اس کے نزدیک سے گزر کر اندر بڑھ گیا۔

سگریٹ، کلون اور خوشبودار پان کی مہک (جو وہ کبھی کبھار شوقیہ کھایا کرتا تھا) یہ تمام خوشبویات گویا دریہ کی ایک ایک حس بیدار کر گئیں۔ اس نے اپنی مغرور ناک کو ذرا سا سکوڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

تھکا تھکا۔۔ اور بے پناہ الجھا ہوا۔۔ قدم کہیں، نظر کہیں۔

دریہ اسے اپنا وہم سمجھی۔۔ دوبارہ بغور دیکھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سیاہ مخملی جلد والی ڈائری اپنے تکیے کے نیچے ڈال دی۔ پھر ایک دم ذرا چونک کر مڑ کر دریہ کو دیکھا۔

دونوں کی نظریں ایک لمحے کو ملیں۔ اس نے پان چباتے منہ چلاتے بظاہر لاپروائی سے نظروں کا رخ بدل لیا تھا۔ مگر دریہ کی تمام حسیات اس کی ایک ایک بات میں غیر معمولی پن محسوس کر رہی تھیں۔

یہ سیکیورٹی گارڈ کی طرح مسلط کیوں ہو جاتی ہے جب دیر سے آیا ہوں تو ظاہر ہے کھانا کھا کر ہی آیا ہوں گا۔ وہ شاید پرائیویسی کی قلت پر بے ساختہ جھلا گیا تھا۔ آخر کہہ بیٹھا۔

محبت بالآخر دکھ ہی ہے۔

وصل ہو یا ہجر۔

یہ کانٹوں سے پُر راستہ ہے۔ ہر طرح سے۔ یوں بھی اور یوں بھی۔ دریہ کے ذہن میں

فلسفیانہ فکر بیدار ہوئی اس کے اندر طاقت ور ہونے اور اثر و رسوخ کی مالک ہونے کا احساس زندہ تھا۔ اس لیے وہ بظاہر محکوم ہو کر اسے جیتنے کی فکر میں رہتی تھی۔

اس لیے کہ ناپختہ انسان وہی ظاہر کرنا چاہتا ہے جو وہ ہوتا نہیں ہے۔

وہ چپ چاپ پلٹ گئی۔

طارق کا ذہن بری طرح تقسیم تھا۔ اس لیے اس کا ہر کام بے ترتیب سا تھا۔ کپڑے اٹھا کر غسل خانے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔ ابھی شرٹ ہی اتاری تھی۔ تو نم تولیے کو دیکھ کر مزاج اور سلگ گیا باتھ روم میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ حسب پسند تولیہ نظر ہی نہ آیا۔ جھلا کر پھر چیختی گرائی۔

باہر آیا تو دریہ بیڈ شیٹ کی سلوٹیں درست کر رہی تھی۔

وہ ایک دم ٹھٹھک گیا۔ (اس نے تکیہ بھی اُٹھایا ہوگا)

اس نے تکیے کے نیچے سے ڈائری نکالی اور سائیڈ ٹیبل کی ایک دراز میں ڈال کر دراز لاک کر دی۔ پھر دریہ کی سمت دیکھے بغیر وارڈ روب کی سمت بڑھ گیا۔ پوری وارڈ روب اوتھیر ڈالی تو دریہ سے برداشت نہ ہو سکا جو بکھرے بال اور بغیر قمیض والے طارق کو متحیر سی دیکھ رہی تھی۔

کیا چاہیے وہ اس کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

تولیے کہاں رکھے ہیں۔ عجب مصیبت ہے۔ وہ بڑبڑایا۔

اول تو گیلے تولیے باتھ روم میں لٹکانے کی کوئی تک ہی نہیں ہے۔

یہ لیجیے۔ دریہ نے اس کی بات کاٹ کر تولیہ اس کے سامنے کیا۔

میں نے اپنی سلیقہ مند ماں کے سات عمر گزاری ہے۔ اس لیے مجھ سے یہ کوتاہیاں برداشت نہیں ہوتیں۔ وہ جتا کر دوبارہ باتھ روم میں چلا گیا۔

دریہ کو آج اس کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ تو مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بہت پریشان ہے۔ مگر کیوں

میں اس گھمنڈی سے کیسے معلوم کروں کہ اسے کیا پریشانی ہے وہ اس کے عشق میں آرام وہ دنیا تیاگ کر کانٹوں کے راستے پر آ نکلی تھی۔

اس کا جبر۔

استبداد

سنگ دلی اور گھمنڈ کی حقیقت بھی۔

مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔

عشق کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ۔

رانجھا رانجھا کر کے ہیر فنافی الذات کے مقام سے گزر کر خود ہی کو رانجھا سمجھنے لگتی ہے۔

دوسری ذات کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔

جہاں عاشق کو اپنے وجود کی اہمیت کا احساس نہیں رہتا۔ معشوق کا خیال اس طرح حواس

پر مسلط ہوتا ہے کہ پانا دھیان ہی نہیں رہتا۔

خدا نہ کرے میرا دشمن بھی کبھی اس راستے پر آئے۔

ذریہ نے جیسے انگارہ مٹھی میں دبا کر دعا کی۔

تمہیں کیا دُکھ ہے۔

کیا پریشانی ہے۔۔

کیوں بکھرا ہوا ہے۔ بکھیرنے والے۔

کیوں ٹوٹا ہوا ہے۔ توڑنے والے۔

وہ ایزی چیئر پر جیسے گر پڑی۔ کیوں کر معلوم کروں۔۔

اس پر سے اس کی پُر اسرار حرکتیں۔ پتا نہیں کیا چیز چھپاتا پھر رہا ہے۔

حالانکہ یہ اس قدر نڈر ہے کہ اس قسم کی حرکتیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔ ذریہ نے سوچا۔

براؤن شب خوابی کے لباس میں وہ تولیے سے سر خشک کرتا باہر نکلا تو ذریہ کو متفکرانہ انداز میں ایزی چیئر پر جھولتا دیکھ کر ذرا ٹھٹک گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ آرام سے بال بنائے۔

کچھ کاغذات اُٹھائے۔ اور دراز کھول کر وہی کالی ڈائری نکالی۔ پھر پلٹ کر ذریہ کو دیکھا۔

میں ڈرائنگ روم میں کام کر رہا ہوں۔ تم آرام سے سو سکتی ہو۔

ایک تو بجنے والا ہے۔ کام کب تک ہوگا۔ صبح آفس بھی تو جانا ہوگا۔ وہ آہستگی سے بولی۔

(گویا آج خود بخود صلح ہو گئی تھی۔)

اس ہمدردانہ تبصرے کا شکریہ۔ انشاءاللہ سب ہی کام ہوں گے۔ ہو تیزی سے باہر نکل گیا۔

ڈرائنگ روم میں آکر وہ صوفے پر سرہانے کشن رکھ کر دراز ہو گیا۔

بسم اللہ کر کے ڈائری کھولی۔

22 دسمبر۔۔

اتفاق۔۔ سراسر اتفاق۔۔ مری روڈ پر اس کا سامنا۔ کھلے گریبان، بکھرے بالوں کے ساتھ وہ اپنی کار کے انجن سے نبرد آزما تھا۔

اُسے دیکھ کر میرا دل اس زور سے دھڑکا کہ پورے وجود میں جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔

اُس سے باتیں کر کے مجھ پر نشہ سا چھا جاتا ہے۔

اے مغرور آنکھوں والے۔۔ میرے روم روم سے نکلنے والی ہر دعا تیرے نام۔

25 دسمبر

آج ملک بھر میں عام تعطیل ہے۔ چھٹی کے دن عالم فرصت میں سوچوں کی یلغار غیر معمولی ہوتی ہے جس کا وجود عشق کی آگ میں جھلس رہا ہو اسے تو نیند میں بھی ایک تصور سے فرصت نہیں ہوتی۔

کل ہی تو وہ مجھ سے ملا ہے۔ آگ پھر سلگ کر بھڑکی ہے۔

کچھ نقش تیری یاد کے باقی ہیں ابھی تک۔

دل بے سروساماں سہی ویراں تو نہیں ہے۔

22 دسمبر

آؤ ہمدم ان سُندر سُندر مورتیوں سے پیار کریں

اُجلے اُجلے دھوکے کھائے ایک زمانہ بیت گیا۔

نئے سال کی ڈائری میں یہ گزشتہ دسمبر کے صفحات تھے۔ طارق انکشافات کے بگولوں کی زد میں تھا۔ اس نے ڈائری کے صفحات یوں ہی الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیے۔

ایک جگہ لکھا تھا۔

جس طرح اندھیرے میں روشنی کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح اے آبدار پتھر تیرے مقابل آ کر مجھے اپنی بے وقعتی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

طارق نے پھر بے ترتیب انداز میں صفحات اُلٹ پلٹ کیے۔

ایک صفحے پر لکھا تھا۔۔

اخبار میں کنسرٹ کے بارے میں اشتہار دیکھا تھا۔ اور طارق احمد فاروقی تمہارا نام بھی۔

تمہارا نام۔۔ ایک ہی تو نام ہے اب ساری دنیا میں چمکتا دمکتا۔۔ تمہارے کردار کی طرح خوبصورت میں بڑی جھجک سے تمہارے مقابل جا کر بیٹھی تھی۔

مگر اے میرے خاور درخشاں تیرے مقابل تو ہر روشنی ماند تھی۔

اے میرے قاتل۔ کیوں پور پور سنور کر ہمیں جیتے جی مارنے آتا ہے۔

اس دن والے حادثے کی وجہ سے میری پوری ٹانگ میں درد کی ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں مگر یہ درد اس سے زیادہ نہیں جو میرے دل میں ہوتا ہے۔

طارق نے ڈائری بند کر دی۔ اس نے اب اپنی آنکھوں سے ڈائری میں اپنا نام پڑھ لیا تھا۔ اس کے پورے وجود میں کرب کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

وہ ڈائری رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کھڑکی کے پردے ہٹا کر جھانکا۔ سارا عالم خاموش تھا۔ محوِ خواب۔

آہستگی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر آیا۔ راہداری کا اپنا منفرد سناٹا تھا۔ وہ کچن میں چلا آیا۔ دروازہ کُھلا تھا۔

صاف سُتھرا، سلیقے سے سجا ہوا کچن۔ جو دریہ کے مزاج کی نفاست کا آئینہ دار تھا۔ جو لڑکیاں بظاہر سلیقہ مند نظر نہیں آتی ہر طرح کی صلاحیت تو ان میں بھی ہوتی ہے۔ وقت بہت بڑا استاد ہے۔ اس نے سوچا۔

اس نے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی اور گلاس میں پانی اُنڈیلا۔ اور ایک سانس میں خالی کر دیا۔ جیسے میلوں پیدل چل کر آیا ہو۔ بوتل واپس فریج میں رکھ کر وہ وہیں کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔

میں نے بہت سی نظروں کو نظر انداز کیا ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے۔

کیا وہ سب اتنی ہی جذباتی تھیں۔۔۔

وہ سب اتنے ہی دکھوں سے گزری ہوں گی۔

لیکن اس میں میرا قصور۔۔ میں نے کبھی کسی کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا۔ اور میں اتنا خوبصورت بھی نہیں ہوں۔

بس ذرا سلیقے سے رہنے کی عادت ہے۔ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین مرد موجود ہیں۔ پھر فیروزہ تو دنیا گھومی ہوئی ہے۔ میں اسے جا کر بتا دوں گا کہ میں بہت ہی رذیل آدمی ہوں۔ اپنے خوابوں کو ترجیح دینے والا ایک خود غرض اور کٹر آدمی۔

ایک لڑکی جو میری بیوی بن چکی ہے دن رات میرے انتقام کی چکی میں میری چھت تلے پستی رہتی ہے۔ میں ایک بہت ہی بُرا انسان ہوں۔ تم میرے ظاہر سے دھوکا نہ کھاؤ۔

یہی سچ ہے۔ اور میں تمہیں یہی بتاؤں گا۔

وہ کچن کا دروازہ آہستگی سے بند کر کے واپس ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔ اور صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دوبارہ ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ معاً ایک جگہ اس کی نظر ٹھہر گئی۔

کیسے اک لفظ میں بیاں کروں

دل کو کس بات نے اداس کیا

ستارہ نے کس قدر کھلکھلا کر مجھے بھڑ بھڑ جلایا۔ آہ۔ مگر اس بیچاری کو کیا خبر۔۔ بلکہ سوائے میرے کس کو خبر ہے کہ میں ہوا ہاتھ میں تھامنے کے خواب دیکھتی ہوں۔

وہ کہہ رہی تھی۔ طارق کی مسز۔

مجھے سماعت کا دھوکہ محسوس ہوا۔ طارق کی مسز۔۔ اُف کیا واقعی۔۔ ہائے وہ خوش نصیب لڑکی۔ جس کے لیے ان مغرور آنکھوں میں پیار اُمڈتا ہوگا۔ میرا دل چاہ رہا ہے میں اس سے ملوں۔ اسے گلے لگا کر پیار کروں۔ اسے چھو کر دیکھوں۔ اور کہوں تجھے تو اس پارس نے سونا بنا دیا ہوگا۔

اور یہ بھی کہوں کہ یہ جو انسان کی صورت چلتی پھرتی آگ ہے۔ اس نے تجھے خاکستر نہیں کیا ابھی تک۔۔

مجھے تو کوئی کہے (خواب ہی میں) کہ وہ تجھے چھوئے گا تو۔۔ تو۔۔ میں تو سن کر ہی خاک ہو جاؤں۔

مگر۔۔ یہ میں نے کیا سنا۔۔ طارق کی شریک حیات۔۔ اوہ میرے خدا۔

طارق نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پھر ڈائری بند کر دی۔

میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر پُر اعتماد، پر تکلف، اجنبی ناز و انداز کی مالک لڑکی اس قدر آگے جا چکی ہے۔

اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

کہاں سے اٹھا لائے ہیں یہ کالی ناگن۔۔

دریہ کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

وہ گلابی نائٹی میں بالوں کی پونی بنائے ایک پلاسٹک کی گڑیا محسوس ہو رہی تھی۔

یہ تم کیا میر بو سونگھتی پھرتی ہو۔ آدم بو آدم بو کرتی ہوئی۔ اس کی نس نس میں زہر دوڑنے لگا۔

آپ تو صرف پریشان کرنے والوں کی فہرست میں نام لکھا کر آئے تھے مگر آج خود پریشان ہیں۔ میں کیونکر سو سکتی ہوں۔ وہ آگے بڑھ آئی۔

حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو مجھ پر یہ عشوے وغمزے قطعی بے اثر ہیں۔ وہ تلخی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھی طرح جانتی ہوں۔ خود پسندی اور خود پرستی کے غلاف میں لپٹے ہوئے ایک مغرور انسان ہیں۔ اور ضد میں الٹی چال چلنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ وہ جیسے سلگا کر ہنسی۔

اتنی رات کو میرا دماغ خراب کرنے کا موقع ضائع کرنے سے واقعی تمہارا بڑا نقصان ہو جاتا۔ وہ طنزیہ کہہ کر آگے بڑھا۔

میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کالی ناگن کو کہاں سے اٹھا کر لائے ہیں کہ رات کالی کر دی ہے۔

آخر اس میں ہے کیا۔

یہ میری ذاتیات میں مداخلت ہے۔ میں تمہیں اس قسم کا اختیار کبھی نہ دوں گا۔ سمجھیں۔

وہ بھڑک اٹھا۔

خوب سمجھ گئی۔ مگر میں آپ کی ذاتیات میں شامل ہوں۔ وہ اڑ گئی۔

ہونہہ۔۔ زبردستی۔ اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

بہرحال۔۔ وہ مسکرائی۔۔

طارق نے اس کا چہرہ آگ برساتی نظروں سے دیکھا۔

اس کی آنکھیں متورم اور ہونٹ سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں۔

سامنے سے ہٹو۔۔

پہلے بتایئے کہ کیوں پریشان ہیں۔

وہ تو اس دن سے ہی پریشان ہوں جس دن سے تم۔۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے تھام کر ایک طرف کرنا چاہا۔ تو یوں بدکا جیسے کرنٹ لگا ہو۔ اس نے ننگے بازوؤں کو ہاتھ لگاتے ہی یوں محسوس ہوا تھا جیسے انگارے چھو لیے ہوں۔

وہ بری طرح بخار میں پھنک رہی تھی۔

وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔

دوالی۔۔

کس کس مرض کی۔۔ وہ ہنسی۔

دریہ۔ دریہ۔ یہ ظلم ہے مجھ پر۔۔ سراسر۔۔ وہ غضبناک ہوا۔

جب تک گھٹ گھٹ کر آپ پر جان نہیں دے دوں گی اس وقت تک آپ کو میرا یقین بھی تو نہیں آئے گا۔وہ ایک طرف ہٹ گئی۔

یہ سراسر پاگل پن اور خودکشی ہے۔ وہ کچن کی سمت بڑھا۔وہاں فریج سے ایک ٹیبلیٹ نکالی۔نل سے پانی لیا اور بیڈروم مین چلا آیا۔سیاہ ڈائری بغل میں دبی ہوئی تھی۔

دُریہ قالین پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

یہ لو۔

کیا ہے۔۔

دوا ہے۔

ارے۔یہ کام آپ کب سے کرنے لگے۔وہ استہزائیہ ہنسی۔

اگر چہ تمہارا خون،خون ناحق تو نہیں ہو گا مگر میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔بچپن میں پنکھے سے کٹ کر گرنے والی چڑیوں کی یں تک بنا دیا کرتا تھا۔وہ جھک کر گلاس رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اُف۔۔کس قدر رحم دل ہیں آپ۔دُریہ طنزیہ مُسکرائی۔پھر بڑے عجیب انداز میں گویا ہوئی۔طارق ایک روز آپ گھر میں داخل ہوں اور میں پنکھے سے لٹکی ہوئی پائی جاؤں۔۔۔تو آپ میری اپنے ہاتھوں سے بنائیں گے۔دُریہ کی ہنسی عجیب سی تھی۔

طارق اندر ہی اندر کانپ سا گیا۔کچھ عرصہ ہوا اس نے اخبار میں ایک مضمون پڑھا تھا جو ہندوستان میں جہیز کے مسئلے سے متعلق تھا۔اس مضمون کے ساتھ تین بہنوں کی تصویر بھی تھی جنہوں نے پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لی تھی۔پنکھے سے بندھے تین پھندے اور ان تین پھندوں میں پھنسے تین چہرے۔کس قدر خوبصورت لڑکیاں تھیں۔مارے دُکھ کے وہ تمام دن چُپ چُپ سا رہا تھا۔اور کتنی مرتبہ اخبار اُٹھا کر وہ تصویر دیکھی تھی۔

کتنی بار دل چاہا تھا۔ان کے اس انجام کے ذمہ دار افراد کو ایک ساتھ پکڑ کے الاؤ میں ڈال دے۔اس نے دریہ کا چہرہ بغور دیکھا جو ایک خوبصورت ستواں ناک سے آراستہ تھا۔

اس قسم کے باتوں سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے وہ گھٹنوں کے بل مجبوراً بیٹھتے ہوئے بولا اور ٹیبلیٹ اس کی سمت بڑھائی۔

ارے،ہم تو بڑے بےمقصد سے لوگ ہیں۔وہ افسردگی سے ہنسی۔اور ٹیبلیٹ اُٹھا کر منہ میں ڈالی اور پانی سے بھرا گلاس اُٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔بیڈ پر سو جاؤ۔ضد کرنے کی ضرورت نہیں۔ورنہ میں اٹھا کر بھی۔

وہ خشک انداز میں کہہ کر مڑ گیا۔

اگر تمہیں میرے نزدیک آرام کرتے کوفت یا خوف و وحشت محسوس ہوتی ہے تو میں ڈرائنگ روم میں یا یہیں قالین پر بھی سو سکتا ہوں۔

مجھے احساس ہے اب تم میرے قریب آنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ تو ضرور سوچوں گی۔

مجھے یقین ہے اب تم وہ گالی کبھی نہیں دہراؤں گی۔لیکن میں تمہیں اس وقت تک وہ گالی

معاف نہیں کروں گا جب تک تم میرے ایک بچے کی ماں نہیں بن جاتیں۔ تم نے بھری محفل میں گالی دے کر ہزار جنم کے فاصلے پر کھڑا کر دیا ہے مجھے۔

مجھے تم سے دلچسپی ہے تو صرف اتنی کہ تمہیں ہر حالت میں میرے لیے تخلیق کے عمل سے ایک بار لازمی گزرنا ہے۔ ورنہ۔

اور میں ایسی کسی زبردستی کے لیے تیار نہیں۔ وہ پھنکاری۔

اگر ہمارے ہاں کبھی ہو گا تو لو چائلڈ ہو گا۔ صرف اور صرف۔۔۔ وگرنہ میں کسی کے پروف کے لیے تختہ مشق بننے کو تیار نہیں۔ سُن لیجیے۔ وہ سُلگی۔

پھر مجھے اپنی مردانگی کے پروف کے لیے کسی اور طرف رجوع ہونا پڑے گا۔ مین تمہیں اس گالی کا جواب

ضرور دوں گا۔ خواہ مجھے تین شادیاں اور کرنا پڑیں۔ خواہ میرا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے

۔اس کا لہجہ خون آشام سا ہو گیا۔

دریہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ (ہر روز نیا پتا نکال کر بیٹھ جاتا ہے)۔

اس نے دیکھا طارق نے سیاہ ڈائری پھر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں لاکڈ کر دی تھی۔

وہ ابھی تک نیچے قالین ہی پر دراز تھی۔

طارق نے دروازہ بند کیا۔ پھر لائٹ آف کی اور بستر پر دراز ہو گیا۔

دریہ تاریک کمرے میں اس کی دھیمی اور بھاری آواز ابھری۔

اور دریہ نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر جیسے دل تھاما تھا۔۔۔۔ اور طارق کی سمت اس طرح دیکھا تھا جیسے وہ کوئی قصاب ہو۔

طارق بخار میں جھلس رہی ہوں۔ اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے تھے۔

ارے یہ پیچھے پیچھے نظر آنے والے بڑا کام دکھا جاتے ہیں۔ مجھے تو پہلے ہی خدشہ تھا۔ فاروق نے کسی تجربہ کار بڑھیا کی طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ارے کس بات کا خدشہ تھا۔ اور کس کا فون ہے عابدہ بیگم نے باسکٹ میں سامان رکھتے ہوئے فاروق کو ٹوکا۔

مبارک ہو اماں جان۔ میں چچا جان محترم بن چکا ہوں۔ ربیعہ بھابھی کی امی کا فون ہے۔

خدا سمجھے اس لڑکے سے، ہر بات ہنسی کھیل ہے اس کے لیے۔ سلمیٰ بیگم کا فون آیا ہے اتنی بڑی خوشخبری کے ساتھ اور یہ لگا ہے اُلٹی سیدھی ہانکنے۔ انہوں نے فاروق کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا۔

السلام علیکم سلمیٰ آپا۔

آپ کو بھی مبارک ہو۔ پوتا ہو یا پوتی میرے لیے تو برابر ہیں۔ جو بھی ہے میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ وہ خوشی سے نہال نظر آ رہی تھیں۔

ارے اتنی صبح صبح خوشخبری ملی ہے۔ میرے تو حواس ٹھکانے نہیں۔ بس میں آرہی ہوں۔ ہاں ارمغان کے ساتھ ہی آرہی ہوں۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے اب تو سب ہی چلنے کو بے چین ہوں گے۔

ہاں۔۔۔ ہاں پیاری کیوں نہیں ہوگی دل والی ماں کی اولاد ہے۔ وہ سرخوشی کیفیت میں بولیں۔

میری بیٹی تو ٹھیک ہے ناں اچھا اچھا۔ آرہے ہیں ہم۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

اماں جان تو ایسے خوش ہورہی ہیں جیسے خود پیدا ہوئی ہوں۔ حبیب نے اپنی دانست میں بڑی گھمبیر بات کی تھی۔

اے تو اور کیا تو تو اپنی پیدائش پر بلیوں اُچھل کرنا چاہتا تھا۔ لو بھلا اس لڑکے کی باتیں ہیں۔ انہوں نے اس کی بیوقوفی کا ماتم کرتے ہوئے ارمغان کو تلاش کیا۔

وہ شاید غسل کررہے تھے۔

گیلے بال رگڑتے ہوئے باہر آئے تو عابدہ بیگم نے ان کی پیشانی چوم کر مبارک باد اور دعائیں دیں۔

خوش بخت بیٹی ہوئی ہے۔ اللہ کا کرم ہوا اس گھر پر بھی اور تم پر بھی۔ ارے ایسی خوشیاں تو نصیب سے ملتی ہیں۔ خدا میرے بچوں کی خوشیوں کو قائم دائم رکھے۔

نغمہ بیٹی۔۔۔ تم بھی چلی چلو۔ دیکھ آؤ اپنی بیٹی۔

عابدہ بیگم کا یہ وصف تھا وہ اپنی گفتگو، الفاظ کے چناؤ سے افراد کے درمیان ایک اپنائیت کا رشتہ پیدا کردیتی تھیں اور افراد ایک دوسرے سے انسیت خود بخود محسوس کرنے لگتے تھے۔

آپ ہو آئیے پہلے۔ میں ربیعہ کے لیے سوپ وغیرہ بنالوں گی اور گھر کے دوسرے کام بھی نمٹ جائیں گے۔

مگر میں تو ابھی جاؤں گا۔ عثمان نے اپنی خوشی اور بےچینی کا اظہار کیا۔

جب ہمارے گھر میں حبیب صاحب تشریف لائے اس وقت میں پندرہ سولہ سال کا تھا غالباً ایک نوعمر لڑکا۔۔

چھوٹے بچے کو گود میں اُٹھاتے ہوئے پتا نہیں کیوں شرماتا تھا۔ اب اتنے دنوں سے شوق پروان چڑھ رہے ہیں اور۔ عثمان نے کچن میں آکر نغمہ معنی خیز انداز میں دیکھا تو وہ گلابی سی ہوگئیں۔

چلو تمہیں نہ سہی ربیعہ کو تو ہمارا خیال آیا۔ وہ مسکرائے۔

کیوں میری شامت بلوانا چاہتے ہیں۔ وہ فاروق اور حبیب یہیں کہیں ہیں۔ ان کے کان میں کچھ پڑ گیا تو۔ ناک میں تنکا چلادیں گے۔ نغمہ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولیں۔

عثمان مسکرا کر کچن سے باہر چلے گئے۔

اماں جان چھوٹے بھائی کو فون کردوں سچ بہت خوش ہوں گے۔

ہاں۔۔ ہاں کیوں نہیں۔ ابھی تو وہ گھر پر ہی ہوگا۔ جاؤ حبیب تم اوپر سے اپنے ابا جان کو

بلا لاؤ۔

ارے طارق جلدی سے نمبر ملاؤ۔ طارق کو کہیں گے کہ ایک دو دن کی چھٹی لے کر آجائیں۔ خوشی کریں گے۔ وہ دونوں ہوں گے تو اور بھی مزا آئے گا۔ طارق کا پاؤں اس گھر کو چھوئے گا اور جیسے یہاں ایک ایک چیز میں جان پڑ جائے گی۔ نغمہ بہت خوشی سے کہہ رہی تھیں۔

یہ لو۔ یعنی ان کی غیر موجودگی میں ہم بغیر جان کے ہی پھرا کرتے ہیں۔ حسیب نے سخت بُرا مانا۔

کم از کم تمہارے حق میں تو وہ واقعی مسیحا ہیں۔ فاروق نے مزید چھیڑا۔ سال گزشتہ کے سویٹرز، پل اوور دل سے اُتری ٹائیاں، سب خوابی کے رنگ اُڑے لبادے۔ آخر تمہارے ہی۔۔

دیکھے اماں جان سمجھا لیجیے فاروق بھائی کو۔ حسیب کے تو جیسے بھڑیں چٹ گئیں۔ اور اب چھوٹے بھائی آئیں تو آپ کہہ دیجیے گا مجھے نہیں ضرورت ان چیزوں کی۔

تم کیا منت مان کر چپ کا روزہ رکھو گے۔ خود ہی کہہ دینا۔ اس نے مزید سلگایا۔

ارے کیا ہے لڑکے۔ تُو تو کسی دن آپس میں لڑوا کر ہی رہے گا۔ میرے منہ میں خاک۔ وہ بھی کسی کو اپنی اُترن استعمال کرنے کو نہیں کہتا۔ میں ہی اُٹھا رکھتی ہوں۔ چار دن بعد تو ہر اچھی بھلی چیز وہ ردی کر کے پھینک دیتا ہے۔ اتنی قیمتی چیزیں اور بھرتی کی نئی۔ گھروں میں تو بھائی بہنیں ایک دوسرے کی چیز استعمال کر ہی لیتے ہیں۔

بس مجھے نہیں پتا۔ حسیب کا موڈ بدستور خراب رہا۔

ارے وہ تو جان کر تجھے چھیڑا کرتا ہے۔ یہ بھی پیار کا انداز ہے۔ عابدہ بیگم نے چمکارا۔

کس قدر توہین آمیز پیار ہے۔ واہ۔ اگر میں بھی اسی طرح کا پیار کرنے لگا تو آپ کہیں گی بدتمیزی کر رہا ہے۔

اُدھر فاروق نمبر ملا چکا تھا۔

السلام علیکم چھوٹی بھابھی۔۔

چھوٹے بھائی سو رہے ہیں۔ واہ صاحب کیا تغیر زمانہ ہے۔ فاروق نے حیرانی کا اظہار کیا۔

کیا کہہ رہے تھے دل نہیں چاہ رہا آفس جانے کو۔ کیا گھر میں دیگ نکل آئی ہے۔

بالکل ہی سر پھرا ہے۔ یعنی جس مقصد کے لیے فون کیا اس کا ذکر ہی نہیں۔ ادھر لاؤ مجھے دو۔ انہوں نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

میں تمہاری پھوپھو بول رہی ہوں۔

وعلیکم السلام۔ ارے بس تمہیں خوشخبری سنانے کو فون کیا ہے۔ ارمغان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے۔

جیتی رہو۔

اور یہ طارق ناوقت کیوں سو رہا ہے

چار بجے سویا تھا رات بھر کیا قوالیاں گائی تھیں۔ بیٹی تم اس کے شب و روز کا دھیان رکھا کرو۔ اس طرح بے ترتیب زندگی صحت برباد کر دیتی ہے۔ اُٹھاؤ اسے۔

وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔

اُٹھ گئے۔ فاروق نے ریسیور سے کان قریب کر کے بے چینی سے پوچھا۔

چپ رہو۔ عابدہ بیگم نے فاروق کو ڈانٹا۔

ارے تمہیں نہیں کہہ رہی۔ یہ فاروق کھڑا ہوا کان کھا رہا ہے۔ وہ پھر فون پر متوجہ تھیں۔

طبیعت تو اپنے آپ ہی خراب ہوگی جب قدرتی اصولوں کی خلاف ورزی کرو گے۔

پہلی مرتبہ خلاف ورزی ہوئی ہے تو دوسری بار بھی ہو سکتی ہے۔

اے توبہ۔۔ کہاں اُلجھا دیا۔ ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔ بھتیجی ہوئی ہے تمہارے ہاں۔۔ ہا۔۔ ہاہا۔ عابدہ بیگم اپنے بیساختہ قہقہے پر قابو نہ رکھ سکیں۔ اس انداز سے وہ بہت کم ہنسا کرتی تھیں۔

کیا کہہ رہے ہیں طارق نغمہ مسکرا کر ساس کے قریب جا پہنچیں۔

کہہ رہا ہے چچا تو میں بنا ہوں، باپ کون بنا ہے۔ انہوں نے ماتھے پر ہاتھ رکھ بتایا۔ پھر مزید گویا ہوئیں۔

اے لو تو کیا ذریہ نے اسے بتایا نہیں ہوگا ارے ارمغان کے ہاں اور کس کے ہاں۔ تجھے اپنا ڈھول باجے سے فرصت ہو تو کچھ پتا چلے۔ اس ہفتے خوشی کروں گی۔ ایک دو روز کے لیے آ جاؤ دونوں۔ ہاں۔ ہاں میں کب کہہ رہی ہوں مگر کوشش پوری کرو گے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

ارے ان سے بات کر لو۔ بس نہیں چل رہا کہ پانی بن کر اس میں ٹپک جائیں۔ ان کے لیے بھی کچھ کرو۔ روڈ ماسٹری ہو رہی ہے۔ کب تک نکھٹو بنا کر رکھو گے تم باپ بیٹے۔ وہ ریسیور فاروق کو دیتی ہوئی بولیں۔

چھوٹے بھائی۔ آتے ہوئے سیر بھر۔ میرا مطلب ہے ایک کلو بھولا لیتے آئیے گا۔ کئی سالوں سے بھولے کی کھیر نہیں پکی ہمارے ہاں۔

ارے کس قدر رال ٹپکتی ہے اس لڑکے کی، جن باتوں کا دھیان مجھے رکھنا چاہیے ان کا یہ رکھتا ہے۔ عابدہ بیگم مسکرا کر بہو سے گویا ہوئیں۔

دراصل بے کاری میں بھوک زیادہ لگتی ہے۔ انسان کا ذہن خود بخود کھانے پینے کی چیزوں کی طرف لگا رہتا ہے۔ فاروق بھائی کا قصور نہیں ہے۔ حسیب نے حساب بیباق کیا۔

چھوٹے بھائی یہ حسیب کہہ رہا ہے وہ جو آپ نے ریڈ ڈاٹس کی کلفٹن سے شرٹ لی تھی ناں اگر چھوٹ نہ گئی ہو تو بیچارے کے لیے لیتے آئیے گا۔ اور ایک عدد قصوری چپل۔ اس نے شرارت سے حسیب کو آنکھ ماری۔

اور اپنے لیے انارکلی سے جوتے منگوا لو۔ عابدہ بیگم نے کچھ تہہ شدہ کپڑے باسکٹ میں

لگاتے ہوئے حسیب کی طرف سے بدلا لیا۔سب نے بیساختہ قہقہہ لگایا۔

کاش ایسا ہو۔ایک ان کی انارکلی ہو اور وہ بھی ہاتھ میں۔نغمہ بھی شامل ہوئیں۔

دیکھیں بھابھی۔آئندہ آپ میرے ٹکٹ پر الیکشن لڑیں گی۔یہ بہت غلط بات ہے۔

دیکھو اس لڑکے کو فون بند نہیں کر رہا۔روپے کو آگ لگانے کا طریقہ کوئی اس سے سیکھے۔کچھ پٹرول میں اور کچھ فون میں۔

فاروق نے اس قدر صلواتیں سنیں تو فوراً ہی خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

کہہ رہا تھا بھائی صاحب کو آفس فون کر کے مبارکباد دوں گا۔وہ سمجھا ہوگا کہ تم جا چکے ہو۔اور پھر یہ فاروق اس کی ہلڑبازی میں کیا خاک کچھ سوجھے۔

آفس میں تو اکثر اس کا فون آتا رہتا ہے۔اچھا ہوا فاروق کی بات ہو گئی۔بھائی میاں کو تو کل شام بھی اس نے فون کیا تھا۔بتا رہے تھے۔ارمغان نے مسکرا کر گویا ماں کو تشفی دی۔

دیکھنا ذرا۔۔مجھے سروس ملنے دو۔پھر چھوٹے بھائی کو روز فون کیا کروں گا۔۔اس نے منہ پر ہاتھ پھیر کر حسیب کو جتایا۔

پھر تو ان کا محکمہ قرض لے کر فون کا بل دیا کرے گا۔اور ایک ایکسچینج ان کے نام الاٹ کرا دے گا۔عثمان نے

مسکراتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا۔

کرنے دیا کریں اماں جان اسے فون۔۔یہ طارق کو بہت مس کرتا ہوگا۔ارمغان نے سفارش کی۔

ارے تو کوئی کام کی بھی بات ہو۔یہ کوئی شغل ہے۔وہ خفا ہوئیں۔

دلہن سب چیزیں تیار ہو گئیں تو گاڑی میں رکھوا دو۔

کپڑے ٹھیک ہیں میرے۔۔انہوں نے بہو سے رائے لی۔

اماں جان کوئی اچھی سی ساڑھی باندھ لیں۔پہلی مرتبہ دادی بنی ہیں۔حسیب نے بڑی سنجیدگی سے ماں کو مشورہ دیا۔

جب یہ دادا بنے گا ناں تو اماں جان تو چودہ گھوڑوں کی بگھی میں پوتا پوتی وصول کرنے جائے گا۔فاروق کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

ان سب کے مشترکہ قہقہے نے زینے اترتے فائق احمد کو از خود مسرور کر دیا تھا۔

ولایت علی شاہ نے عائشہ۔۔کو کہہ دیا تھا کہ وہ ان کا اور میاں صاحب کا بستر چھت پر لگوا دیں لہذا جب وہ میاں صاحب کو لے کر چھت پر پہنچے تو صاف ستھرے بستر ان کے منتظر تھے۔اور میاں صاحب کا حقہ بھی ان کے بستر کے نزدیک ہی رکھا تھا۔

ولایت علی شاہ میری داستان سننے سے پہلے میرا مجمل قسم کا اتا پتہ لیلو۔انہوں نے حقے کی نے اٹھا کر سلسلہ کلام کا آغاز کیا تھا۔

میرا نام عبداللہ ہے اور میرے باپ کا نام صبغت اللہ ہے میرے آباؤ اجداد کا تعلق ان افراد میں ہوتا ہے جنہیں اولین مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

میرے آبا واجداد میں سے اکثر کا پیشہ سپہ گری تھا اور محمد بن قاسم کے ہمراہ وہ برصغیر یعنی سندھ میں داخل ہوئے۔ اور اسی سرزمین پر رہنا پسند کیا۔ بعد میں تجارت و روزگار کی وجہ سے وہ ان علاقوں میں بس گئے جو موجودہ ہندوستان میں شامل ہیں۔

میں اپنے باپ کی واحد نرینہ اولاد ہوں۔ انہوں نے میری تعلیم وتربیت پر غیر معمولی توجہ دی اور اس سلسلے میں ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے سخت محنت کی۔

میری ہر دعا میں ان کا تذکرہ موجود ہے مگر میں ہنوز مقروض ہوں۔ وہ چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گئے۔

ولایت علی شاہ انتہائی انہماک سے میاں صاحب کی داستان کا آغاز سن رہے تھے۔

میں نے دہلی کے معروف تعلیمی ادارے سے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ مجھے یاد ہے میں طالب علموں کے ایک گروپ کے ساتھ تحقیقی کام کے لیے تاشقند جانا چاہتا تھا اور مالی وسائل آڑے آرہے تھے۔ تب میرے باپ نے نشانی کے طور پر رکھی ہوئی ایک نادر تلوار بیچ دی تھی جس کے دستے پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔

میں نے انہیں منع کیا تو انہوں نے کہا تھا۔

علم سے زیادہ قیمتی، دو دھاری تلوار کوئی نہیں ہوتی جو از خود انسان کا تحفظ کرتی ہے۔ کتنا علم دوست تھا میرا باپ۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے تھے۔

پھر آپ گئے تاشقند۔ ولایت علی شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

ہاں گیا۔ اُف تاشقند و بخارا کے وہ تعلیمی مراکز۔۔۔ جو میرے اسلاف کی عظمتوں اور اللہ کی ان پر بے پایاں عنایات کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ ولایت علی میں جب بھی ان مراکز کا تذکرہ کرتا ہوں خود جیسے

وہیں پہنچ جاتا ہوں۔ وہ رکے اور حقے سے ایک کش لیا۔

وہاں میں نے جب یہ حدیث نقش بر دیوار دیکھی جو خوبصورت محراب تلے منقش تھی کہ میری اُمت کے علما (تحقیق) علم حاصل کرنے کے شوقین اور اس راہ میں سختیاں اُٹھانے والے بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہوں گے تو میں زندگی میں پہلی مرتبہ بیتحاشا رویا تھا۔

دیکھا ولایت علی قدرت کس قدر فیاض ہے کس کس بہانے سے اپنی مخلوق پر اکرام و توجہ کی بارش برسانا چاہتی ہے۔

پھر مجھے گورنمنٹ کی جانب سے مصر جانے کا بھی اتفاق ہوا جامعہ الازہر میں میرے کئی سال گزرے ہیں۔ وہ مدہم سی آواز میں جیسے خود ہی سے ہمکلام تھے۔

وہاں سے واپسی پر اللہ نے مجھے حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز کیا۔ مدینہ میں بھی میں نے انتہائی باکمال اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔

میاں صاحب کے لب ہل رہے تھے اور ولایت علی شاہ تحیر کے عالم میں ایک ٹک انہیں دیکھ رہے تھے۔ سفید ترا شیدہ داڑھی والا انتہائی سادہ اور معصوم چہرہ۔ نحیف و نزار جسم۔ سفید کرتا پائجامہ وہ بھی بے حد گھسا ہوا۔

جس وقت میں تاشقند گیا ان دنوں کمیونسٹ انقلاب لانے والے انقلابی بہت مصروف تھے۔اور مسلمانوں کے یہ علمی مراکز ان دنوں اپنی اصلی حالت میں موجود تھے۔میں نے اپنی صلاحیت کی آخری انتہا استعمال کرتے ہوئے وہاں تحقیقی کام کیا۔

یقین کرو ولایت علی مغرب کی تمام صلاحیتوں کے بھرم ٹوٹ گئے۔

سارا رعب جاتا رہا۔یقین کے دریا میں شناور کی طرح تیر رہا تھا۔بہت سے پردے نظروں کے سامنے سے خود بخود ہٹ گئے۔

اللہ وحدہ لاشریک کی طاقت کے سامنے یہ سب طاقت کے پراپیگنڈے مجھے دیوانوں کی وحشت ناک چیخیں معلوم ہوئیں۔

اپنی اوقات پتا چل گئی ولایت علی شاہ۔وہ مسکرا کر کچھ سوچنے لگے۔

اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے علم حاصل کرنے پر اس قدر زور کیوں دیا۔منزل پر وہی پہنچ سکتا ہے جسے راستے کے تمام اتار چڑھاؤ معلوم ہوں۔غلط پاؤں رکھنے سے تو گڑھے میں گرنے کا دھڑکا ہوتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔واپس ہندوستان آکر میں نے شادی کرلی۔مس پیروجا واڈیا سے جو ایک کروڑ پتی پارسی مسٹر بہرام واڈیا کی ساتویں نمبر کی بیٹی تھی۔

میاں صاحب ولایت علی شاہ کو ایک اور جھٹکا لگا۔

واقعی (میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے جیسے لاکھوں خوش گمان اس دنیا میں موجود ہیں جو اپنی فراست وذہانت کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اپنے اندازوں پر یقین کی حد تک بھروسہ کرتے ہیں اپنی معلومات پر ناز کرتے ہیں۔)

واقعی میاں صاحب کمال آدمی ہیں آپ۔وہ بے ساختہ کہہ اٹھے۔کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک پسماندہ گوٹھ میں رہنے والا بے سروسامان سا بوڑھا دنیا گھومے ہوئے ہے۔یونانیوں چینیوں،عربوں کی جڑوں تک کو کھنگال چکا ہے۔واقعی یہی نشانی ہے صحیح علم کی خودستائی،خود آرائی سے بے نیاز خلق خدا کو فیض پہنچانے کے لیے ہر دم تیار۔

اچھا میاں صاحب پھر آپ نے شادی کرلی۔ولایت علی شاہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

ہاں ولایت علی شاہ۔مس پیروجا واڈیا سے ملاقات میری روس ہی میں ہوئی تھی۔وہ بھی وہاں ایک

مقالہ لکھنے کے سلسلے میں پہنچی ہوئی تھی۔ بے حد حسین وجمیل لڑکی تھی اور ساتھ ہی بہت سنجیدہ اور ذہین۔

یہ مت سمجھنا میں اس کے حسن پر مرمٹا تھا۔اس نے مجھ سے ایک سوال کا جواب مانگا تھا۔

وہ کیا سوال تھا۔ولایت علی شاہ کے تجسس عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اسلام کیا ہے آپ کی نظر میں۔

میں نے اسے جواب دیا تھا کہ اسلام کسی فرد واحد کی اتھارٹی اور کسی انسان کی شخصیت کی پبلسٹی کا ذریعہ نہیں ہے۔بلکہ جس دن سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے اسلام کی تشریح ہو رہی ہے۔

اسلام یہ ہے کہ تمام طاقتوں، قدرتوں کا سرچشمہ صرف ایک ذات واحد یعنی اللہ کو سمجھا جائے اور اس بات کا دل سے اعتراف کیا جائے کہ کوئی اور شے اس کی طاقت میں شراکت دار نہیں۔ قرآن میں اللہ خطاب کرتا ہے کہ انسان کی ناؤ جب بھنور میں پھنستی ہے تو وہ بے اختیار اللہ سے مدد کا خواستگار رہتا ہے اور جب بھنور سے نکل جاتی ہے تو پھر اللہ کا منکر ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر انسان کسی بھی طرح خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا تو بےبسی کی انتہاؤں پر اس کے قلب سے خدا کا تصور کیوں پھوٹنے لگتا ہے۔ اس کے حساب سے جب خدا ہے ہی نہیں تو ایک لامحدود طاقت کی حامل ذات کا تصور اس کے ذہن میں کیوں آتا ہے۔

ہر انسان کی ذات تصورات کی فیکٹری یا فاؤنڈری قائم کر کے وہاں سے تصورات حاصل نہیں کرتی۔

بلکہ تصورات میں وہی چیزیں آتی ہیں جن سے اس کی روح متعارف ہے۔ روح کیونکہ امر ربی ہے لہذا اس کا سب سے اولین تعارف اللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ انسان دنیا میں آ کر خدا تلاش کرتا ہے۔ دراصل واضح رہنمائی تعارف اللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ انسان دنیا میں آ کر خدا کی تلاش کرتا ہے۔ دراصل واضح رہنمائی نہ ہونے کی صورت میں اس قدر بیشمار مذہب پیدا کیے گئے۔ جن میں چند کے سوا سب محض اختراع تھے۔

لیکن ایک بات ان سب میں مشترک ہے وہ ہے طاقت کی حاکمیت۔

کسی نے دیوی دیوتاؤں سے طاقت منسوب کی، کسی نے جنوں سے اور کسی نے آگ سے۔

اس پر وہ پری زاد چونک کر بولی تھی۔ آپ کو آگ کی طاقت پر شبہ ہے۔

میں نے جواب دیا تھا آگ بذات خود طاقت نہیں بلکہ طاقت کا معمولی اظہار ہے۔ اس پر پانی غالب آ جاتا ہے اور وہ طاقت ہی نہیں جو مغلوب ہو جائے۔ وہ معبود ہی نہیں بنایا جا سکتا جس پر غلبے کا امکان باقی ہو۔

پھر میاں صاحب۔ ولایت علی شاہ کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

میں نے اسے یہ بھی کہا کہ اکثر انسان دلائل کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کی کیفیت ایک ضدی ناسمجھ اور اڑیل شیر خوار کی سی ہوتی ہے جس کو خوب بھی اپنی ضد کی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس کا ایک سبب خون ہے۔

ولایت علی۔ جس درخت یا پودے کا جو بیج ہوتا ہے۔ وہ بیج آئندہ کے درخت یا پودے کا مکمل پروگرام ہوتا ہے۔ پھل، رنگت، ذائقہ، مزاج، اثرات، یہ سب چیزیں اس بیج کی چھوٹی سی دنیا میں موجود ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر تخلیق شدہ مذہب کے بعد اس کے پیروکار پیدا بھی ہوتے ہیں۔ جو بغیر غور و تحقیق کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

یہی بات ہے تو ہم اسلام کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔ وہ مجھے قائل کرنے کو جیسے بیتاب تھی۔ آسمانی مذہب صرف اسلام ہے۔ جتنے پیغمبر اور نبی اس دنیا میں آئے سب اسلام

ہی لے کر آئے۔ خدائے وحدہ لاشریک کو بلاشرکت غیرے اس کائنات کا خالق ومالک سب نے بتایا پیروکاروں نے یہ نام خود دیے جو اصطلاحاً استعمال ہوتے ہیں۔

یہ تمام پیغمبر لوگوں کی شعوری حالت کے موافق تعلیمات لے کر آئے یہ سب تعلیمات اسلام ہی کی وضاحت تھیں۔

پہلی جماعت کے بچے کو تحقیقی کتب نہیں پڑھائی جاسکتیں اس کو وہی علم دیا جاتا ہے جو اس کی عقل وشعور میں سرائیت کرسکے۔

سیر بھر کی گنجائش والے تھیلے میں دو سیر گندم نہیں ڈالی جاسکتی۔

اسلام تدریجی عمل سے گزرنے کے بعد آج موجودہ شکل میں موجود ہے۔اور مکمل کردیا گیا ہے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ تمام کردیا تھا۔

اب انسان اس مقام پر آچکا تھا جب اساتذہ کی لگی بندھی تعلیم سے ہٹ کر خود ریسرچ ورک کرسکے۔

ریسرچ کے لیے یہاں چار آسمانی کتب موجود ہیں سب سے بڑھ کر قرآن جو ان کی طرف پلٹ کر ہی نہیں دیکھتا اسے استدلال کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔اس کی دلیل کھلی ہے۔

پھر۔۔۔وہ کیا بولیں۔۔۔ولایت علی شاہ نے اشتیاق کا بے پایاں مظاہرہ کیا۔

کچھ نہیں۔۔۔اٹھ کر چلی گئی۔میاں صاحب نے دھیمی آواز میں کہا۔

اچھا۔۔۔مگر کیوں۔۔۔ولایت علی شاہ کے انداز وآواز میں استعجاب تھا۔

اپنے اندر اٹھنے والے طوفانوں سے انسان تنہائی میں زیادہ بہتر نبرد آزما ہوسکتا ہے۔

شاید اس لیے۔انہوں نے جواب دیا۔

اچھا میاں صاحب پھر وہ آپ سے کب ملیں۔

کئی بار وہیں ملی تھی مگر تفصیلی ملاقات ہندوستان واپس آکر ہی ہوئی تھی۔

تاشقند میں میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غیر معمولی خصائص کی حامل لڑکی ہے اگر وہ مسلمان ہوتی تو میں اسے پہلی فرصت میں شادی کے لیے پیغام دیتا۔

پھر۔انہوں نے کیا کہا۔۔۔

میاں صاحب نے نظر اٹھا کر ولایت علی شاہ کو دیکھا۔مبہم سا مسکرائے۔

ولایت علی۔۔۔بفضل خدائے رحمٰن۔۔۔دو بیویوں کے امتحان سے گزرے ہو عورت کی بہت سی اداؤں کے رازدار ہو۔

میں نے اگر مس واڈیا سے یہ جملہ کہا تھا تو ان میں کچھ دیکھا ہوگا۔ وگرنہ کہاں وہ ایک کروڑپتی کی بیٹی اور کہاں میں ایک وظیفہ خوار۔۔۔کسی نے یہ جرات دی تھی تو یہ جرات ہوئی تھی۔

ولایت علی شاہ مسکرادیے۔وہ بات کی تہہ میں اتر گئے تھے۔

ولایت علی شاہ۔۔۔میں تو ایک انتہائی معمولی سا انسان ہوں اس نے نہ جانے مجھ میں کیا دیکھ لیا تھا اس نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔

آپ کہاں تھے اور وہ دونوں کہاں تھیں۔ ولایت علی شاہ نے پوچھا۔

وہ ممبئی میں تھی اور میں دہلی میں۔

انہوں نے آپ کو کیوں ڈھونڈنا چاہا۔۔

وہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر تیار تھی۔ وہ مجھے اطلاع دینے آئی تھی کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ قرآن میں ان لوگوں کو منافق کہا ہے جو دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اور عقیدے کا تعلق سراسر روح سے ہے۔

میں کسی ریاکاری کے راستے سے گزر کر اپنے باپ دادا کا نسب آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔

ولایت علی شاہ۔ جانتے ہو اس نے مجھ سے کیا کہا۔۔

وہ کہنے لگی۔ ساری دنیا میں آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں کوئی تو سبب ہوگا۔ یہ تو نہیں ہے کہ آپ کے علاوہ مجھے کوئی مرد ہی نہیں دیتا پھر میری اپنی کمیونٹی میں میرے امیدواروں کی ایک کیو (que) ہے لیکن میں آپ تلاش میں خاک چھان رہی ہوں۔

اس نے کہا تھا میرا منشا صرف شریک حیات حاصل کرنا تو نہیں ہے۔

ولایت علی شاہ وہ مجھ سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے ماحول میں بہت تنہا ہے۔ تمام تر آسائشات ہوتے ہوئے۔

جن باتوں کے جوابات اسے مطلوب تھے وہ میں نے دے دیے ہیں۔ اس کا کہنا تھا وہ کسی مذہبی رہنما سے بھی رجوع کر سکتی تھی۔ لیکن وہ ایک ایسے مسلم جوان کو ڈھونڈ رہی تھی جو رٹو طوطا یا محض تربیت یافتہ نہ ہو بلکہ اپنے عقیدے کی روح کو خود ہی سمجھتا ہو۔

ولایت علی۔۔۔ وہ بہت جینئیس تھی۔ عام لڑکی نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا تمام ہی انسان ایک لگے بندھے ماحول سے درجہ بدرجہ گزر کر اور ایک سی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہ کر گزر جاتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتی کہ انسان اور حیوان محض فارمولے کے تضاد سے تخلیق ہوئے ہیں۔

پھر انسانوں کے پنجے اور سینگ بھی ہونا چاہیے تھے اسے عقل کا ہتھیار دے کر منفرد کیوں بنایا گیا۔۔

اور انسان میں سے اکثر نے عقل کی کرشمہ سازیاں دکھائی ہیں۔۔

یہ کرشمہ ساز انسان۔ اس کو پیدا کرنے والا کس قدر کرشمہ ساز ہوگا کہ بالآخر یہ کرشمہ ساز انسان مرجاتا ہے۔

مگر اس عظیم انسان کو پیدا کرنے والا مسلسل زندہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ تخلیق کا عمل ہر آن جاری ہے۔

واقعی میاں صاحب۔۔ وہ واقعی منفرد اور جینئیس تھیں۔ ولایت علی شاہ نے بیساختہ اعتراف کیا۔

کاش تم دیکھتے ولایت علی شاہ۔۔ وہ بہت معصوم اور کم عمر تھی۔

لیکن ولایت علی۔۔یہ سب مالک کی قدرتوں کا اظہار ہیں۔جس کو اللہ اپنی کھوج میں لگا دیتا ہے وہ یونہی بے کل ہو جاتا ہے۔

کبھی سدھارتھ شہزادہ خاموشی سے محل چھوڑ کر گوتم بدھ بن جاتا ہے۔

کبھی ابراہیم آذر کی تمام فنکاری اور اس سے موسوم عقائد کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔

اور کبھی۔میاں صاحب کی آواز بھرا گئی۔

اور کبھی حرا میں چراغاں کرنے والے ایک اُمی کی بیقراری اسے معلم ا   بنا دیتی ہے جن سے قدرت نے خصوصی کام لینا ہوتا ہے۔

انہیں وہ عالمگیر مقبولیت اور تعارف دے دیتا ہے۔منفرد صلاحیتوں کے ساتھ۔۔لیکن ایسے بیقراروں کی بھی کمی نہیں جنہیں وہ ان کیمکانوں میں مطمئن کر دیتا ہے اور وہ اپنے آس پاس چراغاں کر کے خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ان ہی بیقراروں میں سے ایک وہ تھی۔

میاں صاحب آپ شروع ہی سے ایسے مذہبی ہیں۔ولایت علی شاہ کے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔

میاں صاحب ایک لحظہ خاموش کچھ سوچتے رہے پھر گویا ہوئے۔

ولایت علی شاہ میری سمجھ میں آج تک یہ مذہبی و غیر مذہبی کی اصطلاح نہیں آئی۔مذہبی کا مطلب اگر یہ ہے کہ ایک شخص اپنے مذہب کے مطابق احکامات پر عمل درآمد کرتا نظر آ رہا ہے تو وہ درست گزر رہا ہے اپنے حساب سے۔کیونکہ کسی مذہب کے ماننے والے خاندان میں پیدا ہونے والا بچہ جب شعور کی منزل پر پہنچتا ہے تو اس پر مذہب پر عمل درآمد خود بخود فرض ہو جاتا ہے۔

اگر وہ مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزار رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اس مذہب کا پیروکار ہے۔غیر مذہبی سے اگر انسان کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مذہب کے ماننے والوں کے ہاں پیدا تو ہو گیا مگر

اس نے اپنی زندگی کو اس کی تعلیمات کے مطابق نہیں ڈھالا۔

تو اس کا مطلب ہے اسے ان تعلیمات سے دلچسپی نہیں ہے اور دلچسپی نہ ہونے کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

لیکن ہم اس پر یہ حکم لگانے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں اس کی زندگی کسی واضح ضابطے کی پابند نہیں۔

مذہبی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپلائی کر رہا ہے اور اس کا مذہب ہے۔

غیر مذہبی کا مطلب ہے اس کی کوئی شناخت نہیں وہ لادین ہے۔

بھئی میں اسلامی تعلیمات کے پیروکاروں کی اولاد ہوں اس کے مطابق میرا رہن سہن ہے تو یہ کوئی تعجب والی غیر معمولی بات تو نہیں ورنہ دنیاوی عز و جاہ اس سے ملحق ہیں۔جب میں

ایک واضح عقیدہ رکھتا ہوں تو مجھے اپنے اعمال سے ثبوت بھی تو پیش کرنا ہے ناں کہ یہی یہ ہے میرا مذہب۔

غیر مذہبی کا سیدھا سادھا مطلب ہے کہ کوئی مذہب نہیں اللہ کا احسان ہے میں پیدائشی مسلمان ہوں اس کے مطابق میری طرز زندگی رہی ہے یہ میرا مذہب ہے اب تم جو چاہو نام دے لو۔

بجا فرمایا۔ولایت علی شاہ کے پاس سوائے اعتراف کے کوئی راستہ نہ تھا۔

ولایت علی شاہ۔۔ ہندو للیا اٹھائے مندر کی طرف بھاگا جا رہا ہے بھجن گا رہا ہے۔عیسائی سوتے جاگتے یسوع مسیح کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔پارسی آتش کدے میں اپنے شعور کے مطابق عبادت میں مشغول ہے۔

مسلمان شاید گائے کا گوشت کھانے اور عید پر شاہ خرچی کرنے کے لیے مسلمان ہوا ہے۔ہم بہت اندھیرے میں ہیں ولایت علی شاہ تم نے مذہبی غیر مذہبی کی بات کر کے۔۔ خیر چھوڑو۔۔ہاں تو ہم کا ی بات کر رہے تھے۔

آپ کہہ رہے تھے کہ مس واڈیا اپنے ماحول میں غیر مطمئن تھیں۔

ہاں۔۔

میں اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا ولایت علی شاہ۔

اور یہ بھی کہ اتنے قابل ذکر لوگوں کو چھوڑ کر وہ میری سمت کیوں آئی ہے

ولایت علی شاہ یہ کسی بھی مسلمان کے لیے اعزاز و افتخار کا باعث ہو سکتا ہے کہ اس کے واسطے سے کوئی دین فطرت کی طرف مائل ہو۔۔میں اس کو بیقراری کی حالت میں لادینی حالت میں چھوڑ کر اپنے ضمیر کا مجرم نہیں بن سکتا تھا۔

میں نے اپنے باپ سے بھی یہی کہا تھا۔

میں اس کی خواہش پر اس کے باپ سے ملا۔

جو مر گئے اپنے انجام کو پہنچ گئے ان کے بارے میں رائے زنی سے احترام کرنا چاہیے بس یوں سمجھو اگر اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ میرا کام تمام کرنے میں ایک لمحہ دیر نہ کرتا میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ محض میری خواہش نہیں ہے بلکہ دو طرفہ معاملہ ہے وہ مگر کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

اس نے پنکا باندھے ہوئے اپنے دربان کی سمت اشارہ کر کے کہا تھا کہ میں حیثیت میں اس سے بھی کم ہوں۔۔۔اور اس نے سوال کیا تھا۔

کہ۔۔کیا کوئی شخص اپنے گھر کے دربان سے اپنی بیٹی بیاہنا پسند کرے گا۔

جب ایک دربان سے بیٹی نہیں بیاہی جا سکتی۔۔۔تو پھر میں تو اس کے دربان سے بھی کمتر ٹھہرا تھا۔

میں بینیل و مرام واپس آ گیا تھا۔

مگر ایک روز رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھا۔

باہر ڈیوڑھی میں وہ میرے باپ کے کندھے سے ماتھا لگائے رو رہی تھی۔ کوئی رات بارہ ایک کا عمل

تھا ولایت علی شاہ مجھے یاد ہے۔ وہ بہت بڑی کالی چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور چھوٹا سا سوٹ کیس اس کے نزدیک رکھا تھا۔

میری ماں گزر چکی تھی گھر میں سوائے میرے اور میرے باپ کے اور کوئی نہیں تھا۔

میرے باپ نے کچھ دیر سوچا پھر مجھ سے کہا وہ میری پھوپھی کے ہاں اسے چھوڑنے جارہے ہیں وہاں گھر میں عورتیں ہیں اور شادی سے پہلے اس کا یہاں ٹھہرنا مناسب عمل نہیں۔

دہلی کی جامع مسجد کے امام کے ہاتھ پر اگلے دن اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس سے اگلے دن۔۔ شریعت وسنت کے مطابق میرا اس سے نکاح ہو گیا۔

میں بھی خوش تھا اور وہ بھی۔

مگر ولایت علی شاہ اس کے باپ اور اس کی کمیونٹی نے ہمارا جینا محال کر دیا۔ اس شکست پر مسٹر بہرام واڈیا جیسے زخمی شیر ہو رہے تھے۔

ولایت علی۔ میں نے کبھی شاطرانہ چال چل کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے سیدھے سادے طریقے آتے ہیں۔ اس لیے مجھے دوسری شاطرانہ چالیں بھی سمجھ نہیں آئیں۔

دھونس، دھمکی، گھیراؤ ہتاؤ قسم کے ہر طریقے انہوں نے آزمائے۔ مگر وہ اللہ کی بندی

اس کا صبر واستقلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ولایت علی یہ وہ دور ہے جس میں قدرت نے واقعی میری تربیت کی۔ مجھے نظر دی۔ پہچان دی۔ میں اس کا بہت شکر گزار ہوں۔ ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

میرے باپ نے اس کا اسلامی نام صابرہ رکھا تھا۔

میرے باپ کا کہنا تھا جو صابر ہوتے ہیں ان کے چہروں پر صبر کی مہر لگی ہوتی ہے۔ اس لڑکی کا چہرہ جو کہہ رہا ہے وہی نام دیا ہے۔

تین سال کے عرصے میں ہمارے ہاں تین اولادیں ہوئیں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا مت پوچھو ولایت علی یہ تین سال کا عرصہ ہم نے کن کن آزمائشوں سے گزر کر پورا کیا۔

مگر ولایت علی شاہ بہرام واڈیا کو چین نہیں آ رہا تھا۔ اسلام دشمنی، بیٹی کی بغاوت، درمیانے درجے کے آدمی سے اس کی شادی، پھر اسی شخص سے ان کی بیٹی نے شادی کی جسے انہوں نے اپنے دربان سے بھی کم تر جتایا تھا۔

انہوں نے تمام تر صلاحیتوں کا رخ ہمارے گھر کی طرف موڑ دیا۔ میں سمجھ نہیں سکا۔ اچانک انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا۔ وہ ہم پر نہایت مہربانی کا مظہر ہوئے۔

وہ میرا چھوٹا سا گھر رونق ومسرت کا مرقع بن کر رہنے لگا۔

وہ میری خاموشی، بوسیدہ سی اینٹوں والی گلی مسٹر بہرام واڈیا کی چمکتی دمکتی پیکارڈ کی بدولت پرحشمت نظر آنے لگی۔

صابرہ کی بہنیں اپنے بال بچوں سمیت اکثر ہمارا احوال معلوم کرنے آنے لگیں اور اس سال بھر چھوٹا اس کا اکلوتا بھائی بھی۔

سابرہ کو ساتھ لے جاتے پھر چھوڑ جاتے۔ میں نے صابرہ کو بتا دیا تھا کہ اس کے گھر والوں پر اس کے گھر کے دروازے کھلے ہیں۔

مگر ان کی دولت کا دروازہ بند ہے۔ اگر اس نے خاموشی سے کچھ لینے کی کوشش کی اور مجھے پتا چل گیا تو ہمارے درمیان کبھی ختم نہ ہونے والے فاصلے پیدا ہو جائیں گے۔

اس نیک بخت نے سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی کیا۔

بہرام واڈیا کو اس کے مسلمان ہونے پر بھی اب اعتراض نہیں رہا تھا۔ بلکہ صابرہ نے بتایا کہ وہ

اپنے میکے میں شعائر اسلامی کے مطابق آزادی سے عبادت کرتی ہے اور اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔

یقین کرو ولایت علی مجھے یہ سن کر کس درجہ خوشی ہوئی تھی۔ اور میں نے مسٹر واڈیا کی ہر زیادتی کو معاف کر دیا تھا۔ وہ میری بیوی بچوں پر بہت مہربان ہو رہے تھے۔ میں مطمئن تھا۔

ایک روز صابرہ نے مجھے بتایا کہ اس کی تین بڑی بہنیں گرمی کا موسم باہر گزارنے جا رہی ہیں اور اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے قبل ان کے ساتھ جاتی رہی۔

ولایت علی میرا دل تو ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اسے بھیجوں۔ مگر وہ اتنی وفا شعار، اطاعت گزار تھی کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ پھر میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنا ہر ایک سانس اسلام کے مطابق کرتی جا رہی تھی۔ مگر بہن، بھائی، ماں باپ یہ بھی زندہ حقیقتیں ہیں ولایت علی میں انکار نہ کر سکا۔ میں اسے منع کر کے اس کا دل میلا نہیں کر سکتا تھا۔

پھر میرے بچے بھی بہت مسرور تھے۔ میاں صاحب کی آواز بھرا گئی۔

میرے بچے۔۔ آہ۔۔۔

میں صابرہ کے ساتھ خود بھی گیا تھا۔ ولایت علی وہ بہت خوش اطوار وضع دار تھی میرے برابر مصلی بچھا کر میرے ساتھ تہجد پڑھتی تھی اور میری رات چراغاں کرتی تھی۔ میرا دل مطمئن ہے کہ وہ دنیا سے زیادہ اچھی جگہ موجود ہو وہ بہت آرام میں ہے جو ہوائیں اسے چھو کر گزرتی ہیں ولایت علی ہمارا ان سے لاکھ جنم کا فاصلہ ہے۔

وہ بہت اچھی جگہ ہے۔

میاں صاحب چپ ہو گئے۔ وہ خود پر قابو پا رہے تھے۔

کیا وہ۔ میاں صاحب۔ ولایت علی شاہ جھجک کر سوال مکمل نہ کر سکے۔

ہاں۔۔۔ ولایت علی۔۔۔ وہ کیونکہ موتی جیسی آبدار تھی اور اس آلودہ دنیا میں اس موتی کی چمک ماند پڑنے کا خدشہ تھا اس لیے اللہ یہاں بلا لیا۔ وہ اس طرح بولے کہ ان کے لہجے کے حزن نے ولایت علی شاہ کو تڑپا دیا۔

میاں صاحب وہ کیسے۔۔

ولایت علی مسٹر واڈیا کی تین بیٹیاں اسے یورپ لیکئیں مجھے تو روم کا بتایا تھا کہ پھر وہاں سے سوئٹزرلینڈ جائیں گے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ صابرہ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔

مگر میں نے محسوس کیا تھا کہ پروگرام اس کی بہنوں نے بنایا تھا مسٹر اور بیگم واڈیا اس سے الگ تھلگ تھے۔ اور اس کی بہنیں بیاہتا تھیں اپنے اپنے گھر کی تھیں۔

اور جو سچ پوچھو مجھے تو بہرام واڈیا کی ایک پائی کا احسان منظور نہیں تھا۔ کجا کہ اتنا بڑا تفریحی دورہ۔ میں نے اسے ٹال دیا۔

وہ چلی گئی۔۔ ایرپورٹ پر میں نے اس کا آخری دیدار کیا۔ اور اپنے بچوں کا بھی۔

میری معصوم بچیاں گلابی فراکوں میں تتلی کی طرح بھاگ دوڑ کر رہی تھیں۔ اور سفید جھالر کی چھت والی پرام میں بیٹھا میرا بیٹا۔۔۔ مصور۔۔۔ عبدالمصور۔

بس اس دن میں نے ان سب کا آخری دیدار کیا تھا۔

آہ۔۔۔ وہ خاموش ہو گئے۔

اور بات کی تہہ میں اتر کر ولایت علی شاہ نے ایک عجیب سا دکھ اپنے وجود میں سرایت کرتا محسوس کیا تھا۔

تو یہ تھی ان کی چال، ولایت علی شاہ۔۔ جس میں وہ سب بظاہر کامیاب ہوئے۔

بظاہر۔۔ ولایت علی شاہ نے سوالیہ نظروں کے ان کے چہرے پر جمایا۔

ہاں۔۔ بظاہر۔۔ یہاں میرے ایمان، یقین، قوت، ذہن رسا، قول و فعل کی آزمائش تھی۔ اتنے پہاڑ جتنے دکھوں کے راستے پر چل کر ہی تو میں انسان ہوا ہوں۔ کوئی بھی چیز ہو وہ ہمیشہ تو کسی کے پاس نہیں رہتی۔

نہ عورت، نہ دولت، نہ اولاد۔۔ نہ والدین۔۔۔ و رشتے دار۔۔

ہاں مگر ان کی نشانی کے طور پر دکھ رہ جاتے ہیں۔۔ دکھ ولایت علی شاہ جو ہمیں ہماری ذات سے جدا نہیں ہونے دیتے۔

یہ ہماری روح کے بند قفل کھولنے آتے ہیں۔

اللہ پر یقین رکھنے والے کی روح اس کے وجود سے مخاطب رہتی ہے۔ اسے حقیقت سمجھا کر زندہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔

مجھے میرے یقین کی قوت یہاں تک لائی ہے۔ میں اس ایک فعل کی تلاش میں ہوں ولایت علی شاہ جو عبادت کی انتہا ٹھہرے۔ اتنے غیر موافق حالات اور میری اتنی طویل زندگی میں اپنے معبود کا شکر ادا کروں تو کیسے۔۔

ولایت علی شاہ نے اس پیکر صبر و استقامت کو رشک سے دیکھا۔

ایک مرتبہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری طاقت اور استقامت اس لیے ہے کہ یہ یقین میرے ہمراہ رہتا ہے۔ اللہ میرے ساتھ ہے میں اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔

مجھے اس حدیث اور صاحب حدیث پر پیار آ جاتا ہے۔ سرمو بھی اس میں شک

نہیں۔۔۔ہمارے حوصلے۔ہماری طاقت، ہمارا صبر، ہماری مضبوطی سب اللہ کی مدد سے ہے۔

آؤ ولایت علی، ہم ایک لمحہ خاموش ہو کر اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں، رحمتوں کو سوچیں۔یہ بھی شکر گزاری اور فرمانبرداری کی ایک صورت ہے۔

وہ خاموش ہو گئے۔

ولایت علی شاہ کا دل بھر آیا۔

دنیاوی نقطہ نظر سے یہ محروم شخص۔۔۔اور اس درجہ شکر گزاری۔۔۔زندگی کی سانسیں ملنے پر، یقین کی قوت ملنے پر، صبر کی طاقت ملنے پر، نیکی کی توفیق ملنے پر۔۔۔

چند ثانیے ایک گہری خاموشی دونوں کے درمیان حائل رہی۔

میاں صاحب۔۔۔آپ کو کتنے عرصے بعد اُن کی کوئی اطلاع ملی۔

شاید پانچ سال بعد۔وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

وہ کس ذریعے سے۔

میں نے اپنی کائنات کے حصول کے لیے دیوانوں کی مانند خاک چھانی ہے ولایت علی شاہ پونے تین بج چکے ہیں۔وہ معاً چونک کر مخاطب ہوئے نظریں کلائی کی گھڑی پر تھیں۔وہ صاحب حمروت آسمان کے پہلے کناروں سے اپنی تجلیوں کی زبان میں مخاطب ہے۔

آؤ۔حاضری کا وقت ہو چلا ہے۔باقی باتیں پھر۔۔۔

میاں صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

ولایت علی شاہ۔۔۔کی سانس میں دکھ متحرک تھا۔

سوچ کی لہروں میں گردش کر رہا تھا۔

پاؤں کے نیچے دکھ بچھا تھا۔

بصارت کے سامنے دکھ کے پردے تھے۔

سماعت کی تاروں میں دکھ کے پردے تھے۔

سماعت کی تاروں میں دکھ کر سرسراہٹ تھی۔

وہ ہونٹ دبائے میاں صاحب کے پیچھے آہستگی سے چل رہے تھے۔

جانے کتنے عرصے بعد میاں صاحب کے پہلو میں تہجد کے نوافل ادا کر رہے تھے۔

پہلے سجدے میں ان کی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر گرے تھے۔

ایک موتی میاں صاحب کے دکھ کے نام کا۔

ایک ان کی اپنی وحشت زدہ تقدیر کا عنوان تھا۔

میاں صاحب کی بات ابھی ادھوری تھی۔

مگر دکھ کے احساس مکمل۔

ولایت علی شاہ نماز سے فارغ ہو کر پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔میاں صاحب اپنے مخصوص وظائف اور مراقبے میں مصروف تھے ولایت علی شاہ بہت اطمینان سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

میاں صاحب نے فارغ ہو کر چہرہ موڑ کر ان کی سمت دیکھا۔

نیند آرہی ہے تو سو جاؤ۔ مالک نے زندگی کی سانسیں عطا کیں تو باقی باتیں پھر کریں گے۔

ولایت علی شاہ نے انہیں گم صم نظروں سے دیکھا۔

میاں صاحب ایک نیند آسودگی کی ہوتی ہے اور ایک مجبوری کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اب تو مجبوری کی نیند ہوا کرتی ہے۔ آج وہ بھی نہیں ہے۔ آپ اپنی کہیے۔ آپ تو واقعی تھک گئے ہوں گے۔ انہیں معاً احساس ہوا۔

کسی بوڑھے کے لیے وہ دورانیہ آسودگی کی انتہا ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے ماضی کا تذکرہ کرتا ہے۔ اپنا گزرا زمانہ دہراتا ہے۔

وہ مبہم سا مسکرائے اور آہستگی سے اٹھ کر اپنے پلنگ پر آگئے اور گاؤ تکیے سے پشت ٹکا کر تسبیح کے دانوں کو حرکت دینے لگے۔

میاں صاحب وہ آپ سے پھر کیوں نہ مل سکیں وہ آپ کی قانونی بیوی تھیں۔ کوئی مذاق تو نہیں۔

ولایت علی شاہ یہ معاشرہ اپنی روح سے ناواقف۔ کائنات کی بنیاد سے لاعلم۔ اقتدار اور پیچ کو عظمت کی معراج سمجھنے والا معاشرہ ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کامیابی کا چہرہ خواہ کچھ ہو محض ایک احساس ہی تو ہے جسے کسی محفوظ جگہ پر نشانی بنا کر رفت نہیں کیا جا سکتا۔

صرف ایک احساس کی کہانی۔

مگر ہم سب اسی جنون میں تو مبتلا رہتے ہیں۔ جب جنونی ٹھہرے تو کون سا قانون۔ اور کیسا قانون۔

ہم انسان تو قانون فطرت تک کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جس کی گواہی ہماری روح دیتی ہے۔ ہمارا ضمیر دیتا ہے۔ وہ محض میری بیوی نہیں تھی۔

وہ مسٹر بہرام واڈیا کی صاحب زادی بھی تھی۔ لیڈی پیرو جا واڈیا۔

جس کے دولت کدے پر وائسرائے کے بوٹوں کی دھمک پڑتی تھی۔

جس کو ملکہ برطانیہ سالگرہ کی مبارکباد بھیجتی تھی۔

جس کے حشمت کدے پر برصغیر کی قسمت سے کھیلنے والوں کے پتلی تماشے ہوتے تھے۔

وہ اس بڑے آدمی کی بیٹی تھی ولایت علی۔

مسٹر بہرام واڈیا نے بذریعہ رجسٹری بھیجے گئے ٹائپ شدہ خط میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ یہ سب ایک سازش تھی جس میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب ان کی بیٹی کبھی انڈیا واپس نہیں آئے گی۔ اور یہ کہ میں بھول جاؤں کہ لیڈی واڈیا میری بیوی تھی۔ مزید برآں اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کسی طور مسلم نہیں ہو سکتے۔ وہ پارسی مذہب ہی کے پیروکار ہوں گے اور یہ میرا یعنی مسٹر واڈیا کا انتقام ہے کہ ان کی بیٹی کو ورغلانے میں، میں نے کوئی کسر نہیں

چھوڑی تھی۔

اُف۔۔ ولایت علی شاہ نے اُن کا دکھ پھر بنیادے محسوس کیا۔

ولایت علی شاہ۔۔ اس موڑ پر میں نے اذیت کی انتہا محسوس کی تھی۔ایک مسلمان کی اولاد۔

ان کی آواز بھرا گئی۔وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے اس رات اپنے خدا سے دعا کی۔

مالک۔۔ میرا بیٹا جس نے میرے نسب کو جاری رکھنا ہے یا تو مجھے مل جائے یا پھر مر جائے۔مسلم لہو کے تانے بانے میں پرویا ہوا جسم مشرک اولاد کو جنم دے، میں کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

جانتے ہو ولایت علی شاہ۔۔ اللہ رگ گلو سے بھی قریب ہے۔کیوں کر میری بات سنتا۔

تو آپ کا بیٹا آپ سے مل گیا۔ولایت علی شاہ نے بیتابی سے پوچھا۔

وہ دار لقیام واپس چلا گیا۔میاں صاحب نے بہت بردباری سے جملہ مکمل کیا۔

اوہ۔۔ ولایت علی شاہ کو عجب سا ملال ہوا۔

کبھی کسی باپ کو بیٹے کے مرنے پر بھی خوشی ہو سکتی ہے۔۔ لیکن مجھے ہوئی تھی۔میں نے اس احسان پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔میں نے مسٹر وادیا کو خط بھیجا تھا کہ آپ اپنی سی کرتے رہیں۔میرے معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔اور تم نے۔۔ دیکھ بھی لیا ہے۔

آپ اپنی بیگم سے پھر دوبارہ کبھی نہیں ملے

اللہ کی مرضی ولایت علی شاہ۔۔ مگر وہ وفا میں مجھ سے جیت گئی۔اس نے خود کو روگ لگا لیا تھا۔

ایک روز مجھے تار ملا کہ وہ برمنگھم شائر کے ایک کلینک میں زیر علاج ہے۔اپنی بچی کھچی پونجی کو سمیٹ کر انگلستان پہنچی۔یہ تار اس نے خود بھجوایا تھا۔اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سخت پہرے میں ہوا کرتی ہے اور یہ تار ایک نرس کے ذریعے بھیج رہی ہے۔

جب میں اُس کے پاس پہنچا مشکلات کا ایک سمندر عبور کر کے تو اُس کی آنکھیں بند تھیں ولایت علی شاہ۔ وہ ایک دم سوکھی لکڑی ہو رہی تھی اور سفید لٹھے جیسی۔اسے دماغ کا سرطان ہو گیا تھا۔۔ آہ۔۔۔

آج تک حافظے میں بس اُس کا وہی آخری دیدار محفوظ ہے۔مسلسل کئی گھنٹے بلکہ کئی دن غشی میں رہنے کے بعد وہ چلی گئی۔

انا للہ۔۔۔ ولایت علی شاہ نے سپیدہ سحری کے آثار کو اچٹتی نظر سے دیکھا۔

آپ کی بیٹیاں۔۔

مجھے آج تک اُن کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا۔

ہم امتحان گاہ میں ہیں۔دُکھ سکھ فطرت کے اظہار ہیں۔کیا جی کو آزار لگایئے۔اللہ کی مخلوق کو ہماری ضرورت ہے سانسیں رائیگاں تو نہیں جانی چاہئیں۔

آفرین ہے میاں صاحب آپ پر۔ وہ بیساختہ کہہ بیٹھے۔

پھل اُسی کو ملتا ہے جو صبر کی نیت کرتا ہے۔ میاں صاحب گویا ہوئے۔

اُسے معاف کر دو ولایت علی شاہ۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

ولایت علی شاہ کو گویا شاک لگا۔

کسے۔ انہوں نے تجاہل برتا۔

وہی جسے آزار کے قلعے میں بند کر کے تم نے اپنی باقی سانسیں بھی انتقام کے جوئے میں لگا دی ہیں۔

یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ کسی طرح بھی۔۔ میاں صاحب میں آپ جیسا دل کہاں سے لاؤں۔ آپ جتنے حوصلے کدھر سے لاؤں۔

میں اور تم ایک سی خاک کے پتلے ہیں ولایت علی شاہ ایک ذرا سی سوچ کا فرق ہے۔ عفو و درگزر کا ذائقہ بھی چکھ کر دیکھو۔ اس عمل کے ذریعے انسان کس قدر معتبر ہو جاتا ہے اپنی نظر میں۔ اس کی علیحدہ لذت ہے۔ میاں صاحب کے لہجے میں منفرد سی حلاوت تھی۔

لیکن آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں انتقام لے رہا ہوں۔ آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ میں نے اس کی ہمیشہ کے لیے چھٹی کر دی ہوگی۔۔ ولایت علی شاہ نے چونک کر بڑی جانچتی نظروں سے میاں صاحب کو دیکھا۔

جب ایک بات خبر ہے تو پھر حسن ظن کا فائدہ۔۔ ولایت علی شاہ۔ وہ بولے۔

میں سمجھا نہیں۔ وہ واقعی میاں صاحب کی بات نہیں سمجھے۔

وہ ساری رات جاگتی۔۔۔ ہے ولایت علی شاہ۔ دل اور مقدر بدلتے کب دیر لگتی ہے اس کا قلب بالکل بدل چکا ہے۔ اُسے دونوں بچوں کے بارے میں علم نہیں ہے۔ اُسے گوٹھ سے لے آؤ ولایت علی شاہ۔

ولایت علی شاہ کا گویا بھیجا اُڑ گیا تھا۔ وہ ششدر سے میاں صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

میں قسم کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ محض تمہارا شک رفع کرنے کے لیے حلف اُٹھانے کو تیار ہوں۔ اُس نے مجھے کچھ نہیں بتایا وہ تو اپنے منہ سے خود کو تمہاری نوکرانی بتاتی ہے ولایت علی۔

ضمیر کی ملامت اور کوکھ کی آگ۔

میاں صاحب۔۔ ولایت علی شاہ نے جھک کر ان کے گھٹنے چھو لیے۔ خدا کے لیے میاں صاحب۔ خدا کے لیے۔ ان کا مضبوط وجود ریت کی مانند میاں صاحب کے سامنے بکھر گیا تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

مجھے گناہگار نہ کیجیے میاں صاحب میں اللہ کا بندہ ضرور ہوں مگر اسفل السافلین ہوں۔ آپ مجھے جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کا حکم دے دیجیے۔ آپ مجھے زہر کا پیالہ پینے کو کہتے۔ سرتابی کروں تو آپ کو ہر سزا کا اختیار ہوگا۔ مگر۔

میاں صاحب نے جھک کر اپنے ناتواں ہاتھوں سے ان کا چہرہ تھام لیا۔ اور کمال محبت

سے ان کی پیشانی پر مُہر ثبت کی۔

ولایت علی شاہ۔۔ بےخبر تو نہیں ہوں تمہارے سینے کی عظیم دنیا میں عظیم تر قامت اُٹھ رہی ہے۔ گوش بر آواز ہوں۔

نادان۔۔۔ کیسے اندازے قائم کیے ہیں میرے بارے میں۔ میرے بیٹے اچھی خبر ہے مجھے۔

تنکے سے پہاڑ اُٹھانے کو کہہ رہا ہوں۔ مگر اسے اسلاف کی معتبر یادگاریوں بھی تو سوچ کر دیکھو۔

نمرود کی دہکائی آگ میں کودنے کا فیصلہ سال خوردہ فاصلوں پر بھی محیط ہو سکتا تھا۔ یقین کے میدان کارزار میں گھڑی میں فیصلہ ہو گیا تھا۔

ولایت علی شاہ۔۔ چھلانگ مارنے سے پہلے آگ ہوتی ہے اور چھلانگ مارنے کے بعد گلزار۔

آؤ ولایت علی شاہ۔ چھلانگ مار آئیں۔

دیکھنا سینکڑوں پھول مہک اُٹھیں گے تمہارے قلب میں۔

آپ میری اوقات میرا مقام بھی تو دیکھیے میاں صاحب۔۔۔ ولایت علی شاہ لاچاری سے گویا ہوئے۔

خدا کی برگزیدہ ہستیاں خود کو نمونہ بنا کر ہمیں متحیر کرنے نہیں آئیں نہ ہی نمودار اور جذبہ خوشنمائی سے ان کو علاقہ تھا۔

وہ ہمارے جیسے کمزور اور نابینا لوگوں کے لیے مشعل بن کر آتی رہیں۔ ہمارے قلب کی بینور آنکھوں کو روشنی دیتے رہیں۔

ان سب کے کیے پر پانی نہیں پھیرو۔ آؤ زندگی کی کتاب کا نیا سبق پڑھو۔ صرف چھلانگ مارنی ہے بعد کا کام تو بہت آسان ہے۔

اسی دم مساجد سے اذان فجر بلند ہوئی۔

اللہ اکبر۔۔ میاں صاحب نے ولایت علی شاہ کی پُشت تھپتھپائی۔

آؤ ولایت علی شاہ مسجد چلتے ہیں۔ اگلے مراحل اس کے بعد۔

ولایت علی شاہ آہستگی سے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

طارق نے نہ جانے کتنے کڑے مراحل طے کیے تھے تب اس دروازے پر آیا تھا۔

ستارہ نے اوپر ٹیرس سے اسے دیکھا تھا۔ پہلے خوشی سے چیخی تھی پھر ایک دم اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ آہستگی سے زینے طے کر کے اس کے قریب آئی بہت آہستگی مگر گرم جوشی سے وش کیا۔

بُرا نہ مانیے گا۔ پہلے مجھے یہاں سے کھسک لینے دیں۔ پھر اس سے ملیے گا اور جو بھی صورت حال ہو فون پر بتا دیجیے گا۔ سیاہ پینٹ اور سرخ شرٹ پر سیاہ اسکارف لپیٹے وہ کہیں

جانے کی حالت میں تھی۔

پلیز۔۔۔تشریف رکھیے۔بہت اخلاق سے اس نے ڈرائنگ روم میں نشست پیش کی۔

پھر دور کام کرتی ملازمہ کو آواز دی۔

برکتے۔۔گل سُن۔ملازمہ اس کے پاس چلی آئی۔

جی بی بی۔۔

وڈی بی بی نوں ناں آکھیں میں اناں نوں مل کر گئی آں۔۔۔سُنیا۔اس نے طارق کی سمت اشارہ کیا۔

چنگا جی۔۔وہ مؤدبانہ انداز میں کہہ کر پلٹ گئی۔

میرا تو دم اُلجھنے لگا ہے۔طارق جبریہ مسکرایا۔

آئی شل گریٹ فل ٹو یو۔اس نے بڑی منت سے طارق کو دیکھا۔

کوئی بات نہیں۔وہ بڑے خلق کا مظاہرہ کر کے مسکرا دیا تھا۔

ستارہ اس کے سامنے سرخ کار نکال لے گئی۔

جاؤ اپنی وڈی بی بی سے کہہ دو۔۔۔۔لیکن ٹھہرو۔وہ ایک دم رک گیا۔اور جیب سے ایک گولڈن کارڈ نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔یہ اندر اپنی بی بی کے دے دو۔ملازمہ وزیٹنگ کارڈ لے کر چلی گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں دوبارہ آموجود ہوئی۔

بی بی گھروں نئیں اے صاحب۔۔(بی بی گھر میں نہیں ہے صاحب)

طارق کو حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔

وہ خود کہہ رہی ہیں۔۔وہ متعجب ہوا۔

آہو جی۔۔نن۔۔نن۔۔نئیں جی۔ملازمہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

تم مجھے ان کے کمرے تک لے چلو۔وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔

تہانوں رب دا واسطہ۔ملازمہ خوف زدہ انداز میں ہاتھ جوڑ بیٹھی۔

کچھ نہیں ہوگا۔یقین کرو۔میں خود دیکھ لوں گا۔اس نے تسلی دی۔

اینج وی تسی پروہنے او۔۔مین تہانوں پہلے نئیں سی دیکھیا۔صاحب مین اے نئیں کرسکنی آں۔مینوں معاف کردیو۔

وہ بری طرح سہم کر کہہ رہی تھی۔اور حیران تھی کہ ایک بی بی کا رویہ اس شخص کے ساتھ کچھ اور دوسری کا کچھ۔طارق سوچ میں پڑ گیا۔جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی پھر دو تین کش لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

چلو میرے ساتھ۔

کتھے صاحب۔۔۔وہ گھگیائی۔

بی بی کے کمرے تک ورنہ میں ان کا کمرہ خود ڈھونڈ نکالوں گا۔وہ فیصلہ کُن انداز میں کہہ کر اندرونی دروازے کی سمت بڑھا۔

ساڈے روز گارو ے مگروں پے گئے او صاحب۔ وہ دل برداشتہ سی اس کے پیچھے ہولی۔

اور راہداری کے ایک سرے پر جا کر ٹھہر گئی۔ او پر زینہ جا رہا تھا۔

اے پوڑیاں (سیڑھیاں) چڑھ کے پہلا ای کمرہ اے۔ اتنا کہہ کر وہ تو چپت ہو گئی اور

طارق زینہ طے کرنے لگا۔ سامنے ہی وہ زرد رو کھڑی تھی۔

طارق کو دیکھ کر جیسے بھونچکا سی رہ گئی تھی۔ سرخ گاؤن میں ملبوس وہ ننگے پاؤں نیلے

کارپٹ پر جمائے بہت پیاری محسوس ہوئی۔

وہ جس کا تصور کیے بغیر وہ سو نہیں سکتی اس کے در پر آیا تو اس نے کہلا بھیجا کہ وہ نہیں

ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔۔ وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔

وہ جو اس کے حواسوں پر خوشبو کی طرح بکھرا رہتا ہے۔

بوتیک میں۔

ڈرائیونگ کے دوران۔

سوتے جاگتے۔۔ ہنستے روتے۔۔ اور ہر گھریلو زاویے میں وہ اس کی جان کا آسیب ہی

تو بن چکا ہے۔

پچھلے ہفتے جب وہ کراچی میں طارق روڈ پر فیلکن میں میچنگ سینڈل دیکھ رہی تھی۔

تو ایک آدمی کی پشت دیکھ کر دم سادھ کر رہ گئی تھی۔ یہی گمان ہوا تھا کہ وہ طارق ہے۔

محبوب کو دیکھ کر ایک عورت کا دل کس انداز میں دھڑکتا ہے۔

وہ اس لذت آمیز دھڑکن سے خوب متعارف ہو چکی تھی۔

کتنوں نے اسے چھو لیا تھا۔

کتنی بار بازار میں وہ غیر ارادی طور پر اجنبیوں سے ٹکرائی تھی مگر احساسات منجمد ہی رہے

تھے۔

یوں بھی ساری دنیا محبوب ہو نہیں سکتی۔ اتنے سارے لوگوں میں انسانوں کی بھیڑ میں

صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے جو دل کی عمارت میں بارود کا دھماکہ ثابت ہوتا ہے۔

کتنی بار وہ اس کے سامنے آیا تھا اور کتنی بار وہ لذت آمیز دھڑکن اس کے سینے میں بیدار

ہوئی تھی۔

یہ دھڑکن ایک شخص کی انفرادیت کی سگنیچر ٹیون ہوا کرتی ہے۔

وہ پھر سامنے آیا تھا۔

اس نے پھر دل تھاما تھا۔

معاً اس کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے غایت درجے کی اجنبیت سے طارق کو دیکھا۔

سیاہ پینٹ اور ہلکی گلابی شرٹ میں ملبوس انگلیوں میں سلگتا سگریٹ لیے وہ اس کے تاثرات

جانچ رہا تھا۔

وہ ایک بھاگ کر کمرے کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

میں نہیں ہوں۔۔۔ سنا نہیں آپ نے۔۔۔ وہ زہر اُبھار کر چلائی تھی۔

میں نہیں ہوں۔۔۔ میں نہیں ہوں۔۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ طارق آگے بڑھا۔

فیروزہ نے ایک دم اندر ہو کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی تھی۔

وہ دروازے سے لگی مسلسل رو رہی تھی۔

طارق نے پہلے تو دروازہ بجانا چاہا پھر کچھ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا۔ اور وہ واپس نیچے چلا آیا۔

ملازمہ راہداری میں کھڑی تھی۔ شاید چیخیں سن کر آ گئی تھی۔

گھبراؤ نہیں۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ میں پھر آؤں گا۔۔۔

فیر۔۔۔ (پھر)۔۔۔ ملازمہ نے ہونق سی ہو کر طارق کو دیکھا تھا۔

وہ آہستگی سے اور زبردستی مسکرایا۔۔ ہوں۔۔۔ پھر۔۔۔۔

جب سے اماں جان کو دُریہ کے سلسلے میں خوشخبری ملی تھی وہ آنے کے لیے پر تول رہی تھیں حالانکہ یہ خبر اُن تک براہ راست نہیں پہنچی تھی۔ طارق نے ارمغان کو فون پر ایک سی بات کا اندازہ دے کر تذکرہ کر دیا تھا۔ ارمغان سے ہوتی ہوئی یہ خبر ربیعہ تک پہنچی تھی۔ اور یہ کیسے ممکن تھا ربیعہ ساس کو فوراً نہ بتاتیں۔

عابدہ بیگم تو گویا سنتے کے ساتھ ہی پنکھے سے لگ گئے تھے۔ دریہ کو انہوں نے فون پر تسلی دے دی تھی کہ وہ تین ماہ قبل پہنچ جائیں گی۔

اور اب وہ حسب وعدہ پہنچ چکی تھیں۔ طارق کے معمولات و مصروفیات دیکھ کر وہ چپ سی گئی تھیں۔ دوسری طرف دریہ کو دیکھ کر اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ، ہولے ہولے گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف چہرے پر ایک عجیب سا سوز۔

حرکت میں دھیما پن۔ بہت ساری باتوں کے جواب میں ایک دلفریب مسکراہٹ

صرف اماں جان چھوٹے چھوٹے کپڑے سینے میں مشغول ہوتیں تو وہ اُن سے پوچھ پوچھ کر کوئی اچھی ڈش بنانے لگتی۔

آتے جاتے سلے ادھ سلے کپڑوں پر بھی نظر ڈال لیتی تو عجب دکھ اور سکھ کے ملے جلے احساسات اسے گھیر لیتے۔ داخلی دروازے کی سمت دیکھ کر ایک ہوک سی سینے میں اُٹھتی تھی سینے میں۔

شاید یہ ارمان، ارمان ہی رہ جائے کہ وہ دن کے اُجالے میں گھر میں مسکرا کر قدم رکھے اور آنے والے دنوں کے خیال سے اتنا خوش ہو کہ بہانے بہانے سے اس سے لطیف سی شرارت کر جائے۔ احساسات میں دیر تک گدگدی ہوتی رہے۔

آہ پھوپھو۔ آپ تو نعمت ہیں ان دنوں میرے لیے۔ وہ سوچا کرتی۔

تم سے عشق میرا جرم ہے طارق۔۔

زار نے ایک بار کہا تھا۔ شادی اُس سے کرنا جو تمہیں چاہتا ہو۔ اُس سے نہیں جسے تم چاہتی ہو۔

مجھے تو مگر چاہنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ سوائے اس کے ہر نظر میں میری تمنا تھی۔

اب میں سب سے تو شادی کرنے سے رہی تھی۔

اور پھر میں اپنی پسندیدہ شے سے دور رہنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی ہوں۔ مجھے ہر پسندیدہ شے اپنے پاس رکھنے اور اس پر اختیار حاصل کرنے کا جنون ہے۔

یہ میرے پاس نہ ہوتا تو میں کب کی مرگئی ہوتی۔

اب کم از کم یہ اطمینان تو ہے۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔

ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حاصل تو کچھ اب بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ دنیا جانتی ہے وہ طارق احمد فاروقی جیسے آرٹسٹک اور منفرد آدمی کی بیوی ہے۔

وہ آنکھیں پونچھ کر پھر ساس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

مگر عابدہ بیگم نے اس کی روئی روئی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔

گھبرانے سے کچھ نہیں ہوتا بیٹی۔ ہر لڑکی کو آخر کار اس مرحلے سے گزرنا ہوتا ہے۔ اللہ سے اچھی امید و دعا کرتے ہیں۔

یہ خوشیاں تو اللہ کی مہربانی کا کمال ہوتی ہیں۔ شکر ادا کرنا چاہیے۔ تم ابھی سے اپنا چہرہ دیکھو۔ کس قدر روپ آ رہا ہے۔ نور جہان بھابھی مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ ماشاءاللہ دریہ کو دیکھ دیکھ کر نظر سیر نہیں ہو رہی۔ آپ اس کی نظر اتارتی رہیں۔

انشاءاللہ بہت خوش بخت اولاد ہوگی جس نے ابھی سے تمہارے وجود کو منور کر کے دکھا دیا ہے۔ ماشاءاللہ ولا قوۃ الا باللہ۔۔ وہ محبت و شفقت سے پُر آواز میں بولیں۔ ان الفاظ کے سائے سائے۔

طارق نے اندر قدم رکھا تھا۔ اور دریہ کے بدلے بدلے ہوئے سراپے پر اس نے ایک عجیب بے نیاز نظر ڈال کر ماں کو سلام کیا تھا۔

جیتے رہو۔ خدا کا شکر تمہیں بھی دن کی روشنی میں دیکھا۔ وہ خصوصیت سے جتا رہی تھیں۔

میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ابھی علی جان صاحب کا آفس فون آیا تھا۔ بارات میں بھی نہیں جا سکا تھا اور ولیمہ بھی بھول گیا تھا۔ ابھی انہوں یاد دلایا ہے۔۔۔ کہ آج شام انٹر کان میں عشائیہ ہے۔ وہ دریہ سے مخاطب تھا۔

بہت زیادہ اصرار کیا ہے کہ تمہارا دُم چھلا ضرور ساتھ ہو۔ اب تم فوراً تیاری شروع کر دو۔

آٹھ بجے تک وقت ہے میرے پاس۔ وہ انتہائی خشک انداز میں کہہ کر کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔

طارق کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ بہت سے لوگ اس کی شریک حیات کو دیکھنے کے متمنی ہیں۔

اس لیے اس نے بطور خاص دریہ پر نظر ڈالی تھی اور کچھ مطمئن سا دکھائی دیا تھا۔ اماں جان نے آیات کا ورد کر کے اس پر دم کیا تھا۔

جب وہ ساڑھی اور پرس سنبھال کر زینے اتر رہی تھی تو طارق کو شاید اس کی حالت پر رحم

آ گیا تھا۔

آہستگی سے شانوں سے تھام کر اسے سہارا دیا تھا۔

(جب تمہارے ہاتھ تمہاری امانت لگ جائے گی تو ذریہ پھٹے ہوئے ورق کی طرح تمہارے گھر کے کونوں میں نظر آئے گی) ذریہ نے طارق کے فعل انسانی پر بجائے خوش ہونے کی آزردگی سے سوچا تھا)

طارق محفل میں جا کر ایک دم سے جیسے بدل گیا تھا۔ خوش باش چھکڑا سا۔ شوخ شوخ جملے اس کی زبان سے برجستہ ادا ہو رہے تھے۔ پوری محفل پر چھا گیا تھا۔

ذریہ اُس کے اس رنگ سے واقف تھی۔

اسے احساس ہوا وہ کتنا بدل چکا ہے۔ (یا اس نے بدل دیا ہے)

ایک تو اُس سے ملاقات کرنے والوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ ذریہ ایک سیٹ پر بیٹھ کر ہنگامہ محفل سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

معاً وہ چونک پڑی۔

ایک انتہائی لٹرا ماڈرن لڑکی طارق سے بہت شوخی کے ساتھ مخاطب تھی۔ ذریہ کو اس کی شکل دیکھی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

علی جان صاحب بتا رہے تھے آج تو مسٹر اینڈ مسز دونوں حاضر ہیں۔ اُف آپ کی مسز سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ ملوایئے ناں۔

وہ لڑکی خاصی بے تکلف تھی اور طارق کا انداز بھی پرانے دوست جیسا تھا۔ ذریہ نے اچانک محسوس کیا کہ طارق کی شوخی ایک دم سنجیدگی میں بدل گئی۔ ملاقاتی لڑکی نے اسے کچھ کہا تھا۔ جواباً اس نے سامنے دیکھا تھا۔ جہاں بلیو ساڑھی میں بڑی سادہ مگر حسین لڑکی موجود تھی۔ وہ ذریہ کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ طارق اُس سے لاتعلق سا ہو کر اپنی ملاقاتی کو لے کر ذریہ کی سمت چلا آیا۔

ذریہ۔۔۔ یہ ہماری فلم انڈسٹری کی نامور فنکارہ مس حنا ہیں۔ اور مس حنا یہ ہماری مسز۔۔ ذریہ۔۔

ذریہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا دایاں گلابی ہتھیلی اور انگوٹھیوں سے مرصع ہاتھ اس کے سامنے بڑھا دیا۔ جسے ستارہ نے بڑی گرمجوشی سے تھام لیا۔

ستارہ نے ذریہ کے سراپے پر ایک شوخ سی نظر ڈالی اور خاصے بولڈ انداز میں پوچھا۔

اور کیسی ہیں آپ۔۔۔

ذریہ اس کی شرارت سمجھ گئی۔ تھوڑا سا جھینپ کر بولی۔ ٹھیک ہوں۔

فاروقی صاحب۔۔۔۔ بہت کیوٹ ہیں آپ کی مسز۔۔۔ ریئلی۔ ستارہ نے سراہا۔

شکریہ۔ اُس نے غیر ارادی نگاہ ذریہ پر ڈال کر اپنا اخلاقی فرض نبھایا۔ اب اس کا ذہن محفل میں منقسم نہیں تھا صرف بلیو ساڑھی میں ملبوس اس سراپے کی سمت مرتکز تھا جو پشت کیے ہوئے اس سے اجنبیت کے ناکام مظاہرے میں مصروف تھی۔

طارق نے جب بھی اُسے کسی تقریب میں دیکھا تھا انتہائی بھرپور انداز میں حصہ لیتے دیکھا تھا۔ بڑے پُرشکوہ انداز میں جانِ محفل بن کر شامل ہوتی تھی۔

آج صرف بلیو ساڑھی میں ملبوس تھی۔ ساڑھی بالکل سادہ تھی اور آنکھیں بھی۔ صرف ہونٹوں کا رنگ کچھ گہرا اور چمکدار تھا۔ تراشیدہ بال کھلے ہوئے تھے۔

طارق اس کے قریب پہنچا۔

السلام علیکم

وہ جھکی جھکی آنکھوں سے طارق کی پینٹ اور جوتے دیکھ کر جان چکی تھی کہ اس کے قریب کون آیا ہے۔ جواباً سامنے رُخ کرنا پڑا۔ بلکہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وعلیکم السلام۔۔

کیسے مزاج ہیں آپ کے وہ بہت شائستہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ بالکل اس انداز میں جیسے کسی بچے کو بہلاتے ہیں اور لہجہ غیر ضروری حد تک ملائم کر لیتے ہیں۔

اچھے ہیں۔ وہ جیسے بادلِ نخواستہ بولی۔

بظاہر تو محسوس ہوتا ہے۔

یہ زندگی میں تبدیلی تو آتی رہتی ہے۔ بہت کچھ بدل جایا کرتا ہے۔ یہ کوئی قابلِ تذکرہ چیز تو نہیں۔ وہ پھیکے انداز میں مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔ اور طارق کی بات کاٹ دی تھی۔

لیکن مجھے تبدیلی نہیں بددلی نظر آ رہی ہے۔ مس فیروزہ۔ وہ جرم جو میں نے نہیں کیا اس کا طوق میرے گلے میں نہ ڈال دیجیے گا۔

وہ اپنے مخصوص بیباک انداز میں کہہ گیا۔ فیروزہ نے بری طرح گھبرا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ خود بھی اس کا ردِعمل دیکھ رہا تھا۔ اور جیسے ایک دم خود کو سنبھال لیا۔

میں سمجھی نہیں۔

وہ میں اُس روز سمجھانے تو گیا تھا۔ آپ نے تو اپنے نہ ہونے ہی کا اعلان کر دیا۔

مثلاً آپ کیا سمجھانا چاہتے ہیں مجھے۔ وہ مکمل توجہ سے اس کے مقابل ہو گئی۔

پہلے تو آپ کی زبانی اپنا گناہ معلوم کرنا ہے۔ پھر اُس کی روشنی میں کچھ سمجھانا ہے۔

مس فیروزہ۔۔ میری اور آپ کی تفصیلی ملاقات کلینک میں ہوئی تھی۔ ہوئی تھی ناں۔۔

جی۔۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔

وہاں میں نے چلتے وقت آپ سے پوچھا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی آئندہ تو نہیں ہے۔ پوچھا تھا ناں۔۔

جی۔۔ وہ آہستگی سے بولی۔

پھر آپ نے جواب میں کہا تھا۔ قطعی نہیں۔

پھر یہ سب کیا ہے۔ آپ کی نادانی کی عمر تو نہیں ہے۔

کیا کیا ہے میں نے کیا سمجھ بیٹھے ہیں آپ میں تو اس دن کے بعد آپ سے از خود ملی بھی نہیں۔ بلکہ آپ نے ملنے کی کوشش بھی کی تو نہیں ملی۔

لیکن آپ نے یہ شعوری کوشش کیوں کی اس نے تیزی سے فیروزہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔

میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کسی مشکل میں گرفتار ہو جائیں۔ وہ چہرہ موڑ کر بولی۔

مثلاً کس قسم کی مشکل۔ طارق نے حسن ظن برتا۔

مثلاً کوئی اُلٹا سیدھا اسکینڈل۔۔ آپ بہت شفاف ہیں طارق۔ خاندانی ہیں۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

کیوں۔۔ وہ پھر انجان ہوا۔

یہ ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ۔ وہ رک گئی اور مبہم سا مسکرائی۔

ہماری اخلاقیات اگرچہ کسی قابل تو نہیں ہیں۔۔ لیکن۔۔۔

چھوڑیں طارق صاحب۔۔ ہمارا آپ کا کیا واسطہ۔ وہ ایک دم زچ ہو گئی تھی۔

آپ مرحلہ وار خودکشی کر رہی ہوں وہ بھی میرے نام پر۔ تو یہ تو میرے ساتھ زیادتی ہوئی ناں۔ وہ صاف گوئی سے بولا۔

فیروزہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی تو کیوں کر۔۔ وہ زبردستی خود پر قابو پاتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

آپ مجھے وقت دیں۔ میں آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ انسان ہونے کے ناتے۔ پھر میں آپ کو تمام جوابات بھی دوں گا۔

فیروزہ کے سینے میں عجیب پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی۔

(وہ بات جو وہ خود سے کہتے گھبراتی ہے اس تک پہنچی تو کیسے۔۔)

ٹھیک ہے آپ مجھے کبھی جمعے کو گھر پر مل لیں۔ وہ گہری سوچ سے نکل کر گویا ہوئی۔

دل اب بھی بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

لیکن مجھے خدشہ ہے آپ کہیں پھر مجھے بزبان خود یہ نہ کہہ دیں کہ میں نہیں ہوں۔

وہ سادہ انداز میں جتا کر مسکرایا۔

فیروزہ نظر نہ اُٹھا سکی۔

مجھے کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے طارق صاحب۔ دراصل میں ابنارمل ہوں۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

واہ صاحب۔۔ کیا خودشناسی ہے۔ وہ فضا کا تاثر اپنی بشاشت سے بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آیئے میں آپ کو اپنی مسز سے ملواتا ہوں۔ جانے کس دل سے اُس نے کہا تھا۔ فیروزہ جیسے ننگے پاؤں انگاروں پا جا کھڑی ہوئی۔

اس کی نظروں نے آہستہ آہستہ سفر کیا اور دریہ کے چہرے پر جا کر تک گئیں۔ دریہ نے جان لیا کہ اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ وہ ادھر ہی متوجہ تھی۔

وہ خاصی بیچینی محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ بہت دیر سے اس سے باتوں میں مشغول تھا۔ وہ

بھی اس طرح کہ اپنے آس پاس سے ایک دم غافل ہو کر۔ اس قدر آہستگی سے باتیں کر رہا تھا کہ بس سرگوشی سے کچھ اونچی آواز تھی۔ پھر اس کی باتوں پر فیروزہ کے چہرے کے بدلتے رنگ۔۔۔ وہ ایک دم الجھی گئی تھی۔

اب فیروزہ کو اپنی جانب دیکھتا پایا تو انجان سی بن کر اپنا پرس ٹٹولنے لگی تھی۔

یہ کون ہے جس سے اس قدر اپنائیت سے گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ کڑھ رہی تھی

معاً وہ سنبھل گئی۔ فیروزہ اور طارق اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

ڈریہ۔۔۔ ان سے ملو، یہ مس حنا کی بہن ہیں فیروزہ۔۔۔ اور فیروزہ۔۔۔ یہ ڈریہ ہیں۔

گلیڈ ٹو میٹ یو۔۔۔ مسز طارق۔۔۔ فیروزہ نے بہت اخلاق سے ہاتھ آگے بڑھایا۔

دریہ نے خاصی سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ تھینکس۔۔۔ کیا آپ گاتی ہیں۔۔۔ وہ عجیب سرد سے انداز میں فیروزہ سے پوچھ رہی تھی۔

نہ میں ناچتی ہوں نہ گاتی ہوں۔ البتہ نچاتی ہوں۔ اس نے خاصا بلند قہقہہ لگایا تھا۔

اس قہقہے میں کتنے نوحے تھے۔ طارق بے چین سا ہو کر رہ گیا تھا۔

مجھے تو آپ سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے بھی۔۔۔ یہ میاں میرے ہیں۔ قریب آپ کے کھڑے ہیں۔ دریہ نے بڑے کاٹ دار انداز میں بظاہر مذاق سے کہا تھا۔

ارے برے گمان نہ کریں۔ یہ آپ کو بہت بہت مبارک ہوں۔ فیروزہ نے خوشدلی سے جواب دیا تھا۔ اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

غالباً آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فیروزہ نے دریہ کا بیزار سا انداز دیکھ کر کہا تھا۔

ہوں۔ حالت تو آپ میری دیکھ ہی رہی ہیں۔ وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

یہ ہماری سوسائٹی کی بڑی ٹریجڈی ہے۔ اکثر شوہر اپنی بیویوں کو اس حالت تک پہنچا تو دیتے ہیں مگر شیئر نہیں کرتے۔ دریہ نے نہ جانے کیوں کہہ دیا۔

مثلاً۔۔۔ طارق نے بہت معنی خیز انداز میں ڈریہ کو دیکھ کر مثلاً کہا تھا۔

ویسے مسٹر طارق سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ آپ کے ساتھ۔۔۔

دریہ مسکرا دی۔ بولی کچھ نہیں۔

وضاحت نہیں کی آپ نے فیروزہ متجسس تھی۔

پریگنینسی پیریڈ سے لے کر بچے کے گروان اپ ہونے تک بعض اوقات تو انتہائی آگے تک صرف ماں ہی کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ ہر معاملے میں پھر وہی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی ہے۔ بعض مرد تو بالکل بھی ہاتھ نہیں بٹاتے۔ اسے اپنی مردانگی کی توہین سمجھتے ہیں۔ بس ایک تیار چیز ان کو چاہیے ہوتی ہے۔ وہ ہنسی۔

دراصل ہمارا معاشرے میں اس معاملے میں شیئر کرنے والی ساسیں مہیا کر دی جاتی ہیں۔ طارق نے جتا دیا۔

میں نے بھی اپنی ماں ان کے حوالے کر دی ہیں۔ وہ مسکرایا۔

گویا۔۔۔ بہت زور ہے ان کا آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر۔۔۔ فیروزہ نے دریافت

کیا۔ وہ طارق سے مخاطب ہوئی تھی۔ دریہ نے بڑے طنز سے مسکرا کر چہرہ موڑ لیا تھا۔

یہ تسا بلی پونی اور جدید زمانے کی مصنوعی باتیں ہیں۔ عورت کی زندگی کا مقصد ہی فطرت نے یہ بنایا ہے۔ طارق نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔

مگر وہ اندر سے بہت پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

دریہ کی بیباکی اور بچے سے متعلق کھلی گفتگو اُسے انتہائی شاق گزر رہی تھی۔ لیکن مقام مجبوری یہ تھا کہ وہ فیروزہ کے سامنے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے مجبور انباہ رہا ہے۔

حالانکہ دریہ کے کئی جملوں پر اس کا جی چاہا تھا کہ وہ چیخ کر شٹ اپ کہہ دے۔ یوں بھی وہ کوئی پُرسکون دماغ تو لیے نہیں بیٹھا تھا۔

دائیں طرف فیروزہ تھی اور بائیں طرف دریہ۔ کس قدر ٹائٹ پوزیشن میں تھا۔ لیکن چہرے سے بھرپور اور مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دریہ کی سمت سے چہرہ موڑ لیا۔ اب ناقابل برداشت صورت حال تھی۔

(ہونہہ ماں کیا بن رہی ہے میری ساب پشتوں پر احسان کر رہی ہے۔)

(اور اس عذاب میں بھی خود اپنی ہی وجہ سے ہے)

دریہ کی کھلی گفتگو نے اسے ذہنی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب کر دیا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ فیروزہ کی وجہ سے ذہن پر جو دباؤ پڑا تھا۔ اس بنا پر وہ اور زیادہ حساس ہو رہا تھا۔

ادھر فیروزہ خود کو اس کے مقابل کیے۔

اس کی مہک اپنے وجود میں اُتارتے ہوئے۔ مسلسل متضاد سوچوں کے حصار میں تھی۔

کس قدر خاموش آنسو اس کے قلب پر گر رہے تھے۔ وہ بڑے رشک وحسرت سے بار بار دریہ کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا تروتازہ چہرہ ہلکے ہلکے میک اپ سے چمکتا ہوا۔ مطمئن اور مغرور سا چہرہ۔ بیٹھنے اسٹائل میں تھکاوٹ اور خود اعتمادی کا ملا جلا سا تاثر تھا۔ جیسے یہاں اس کا دربار لگا ہو۔ گاہے بگاہے وہ انتہائی نفیس سی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر طارق کو ضرور دیکھ لیتی تھی۔

فیروزہ کو اس کے چہرے، گردن، بلکہ پورے وجود پر طارق کی مسکراہٹ واحساسات کے پھول کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

یہ کب ایسی ہو گی۔

اسے تو تم نے نکھار دیا ہے طارق۔ اس نے طارق کے ہاتھوں کی سمت دیکھا۔ نکھرے نکھرے مضبوط چمکدار گلابی ہتھیلیوں والے ہاتھ جن کی پشت پر سیاہ روئیں نے عجب مردانہ وقار پیدا کر دیا تھا۔

اس کے ہاتھ دیکھ کر وہ جیسے شعلوں میں گھر جاتی تھی۔

تمہاری آنکھوں کی طرح تمہارے ہاتھ بھی بیرحم ہوں گے مگر ان کی بیرحمی کے سامنے تخت ٹھکرائے جا سکتے ہیں۔

یہ مقناطیس سے بنا ہوا مرد۔۔ جانے کس کس کے جی کا آزار ہوا ہوگا۔ اس نے سوچا تھا۔

جیت تمہارا نصیب تھی۔ اس کی نظریں پھر دریہ کی سمت اُٹھیں۔

تمہارا روم روم کھلا دیا ہے اس نے۔ اے نصیبوں کی ملکہ

کہاں میں کیچڑ آلود اور کہاں تم پارساماں کا نورانی دودھ پی کر پلنے والے۔

اُف۔۔

ایک انسان سے محرومی بسا اوقات سارے جہاں سے محروم کر دیتی ہے۔ میری بلا سے اس جہاں کو آگ لگے یا اس میں پھول کھلیں۔

میرے کلیجے کو تو محض ایک سوچ اژدھے کی زبان بن کر چاٹتی رہتی ہے کہ یہ میرا نہیں تھا۔

یہ میرا نہیں ہے۔ یہ میرا نہیں ہوگا۔

جب تک میں جان سے نہیں چلی جاؤں گی۔ اس۔۔ ستارہ کو چین نہیں آئے گا۔ سر ہو جاتی ہے۔ چلو چلو۔۔۔ آئی کہیں سے بن کر ہمدرد۔۔ عذابوں میں ڈال دیا۔۔۔ اس پل صراط سے خود گزرے تو پتا چلے۔

طارق ان دونوں کو چھوڑ کر آگے ملنے والوں تک جا پہنچا تھا اور فیروزہ کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے تمام تر غبار کا رخ ستارہ کی سمت منتقل کر دیا تھا۔ بیوقوف کہتی ہے تنہائی میں پاگل ہو جاؤں گی۔ ہونہہ۔ تنہائی میں تو نہیں البتہ اسے دور سے ترس ترس کر دیکھ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔

شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دریہ اس سے مخاطب تھی۔

آں۔۔۔۔۔ہاں۔۔ فیروزہ چونک پڑی۔

جی۔۔جی۔۔ہاں۔ میرا تو بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔ یہ میری بہن سر ہو جاتی ہے کہ چینج ملے گی۔ طبیعت بہلے گی۔

(آہ۔۔۔ رسائی۔۔ نارسائی، ملنے نہ ملنے کے درمیان محض احساس۔۔ ایک لطیف ترین احساس ہی کا تو فرق و فاصلہ ہے۔ لیکن زندگی کا باقی ماندہ سفر بھی تو اسی صورت کٹ سکتا ہے۔۔ جب یہ فیصل۔۔۔ یہ فاصلہ۔۔۔ طے ہو۔۔ نہ یہ طے ہو رہا ہے۔۔۔ نہ زندگی آگے بڑھ رہی ہے۔

کسی گنبد میں گونجتی ایک بازگشت بن کر رہ گئی ہے۔۔ میری زندگی۔۔

آہ۔۔۔۔۔۔۔

اے عشق بُھلکے

کلی جند نمانی

ایک لوک گیت اسے خوامخواہ یاد آگیا۔

بہت محبت ہے اسے آپ سے، تب ہی تو وہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے۔ دریہ نے اسے کھویا کھویا دیکھ کر پھر بات کی تھی۔ فیروزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اُف۔۔ یہ طارق کہاں چلے گئے۔۔ دریہ نے جیسے بور ہو کر ادھر اُدھر دیکھا۔

(آہ۔۔۔ کتنے استحقاق سے اس کا تذکرہ کرتی ہے اور میں اسے سوچتے ہوئے کانپ جاتی ہوں۔ بالکل اتنا ہی فرق ہے ہم میں جتنا زمین و آسمان میں)

اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی فیروزہ نے دریہ کو مخاطب کیا تھا۔

ہاؤس وائف ہونے کا شوق تھا۔ فیروزہ ہنس دی تھی۔

ہوں۔۔ مگر صرف طارق کی ہاؤس وائف ہونے کا۔ دریہ کے انداز میں شرارت تھی۔

فیروزہ ہنستا تو درکنار مسکرا بھی نہ سکی۔ دُریہ سے معذرت کرکے یہ کہہ کر اُٹھ گئی کہ ذرا ایک دوست سے مل لوں۔

ستارہ اور فیروزہ ان سے پہلے چلی گئی تھیں۔ طارق نے پھر دوبارہ فیروزہ کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ اور آداب محفل کے مطابق دریہ کو ساتھ لیے مختلف لوگوں سے ملنے جلنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

اس کے شانہ بشانہ چلتی ہوئی دریہ اس کے اشارے کی سمت متوجہ ہوئی مسکراتی ملتی جلتی۔ چند چھوٹے چھوٹے جملوں کا تبادلہ ہوتا۔ کچھ دیر بعد منظر بدل جاتا۔

فیروزہ کے حوصلوں کا اسٹاک ختم ہو چکا تھا۔

وہ زیادہ دیر محفل میں نہیں بیٹھ سکی تھی۔ طارق کو خبر بھی نہیں ہوئی اور وہ دونوں چلی گئی تھیں۔

رخصت ہوتے ہوئے جب طارق نے حاضرین پر نظر ڈالی تو دُریہ نے بڑے انداز سے کہا تھا۔

وہ چلی گئیں۔

کون۔۔ اس نے گردن موڑ کر دریہ کے چہرے کی سمت غور سے دیکھا تھا۔

جنہیں آپ تلاش کر رہے ہیں۔ محترمہ فیروزہ۔۔ محترمہ حنا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ جما کر بظاہر بڑی لاپروائی سے کہا تھا۔

طارق دوسری سمت سے بیٹھ چکا تھا اور اندر سے دروازے کا لاک کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کے چہرے کا تاثرات دُریہ دیکھ نہیں پائی۔

جب بیٹھ گئی تو طارق کو بغور دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

یہ وہی مس حنا ہیں جنہوں نے ایک بار فون کیا تھا تو آپ جا کر تین بجے پلٹے تھے۔

اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی مگر طارق پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور نہ اس نے دریہ کے سوال کا جواب دیا۔

خاصی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد اس نے رفتار دھیمی کر کے سگریٹ سلگائی۔ کئی کش لے کر دریہ سے مخاطب ہوا۔

مجھ پر اللہ کی خاص رحمت ہو گئی ہے۔ قوت برداشت میں اضافہ خود بخود ہو گیا ہے۔ انسان خوش ہو تو وہ بہت سی ناگوار باتوں کا نوٹس لے کر اپنی خوشی غارت کرنا نہیں چاہتا۔

میں آجکل بہت خوش ہوں۔ اس نے سگریٹ منہ میں دبا کر ایک موڑ کاٹا۔

دریہ کا دل دھڑک گیا۔ اس کا روم روم پکارا۔ اس خوشی کا سبب میں ہوں۔

پوچھو کیوں۔۔

اُف کس قدر نرمی اور اپنائیت سے ہمکلام تھا۔ وہ ایک دم سرخوشی کی کیفیت میں پوچھنے لگی۔

کیوں۔۔ انداز میں تھوڑی سی حیا تھی۔

سوانا بلڈرز میں میرا اپائنٹمنٹ ہو گیا ہے۔ چند ماہ بعد میں سڈنی چلا جاؤں گا۔

دریہ کے تنفس کی رفتار آج کل ویسے بھی بدلی ہوئی تھی۔ دل جیسے گڑھے میں پھنس گیا تھا۔ اور ذہن کو دھچکا سا لگا تھا۔

آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا وہ بدقت گویا ہوئی۔

اب تو بتا دیا ہے۔ بلا کی بے نیازی سے اس نے اسٹیئرنگ کو حرکت دی۔

کب جائیں گے۔ دریہ کے جیسے سارے کس بل نکلے ہوئے تھے۔

اپنے بچے سے مل کر۔

اس قدر غیر متوقع جواب آیا تھا کہ دریہ ششدر کر رہ گئی۔ وگرنہ طارق نے تو کبھی اس موضوع پر اس سے کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔

طارق کے اس جواب پر اس میں تھوڑی سی جان آ گئی تھی۔ کہ اب حوالے مضبوط ہو رہے ہیں۔ اڑ جانا آسان نہیں رہا۔

بہر حال اس انکشاف سے اسے دھچکا پہنچا ہی تھا۔ پھر اس نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ پرس سے آئینہ نکال کر اپنا ہیر اسٹائل جانچنے لگی تھی۔

دل کی وحشت کو ہر ممکن چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ حالانکہ اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اس کے ظلم کی تفصیلات بیان کرنا چاہتی تھی۔ مگر وقت نامناسب تھا۔ اور یہ ماحول بھی۔۔

اس نے فیروزہ سے جلد رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر ہر بار پتہ چلا وہ سوات میں ہے۔ کبھی کہا جاتا مری میں ہے۔ کبھی بتایا گیا کہ کراچی میں ہے۔ اسے سخت جھنجلاہٹ محسوس ہوئی تھی۔ غصہ بھی آیا تھا کہ بلاوجہ کن پریشانیوں میں پھنس گیا ہے۔ ہزار بار لعنت بھیج کر پُرسکون ہونے کی کوشش کی لیکن۔ جونہی فیروزہ کا سراپا نگاہوں میں گھومتا دل پر ایک بوجھ سا پڑ جاتا۔

دریہ کا وقت قریب آ چلا تھا۔ وہ میٹرنٹی ہوم جانے کی تیاریوں میں مصروف نظر آتی تھی۔

ایک سہ پہر جب نور جہاں اور عابدہ بیگم دریہ کو لے کر جا رہی تھیں، ستارہ کا فون آ گیا کہ فیروزہ لاہور آ چکی ہے اور اس کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہے۔ وہ راہنما بن کر آ جائے اور اس کی بہن کو ایک بار زندگی کا راستہ دکھا جائے۔

اماں جان تو کسی صورت اسے منظر سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔ مگر وہ بہت

جلد اس سے مل کر بات ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے ماں کے موڈ کی پہلی بار پروا نہیں کی اور مخصوص انداز میں تیار ہو کر نکل گیا۔

ساتھ اس نے براؤن پیپر میں لپیٹ کر فیروزہ کی ڈائری بھی لے لی تھی۔

اطلاع بھجواتے ہی اسے اندر بلوا لیا تھا۔

آسمانی پھول دار گاؤن میں بال بکھرائے سادہ چہرے کے ساتھ فیروزہ نے اس کا استقبال کیا تھا۔

السلام علیکم وہ اندر داخل ہو کر بولا تھا

ہم پر تو یہ سلامتی بے کاری ہی ثابت ہوتی ہے۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے گویا ہوئی تھی۔

مسلمان ہونے کے ناتے بہر حال سلام کا جواب آپ پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ بُرا مان کر بولی تھی۔

مذہب کی طنابوں سے کسے ہوئے دل پر یہ جملہ انتہائی تکلیف دہ اثر چھوڑ گیا تھا۔

یہ آپ نے کیوں کہا وہ پوچھ رہا تھا۔

اس لیے کہ جو کام میں کرتی رہی ہوں، وہ کسی مذہب کی اخلاقیات میں فٹ نہیں ہو سکتا۔

لیکن معبود کا تصور تو آپ رکھتی ہوں گی۔۔۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

ہاں۔۔۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔ وہ بہت بے نیاز ہے۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

مایوس کفر ہی نہیں موت بھی ہے۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

جب ایک حقیقت مجھے نظر آ رہی ہے، میرے قلب پر نازل ہو رہی ہے تو میں واہموں و خوش امیدیوں کے کھیل میں کیوں کر الجھوں۔ بتایئے مجھے۔ وہ برافروختہ ہو کر بولی تھی۔

لیکن آنے والے کل میں آپ کے لیے کیا ہے آپ کیسے جانتی ہیں وہ پوچھ رہا تھا۔

میرا آنے والا کل ہمیشہ سے گزرے ہوئے کل کا تسلسل ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی نئی بات ہوتی ہے تو وہ میرے حق میں بُری اور تکلیف دہ ہی ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

چند لمحات کے لیے ایک تکلیف دہ سناٹا دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

طارق۔۔

جی۔۔۔

میرا مرض پوچھیے۔

میرے علم میں ہے۔ وہ نظریں جھکا کر بولا تھا۔

ہاں۔۔۔ آخر میں نے کئی بار آپ پر اظہار تو کیا ہے۔ وہ جیسے خود سے بولی تھی۔

طارق وہ پھر گویا ہوئی۔

فرمایئے۔

اس دن علی جان صاحب کے ڈنر میں آپ نے ایک بات کہی تھی۔ اس دن سے مسلسل سوچ میں ہوں۔

کیا بات۔۔ طارق نے اس کے پیارا اور دلکش چہرے پر ایک لمحے کو نظر جمائی۔

آپ نے کہا تھا جو جرم میں نے نہیں کیا اس کے طوق میرے گلے میں نہ ڈال دیجیے گا۔

کہا تھا ناں

جی کہا تو تھا۔ کس بات کو بنیاد بنا کر کہا تھا۔ جب کہ میں تو آج تک آپ پر کوئی فرد جرم عائد نہیں کی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور نظر سے پرستش کر رہی تھی۔

طارق نے براؤن پیکٹ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ اس بنیاد پر کہا تھا۔

فیروزہ نے بڑے الجھے الجھے انداز میں پیکٹ تھام لیا۔ کیا ہے یہ۔۔ وہ پوچھ رہی تھی۔

دیکھ لیجیے۔

فیروزہ نے بے صبری سے براؤن کاغذ پھاڑ دیا اور ایک دم بھونچکا سی رہ گئی۔

اس کے سفید ہاتھوں کا لرزنا طارق نے محسوس کر لیا تھا۔

وہ دم سادھے سیاہ ڈائری کو دیکھ رہی تھی۔ چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔

ستارہ نے یہ کیوں کیا۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ تو نہیں تھا۔ وہ کمزور سی آواز میں کچھ دیر بعد گویا ہوئی تھی۔

یہ مقام شکر گزاری ہے کہ کچھ لوگ آپ سے سچی محبت کرتے ہیں۔ آپ کو زندہ اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ لیکن آپ کو صرف تاریک پہلو دیکھنے کی عادت ہے۔

لوگ نہیں صرف ستارہ۔۔ وہ بھی اس لیے کہ احمق ہے۔ اس نے ڈائری میز پر پھینک دی۔

فیروزہ یہ ظلم ہے۔ خدا کے لیے میری بات توجہ سے سن لیجیے۔

نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بات۔ آپ میرے مقام پر آ کر مجھے سوچ ہی نہیں سکتے۔

مسٹر طارق۔ عزت و عفت کے متوالے جو آپ کے معاشرے کی کالی بھیڑیں ہیں وہ بھی ہیں۔۔ یہ کالی بھیڑیں ہمارے دروازے کالی راتوں میں کھٹکھٹاتی ہیں۔ اپنے وجود کی اپنی روح کے تمام سیاہی ہمارے ضمیر کو منتقل کر کے رات کی سیاہی میں روپوش ہو جاتی ہیں۔

دن کے اجالے میں پارسائی کی سلامی لیتی ہیں۔

یہ معاشرہ یہ کائنات ناانصافی کا گڑھ ہے۔

وہ کالے کام کر کے بھی اُجلا نسب جاری رکھتے ہیں۔ مجھے کونے میں بیٹھ کر بھی عافیت نہیں ہے۔

یہ آپ کے نجیب الطرفین۔۔ مجھے منہ بند رکھنے کے منہ مانگے دام دیتے ہیں۔

یہ آپ کے اسلامی جمہوریہ کے پاسبان طارق صاحب۔

سکون مجھ میں ڈھونڈتے ہیں۔ نسل بیگمات سے چلاتے ہیں۔ جب میں ان کے قابل ہوں تو ان کی نسل۔ ان کے خاندان کے قابل کیوں نہیں ہوں بتایئے مجھے۔

انہیں شرافت کی چھتری تلے سکون نہیں ہے۔ کالک مل کر بھی معزز رہتے ہیں۔ میں خود کو پارسائی کی چادر میں لپیٹ کر بھی بے آبرو۔

یہ کیسا انصاف ہے۔

ہمیں ایک گلابی کا سود صدیوں دینا پڑتا ہے۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

طارق کا حساس اور نجیب دل افسردگی کی اتھاہ میں اتر گیا۔

اب جب آپ بھید پا ہی گئے ہیں تو سُن لیجیے۔ آپ میرے اصل کا تقاضا ہیں۔ میری ایک کسٹمر لڑکی جو مجھ سے بہت باتیں کرتی ہے۔ اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے مجھے بتا رہی تھی کہ وہ اسے بہت عرصے سے جانتی ہے۔ وہ معاشرتی اور سماجی و معاشی لحاظ سے مجھ سے کمتر ہے۔ مگر مجھے ساری دنیا میں سب سے بلند لگتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بے پناہ دلکش ہونے کے باوجود بہت ریزرو رہنے کا عادی ہے۔ اس نے کسی اور لڑکی کو اپنے دام میں لانے کی کوشش نہیں کی۔ جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ اس مرکز توجہ میں ہوں تو مجھے اپنی ذات پر افتخار ہوا۔

وہ مجھے بتا رہی تھی کہ بڑی گیدرنگ ہو یا چھوٹی وہ سوائے میرے اور کسی طرف متوجہ دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ ایک سے بڑھ کر ایک حُسن اس کے روبرو ہوتا ہے۔ اس کی حرکات اس کے دل کی قلعی کھولتی ہیں۔ اور وہ اتنا محتاط رہتا ہے کہ حد نہیں۔ میری عزت و وقار کی خاطر وہ ضبط کے پہاڑوں سے ٹکراتا ہے۔ آج کل اس کا رشتہ آیا ہے اور وہ ساری دنیا ٹھکرا کر اسے پانا چاہتی ہے۔ کہ وہ لاکھوں میں اس کا انتخاب ہے۔ ایک وفا کے قدر شناس نے اسے چاہا ہے۔

اس نے اپنی وفا میں اس معصوم لڑکے کے نام کر کے اس کی بے پناہ عزت افزائی کی ہے۔ اس کے وقار کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہ آپ کی سوسائٹی کی ایک لڑکی ہے جس کے لیے اچھا بر ملنا کوئی مسئلہ نہیں مگر وہ خود سے بظاہر سماجی پوزیشن میں کمزور مرد کا ساتھ قبول کرنے پر اس لیے تیار ہے۔ کہ کسی کی مرکز توجہ صرف وہ اور وہ ہے۔ یہ بات اس کے لیے باعث افتخار ہے۔ اسے صدق دل سے چاہا گیا ہے۔ اس کا تماشا نہیں بنایا گیا۔

ہم عورتیں بس اتنی دیوانی ہوا کرتی ہیں۔

وفا اور شوہر نامدار ملنا جس کے لیے مسئلہ نہیں تھا۔ وہ خوشی سے پاگل ہو رہی ہے۔ تو پھر میری طرف دیکھ کر سوچیے۔ میری زندگی میں ان موسموں کا تصور بھی نہیں ہے۔ آپ میری محرومیوں کو ناپنے کا کوئی پیمانہ لے آئیے۔ اگر لا سکتے ہوں۔

میں عزت وقار کے لیے اتنی حساس ہوں اگر مجھے اس بات کی ضمانت مل جائے کہ میرے جان دینے کے عمل سے مجھے عزت سے خواہ ایک بار ہی یاد کیا جائے تو میں جان بھی دینے کو تیار ہوں۔

عزت و وقار کی پیاس میں اتنی شدت ہے طارق کہ میرے احساسات کی زبان پر کانٹے پڑ گئے ہیں اور باہر نکل آئی ہے۔

میں اس قدر آئیڈیلیسٹ ہوں کہ میں نے اور کسی عام آدمی کی بجائے آپ کو شدت سے سوچا۔ آپ کی تمنا کی۔

آپ جیسا پارسا مرد کسی خوش نصیب کے ہی دل کا چین ہو سکتا ہے۔

ستارہ کے اس عمل کے بعد میں اعتراف کر رہی ہوں کیونکہ ثبوت آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

وگرنہ میں گھٹ گھٹ کر مر جاتی اور آپ کے فرشتوں کو خبر نہ ہو پاتی۔

اس لیے۔۔۔ کہ جنھیں چاہتے ہیں انہیں پریشان نہیں کرتے۔

کہاں میری گرد آلود روح۔۔ کہاں آپ کا مقام۔ وہ لحہ بھر رُک کر بولی۔ طارق جی۔۔۔

مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں نے آپ کی انسلٹ کی ہے۔

کیوں کر۔۔۔ وہ گہری سوچ کر جاگ کر تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

آپ کا تصور وہ بھی مجھ جیسی کیچڑ میں دھنسی ہوئی روح والی عورت کرے۔ آپ کی بہت بڑی توہین ہے۔ مجھے اس کا ملال ہے کہ یہ انکشاف آپ پر کیوں ہوا۔

مجھے اس قسم کا کوئی احساس نہیں۔ آپ خیال نہ کریں۔

وہ کہہ رہا تھا۔ مگر دماغ جیسے ہوا میں معلق تھا۔

آپ یہ بتانے کے لیے مجھ سے ملنا چاہتے تھے کہ آپ میرے راز سے واقف ہو چکے ہیں۔ فیروزہ نے پوچھا۔

نہیں۔۔ وہ نچلا ہونٹ دبا کر کچھ سوچ رہا تھا۔

پھر۔۔۔ وہ کچھ متجسس نظر آئی۔

یہی کہ یہ زندگی آپ کو ایک بار ملی ہے۔

جن کے لیے زندگی آسودگی اور طمانیت ہوتی ہوگی ان کو ایک بار دوبارگی پروا ہوتی ہوگی۔ وہ تیزی سے طارق کی بات کاٹ کر پھنکاری۔

یہ آپ کے دل میں مجھے کچھ عیب نظر آیا ہے۔ معاف کیجیے گا۔ اس نے ایک دم اپنا لب و لہجہ بدل لیا تھا۔ اور عجیب اکل کھری سی دکھائی دینے لگی تھی۔

طارق نے اپنے اندرونی تاثرات کو کنٹرول کر کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

بعض اوقات چاہا جانا بھی ایک مرض بن جاتا ہے۔ دوسروں کی تڑپ کا تماشا دیکھنا بھی ایک مشغلہ بن جاتا ہے۔ وہ طنزیہ ہنسی۔

آپ مجھے سمجھانے نہیں آئے۔ آپ کو مجھ سے کوئی غرض ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بھی درست نہیں کہ آپ کو مجھ جیسی لڑکی سے کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ۔

پلیز خاموش ہو جایئے۔ طارق نے اپنی ازلی خود اعتمادی سے کام لے کر انتہائی ناگواری سے اسے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ ایک طرف تو آپ مجھ میں سُرخاب کے پر تاکتی پھرتی ہیں۔ پھر اس قسم کے گمان بھی رکھتی ہیں۔ مجھے تماشے دیکھنے سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بات مجھ جیسے حساس شخص کے لیے اذیت کا سبب تھی کہ ایک انسان میرا نام لے کر اپنی زندگی برباد کر رہا ہے۔ پھر مجھ سے چھپا بھی رہا ہے۔ یہ عمل تو اس کے خلوص اور سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس قسم کے انسان کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے نہیں دیکھا جا سکتا۔

پھر مجھے یہ بھی خیال گزرا کہ میرے کسی عمل کے سبب آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو گئی ہوں ۔حالانکہ میرا اللہ گواہ ہے۔

جانتی ہوں میں ۔مت کیجیے گواہ بلند بخت انسان ہیں آپ ۔الزام و دشنام کے سارے راستے تو ہماری ہی سمت آتے ہیں۔

دم توڑ نا اگر میرا مقدر ہے تو آپ مجھے کیونکہ بچا سکتے ہیں۔رہی میرے خلوص اور سچائی کی بات تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔کوئی مفت بھی اس کا طلبگار نہیں ملے گا۔وہ ہنس دی۔ساتھ ہی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

کاش میں آپ کی مدد کر سکتا۔بس آپ اتنا کیجیے جن گناہوں سے آپ تائب ہو چکی ہیں،ان کے قریب دوبارہ نہ جائیں۔یقین کیجیے میں آپ کی روح کی قدر کرتا ہوں۔آپ کے المیے پر میرا دل کڑھتا ہے۔

ایسے ایسے قدر دان تو ہمیں تنہائی میں بہت مل سکتے ہیں طارق صاحب۔کوئی ایسا بھی ہوتا جو مجھے اپنا نام دیتا۔

آپ کا اسلام اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔ وہ بڑے طنز سے پوچھ رہی تھی۔

مذہب اور آبدار عقیدہ طارق کی مٹی کا جز تھا۔وہ تپ کر رہ گیا۔پھر سوچا۔۔

(اسے تو کسی بھی دن کا پاس نہیں)

اسلام تو بہت وسیع سمندر ہے۔اور اتنا مکمل کہ ہم اس کے کمال کو تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔

اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔کمی ہے تو ہم بے عمل اور ریا کار لوگوں میں ہے۔

آپ کا قصور نہیں ہے میڈم فیروزہ۔آپ کی پرورش بریدہ دست انسانوں نے کی ہے۔ تربیت کرنے والے ہاتھ بھی وجود میں روشنیاں منتقل کیا کرتے ہیں۔میں کچھ سوچ رہا ہوں۔اس لیے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔بہادر اس لیے ہوں کہ اللہ پر اٹوٹ یقین رکھتا ہوں۔اگرچہ میری نیکیوں کا رجسٹر سادہ ہے۔وہ رک گیا۔

بالآخر اس نے کہا

میں آپ کو نام دوں گا۔صرف نام۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

فیروزہ ناقابل یقین انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔پھر ایک دم دائیں جانب ڈھے گئی تھی۔

رات جب وہ پرسکون اعصاب کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں کوئی نہیں تھا۔

وہ آنے والے کا وقت لائحہ عمل

ترتیب دے چکا تھا۔

اسے خود تعجب ہوا تھا کہ اسے تو اضطراب و پریشانی کا مظہر ہونا چاہیے تھا۔کجا کہ یہ حالت تھی۔کہ عرصے کے بعد اس نے اپنے اعصابی نظام میں بہتری محسوس کی تھی۔

کچھ دیر بعد مطالعہ کرنے کے بعد آرام سے سو بھی گیا تھا۔

لیکن فون کی گھنٹی ٹھیک ساڑھے چار بجے صبح چیخ اٹھی تھی۔

ہیلو۔اس نے نیند میں ڈوبی آواز میں مخاطب کیا۔

ماں بول رہی ہوں تمہاری۔مبارک ہو۔اللہ نے جڑواں بچوں کی نعمت سے تمہیں خوش کیا ہے۔

ایک لڑکی ہے اور ایک لڑکا۔ماشاءاللہ۔اتنے پیارے ہیں کہ نظر ڈالتے وہم آتا ہے۔

اللہ ہر بری بلا سے محفوظ رکھے۔آمین۔عابدہ بیگم کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

جی۔۔وہ ابھی تک کسی خواب کے ماحول میں تھا۔

کیا۔جی جی لگا رکھی ہے۔اس قسم کی خبر تمہارے لیے کوئی اچنبھا تو نہیں ہے وہ سرخوشی کی کیفیت میں پوچھ رہی تھیں۔

اور بھی تمہاری خبر بھی تو لینی ہے مجھے ابھی۔حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی۔یہ طور طریقے تم نے کب سیکھ لیے۔

یہاں ایسے ایسے مرد موجود ہیں جو دو راتوں سے سوئے نہیں۔ان کی عورتیں اندر ہیں اور وہ تکلیف میں باہر۔۔اور پھر سوسیلے ہوتے ہیں۔شوہر ہونے کے ناتے کسی وقت بھی تمہاری اہم ضرورت پڑ سکتی ہے۔وہ تو شکر ہے کیس نارمل تھا۔بارہ بجے تک احسان بھائی یہاں تھے پھر ان کا نوکر یہاں آ گیا۔سن رہے ہو۔

جی۔۔جی۔۔احساس جرم سے اس کی آواز خاصی پست تھی۔جلدی سے جی جی کر کے رہ گیا۔

ارے غضب خدا کا طارق۔۔تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔نور جہاں بھابھی سے آنکھ ملاتے شرم آ رہی ہے۔اس سے تو اچھا تھا میں فاروق کو ساتھ لے آتی۔لیکن دستخط وغیرہ کی ضرورت تو پڑتی تو یہ کام وہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔شاباش ہے میرے بیٹے۔باپ تم بنے ہو۔نام تمہارا ہوگا۔خدمت تم لوگے۔

میں آ رہا ہوں اماں جان وہ گھبرا کر تیزی سے بولا تھا۔مبادا اماں جان کا اگلا جملہ حاصل کلام ہو۔

کام تو سب ہو چکے ہیں بیٹے تمہاری خاص ضرورت تو نہیں ہے۔تین ہزار روپے در یہ کے پرس میں تھے۔کچھ تمہاری ساس نے دے دیے۔ان کا قرضہ چکانے کے لیے کچھ پیسے ساتھ لیتے آنا۔میں تو گھبراہٹ میں اپنا پرس وہیں الماری میں بھول آئی تھی۔وہ بدستور ناراض لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

خوشی میں غصہ بھول گئی تھیں۔خوشی منتقل کی تو غصہ عود کر آ گیا تھا۔

طارق نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

پھر تیزی سے لباس تبدیل کیا۔پرس نکال کر رقم دیکھی۔ذرا سا لعاب لگا جلدی جلدی نوٹ گنے۔پھر اسی تیزی سے پرس پینٹ کی پچھلی پاکٹ میں پھنسا دیا۔

بالوں میں برش کیا۔مونچھوں پر انگلیاں چلائیں۔آنکھوں میں لال ڈورے کچی نیند

سے بیداری کی قلعی کھول رہے تھے۔

تم لوگوں کو بھی اسی وقت آنا تھا۔ وہ عجیب سے جذبات کے تحت مسکرا کر خود سے مخاطب ہوا تھا۔

چابیاں اسی کی ٹیبل پر تھیں۔ فرقان کو جگانا اس نے مناسب نہیں سمجھا سوچا وہیں سے اسے فون کر دے گا۔

آہستگی سے دروازے لاک کر کے وہ گاڑی تک آیا تھا۔

تیس منٹ کے اندر وہ میٹرنٹی ہوم میں موجود تھا۔ اماں جان اسے کاریڈور میں مل گئیں۔

وہ کچھ ڈرا۔

شکر خدا کا سولہ گھنٹوں بعد تمہارا دیدار تو ہوا۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔

سوری اماں جان۔۔ میری کچھ مجبوریاں بھی تو ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی تو سوچیں۔۔ ڈریہ کیسی ہے وہ خفت آمیز انداز مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

اللہ کا احسان ہے، اچھی ہے۔ دونوں بچے بھی نارمل اور صحت مند ہیں۔

دو بچوں کی بیک وقت خبر سے وہ بڑے منفرد سے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔

وہ اسے لے کر دریہ کے روم کی طرف بڑھ گئیں۔

سبز چادر اوڑھے دریہ شاید سو رہی تھی۔ نور جہاں ممانی نے تھکے تھکے انداز میں داماد کو دیکھا تھا اور شاید پھر تھکن اتر گئی تھی۔

فوراً آگے بڑھ آئیں۔

اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر مبارکباد دی۔

اولاد یہ تمہاری ہے لیکن میرے بھی بہت سے خواب پورے ہوئے ہیں۔ وہ خوشی سے بولیں۔

شکریہ۔ وہ ممانی جان میں ذرا۔۔ دراصل مجھے یہ علم نہیں تھا کہ یہ صورت حال اتنی جلدی پیش آ جائے گی۔

یہ کوئی بات نہیں بیٹے۔ میں تو عابدہ بیگم سے کہہ رہی تھی اسے بھروسہ ہے کہ کرنے والے موجود ہیں۔ اسی لیے طبیعت میں لاپروائی ہے۔

وہ اسے آبنوسی لکڑی کے بڑے سے کاٹ کے پاس لے آئیں۔

دو معصوم و حسین روحیں طارق کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔ محبت آمیز لہریں طارق کے قلب پر نازل ہونے لگیں۔ یہ سب اتنا فطری تھا کہ وہ کسی شعوری کوشش سے ان احساسات کو پیچھے نہیں دھکیل سکتا تھا۔

اس نے جھک کر بچوں کے رخسار چھو کر حقیقت کو محسوس کیا۔

دونوں کی شکلوں میں بہت مشابہت ہے مگر۔ اللہ نے مشکل آسان کر دی ہے۔ تمہاری بیٹی کے بال سنہری ہیں اور بیٹے کے ایک دم۔۔ سیاہ، تمہارے بالوں کے رنگ جیسے۔ نور جہاں ممانی کا حرف حرف جیسے شہد میں بھیگ رہا تھا۔

یہ تو بالکل قارئگتی ہے۔ طارق مسکرایا۔

بہر صورت تمہاری ہے۔ نور جہاں شرارت سے مسکرائیں۔

اس میں تو کوئی شک نہں۔ ویسے بال تو دریہ کے بھی سفید نہیں۔ وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

نور جہاں زور سے ہنس دیں۔ اماں جان بھی منہ موڑ کر مسکرائیں۔ انسان فطری طور پر خوس ہو تو اس کی شعوری منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ وہی نظر آنے لگتا ہے۔ جن جذبات کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔

ان کی والدہ محترمہ کب سوئی تھیں اس نے پلٹ کر دریہ کی سمت دیکھ کر ساس سے دریافت کیا۔

سو تو نہیں رہی جاگ رہی تھی۔ ذریہ انہوں نے آواز دی

جی۔۔ اس کی نحیف سی آواز ابھری۔

بیٹے۔۔ طارق آئے ہیں۔

آؤ عابدہ تمہیں ساتھ والی لبنیٰ کی بیٹی دکھاؤں۔ شام تک تو کوئی آثار نہیں تھے۔ ابھی ابھی نرس بتا گئی ہے۔ نور جہاں نند سے مخاطب ہوئیں۔

(گویا۔ اتنے قلیل عرصے میں تعلق یہاں بھی قائم ہو چکے ہیں) طارق نے سوچا۔ نور جہاں اور عابدہ بیگم باہر نکل گئیں۔

وہ ذریہ کے نزدیک چلا آیا۔

دریہ کے نزدیک چلا آیا۔

دریہ آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ طارق کو پوزیشن لینے میں چند سیکنڈ لگے۔

آنکھوں میں مامتا کا جل تھا اور چہرہ ایک دم سفید۔ سیاہ چمکدار زلفیں تکیے پر بکھری ہوئی تھیں۔

طارق کو اپنی جانب دیکھتا پا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ پھر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے چہرے پر نظر ڈال کر خود کو کنٹرول کر لیا۔

کیسی ہو۔۔

ٹھیک ہوں۔۔

ویسے اصولاً تو تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ لیکن۔۔۔ بہر حال شکریہ تمہارا۔۔ بہت اچھے تحفے ہیں۔

وہ کرسی کھینچ کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

سائنس تو بہت آگے جا چکی ہے۔ اور تم برابر چیک اپ بھی کراتی رہ ہو۔ اس کے باوجود تمہیں کسی نے بھی نہیں بتایا کہ تم ڈبل سے کھیل کا آغاز کرو گی۔

وہ پوچھ رہا تھا۔ اور دریہ کو ماضی کے گم گشتہ طارق کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس کا دل چاہا

وقت یہیں تھم جائے۔

ڈاکٹر کو تو بہت پہلے ہی شک ہو گیا تھا۔ اس نے الٹرا ساؤنڈ کرانے کی ہدایت بھی جلدی
دے دی تھی۔

پھر۔

میں نے ذرا لیٹ کیا را۔

تو تمہیں پتا تھا۔۔ وہ متعجب ہوا۔

مجھے کیوں نہیں بتایا۔

آپ پوچھتے تو میں بتاتی۔ دریہ کو قدرت نے جتانے کا موقع از خود دے دیا تھا۔

آپ نے تو کبھی بھی پوچھنے کی تکلیف نہیں کی کہ ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھی یا کوئی مسئلہ تو نہیں
ہے۔

طارق کو اپنی غلطی کا احساس تھا لہذا ایک دم چپ ہو گیا۔

الٹرا ساؤنڈ کے بعد تو کنفرم ہو گیا تھا۔ کس قدر روئی تھی میں اس روز۔۔ اس قید تنہائی
میں کوئی میرا وہ حال دیکھنے والا نہیں تھا۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

لیکن مجھے نارمل ہونا پڑا۔ مجھے خوش باش رہنا تھا اس لیے کہ مجھے ہر صورت اپنے بچوں کو
صحت مند دیکھنا تھا۔ میری کوتاہی میرے اپنے لیے مزید عذاب کا سبب بن سکتی تھی۔

اور۔۔ آپ سے یہ باتیں کرنے کے لیے کوئی پل موجود نہیں تھا۔ کیسے بتاتی۔۔ سچ یہ ہے میں
بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اس نے دوبارہ اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

طارق بغور اس کا کلام سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

تمہارے ساتھ جو مسائل ہیں، ان میں سے ہر ایک کی ذمہ دار تم خود ہو دریہ میں ہر الزام
سے بری ہوں۔ پھر مزید گویا ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے جذبہ ہمدردی تک پیدا نہیں ہوتا۔

ابھی کچھ قبل وہ موت کے آسمان کو چھو کر آئی تھی۔

قضا اسے سات سلام کر کے گئی تھی۔

موت و زندگی کی کشمکش میں اس کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے تھے۔

یہ بیرحم۔۔ وہیں کا وہیں ہے۔

کاش اس واقعے میں میری موت ہو جاتی۔ اس نے انتہائی سچائی سے تمنا کی تھی

طارق دوبارہ کاٹ کے قریب جا کھڑا ہوا تھا

رخسار کے نیچے بند مٹھی دبائے سنہری سی گڑیا نے اسے خصوصیت سے متوجہ کیا تھا۔

دریہ۔ اس نے آواز دی۔

جی۔۔ وہ بادل نخواستہ بولی

کیا میں انہیں اٹھا کر پیار کر سکتا ہوں۔ وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

دُریہ بیساختہ مسکراہٹ نہ روک سکی۔

تو کیا لائسینس بنوائیں گے۔ اس نے بغور طارق کو دیکھا۔

اس کی کشش کی لہریں اس کے وجود میں پھر سے اتریں۔ پھر عزم نو ہوا۔

ابھی سسٹر آئے گی تو اس سے کہہ دیجیے گا یا پھوپھو سے، آپ خود تکلیف نہ کیجیے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھ میں صرف کمبل ہو اور۔۔۔ وہ معنی خیز انداز میں رک گئی۔

بھئی میں اماں جان سے تو نہیں کہہ سکتا۔ اچھا نہیں لگے گا۔ وہ سوچیں گی۔ باپ بن کر حواسوں میں نہیں ہوں۔

سیاہ رنگت والی سسٹر نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا جملہ سن لیا تھا۔ وہ ہنس پڑی۔

ابھی ایڈوانس جمانے میں۔ مرد ہو کر اتنا جاتی سرم مسٹر۔

(اس نئے زمانے میں مرد ہو کر اتنی زیادہ شرم)

طارق نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہ کارڈ ٹیبل پر کچھ رکھ رہی تھی۔

سسٹر ذرا باری باری ان بچوں کو تو نکال کر دکھاؤ۔ اس نے فرمائش کی۔

'پلیز میرے کو ایسا بولو۔۔۔ آپ کبھی اپنی مسز کے ساتھ ایدر آیا۔ بوت سرم کا بات ہے مسٹر طارق۔ پرافٹ ریسیو کرنا مانگتا۔۔۔ زیم۔۔۔ بالکل غیر کے مافک ہسبینڈ ہے۔

چالیس بیالیس کے لگ بھگ وہ سیاہ چکنی سی نرس اس پر سے اس کی پٹر پٹر کرتی زبان۔

اس نے تو طارق کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ دریہ کو بہت لطف آیا تھا۔

سسٹر نے گڑیا اٹھا کر اس کی گود میں دے دی۔

وہ باپ کے بازوؤں میں آ کر سخت بُرا مان کر کسمسائی۔ طارق نے وفور شوق و محبت سے اس کے رخسار پر نرمی سے بوسہ دیا۔

نئے جذبوں کی بیداری۔۔۔

اس کی تقدیر کا نیا موڑ تھی۔

وہ دریہ کی سمت چلا آیا۔

طارق کے چہرے پر پھیلتی الوہی سی روشنی۔

دُریہ کو اپنی صبح کا آغاز محسوس ہوئی۔ بہت سا بوجھ سرکا۔

بھئی۔۔۔ تمہارے روم میں اس میڈ وناکی ڈیوٹی۔۔۔ اُف۔۔۔ کب نکلوگی یہاں سے۔۔۔ وہ آہستگی سے اور نظر بچا کر دریہ سے پوچھ رہا تھا۔

دُریہ۔۔۔ بیتحاشا ہنسنے کی خواہش کے باوجود زیادہ محنت سے نہ ہنس سکی مگر اسے گدگدیاں بہت ہوئی تھیں۔

(کاش طارق تم بالکل ایسے ہی ہو جاؤ۔۔۔ جیسے اب ہو رہے ہو) اس نے دعا کی۔

تم ہنسنا مانگتا مسز طارق۔۔۔ ابھی ایسا کیئر لیس ہزبینڈ۔۔۔ ام سوچتا تھا تمہارا لڑائی اے اپنے ہزبینڈ سے۔۔۔ تمہیں angry ہونے کا رائٹ ہے۔

وہ شرارت سے کہتے ہوئے، منے کو اٹھا کر اس کے قریب لے آئی۔

ارے ارے۔ تم میری بیوی کو ورغلا رہی ہو سسٹر۔۔ ایسے انسان سے خداوند ناراض ہوتا ہے۔ وہ

بیٹے کے رخسار چھو رہا تھا۔

مسز طارق۔۔ سسٹر نے مسکرا کر طارق کا جاذب چہرہ بغور دیکھا۔

ہوں۔۔ دریہ نے بہت آہستگی سے ہنکارا ابھرا۔

ابھی تمہارا ہزبینڈ بہت کلیور اے۔۔ اس سے پوچھنا مانگتا۔۔ یہ ڈلیوری ڈیوریشن میں کدر کو غائب ہوتا۔

سسٹر اس کی کھچائی کر رہی تھی۔ اس کے انداز میں بہر طور بہت اپنائیت اور محبت سی تھی۔ لیکن طارق کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح اس کا جملہ لگا تھا۔

ڈلیوری ڈیوریشن میں کہاں تھا۔ (تخلیق کے دورانیہ میں وہ کہاں تھا)

وہ ایک دم جیسے اس ماحول سے کٹ گیا۔

وہ فیروزہ کی سسکیاں پھر سے سن رہا تھا۔

اس نے گڑیا کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آہستگی سے اسے کاٹ میں لٹا دیا۔ اور سسٹر کے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو لے لیا۔

تمہارے خیال میں ان کے کیا نام رکھنے چاہئیں۔ وہ خود کو سنبھال کر دریہ سے مخاطب ہوا۔

چھو چھوے پوچھے۔

ہوں۔ اس نے گہری سوچ کر درمیان ہوں کہا تھا۔

دریہ گھر میں کیا آئی کہ گھر کے در و دیوار بول پڑے

کراچی سے ابا جان، فاروق، حسیب اور ربیعہ آئی تھیں۔

نیچے فرقان کا پورشن بھی انہی کے زیر استعمال آ گیا تھا۔ ہر وقت گھر میں شور و غل برپا رہنے لگا۔

طارق کی اقامت گاہ ڈرائنگ روم ٹھہرا تھا۔ اس لیے کہ رات اور فجر کے وقت جب تین تین بچوں کا رونا پیٹنا شروع ہوتا تو کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ ایک کے شروع ہونے کے بعد دوسرا خود ہی پوزیشن لے لیتا اور ربیعہ کی بیٹی کو بھی اتحاد کا مظاہرہ کرنا لازمی ہو جاتا۔

طارق نے تو پہلے ہی دن صورت حال بھانپ لی تھی اور بصد اصرار ماں اور بھابھی کو اپنا کمرہ پیش کیا تھا۔

حسیب فاروق اور فائق احمد نیچے ہوتے تھے۔

کام کے دوران جب بچوں کی چیخ پکار شروع ہوتی تو وہ ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں اور دروازے بند کر لیتا۔

نیچے لان میں پلنگ ڈال کر سویا فرقان اندر جا کر انٹر کام پر طارق کو مشورہ دیتا کہ یار

بھابھی سے کہو بچوں کو گرائپ واٹر پلائیں۔ شاید ان کے پیٹ میں تکلیف ہے۔

ہار اندر تین تین پریکٹیکل قسم کی خواتین ہیں۔ عالم بالا سے وارد ہونے والے الہامی مشوروں پر کان نہیں دھریں گی۔ وہ جل کر جواب دیتا۔

آج وہ فائنل پراجیکٹ کے سلسلے میں بہت محو وگن جانے کے لیے تیار ہوا تو اماں جان نے ٹوک دیا۔

جلدی آجانا۔ آج در یہ چھٹی نہائے گی۔ نیاز ہوگی۔ تمہارے ماموں ممانی بھی آئیں گے۔

چھٹی۔۔ وہ اُلجھا۔

ارے بھئی چھ دن کا نہائے گی۔

تو کیا اب وہ محترمہ چھ چھ دن بعد نہایا کریں گی۔ اس کی صفائی پسند طبیعت میں کراہیت پیدا ہوئی۔

اماں نے سر پیٹ لیا۔ حد ہے تم سے۔

چھوٹی بھابھی چھ دن بعد نہائیں یا چھ سو دن بعد۔ اس بحث کو چھوڑیے، پہلے بچوں کے نام فائنلائز کر لیجیے۔ حسیب نے سنجیدگی سے بات کا رخ موڑا۔

کیا مطلب۔۔ بس جو ابا جان نے نام بتائے ہیں او جوان کے سرٹیفکیٹس میں لکھ دیے گئے وہی نام ہیں۔ طارق نے حسیب کو تعجب سے دیکھا۔

اس کا مطلب ہے لڑکے کا نام ہفتہ یا جمعرات وغیرہ ہو تو زیادہ بہتر ہے یہ مجھ سے کہہ رہا تھا چھوٹے بھائی کے بیٹے کو ہر صورت ڈاکٹر بننا ہے۔ انجینیر بہت ہوگئے ہیں۔

پھر یوں بھی ڈاکٹر جمعہ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے ہفتہ ٹھیک رہے گا۔ ڈاکٹر جمعہ کے بعد ڈاکٹر ہفتہ ویسے بھی ان کی پیدائش کا دن ہفتہ ہے۔ فاروق بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

حسیب کا خون کھول کر رہ گیا۔ آپ کے ہاں غالباً ڈاکٹر اتوار ہوتے ہوں گے۔ وہ سُلگ کر بولا۔

پروفیسر اتوار بھی ہو سکتے ہیں۔ اب پروفیسر اتنے بُرے بھی نہیں ہوتے۔ فاروق شریر ہوا۔

میری طرف سے آپ مہینوں پر نام رکھیں یا دنوں پر۔ مگر مجھ پر الٹے سیدھے الزام لگانے کی ضرورت نہیں۔

دیکھ رہے ہیں آپ چھوٹے بھائی۔ آخر میں اس نے شکایت انداز میں کہا۔

ارے فاروق کیوں ہاتھ دھو کر بچے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اماں جان زچ ہو کر بولیں۔

وضو ہی کر لیا کریں۔ کم از کم شیطان تو بھاگ جایا کرے۔ حسیب بڑبڑایا۔

وضو تو میں کر لوں۔ مگر کیا کروں۔ تمہاری جدائی گوارا نہیں۔ فاروق پھر شریر انداز مین گویا ہوا۔

ربیعہ زور سے ہنس دیں۔ طارق بھی بیساختہ مسکرایا۔

چھوڑ دیا د۔۔۔ مت ستایا کرو۔ طارق نے حبیب کو محبت سے اپنے کاندھے سے لگا لیا۔

کیا تمہیں ابا جان کے رکھے ہوئے نام پسند نہیں آئے۔ وہ حبیب سے پوچھ رہا تھا

یہ بات نہیں ہے۔ میرا مطلب تھا اتنے ڈھیر سارے نام سب بتا رہے تھے۔ کہیں آپ ان میں سے تو نہیں رکھ رہے مجھے بچوں کے بگڑے ہوئے نام پسند نہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ اپنے اصلی ناموں سے پکارے جائیں۔

طارق نے اس کی سنجیدگی پر مسکرا دیا۔

ابا جان کے رکھے ہوئے نام کوئی بدل نہیں سکتا۔ تم شوق سے انہیں ناموں سے پکارو۔ اس نے حبیب کا شانہ تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا۔

جلدی آجانا طارق۔۔۔ اماں جان نے پھر یاد دہانی کرائی۔

ٹھیک ہے۔ پوری کوشش کروں گا۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

سوپ پیتے ہوئے دریہ نے بجے بجائے سنگدل سے طارق کو دیکھا۔

جب سے وہ گھر آئی تھی اس سے بات کرنے کو ترس گئی تھی۔ (نیت تو ابھی سے ٹھیک نہیں پھوپھو۔ ہونہہ پوری کوشش کروں گا) اس نے برتن سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔

طارق نے اس کا یہ انداز نوٹ کر لیا تھا۔ اس کی حسیات بہت تیز تھیں مگر انجان بن کر زینے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

آفس میں اس کی بہت مصروفیات تھیں۔ سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ استعفے سے پہلے اسے اپنے یہاں کے تمام کام مکمل کرنا تھے۔ ایک مقررہ تاریخ کو ٹو انا بلڈرز میں چارج سنبھالنا تھا۔

ریڈ مارکر چارٹ پر احتیاط سے استعمال کرتے ہوئے اسے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا جب فون کی گھنٹی چیخ پڑی۔ پیپر ویٹ چارٹ پر احتیاط سے جما کر اس نے جھلاتے ہوئے موڈ میں ہیلو کہا تھا۔

فیروزہ اسپیکنگ۔ ایئر پیس میں آواز ابھری۔

وہ فوراً سنبھل گیا۔ آس پاس کے ماحول سے کٹ کر اس کی میں پھر بیدار ہوئی۔

طارق بول رہا ہوں۔ اس نے ایک ہاتھ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا پھر لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

لہجہ ہی بدلا ہے یا ارادہ بھی۔۔۔ اس کی مدھم آواز پھر ابھری۔ وہ ایک دم مستعد سا ہو گیا۔

کیا مطلب۔۔۔

جب لوگ مطلب و معنی دریافت کرنے لگیں تو یہ ریڈ سگنل سمجھنا چاہیے۔ فیروزہ کی ہلکی سی ہنسی ابھری۔

جو میرا خاکہ بنا چکی ہو کیا ابھی اس میں سیاہ رنگ بھرنا باقی ہے۔ طارق نے اسے بہت کچھ جتایا۔

اللہ نہ کرے۔ وہ جیسے کانپ کر بولی تھی۔ لیکن ایک خوشگوار سی دھڑکن اس کے سینے میں بیدار ہوئی تھی۔ وہ آپ سے تم پر آ چکا تھا۔

پھر۔۔۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

مقدر سے آج تک من چاہی خوشی نہیں پائی۔ وا ہمے تو ستاتے ہیں۔ وہ بولی۔

ایسا کرو۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

ہوں۔۔۔ فیروزہ کی ہوں ایرپیس میں اُبھری۔

میں انٹر کان میں ایک کمرہ بک کرا کر تمہیں نمبر دیتا ہوں۔ مجھے تم سے کچھ ضروری اور سنجیدہ باتیں کرنا ہیں۔ فون پر مناسب نہیں ہیں۔ میرے فون کا انتظار کرو۔ اس نے ریسور کریڈل پر ڈال دیا۔

پھر اپنے اسسٹنٹ کو بلا کر کمرہ بک کرانے کی ہدایت دی۔ پھر پہلے کی طرح اپنے کام میں مگن ہو گیا۔

شام ساڑھے چھ بجے جب وہ پرل کانٹیننٹل کے ایک پُرشکوہ کمرے میں بہت تحمل کے انداز میں فیروزہ کا انتظار کر رہا تھا تو فیروزہ پورا چاند بن کر جیسے طلوع ہوئی تھی۔

سرخ قیمتی مگر سادہ سوٹ میں ملبوس تھی۔ چھوٹی چھوٹی دو چوٹیاں اسے بہت معصوم بنا رہی تھیں۔ سرخ چمکدار لپ اسٹک۔ گہرا گہرا کاجل۔ سرخ نگوں کی چھوٹی چھوٹی جھمکیاں کانوں میں جھول رہی تھیں۔ پارٹی ویئر چھوٹا سا پرس اس نے بائیں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

طارق کے سامنے ایک وہ فیروزہ بھی تھی جو اُجاڑ ویران اپنے گھر میں نہ ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

ایک فیروزہ اس طارق کے مقابل تھی۔ زندگی سے بھرپور سرخ رنگ کے حصار میں۔

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

ٹھیک ہو۔۔۔ اس نے اس امتحان سے نظر بچا کر سگریٹ سلگانے کا مشغلہ اختیار کیا۔

صرف ٹھیک۔۔۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مجھے دوبارہ زندگی ملی ہے۔ اگرچہ آپ نے اس ایک ہفتے میں ایک مرتبہ بھی اپنی بات دہرائی نہ رابطہ قائم کیا۔ وہ بیڈ پر بے تکلف انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

کیا یہ ضروری ہوتا ہے وہ سر جھکا کر کش لیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

آپ کی حد تک تو شاید نہیں۔ بعض اوقات انسان سراپا اعتبار ہوتے ہیں۔

وہ مسکرائی۔ مرد ہونے کے ناتے طارق کے قلب میں کچھ گڑبڑ سی ہوئی۔

پُرشکوہ ماحول۔

خود سپردگی کے تمام جذبوں سمیت

ایک حسین جوان لڑکی۔

وہ ایسے کمزور لمحوں سے خود کو بچانے کا خاصا ماہر ہو چکا تھا۔ ایک دم سنبھل گیا۔

فیروزہ۔۔۔

میں تم سے یہ تو نہیں کہوں گا کہ خوش نہ ہو یا اپنی خوشی ذرا ملتوی کر دو۔ البتہ اتنی بات تمہارے گوش گزار کرنا چاہوں گا کہ میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ بڑی سنجیدگی اور حقیقت کی کڑواہٹ کو قبول کرتے ہوئے۔

فیروزہ کا دل کانپ گیا۔ وہ بیقراری سے اُٹھ کر اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔

مجھے مر جانے کا مشورہ دے دینا طارق۔ لیکن فار گاڈ سیک۔ اپنی ابان سے نہ پھرنا۔ اس نے اپنا مومی ہاتھ طارق کے شانے پر رکھ کر جیسے التجا کی تھی۔

طارق کچھ جز بز سا ہوا۔

فیروزہ توبہ تو زاہد کی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ میں تو خاصا گنہگار انسان ہوں۔ ہم جب تک کسی قانونی بندھن میں نہیں بندھ جاتے بہتر ہے ذرا فاصلوں سے گفتگو کریں۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

فیروزہ نے ایک دم اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔ اس جملے سے اگرچہ وہ خجل بھی ہوئی تھی مگر اس جملے میں اس کے لیے تقویت بھی تھی۔ بہت سارے واہمے آپ ہی رفع ہو گئے تھے۔

وہ خاصی مطمئن ہو کر اس کی جانب متوجہ تھی۔

اس بات کا تو مجھے بخوبی احساس ہے کہ میں نے تمہیں زبان دی ہے۔ اور مجھے ہر حال میں کہا پورا کرنا ہے۔

مگر یہ سب کچھ سوچتے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہم حقیقت کے کانٹوں سے لیس دنیا میں رہتے ہیں۔ کسی طلسم ہوشربا میں نہیں۔

مجھے احساس ہے طارق فیروزہ نے اس کی مشکل آسان کی۔

تم بخوبی جانتی ہو کہ میں ایک مکمل فیملی بیک گراؤنڈ رکھتا ہوں۔ شادی شدہ ہوں۔

رشتے میرے پاؤں کی زنجیر ضرور ہیں مگر میں اپنی میں کو ختم کر کے زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں تمہیں یہ سراب بھی نہیں دکھانا چاہتا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ درحقیقت مجھے اس قدر چاہا گیا ہے کہ مجھے شاید خود غرضی کی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ یعنی مجھے محبت دینا نہیں آیا۔ اور میں نے اس جانب شاید توجہ بھی نہیں دی ایک بار یہ جذبہ بیدار ہونے لگا تھا۔ قسمت سے جلد ہی فنا ہو گیا۔

دریہ سے آپ کی۔۔۔ لومیرج نہیں ہے۔ فیروزہ نے متعجب انداز میں اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

نہیں۔ اس نے آگے کی طرف جھک کر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

اوہ۔۔۔ گویا ارینج میرج تھی۔ وہ پھر خود ہی بولی۔ طارق خاموش رہا۔

تمہیں یہ حقیقت قبول کرنا ہو گی کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ غور و فکر سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے ساتھ انسانیت کا معیار برقرار رکھنے کا وعدہ تو کر سکتا ہوں، محبت کرنے کا نہیں۔

دوسری بات۔۔اس انسان دوستی کا خمیازہ مجھے اپنے اہل خاندان کی ناراضگی کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔تمہیں استقلال سے میرے ہمراہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کا نہیں۔

تیسری بات۔میں فی الحال اس کیس میں صرف دریہ کو رازدار رکھنا چاہتا ہوں۔

دریہ کو فیروزہ نے چونک کر پوچھنے لگی۔

ہوں۔اس لیے کہ وہ بہت بڑا سانحہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں۔(کاش تم مجھے یوں پاگل نہ بناتے)وہ بیساختہ کہہ کر سوچنے لگی تھی۔

طارق۔وہ جھجک کر رک گئی۔

بولو۔

اگر دریہ نے اجازت نہ دی۔۔اس کا کلیجہ کانپ رہا تھا۔کاسئہ آب جیسے ہونٹوں کو چھوکر پھر دور ہٹ رہا تھا۔

سب سے اہم چیز کسی مرد کا قول ہو سکتا ہے۔خواہ اس کی قیمت ایک نہیں کئی زندگیاں ہوں۔اس نے اپنی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا۔

فیروزہ کی ڈھارس سی بندھی

لیکن ان زندگیوں میں آپ کی زندگی شامل نہیں ہونا چاہیے۔وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

طارق نے ایک اچٹتی نظر اس کی سمت کی مگر کہا کچھ نہیں۔

سیاہ سفاری سوٹ میں ملبوس اپنی ذات کی اہمیت اور اعتماد سے پُر وہ انسان اتنا قریب اور اتنا دور تھا۔فیروزہ کی ساری خود اعتمادی اس کے سامنے آ کر ہوا ہو جاتی تھی۔حالانکہ اس کا کتنا دل چاہ رہا تھا وہ مستقبل کے حوالے سے اس سے باتیں کرے۔خواہ دور بیٹھ کر ہی سہی۔

میرے خیال میں یہ دریہ کے لیے آسان نہیں ہوگا۔وہ پھر گویا ہوئی۔

وہ ہر صورت میری خواہشات کی تکمیل کرے گی۔اگر جو وہ اپنے اس دعوے میں سچی ہے کہ وہ مجھ سے اپنے آپ سے زیادہ محبت کرتی ہے اور اسے ایسا کرنا ہوگا۔اس نے اپنے مخصوص دوٹوک اور قطعی انداز میں کہا۔

میں اپنی خود غرضی پر نادم ہوں۔آپ کے خاندان والے۔

میرے خاندان والے مجھے اپنی مرضی سے خاصا استعمال کر چکے ہیں۔دوسری بات تمہارا ماضی صرف میرے علم میں ہوگا۔

دُریہ۔میرے ساتھ ہوگی اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔

اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر اطمینان سے جواب دیا۔

فیروزہ کو ایک بار پھر اس پر رشک آیا۔

(سب تمہیں چاہتے ہیں۔تم کسے چاہتے ہو۔۔)

فیروزہ۔تم مجھ سے کبھی جذباتی قسم کے محبت کا مطالبہ نہ کرنا۔میں نے تمہیں صرف نام

دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے روئے زمین پر کوئی بھی احساس ذلت کے ہاتھوں دم توڑنے سے بچ جائے۔

میں آپ کا قرض نہیں اُتار سکتی طارق اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔

میری نیت کتنی سچی ہے اسی سے ثابت ہے کہ آپ جیسا انسان میرے لیے وقت و زمانے سے ٹکرا رہا ہے۔ آپ نے مجھے معزز کیا ہے۔ میری طرف سے کبھی کسی اور خواہش کا اظہار نہیں ہوگا۔

اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

میں نے یہ قدم اس لیے نہیں اُٹھایا کہ میری پرستش کی جائے۔ مجھے احساس ہے کہ مجھ پر لوگوں کی والہانہ محبتوں کے عظیم احسانات ہیں۔ مگر ایک میرے اندر کا بھی آدمی ہے۔ میں اس کی انفرادیت کو تباہ نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی حفاظت کا عزم کیا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں بےفکر ہو جانا چاہیے۔ میرے سامنے میرے ہر عمل کی توجیہہ موجود ہے اس لیے کہ میں ریاکاری سے نفرت کرتا ہوں۔ جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر۔ تمہیں ان بےرحم حقیقتوں کو جھیلنا ہوگا۔ بلکہ تعاون کرنا ہوگا۔

فیروزہ

جی۔۔

میں کسی کو سبز باغ نہیں دکھا سکتا۔ حقیقت بہت تلخ بھی ثابت ہو سکتی ہے تمہارے لیے۔

شاید تمہارے تصور سے بھی زیادہ۔

مجھے احساس ہے۔ وہ بولی۔ مزید گویا ہوئی۔

طارق۔ آپ جیسا کھرا اور خاندانی آدمی میرا شریک سفر ٹھہرے۔ مجھے جینے کے لیے یہ احساس بہت ہے۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

میں تم سے خود رابطہ قائم کروں گا۔ براہ کرم تکلیف نہ کرنا۔ اور مطمئن رہنا۔ اور سنو۔

فیروزہ کی پوری توجہ اسی کی سمت تھی۔ جی۔۔

اب اس قدر اہتمام سے سج کر نکلنے کی خاص ضرورت نہیں۔ ہمارے خاندان میں خواتین باہر نکلتے وقت چادریں استعمال کرتی ہیں۔ میرے خیال میں چادر اوڑھ کر عورت بہت باوقار نظر آتی ہیں۔ ڈریہ۔۔ شادی سے پہلے چادر نہیں اوڑھتی تھی۔ میری خواہش پر اوڑھنے لگی ہے۔

خاص طور پر عورت جب تنہا ہو تو چادر اس کے لیے حصار کا کام کرتی ہے۔ دیکھنے والا بھی اس کا احترام کرتا ہے۔

میرا خیال ہے تم چادر میں بہت اچھی لگوگی۔ وہ آہستگی سے مسکرایا۔

فیروزہ کا دل خوشی سے کانپ گیا۔ اچھی لگوگی۔

تمہیں بھی اچھی لگوں۔۔۔اس سے زیادہ چاہیے بھی کیا۔

او کے۔۔باس۔وہ بچی خوشی سے نظریں جھکا کر مسکرائی۔

اچھا۔۔اب میں چلتا ہوں۔میرے خیال میں تمہیں مجھ سے پہلے۔۔

وہ رک گیا۔۔یہ توقف معنی خیز تھا۔

گاڑی لائی ہو۔۔

ہوں۔ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔پھر ایک دم رکی۔ایک لحظہ طارق کو دیکھا۔۔(شادی میں خواہ دیر کرو مگر صورت جلدی جلدی دکھا دینا) وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی۔

کچھ کہنا چاہتی ہو۔وہ ازخود پوچھنے لگا۔

نہیں۔وہ سٹ پٹا گئی۔اچھا۔بائے۔

اللہ حافظ۔۔طارق نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارنے شروع کر دیے تھے۔

اس نے کمرے میں طائرانہ نگاہ ڈالی۔ایک دن کے کرائے پر حاصل کیا گیا یہ کمرہ اسے اپنی جائے پناہ محسوس ہو رہا تھا۔جی نہیں چاہ رہا تھا اس تنہائی سے نکلنے کو۔

مقام مجبور تھا۔اسے آج ہر صورت جلد گھر پہنچنا تھا۔

وہ ایک دم چونک پڑا۔جلدی مگر اسے تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔

اوہ میرے خدا۔۔ماں کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی تو دماغ گھوم گیا۔

کمرے کی چابی سائیڈ ٹیبل سے اٹھائی اور باہر کی سمت قدم بڑھائے۔اسی دم دروازہ کھلا۔فیروزہ پھر سامنے تھی۔

خیریت۔۔وہ چونک پڑا۔

خیریت ہی ہے۔گاڑی تک پہنچی تو دھیان آیا۔آپ کو مبارکباد تو دی نہیں۔ہم انسان سخت خودغرض واقع ہوئے ہیں۔اپنی ذات میں اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ بس۔

مبارکباد۔۔دل الجھا۔

باپ بننے کی۔وہ مسکرائی۔

اوہ۔۔اس نے گہرا سانس لیا۔شکریہ۔

کیسے ہیں۔

کچھ دنوں بعد خود ہی دیکھ لینا۔اپنی اولاد تو سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر تو مجھے اچھے ہی لگیں گے۔فیروزہ نے ذومعنی جملہ کہا۔

طارق نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔پھر مسکرا دیا۔اچھا

اب آپ پہلے تشریف لے جائیں۔یا میں چلوں۔یہ کانٹی نینٹل ہے۔شوبزنس والوں کی بساط اوران کی بو سونگھتے ہوئے رپورٹر۔فوٹو گرافر۔

میں پہلے چلی جاتی ہوں۔ وہ اس کی بات سمجھ گئی۔

اچھا۔۔ بائے۔۔

اللہ کا نام بھی لیا کرو۔ طارق نے پتہ پھینکا۔

اب تو بس اسی کا نام ورد زبان ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے زلیخا یوسف کو پانے کے بعد یوسف کو بھول کر اللہ کی ہو گئی تھی۔

وہ ہنس کر آگے بڑھ گئی۔ اللہ حافظ و ناصر۔

طارق کو اس کے الفاظ خوشبو کی طرح محسوس ہوئے تھے۔

اس نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا تھا۔ مبادا پہلا ٹکراؤ اماں سے ہو جائے۔ گھر میں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تقریب ہو رہی ہو۔ قہقہے۔ آوازیں۔ برتنوں کی کھنک۔

لو مہمان خصوصی تو اب آ رہے ہیں۔ فاروق نے اسے دیکھ کر ہانک لگائی۔

مہمان خصوصی جو ٹھہرے۔ اماں جان سمجھ گئی تھیں جل کر بولی تھیں۔

وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ خاموشی سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ اسے محسوس ہو چکا تھا اس کا کوئی عذر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ بہتر ہے خاموش رہے۔

کمرے میں پہنچا تو دریہ گلابی کامدانی کا سوٹ پہنے دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر چہرہ موڑ لیا۔ گویا اظہار ناراضگی تھا۔

لو بھئی۔ ابھی تو خوامخواہ ادھر کے بھی نخرے اٹھانے ہوں گے۔ طارق نے سوچا۔

یہ کیا ہو رہا ہے گھر میں اس نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

پھوپھو سے پوچھ لیں۔ اس نے پہلو میں لیٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر تڑاخ سے جواب دیا۔

مگر گھر میں تو تم بھی ہو۔ وہ جیسے بگڑ کر بولا تھا۔

دریہ خاموش رہی۔

کچھ نہیں بیٹے۔ کچھ نہیں ہو رہا۔ اس پر بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے کاموں میں مصروف رہو۔

تمہاری اولاد کی خوشی کر رہے تھے آج۔۔۔۔۔ اور تو کوئی خاص بات نہیں۔

اماں جان اندر آ چکی تھیں سخت ناراضگی سے گویا ہوئی تھیں۔

تم تو گھر بھر میں سب سے زیادہ ذمہ دار تھے۔ اللہ جانے کیا ہو گیا ہے تمہیں نیچے جاؤ۔ تمہارے ساس سُسر سالیاں، دریہ کی سہیلیاں۔ تائی، تایا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کہہ کر واپس چلی گئیں۔

ابھی وہ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ دریہ کی سسکیاں کمرے میں اُبھریں۔

اب کیا ہے۔۔ وہ تپ کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

دریہ نے سائیڈ سے ٹشو پیپر اٹھا کر ناک پونچھی۔

آپ کو احساس تک نہیں ہے۔ دو دو بچے کس طرح سنبھالوں گی۔ اچھی جان مشکل میں

پڑی ہے۔ لے کے۔ وہ رو دی۔

اچھا۔ وہ استہزائیہ ہنسا۔ اب یہ بھی مشکل ہے۔ بھئی یہ تو آخر کار ہونا ہی تھا۔

ہوسکتا ہے اگلے برس تم پھر دو بچوں کو۔

خدا کے لیے طارق دریہ نے گھبرا کر اس کی بات کاٹ دی۔ خدا کے لیے اتنی انتہا پر نہ آئیں۔ میرا جرم صرف آپ سے محبت ہے۔

میں نہیں مانتا۔ ایک انسان کی خود غرضی کو محبت کا نام نہیں دے سکتا۔

محبت ہی انسان کو خود غرض بناتی ہے۔ ورنہ کسی ایرے غیرے کی کس کو پروا ہوتی ہے۔

آپ نے بھی اس طرح کسی کو چاہا ہوتا تو احساس ہوتا۔ مجھے گورنس کا انتظام کر کے دیں۔ ورنہ میں ایک بچہ پھوپھو کے یا ممی کے حوالے کر دوں گی۔

پھر مجھے نہ کہیے گا۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

اتنی جلدی ہمت ہار گئیں۔ ہوسکتا ہے میں کم از کم گیارہ بچوں کی ماں بنانا چاہوں تمہیں۔

جن سے محبت کرتے ہیں ان کی خواہشات کا بھی تو احترام کرتے ہیں۔ وہ اسے سلگا کر مسکرا رہا تھا۔

دریہ نے خوفزدہ ہو کر اس کی صورت دیکھی۔ گیارہ بچے۔

کیا کم ہیں وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

آپ تو خدا سے چاہتے ہیں میں مر جاؤں۔ وہ پھر رونے لگی۔

کوئی نہیں مرتا۔ میں نے تو دیکھا ہے بعض خواتین کے ہاں سولہ سولہ بچے جنم لیتے ہیں۔ بڑی خوش باش بہت صحتمند نظر آتی ہیں۔ بہرکیف۔ تمہیں میرے بچوں کو ادھر اُدھر تقسیم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اور یہ آج تم دلہن کس خوشی میں بنی ہو اب اس نے اس کا جائزہ لیا۔

مرتے مرتے بچی ہوں شاید اس لیے۔ وہ جل کر بولی۔

اچھا۔ میں سمجھا۔ شاید آج پھر تمہیں اہتمام سے پیش کیا جائے گا۔

وہ جیب سے قلم وغیرہ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

میں آپ کی بیوی ہوں۔ بیویاں پیش نہیں ہوتیں۔ کچھ خوف خدا بھی کر لیا کریں۔ وہ بھڑک کر بولی۔

اللہ کی شان۔۔ خوف خدا۔ وہ طنزیہ مسکرایا۔

اُف اللہ۔

دریہ۔ کہا تھا نا ایسے مرد سے شادی نہیں کرتے جس کا زمانہ دیوانہ ہو۔ پچھڑے گلا دیتا ہے ایسا مرد۔۔۔ ارے یہ تمہارا اسٹار قسم کا شوہر گھر بلا کر اس انتظار گاہ میں بٹھائے ہوئے ہے۔ زاردہائی دیتی ہوئی کمرے میں نازل ہوئی تھی۔ نازو کہہ رہی تھی کہ کیا غضب کا مرد ہے دریہ کا شوہر۔ ادھر محفل میں آیا ادھر ہر چیز زندہ ہو گی۔

میں نے کہا دریہ سے پوچھو۔ محفلیں زندہ کرتے ہیں اور انسانوں کو مار دیتے ہیں۔ کیوں

ڈری۔

کیا تھی ہماری ڈری۔۔اور شخص نے کیا بنا دیا۔ وہ شرارت سے طارق کو چھیڑ رہی تھی۔

طارق مسکرا دیا۔ السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ۔۔

ایسی ویسی نہیں ہوں۔ وہ پھر ہنسی۔

فوزی، ثوبی کے برتن دھو دھو کر ہاتھ گل گئے ہیں۔ ہائے بیچاریاں۔ کوئی فل ٹائم ملازم بھی نہیں دیا آپ نے ڈری کو۔

میرے بارے میں کیا خیال ہے وہ شریر ہوا۔

اللہ کی شان۔ سن رہی ہو ڈری۔

دریہ خاموش رہی۔

بھئی، میں غریب آدمی ہوں۔ آپ کی دوست کو اچھی طرح پتا تھا کہ چھپا ہوا تو نہیں تھا ان سے۔

کیا بات ہے آپ کی غربت کی، ہزاروں روپے کی اوریجنل پرفیوم استعمال کرتا ہے تمہارا غریب شوہر۔ پانچ سو سے کم کا قلم استعمال نہیں کرتا تمہارا بیچارہ مفلس شریک سفر۔۔آہ۔۔ہا۔۔کس قدر قابل رحم ہے۔ چچ چچ۔ وہ طارق کو چھیڑ رہی تھی۔

چلیے جلدی نیچے۔ سب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔ گھریلا کر بھوکا مار دیا ہے۔ تم نے کھا لیا ڈری۔۔ وہ سہیلی کی طرف پلٹی۔

ہوں۔۔ وہ ہوں کر کے رہ گئی۔

موڈ کیوں آف ہے۔ کیا طارق بھائی نے ڈانٹا ہے اس نے تیز نظروں سے دریہ کا چہرہ جانچا۔

خود تو اچھی اچھی صورتوں سے سیر ہو کر آتے ہیں۔ یہ بیچاری ڈھنگ سے میاں کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ کیسے منہ موڑ موڑ کر کھڑے ہیں۔ زار نے اچھی طرح خبر لی۔

طارق بے اختیار مسکرا دیا۔

ارے ابھی ان کے عین مقابل بیٹھ کر دلجوئی کر رہا تھا۔ پوچھ لو۔

زار ہنستی ہوئی اس کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

مگر دریہ ہزار کوشش کے باوجود مسکرا بھی نہ سکی۔

زرینہ۔۔

ہاں اوی۔۔

وہ جو میں نے سویٹر بُن کر دیا تھا اپنی ماں سے کہنا اس کے پیسے تیرے بابا کو دے دے۔ میری نماز کی چادر پھٹ گئی ہے۔ مجھے ان پیسوں کی چادر منگا دینا شہر سے اور ایک کتاب قصص الاولیا کا نام لکھ کر دیا تھا ناں میں نے۔ یہ لو۔ دس روپے اور رکھ لو۔

خیر ہے اوی۔ ضرورت ہوگی تو لے لیں گے۔ یہ تم ابھی اپنے پاس رکھو۔ زرینہ نے دس کا

نوٹ لینے سے انکار کیا۔

رکھ لو۔ بچیں تو واپس کر دینا۔ تیرا ابا بھی غریب آدمی ہے۔ کہاں ہوں گے اس کے پاس فالتو پیسے۔

اوہ۔۔ میں نے اپنے چاچا کو خط لکھا ہے۔ تم دیکھ لو کوئی غلطی تو نہیں ہے۔ ایک لڑکی زینت اندر داخل ہوئی۔

لاؤ۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ پھر ایک دم پیچھے ہٹی تھی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ وہ زینت کے پیچھے دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

ممی۔۔ بشر اس کی سمت والہانہ بڑھا تھا۔

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی وارفتگی کا جواب دیا۔ اُسے سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ممی۔۔ آپ کراچی والے گھر میں کیوں نہیں رہتیں۔۔ میرا گھر میں بالکل دل نہیں لگتا۔

روشن کی چیخیں نکل گئیں۔

آہ تمہاری معصوم محبت کی صورت قدرت میرے منہ پر طمانچے مار رہی ہے۔ میرے اللہ۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

ممی۔ آپ گھر چلیے ناں۔

عمر بھائی اور ثریا بھی نہیں ہیں۔ میں رات کو روتا ہوں۔ مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ اور

ممی۔ آپ بھی۔ رئیلی ممی۔۔ روشن نے پاگلوں کی طرح اس کا منہ چوم لیا۔

تجھ سے خدا اتنا قریب ہے۔ تیری آنکھ سے گرنے والا ایک آنسو میرے نصیب کا کھولتا لاوا بن جائے گا۔

یہ جانتی تو اپنا چمڑا تیرے پیروں تلے بچھا دیتی۔ مگر تجھے بھی۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

ممی آپ روئیں نہیں ورنہ میں بھی رو دوں گا۔ بشر روہانسا ہو گیا۔

میں اپنی ہنسی خوشی سب تیرے نام کر چکی ہوں۔ دامن پھیلا کر تیرے حصے کے دُکھ مانگتی ہوں۔ اب تم نہیں رو گے۔ میں روؤں گی۔ جب عورت پیدائشی ماں ہوتی ہے تو اس کی ممتا میں بٹوارے کیسے ہو جاتے ہیں۔ میرا کلیجہ تو تجھے سینے سے لگا کر بھی ٹھنڈا رہ سکتا ہے۔

ممی۔ آپ روئیں نہیں ڈریس چینج کر لیں۔ ہمارے ساتھ چلیں۔

ہمارے۔ روشن کے بہتے آنسو تھم گئے۔ معاً وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی اور چادر سے چہرہ چھپا کر پشت دروازے کی سمت کر لی۔ ولایت علی شاہ جانے کب سے اس کا پاگل پن دیکھ رہے تھے۔

السلام علیکم۔ روشن کی کانپتی ہوئی بھیگی بھیگی آواز اُبھری۔

وعلیکم السلام۔ ولایت علی شاہ کی بھاری آواز گونجی۔

روشن کو جھٹکا سا لگا۔ سلام کا جواب آیا تھا۔ مگر وہ مڑی نہیں۔ دونوں لڑکیاں باہر نکل گئی تھیں۔

بشر جاؤ بیٹے میاں صاحب کے پاس بیٹھو۔ انہوں نے بشر کو حکمیہ کہا۔

بشر چپ چاپ الجھا الجھا باہر چلا گیا۔

(اب کیا تعویز لائے ہیں۔) وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

روشن۔۔ولایت علی شاہ کی آواز میں سوچ کا تاثر غالب تھا۔

ادھر تک آنے میں، میں نے صدیاں طے کی ہیں۔ یہ روحانی فاصلے شعور سے ماورا ہوتے ہیں۔ اس گزرتے وقت نے تمہارے حق میں وکیل صفائی کا کردار ادا کیا ہے۔ جو روگ مجھے لاحق ہیں وہی تمہارے قلب کے ناسور ہیں۔ مگر میں احساس جرم وضمیر کی ملامت کے جہنم سے دور ہوں جب کہ تم بلا دار ورسن سولی اور جانکنی کے عذاب سے ہر لحہ واصل ہو۔ میں اللہ کے معاملات میں مداخلت کر کے شرک کا مرتکب ہو رہا تھا۔ وہ منصف تو ہر لحہ اپنی تخلوق سے فیصلوں میں مگن ہے۔

اولاد سے محرومی، اس کی شکل کو ترسنے کا عذاب تمہارے ساتھ اس کا انصاف ہے۔

مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ واپس بھی جانا ہے۔ حساب کتاب کے لیے وہ مقتدر کافی ہے۔

نیچے آؤ۔ میاں صاحب انتظار کر رہے ہیں۔

روشن چونک کر پلٹ گئی۔ وہ ہکا بکا ولایت علی شاہ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ ولایت علی شاہ کو اسے پہچاننے میں دیر لگی۔

سادہ کس کر بندھی ہوئی چوٹی۔ پیلا فاقہ کشوں جیسا چہرہ۔ بوسیدہ، رنگ اڑے کپڑے جو جا بجا سوئی دھاگے کا استعمال ظاہر کر رہے تھے۔ اسفنج کی ٹانکے لگی چپل۔

جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی چادر۔

یہ تو نہ جانے کون عورت ان کے مقابل کھڑی تھی۔ وہ بڑی چھب اور آن بان والی طرحداری روشن تو نہ جانے کہاں گم ہو چکی تھی۔

نہ وقت تھا نہ ماحول۔۔اور نہ ہی وہ دل۔ کہ تمام حقوق کا استعمال کرنے کو جی چاہے۔ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کرتے۔

پلکوں پر چمکتے ستارے اپنے سلگتے لبوں سے چنتے۔ اپنے کشادہ سینے کو اس کی رفاقت سے اعزاز بخشتے۔

آگ بجھ جاتی ہے۔

مگر آتش دان دیر تک گرم رہتا ہے۔

پانی چھڑک دیا جائے تو وہ۔۔۔بھی گرم ہو جاتا ہے۔

میاں صاحب کا ڈالا ہوا پانی ابھی گرم تھا۔

یوں بھی روح کے ابواب بتدریج کھلا کرتے ہیں۔ وہ چند ثانیے دم سادھے کھڑے رہے۔

وقت کے معجزات کی کوئی حد نہیں اس لیے کہ وقت کی باگ لامحدود قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔

میاں صاحب۔ روشن نے خوف واستعجاب کی ملی جلی کیفیت میں ان کی سمت دیکھا۔

ہوں۔ وہ آہستگی سے ہوں کہہ کر واپس پلٹ گئے۔

روشن دل تھامے ان کی پشت دیکھ رہی تھی۔

اسے اس صورت حال کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے اعتباری کی کیفیت میں دم بخود تھی۔

ولایت علی شاہ کا پُر جلال نفرت آمیز تاثرات کا حامل چہرہ آج عجب رنگ لیے ہوئے تھا۔ نہ نفرت۔۔ نہ محبت۔

نہ مروت ورواداری۔

اور نہ بیزاری۔

وہ ان کے تاثرات کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

ممی۔۔ آپ کو میاں صاحب بلا رہے ہیں۔ بشر بھاگتا ہوا پھر کمرے میں چلا آیا تھا۔

وہ قدم بڑھانے لگی۔ چلو۔ اس نے بشر کا ہاتھ اس طرح تھاما گویا کوئی مضبوط سہارا پکڑ رہی ہو۔

بشر نیچے کون کون ہے بیٹے۔

پپا ہیں۔۔ میاں صاحب ہیں۔۔ اور بابا غلام محمد۔

کیوں ممی۔۔ بشر نے چہرہ اوپر اٹھا کر استفسار کیا۔

(میرا ہاتھ تو تم سے مل گیا ہے بشر۔ نظر نہیں مل رہی) ایسے ہی پوچھ رہی تھی بیٹے۔ روشن نے چادر پیشانی سے بہت آگے کھینچ لی تھی۔

میاں صاحب نے اسے زینہ طے کر کے نیچے آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔

السلام علیکم بیٹی۔۔ میاں صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ سلام میں پہل کریں کہ یہ بہت آسان سنت نبوی ہے۔ دوسرے اس سے انسانیت کی دشمن بیماری تکبر ونخوت اور احساس برتری کا بہت خوبصورت علاج ہو جاتا ہے۔ روشن خفیف سی ہو گئی۔ میاں صاحب کا کھڑے ہو کر سلام کرنا وہ برداشت نہ کر سکی۔ ان کی قدم بوسی کو بیقراری سے آگے بڑھی۔ اس کا کلیجہ پھٹنے لگا تھا۔

بیٹی۔ یوں نہیں کرتے سر صرف اللہ کے حضور جھکنے کے لیے ہے۔

وہ ایک دم پیچھے ہو گئے اور شفقت سے روشن کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

اللہ تمہیں۔۔۔ علم الیقین سے عین الیقین کے مقام تک بخیر وخوبی پہنچائے۔۔ اور اپنی محبت کا نور تمہارے قلب پر نازل فرمائے۔۔۔ آمین۔۔

آؤ بیٹھو۔ انہوں نے موڑھے کی سمت اشارہ کیا۔

روشن بیٹھ گئی۔

وہ تو میاں صاحب سے ملنے کو ترس رہی تھی۔ ان سے بہت سی باتیں کرنے کو بیقرار تھی۔

اب وہ اس کے سامنے موجود تھے۔ لیکن۔۔

ولایت علی شاہ کی موجودگی میں نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

ولایت علی شاہ۔۔

جی میاں صاحب۔۔

اس کوکھ میں لگی آگ اس کے لیے کفارہ ہے۔ ولایت علی شاہ

سُن رہا ہوں میاں صاحب۔۔۔ وہ جلدی سے گویا ہوئے۔

جب بندہ ہر معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو دراصل نعوذ باللہ اللہ پر بے

اعتباری کا اظہار

کرتا ہے۔اپنی سانس پر اختیار نہیں۔۔ اور معاملات اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔

یہ ظلم ہے ولایت علی شاہ۔۔ انسان کا خود پر۔۔

غور سے دیکھو۔ یہ وہ عورت نہیں ہے۔جس کی دلربائی ودلبری نے تمہاری آنکھوں پر غفلت

کی پٹی باندھ دی تھی۔

یہ ایک نئی عورت ہے۔ وہ شقی القلب کہیں گم ہو چکی ہے۔

اب اس کے سینے میں دل نہیں۔۔ آبلہ ہے۔۔ہم فطرت کی طرف نہیں جھکیں گے تو

فطرت ہمیں جھکا لے گی۔اُدھر پاور ہے۔

روشن۔۔۔ بیٹی۔۔۔ ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ وہ روشن کی سمت متوجہ ہوئے۔

روشن تیورا کر گر پڑی تھی۔ کم خوراکی، دکھ، تنہائی، احساس جرم۔۔ اسے کھوکھلا کر چکے

تھے۔

لامحالہ اب ولایت علی شاہ کو آگے بڑھنا تھا۔

بشر رونے لگا تھا۔

میاں صاحب نے بشر کو بازوؤں میں لے لیا تھا۔

رو نہیں بیٹے۔ تیری ماں تکلیف میں ہے۔ جا، پانی لے آ بیٹے۔

ولایت علی شاہ نے روش کو ہوش مین لانے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔

مشین کے انداز میں وہ اپنے کام میں منہمک تھے۔

وہ ہوش میں آئی تو ولایت علی شاہ اسے سہارا دے کر بڑے کمرے تک لائے۔ بشر اور

میاں صاحب بھی پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔

بشر۔۔

جی پاپا وہ معصوم سہما ہوا تھا۔

اپنی ممی کو پانی پلاؤ بیٹے۔۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ بشر گلاس لیے آگے بڑھا۔ اور روشن کے

ہونٹوں سے لگا دیا۔ میاں صاحب مبہم سا مسکرائے۔

ولایت علی شاہ۔۔

جی میاں صاحب۔۔

یہ کام ایک بشر ہی کر سکتا ہے۔ انہوں نے بہت گہری بات کہی تھی۔ بشر کا روشن کو پانی

پلانا۔ انہوں نے بہت لطیف اشارہ کیا تھا۔

ولایت علی شاہ کی آنکھوں میں الجھن میاں صاحب نے محسوس کی تھی۔

انسان خلائی کارنامے انجام دے رہا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ایک انسان بدلتا ہے تو حیرانی ختم نہیں ہوتی۔

ولایت علی شاہ استقامت پیدا کرو۔

روشن اٹھ کر بیٹھ گئی۔ولایت علی شاہ کے ہر جذبے سے عاری لمس نے اسے صرف خوفزدہ کا ہی تھا۔اور کوئی احساس بیدار نہیں ہوا تھا۔

میاں صاحب۔۔اس کی کانپتی کمزور آواز اُبھری۔

سُن رہا ہوں بیٹی۔

مم۔۔۔میں۔۔۔یہیں۔۔۔۔۔۔اسی گوٹھ میں رہنا چاہتی ہوں۔اور شاہ صاحب کی بڑائی کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔آپ دونوں مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔میں ہر طور آپ لوگوں کا مقروض ہوں۔اس کی آواز بہت مدھم تھی۔وہ ولایت علی شاہ سے خوف زدہ نہیں تھی۔اس لیے کہ وہ موت کے خوف کو پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

یہ حجاب۔

یہ خوف تو دراصل محبت میں ریاکاری کی آلودگی کے احساس تھے۔ولایت علی شاہ کی محبت پاش نگاہ سے لے کر

اجنبیت وکراہیت کے جذبات کی بیداری تک۔

وہ انگارہ انگارہ جل کر یہاں آئی تھی۔جہاں ضمیر نورانی لطافتوں کی انتہا تک پہنچتا ہے۔ضمیر تنہا نہیں ہوا کرتا۔

غیرت اس کا سب سے بالائی غلاف ہوتی ہے۔

وہ اُس گھر میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔اسی سبب۔تمہیں اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار تمہارا خاوند رکھتا ہے بیٹی۔ولایت علی۔کیا جواب ہے تمہارا۔

ولایت علی شاہ نے ایک اُچٹتی نظر اس پر ڈالی۔

یہ تو میاں صاحب کے مکتب کا اکتساب تھا جو وہ یہاں تک بھی آ گئے تھے۔جوانی کے جوش وولولے اگرچہ اب بھی ان کے وجود کی زینت تھے۔

مگر اب وہ دل کہاں تھا کہ اس کی قربت کے لیے بیقرار ہوتے۔

انہیں سعودیہ میں گزارے وہ دن یاد آ گئے جب وہ نئے نئے روشن سے دور ہوئے تھے۔

سارا دن تو مصروف گزر جاتا تھا مگر شام ہوتے ہی وہ بہت بے کل ہو جاتے تھے۔بعض اوقات تو راتوں کی نیند اُچاٹ ہو جاتی تھی۔

ادھر اُدھر کروٹ بدلتے بس اس کا دھیان آتا تھا۔

تب وہ بیساختہ سوچتے تھے۔

انسان کتنا کمزور ہے۔

کس قدر محتاج ہے۔سُلگتے شعلوں کی سی عمر میں تنہائی انسان کی کتنی بڑی آزمائش ہوتی

ہے۔

مجھے کیا کمی تھی جو یہ کورسز کی بلا اپنی جان لے لی۔ وہ جھلا جاتے تھے۔ بعض اوقات تو صرف پانچ چھ دن کے لیے وہ رخصت لے کر۔۔اس کی خاطر۔۔۔

صرف اس کی خاطر پاکستان آتے تھے۔

وہ اسے ایئرپورٹ سے فون کیا کرتے تھے۔ اچانک خوشی دینا بھی اچھا لگتا ہے اور لینا بھی۔ وہ دیتے تھے زیادہ اس کا خیال کرتے تھے۔

دروازے پر تھاپ پڑتے ہی وہ مدھم روشنیوں کے بیچ گیٹ خود کھول کر ان کا استقبال کرتی تھی۔

کوئی تیز رنگ کا ملبوس پہنے۔۔ بالوں میں پھول ٹانکے۔۔۔ اتنی بھرپور۔۔۔ انہیں اپنی خوش قسمتی سے خوف آنے لگتا تھا۔

وہ پھر سوتے نہیں تھے۔ لو کے موسم کی پیاس ہوتی تھی۔ سیری نہیں ہوتے تھے۔

پھر انہیں زندگی کا یہی رنگ بہت پسند آ گیا تھا۔

کئی دنوں کی جدائی۔۔اور پھر ملن۔۔۔اب زندگی اور زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔

وہ خود کہا کرتی تھی۔

شاہ صاحب۔۔۔اتنے دنوں بعد پھر آپ مجھے وہی پہلے دن والے لگتے ہیں۔ آپ مجھے چھوتے ہیں تو پھر پہلے دن کی کی طرح میں کانپ جاتی ہوں۔ کتنی خوبصورت لگتی تھیں اس کی باتیں۔

وہ خود سوچا کرتے تھے۔ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ اتنی آسودگی اور خوشی کس انسان کو ملتی ہے۔

جب کہ قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت سے پیدا کیا یعنی جیتے جی انسان کبھی آئیڈیل سکھ نہیں پا سکتا۔

اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی پریشانی۔

کوئی نہ کوئی خلا رہتا ہے۔

کوئی نہ کوئی ملال یا دکھ اس کی مٹی کی لاگ ہے۔ اس کے خمیر کی بنیاد ہے۔

یہی خوف انہیں ستاتا تھا۔

یہی خوف پھر سامنے آیا تھا۔

چند روزہ خوشیوں کی کتنی بھاری قیمت وہ کب سے ادا کر رہے تھے۔

تم اب یہاں رہو روشن اور وہاں۔

مگر اب دل میں کہاں۔

ان کی یادیں میری بھرپور راتوں کو گھن لگانے کے لیے کافی ہیں۔

مجھے اب تمہاری طلب شاید ہی ہو۔

میاں صاحب روشن کی مرضی۔۔۔اس کی خوشی۔

ماضی میں کسی کی محبت پائی ہو تو دل کبھی نہ کبھی وہ تراز و نگاہ پھر چاہتا ہے۔

بعض اوقات ماضی کے باوقار حوالے دل کی ڈھارس بندھا دیتے ہیں۔

روشن کا دل اُبھرا پھر ڈوب گیا۔

شکریہ۔۔۔بے حد شکریہ۔

نہ کاغذی کاروائیاں اہم ہوتی ہیں نہ سماج کی جکڑ بندیاں۔اصل تعلق تو بھروسے کی پہلی اینٹ سے شروع ہوتا ہے۔وہ پلٹ گئی۔پھر رک گئی۔

میں آپ لوگوں کے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔کیا پسند کیجیے گا۔

وہ بشریٰ کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

ایک جھجک تھی جو اس کی آواز اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔

اتنے کنسرٹ وہ کر چکا تھا کہ اپنے گھر۔۔آئیڈیل گھر کی بنیاد رکھ سکے۔اب اسے لاہور میں تو رہنا نہیں تھا۔گھر اس نے کراچی ہی میں شروع کیا تھا۔فرم ہی غیر ملکی تھی۔

اتنی شاندار جاب پھر اتنی سہولتوں کے ہمراہ۔ہر کسی کو خاص طور پر ہم عمروں کو اس کی تقدیر پر رشک آیا تھا۔

پھر سڈنی جیسا خوبصورت ،خواب جیسا شہر۔۔۔

اس نے فون پر فیروزہ کو بھی مطلع کر دیا تھا اور تسلی دی تھی کہ وہ تدریجی مراحل طے کر رہا ہے۔

اس نے ایک رات بہت نرمی اور دوستانہ انداز میں ورِیہ کو گھر کا نقشہ دکھایا تھا۔اتنا آرٹسٹک سا گھر۔

کتنے لوگوں نے طارق سے اس کی شادی اور پھر کرائے کے گھر میں رہنے کو خاصے ناقدانہ انداز میں دیکھا تھا۔

گمان اس کے باپ کے درست نکلے تھے۔انہوں نے نور جہاں سے کہا تھا۔دیکھا یہ لڑکا ترقی کی انتہاؤں پر پہنچے گا۔

جس عمر میں یہ اتنا پُر اعتماد ہے اتنی عمر میں تو لوگ اپنی شناخت ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

اس کے پپا واقعی مردم شناس انسان ہیں۔میں نے تو بس یونہی تمہیں چاہ لیا۔میں نے تمہاری ترقیاں تو مدِ نظر نہیں رکھیں۔

یہ کاغذ پر اتنا خوبصورت ہے تو حقیقت میں کیا ہوگا۔وہ واقعی مسرت سے مسکرائی تھی۔

اس کی کلر اسکیم کیا ہوگی۔وہ تیزی سے گویا تکمیل چاہتی تھی۔

لائٹ پنک اور برائٹ ریڈ۔

اوہ۔۔۔وہ خوشی سے کانپ گئی۔ویری نائس۔اس کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

لان چاروں طرف ہے۔یہ جو کاریڈور ہے اس کے تین داخلی دروازے ہیں۔تینوں دروازوں کے سامنے پانچ پانچ اسٹیپس کے زینے ہیں۔پنک کاریڈور۔زینوں پر ریڈ کار ۔یہ کار پورچ ہے۔تین بڑی کاریں کھڑی ہو سکیں گی۔پنک کلر کار پورچ۔سرخ کار۔

سرخ گملے۔

ڈبل اسٹوری ہے۔ کیسا لگ رہا ہے بیرونی منظر۔

اب اس میں تعمیراتی باریکیاں ہیں۔ وہ کوئی ماہر تعمیر ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس نے مسکرا کر نقشہ رول کرنا شروع کر دیا۔ دریہ سحر زدہ سی کھڑی تھی۔

اتنا خوبصورت گھر۔ تعمیرات کا شاہکار۔ اس میں طارق کا ساتھ۔

ہنستے کھیلتے۔ پھول جیسے حسین و جمیل بچے۔

اس کا دل خوشی کی انتہا پر کانپ گیا۔

طارق کی سنگت میں یہ سب کچھ۔

خدا کرے مجھے راس آجائے۔

محبتیں انسان کو کس قدر توہم پرست بنا دیتی ہیں۔ اس کی نظروں میں پھر نقشہ گھوم گیا۔ جس کے دروازے دریچے ایک خاص بناوٹ کے تھے۔ وہ انہیں میں سے کسی ایک دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔ سامنے سے طارق کی سرخ کار آرہی تھی۔

اسی دم گڑیا کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونک گئی۔

عابدہ بیگم گورنس کی گود میں بچوں کی پرورش کے خلاف تھیں مگر دریہ کے استدلال کے سامنے انہیں جھکنا پڑا۔ واقعی دو بچوں کی پرورش آسان مرحلہ نہ تھا۔

دریہ نے دیکھا گورنس نے گڑیا کو گود میں اٹھا لیا تھا اس نے مطمئن ہو کر طارق کی سمت دیکھا۔ وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

نگاہیں ملنے پر وہ مسکرا دیا۔ دریہ کو یہ شب طارق کی اشب خوش اخلاقی محسوس ہوئی مگر ساتھ ہی انجانے واہموں کے ہمراہ دل دھڑکا۔

دریہ۔ وہ بستر پر جا بیٹھا اور الجھے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگائی۔

آج وہ سبز کپڑوں میں ملبوس بہت نکھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ماں بننے کے بعد تو اس میں خاص چھب نظر آنے لگی تھی۔ عجب مبہوت کر دینے والا حسن نظر آتا تھا۔

طارق نے نظر بچالی۔

ادھر آؤ۔

دریہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نظر میں وہ مخصوص بلاوا تو نہیں تھا جو عورت اس رشتے میں بندھ کر شوہر کے لہجے سے پہچاننے لگتی ہے۔ وہ آہستہ سے اس کی سمت بڑھی۔

دعوت بھی نہیں ہے۔ محبت بھی نہیں ہے، پھر وہ اسے کس لیے بلا رہا ہے۔

طارق نے بیڈ میں لگے بٹن دبا کر ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔

ٹیوب بند کرتی آؤ۔ اس کی بھاری آواز کمرے میں ابھری۔ دریہ کے قدم ٹھہر گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیوب بند کر دی کمرے میں نیلگوں اجالا پھیل چکا تھا۔

دریہ دوسری جانب بیڈ کے کنارے پر ٹکنے لگی۔

ادھر نہیں۔ ادھر لے آؤ۔ اس نے بیڈ پر ہاتھ رکھ کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

الٰہی خیر۔۔۔۔۔۔ (یوں تو طارق نے کبھی بھی نہیں کیا)

وہ سلیپر اتار کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ طارق کے ملبوس سے اٹھنے والی مخصوص مہک اس کے حواس پر چھانے لگی۔ طارق نے چہرہ موڑ کر دو تین کش ایک ساتھ لیے۔ پھر منہ سے دھواں نکال کر گویا دھوئیں میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

پھر چند لمحوں بعد

طارق نے قمیض اتار دی۔

دریہ نے ٹھٹکا کر اس کی سمت دیکھا۔

ایزی ہونا چاہتا ہوں۔ وہ اس کی نظروں کی الجھن سمجھ گیا۔ مسکرا کر گویا ہوا۔

اور بازو پھیلا کر دریہ کو تھام لیا تھا۔

دریہ کے رگ و پے میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔

(آج یہ کیسا ہو رہا ہے) اترائی ہوں کہ خوشی اور خوش نصیبی کے وہم بھی بس آتے۔

دریہ۔۔

جی۔۔۔

کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

یہ کیا سوال ہے۔ گزرا ہوا ایک لمحہ۔ میرا ایک ایک گناہ کیا گواہی بہت نہیں۔

اس نے دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے الٹا سوال جڑ دیا۔

جو میں تمہارا نہ رہوں تو تم۔

میں نے اپنا وقار، اپنا مقام داؤ پر لگا کر آپ کو پایا ہے۔ جان دے دوں گا مگر آپ کو۔ وہ اس کے شانے سے سر لگا کر رو پڑی۔

آپ کو حاصل کرنے کے خیال اور پانے نہ پانے کے واہموں کے ہمراہ دوزخ سے گزر رہی ہوں۔ آپ کو اعتبار کیوں نہیں آتا۔ کب ختم ہوگی میری آزمائش کب کھڑا کریں گے مجھے وکٹری پوائنٹ پر

اس کی سسکیاں ابھریں۔ وہ مرحلہ کیوں آئے کہ آپ میرے نہ رہیں۔ کیا ہی اچھا ہو جو میں ہی نہ رہوں۔ طارق نے شوہرانہ استحقاق استعمال کرتے ہوئے فاصلے اور کم کر دیے۔

دریہ۔ جو محبت کرتا ہے، صحیح معنوں میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینا جانتا ہے۔ کیوں وہ پوچھ رہا تھا۔

آپ کے پاس۔۔۔ آپ سے محروم۔۔۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہوگی۔

اس نے اشک صاف کیے۔

لیکن یہ تو تم تسلیم کرو گی تم نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ مجھے اپنا آپ استعمال کرنے موقع نہیں دیا۔

پہلے خاندان کی زنجیریں میرے پاؤں میں تھیں پھر تم نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر

ایک طوق میرے گلے میں ڈال دیا۔

میں آپ کے بغیر مر جاتی طارق۔۔میں جینا چاہتی تھی۔

لیکن یہ تو خود غرضی ہوئی ناں۔اپنی زندگی بچانے کے لیے دوسری زندگی کی قربانی مانگنا۔ وہ بھی بیرحم طریقے سے۔وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

مجھے اپنی ہر خطا کا اعتراف ہے مگر آپ میرے جذبوں کی انتہا بھی تو جانچیے۔یہ بھی تو سوچیے کہ میں نے یہ سب آخر کیوں کیا۔

ہوں۔۔وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

یہی جذبہ بالکل یہی جذبہ اگر کسی اور عورت کے دل میں میرے لیے پیدا ہوا تو تم کیا اسے بھی یہ حق دے سکو گی کہ وہ اپنی زندگی بچا سکے۔

ڈریا اس سے دور اس طرح ہوئی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

اس سے بہتر ہے کہ میں اس دنیا ہی میں نہ ہوں۔وہ کانپ کر بولی۔

کیا تمہارے علاوہ ہم میں سے کسی کو زندہ رہ کر اپنے آپ کو استعمال کرنے کا حق نہیں۔

طارق کا لہجہ بیتاثر ہو گیا۔

میں آپ کو کیا نہیں دے سکتی وہ پوچھ رہی تھی۔

یہ سب تو تمہیں ہر اُس مرد سے مل سکتا تھا جو تمہیں اپنی شریک حیات بناتا۔

آپ کھل کر بات کریں۔ڈریہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔

کس قدر ہولناک آتشزدگی ہوئی تھی اس کے وجود میں۔

اُسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا تھا۔اس نے وحشت زدہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

یہ مذاق میری طاقت سے بہت زیادہ ہے طارق بالآخر اس نے کہا۔

یہ مذاق نہیں ہے دریہ مذاق وہ تھا جو میرے ساتھ ہوا ہے۔اس نے دائیں طرف جھک کر ایش ٹرے میں راکھ جھاڑی۔

اس کا لہجہ بدل چکا تھا۔دریہ کی جان سولی پر لٹک گئی تھی۔

کیا کمی ہے مجھ میں کیا نہیں دے سکتی میں آپ کو۔

اور مجھ میں کیا کمی ہے کہ میں اپنی زندگی خود استعمال نہیں کر سکتا

میں مر جاؤں گی طارق۔اس کے لہجے کی سفاکی پر زارو قطار رو دی۔

میں روز مر رہا ہوں۔وہ لیٹ گیا۔

خاموش کمرے میں دریہ کی سسکیاں اُبھرنے لگیں۔

میں محبت کی شادی نہیں کر رہا ہوں دریہ۔یہ لکیر تو میرے ہاتھ میں ہے ہی نہیں۔وہ تھکے تھکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

یہ بھی مجبوری کی شادی ہوگی۔مگر مجھے اُس کی ادا پسند آ گئی ہے۔عشق کی آگ میں وہ خود

جھلس رہی ہے۔ مٹ رہی ہے مگر وہ مجھے مٹانا نہیں چاہتی تھی۔

مٹنے والے لوگ دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ یہ انکشاف بھی مجھ پر ہوا ہے۔

وہ میرا خیال کررہی تھی۔ مجھے اس کا یوں خیال رکھنا پسند آ گیا۔

دُریہ۔۔

ہوں۔۔۔ وہ بادل نخواستہ بولی۔

دُریہ اگر کوئی عورت سر پر چادر جما کر آبرو سے رہنا چاہتی ہو تو یہ اس کا حق ہے۔ مگر ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بنائے ہوئے قوانین میں ترمیم کریں۔

البتہ مذہبی قوانین پس پشت ڈال دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ وہ تلخی سے بولا۔

مرد عموماً انہیں موقعوں پر مذہب کو ڈھال بنا لیتے ہیں۔ دریہ طنزیہ بولی۔

میں صرف اللہ کو جواب دہ ہوں۔ مجھے ڈھال ڈھونڈنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میری نرمی خوشامد یا کمزوری نہ سمجھی جائے۔ میں تو بطور انسانیت تمہارے احساسات کا پاس کر رہا ہوں۔

خاک پاس کر رہے ہیں۔ انگاروں پر لا پٹخا ہے پھر بھی احساسات کے پاس کا دعوی۔۔ ہونہہ۔

وہ اس سے مزید دور ہٹ گئی۔

یا تو وہ مر جائے گی یا کالے راستوں پر پلٹ جائے گی۔ میں تو اُسے صرف نام دے رہا ہوں۔ سو اس لیے کہ وہ میرے نام پر خاموشی سے سُلگ رہی ہے۔

تم نے جو حیثیت چھین کر حاصل کی ہے اس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تمہیں میری ماں لائی ہے اپنے ہاتھوں۔۔

یہ محبت کی شادی نہیں ہوگی۔ مجھے اس سے صرف ہمدردی ہے۔ بعض احساسات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی ترجمانی کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ بہرحال۔ مجھے اُس سے محبت نہیں ہے مگر وہ میرے نام پر برباد ہو رہی ہے۔ لوگوں نے اس کا عزت سے رہنا حرام کر دیا ہے۔

وقار کے لیے تڑپ پھر اسی سے محرومی۔ اتنا آسان نہیں یوں جینا۔

ماں کی نگاہ میں تمہاری کرم نوازی کے سبب گر کر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ جب انسان صرف عزت و وقار کے لیے۔ حساس ترین ہو اور اسی سے محروم رہے تو اس کے دن کیسے بسر ہوتے ہیں۔

اس کی راتیں کیوں کر کٹتی ہیں۔

یہ آگہی مجھے تمہاری مہربانی کے سبب ملی۔

اب کوئی بھی عزت کا پیاسا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔

اور عزت بھی ناک والی نہیں۔ بلکہ بنیادی۔

میں اس سلسلے میں اب اتنا حساس ہوں کہ۔۔۔۔ وہ چپ ہو گیا۔ شاید یہ نیکی مجھے حقیقی سکون بخش دے۔۔ وہ پھر گویا ہوا۔

شادی۔۔۔ اور نیکی بہت فروٹ فل عمل ہے۔ دریہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

میں تمہیں یہ یقین دلانا اپنی توہین سمجھوں گا کہ میں عیاش نہیں ہوں۔ اس لیے کہ میں اپنے خدا اپنے ضمیر کو جواب دہ ہوں۔ صرف۔

کون ہے وہ ڈائن۔ بلکہ فنکارہ۔ دریہ پھر سسک پڑی۔

تم مل چکی ہو اس سے۔

دریہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اصل تک پہنچ گئی۔

فیروزہ۔ اس نے چونک کر طارق کا چہرہ دیکھا۔

مجھے رسوا مت کیجیے طارق۔ وہ صرف اپنی نگاہوں سے مجھے چھلنی کردے گی۔

وہ ایسی نہیں ہے دریہ۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔

ممی۔۔ پاپا۔۔ آپ کو کبھی یہ قدم اٹھانے نہیں دیں گے۔ گویا دریہ نے میکے کی دھونس دی تھی۔ بلکہ طارق کو ڈرایا تھا۔

میرا نکاح تمہارے ساتھ ہوا ہے پورے سسرال کے ساتھ نہیں۔ اس نے پھر لاجواب کردیا۔

اور پھوپھو۔۔۔ وہ تو ساری عمر آپ سے بات بھی نہیں کریں گی۔

دریہ نے زبردست انداز میں ترپ کا پتہ پھینکا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے کہ تم فاؤل کھیل کر بھی آسمان پر چڑھی بیٹھی ہو اور میں سچائیوں کے ساتھ سرنگوں۔ طارق کے لہجے میں ایک کرب سمٹ آیا۔

یہ جو میرا دل ہے کھل کر ہی نہیں دیا۔ اب تو مجھے صرف زندگی کا ایسا مصرف چاہیے جو صدقہ جاریہ بن جائے۔ طارق نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر گویا اپنا دکھ بہنے سے روکا تھا۔

دریہ اپنے رونے دھونے میں اس کے احساسات نوٹ نہ کرسکی۔ پھر تلخی سے برس پڑی۔

ہونہہ۔۔۔ ایک سڈنی میں اور ایک پاکستان میں تاکہ بوریت نہ ہو۔

تم میری مضبوطی آزما چکی ہو۔ تمہارے طعنے تمہارے ہی خالی پن کا اظہار ہیں۔

دریہ جذبات کے تند ریلے سے گزر آؤ۔ میں تمہیں ساری حقیقتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے تمہیں اندھیرے میں رکھ کر کسی سے فلرٹ نہیں کیا۔ محبت کی پینگیں نہیں بڑھائیں۔ اگر میں ایسا کرنا چاہتا تو کون روک سکتا تھا مجھے

میں نے تو جسے قول دیا ہے اس پر استحقاق کی ایک نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ حقیقت کیا ہے تم سن لو تو بہتر ہے اس لیے کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ بلکہ اب تو تمہاری آزمائش ہے۔ اگر واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے تو کڑی دھوپ میں میرا ہاتھ

تھاموگی۔ سچے ہم سفر کا کردار ادا کروگی۔ تمہیں میرے سچ سن لینا چاہئیں۔ ادھر آؤ۔

سن رہی ہوں۔ وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی۔

ادھر آؤ۔ میں کہہ رہا ہوں ناں تمہیں۔ دریہ اس کے قریب آگئی۔

طارق نے پہلی بار پوری آمادگی کے ساتھ اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کی سمیٹا اور

انگلیوں کی پوروں سے اس کے رخسار صاف کیے۔

دریہ پھر کسی مرغزار میں اُترنے لگی۔ پھر ایک دم چونک گئی اور دل بھر بھر آیا۔ (کیسے پارہی ہوں تمہیں)

طارق نے آہستہ آہستہ فیروزہ سے اپنی پہلی ملاقات سے لے کر اب تک کی ایک ایک بات اسے بتانا شروع کی۔ وہ ہمہ تن گوش سن رہی تھی۔ طارق کا لہجہ سچائیوں کا غماز تھا۔ فیروزہ کے دکھوں سے البتہ آنچ دینے لگا تھا۔ گزرے دنوں کی ایک ایک تصویر دریہ کے حافظے میں اُبھر آئی۔

ایک روز تین بجے اس کا واپس آنا۔ پھر الگ تھلگ کالی ڈائری لے کر بیٹھنا، پھر تقریب میں فیروزہ سے دھیمے انداز میں گفتگو کرنا۔

ایک ایک منظر اس کے سامنے متحرک تھا۔

طارق کے خوبصورت لب متحرک تھے۔ چہرہ سنجیدہ۔ وہ اس کے بازوؤں میں تھی اور تقدیر کا تماشا ملاحظہ کررہی تھی۔

آپ مجھے زہر کھانے کو کہیے مگر یوں مجھے جیتے جی نہ ماریے۔ وہ اس کے سینے سے چہرہ لگا کر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تم تمہارے سارے دعوے جھوٹے ہیں دُریہ۔ تم نے میری محبت میں یہ سب نہیں کیا بلکہ اپنی انا کی تسکین کے لیے مجھے آلہ کار بنایا ہے۔ پھر میں یہی سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گا اور زیادہ آسانی سے اپنا کام کرسکوں گا۔

تمہاری محبت کے احساس نے تو مجھے اس درجہ محتاط ہو کر بات کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ وگرنہ فیصلہ تو بیرحمی سے بھی ہوسکتا ہے۔

فرق کیا پڑتا ہے۔ میٹھی چھری سے ذبح کیا جائے یا کڑوی سے۔ وہ دکھ سے طارق کے سینے پر اپنا مخروطی ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ آنسو رخساروں پر پھر بہہ نکلے تھے۔

طارق نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

تم ہزار ظالم سہی مگر مجھے تم پر گزرنے والی قیامت کا احساس ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میں اپنا آپ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ کسی کی عزت افزائی کر کے اپنے جینے اور خوش رہنے کا بہانہ چاہتا ہوں۔ خدا جانے محبت کیا ہوتی ہے۔ کس قدر بدبخت ہے وہ انسان جس کے پیچھے لوگ محبتیں لٹانے کو سرپٹ دوڑ رہے ہوں۔

کسی خود پسند کے لیے تو یہ امر باعث افتخار ہوسکتا ہے۔ مگر میرے لیے۔۔۔یوں۔۔۔زندگی سزا ہوگئی ہے۔

اپنی شناخت ڈھونڈتے ڈھونڈتے بے شناخت ہو کر رہ گیا ہوں۔ جو گرہ میں تھا اس سے بھی گیا۔

مجھ سے بیا بروئی کے دکھ برداشت نہیں ہوتے دُریہ۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔

اگر آپ اپنی محبت بیاہ کر لاتے تو کیا تب بھی آپ فیروزہ سے شادی کا وعدہ کرلیتے۔

ڈریہ نے بہت زبردست سوال کیا تھا۔

شاید پھر ماحول دوسرا ہوتا۔اور جو آگہی اور شعور مجھے ناپسندیدہ اور غیر موافق حالات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ہوسکتا ہے یہ حاصل نہ ہوتا۔تو خیالات اور مقاصد مختلف ہوتے۔

اس نے بے رحمانہ سچ کے ساتھ جواب دیا۔

حالات کی ضد نے ڈریہ کو بھی بہت گہرا اور باریک بین بنا دیا تھا۔وہ طارق کا مطلب سمجھ کی۔چپ ہو کر رہ گئی۔اگر میں اجازت نامے پر دستخط نہ کروں تو۔

تو بہت سے راستے ہیں۔ہوسکتا ہے تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جاؤ۔کیونکہ پھر قول کا سوال آجائے گا۔۔

دوسرے۔وہ رکا۔

تم تو عزت دار، نیک نام، اعلیٰ مرتبہ باپ کی بیٹی ہو۔مگر وہ بالکل خالی ہے۔ہر سمت سے۔

تو اس میں میرا کیا قصور۔وہ جھلا گئی۔

تو بتاؤ میرا کیا قصور تھا طارق نے تیزی سے سوال کیا۔

ڈریہ گویا پھر گھٹنوں کے بل گر پڑی۔

کیا یہ آپ کی دھمکی ہے۔درد سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔

نہیں۔مجبوری۔

وہ بے قرار ہو کر رو پڑی۔

طارق۔۔

ہاں، کرتی ہوں تو آپ میرے نہیں رہتے۔نا کرتی ہوں تو آپ میرے نہیں رہتے۔ایک محبت کی اتنی طویل سزا۔وہ زارو قطار رو رہی تھی۔اتنا رلایا ہے آپ نے کہ اب تو ہر وقت آنکھیں جلتی رہتی ہیں۔

اس کے لہجے میں اتنی سچائی اور بے بسی تھی کہ طارق کے لب جیسے سل گئے وگرنہ وہ کہنا چاہتا تھا۔کہ تم اپنی حماقتوں کے نتیجے میں رو رہی ہو۔میرے سر الزام نہ لگاؤ۔

اس نے خاموشی سے اس کے رخسار صاف کیے۔صرف ڈریہ کی سسکیاں کمرے کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں وگرنہ ایک سکوت سا چھا چکا تھا۔

اس نے خاموشی سے اس کے رخسار صاف کیے۔صرف ڈریہ کی سسکیاں کمرے کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں وگرنہ ایک سکوت سا چھا چکا تھا۔

تم میری ذمہ داری ہو۔میں تمہیں کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔تم یقین کرو جب میں ایک کے لیے دنیا سے ٹکرا سکتا ہوں تو تمہاری حق تلفی کیسے کر سکتا ہوں۔اسے اگر ایک رات تو تمہیں دو۔وہ کبھی تمہارا حق نہیں مانگے گی۔

اپنے دن رات آپ لے لیجیے۔مجھے تو صرف آپ کا دل چاہیے۔میں کیوں کر جیتوں آپ کو۔وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔

دریہ وہ مقام جو شاید تم قیامت تک میری نظر میں نہیں بنا سکتی تھیں قدرت نے تمہیں موقع دیا ہے۔ کہ۔۔۔ کہ مجھ پر احسان کرکے خرید لو۔ وہ کہہ رہا تھا۔

دریہ ہکا بکا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

یہ طارق ہے کیا واقعی یہ سچ کہہ رہا ہے۔ میری جان کے عوض یہ میرا مال ہو جائے گا

میرے قدموں کی استقامت بن گئیں تو میں تمہارا مقروض ہو جاؤں گا۔ تمہاری محبت کی انتہا ہی نے تو مجھے اس قابل کیا ہے کہ میں تمہیں رازدار کر رہا ہوں۔

وگرنہ میں تو یہ وطن ہی چھوڑ رہا ہوں۔ تم سے فاؤل کھیلنے کو کیا میرے سامنے راستے نہیں تھے۔

وہ میری محبت نہیں ہے۔ میری انا، میرے غرور، میری مردانگی کا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں کیوں کر سمجھاؤں۔

میں آپ کی محبت نہیں ہوں۔ وہ آپ کی محبت نہیں ہے۔ پھر کیوں خود کو کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں۔

میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ دریہ روتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد گویا ہوئی۔

آپ اسے کہیں رکھیں مگر کبھی بھول کر بھی اسے میرے سامنے نہ لائیے گا۔ وگرنہ ٹرائیگر دبے گا۔ یا تو وہ باقی رہے گی یا پھر میں۔ وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔ اور وہ جو گھر بن رہا ہے وہاں بھی وہ بھول کر بھی پاؤں نہیں رکھے گی۔ سن رہے ہیں

طارق نے جھک کر اس کے چہرے پر پھول کھلائے۔ پھر سرگوشی کے انداز میں گویا ہوا۔

مجھ پر اعتبار کرو۔ آج سے تمہارے مجھ پر دو قرضے ہیں۔ ایک محبت کا ایک قربانی کا۔

درحقیقت دریہ طارق کی آزمائشی کسوٹی پر کھری اتری تھی۔ اس لیے اس کے دکھ آج واقعی محسوس ہوئے تھے۔

وہ تو اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ وہ تو اس سے نفرت کرتے رہنا چاہتا تھا۔

مگر ماحول اس قدر بدل چکا تھا کہ وہ اصل حقیقت بھلا کر اس کے اشک پونچھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

ایک ہفتے کے اندر اندر اسے سڈنی روانہ ہونا تھا۔

کراچی میں ایک دن کا قیام کرنا تھا۔ بہت سے لوگوں سے الوداعی ملاقات کرنی تھی۔ دو تین گیتوں کی ریکارڈنگ بھی کرانا تھی اور سب سے ضروری کام فیروزہ سے تعلق باندھنا تھا۔

فرقان تو اس کا دائمی ہمراز تھا۔

اگرچہ اس نے دریہ کے لیے بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا تھا مگر وہ طارق کو قائل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جب کہ وہ جانتا تھا کہ وہ قطعی انداز کا مالک ہے۔

آج صبح جب وہ بچوں کو پیار کرکے گھر سے روانہ ہو رہا تھا تو دریہ نے اس کا ایک ایک انداز نوٹ کیا تھا مگر خاموش رہی تھی۔ طارق نے اتنے دنوں کی رفاقت میں کبھی اسے خدا حافظ نہیں کہا تھا۔ مگر آج وہ اسے شانوں سے تھام کر خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکلا تھا۔

دریہ کا جی چاہا کہ زنجیر بن کے اسکے پیروں سے لپٹ جائے۔ اسے روک لے۔ اس کے بڑھتے قدم اس کی تقسیم کے مرحلے تھے۔

آج شاید واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ گھبرانا نہیں۔ اس نے اس سے نظریں چرا کر کہا تھا۔ میں جب تک اسے معاشرے میں سرخرو نہیں کروں گا اس پر اپنا حق استعمال نہیں کروں گا۔ مبادا ہو یہ سوچ لے لوگ اسے ہیرے دے کر حاصل کرتے ہیں اور میں نے نکاح کے کاغذ استعمال کیے ہیں۔

ابھی شاید خاصا عرصہ ہے۔ اس کے حصے کی شب اسے دینے میں۔ تم اپنا ذہن پُرسکون رکھنا۔ اس نے دریہ کی طرف سے پشت موڑ کر کہا تھا۔ مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ بٹوارہ تو ہو چکا۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

طارق سہ پہر ہی کو پھر ہوٹل پہنچ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے تین چار دوست بھی فرقان کے ہمراہ آ گئے تھے۔

وہ آفس کی گاڑی میں آیا تھا۔

پانچ بجے کے قریب اس نے فیروزہ کو لینے کے لیے گاڑی بھیج دی تھی۔

بہت ہی عجیب سے احساسات ہو رہے تھے۔ ایک خوبصورت سادہ و ہموار زندگی گزارتے ہوئے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی یوں بھی ہو گی۔

دریہ کی خود غرضی نے اسے اپنا آپ منوانے کا جنون بخشا تھا۔

دوستوں نے طارق سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ چائے اور دیگر لوازمات سے بھی انصاف جاری تھا۔ قاضی کی آمد پر کمرے کی فضا میں سنجیدگی پھیل گئی تھی۔ بزرگی اور بیساختگی نے زنجیر پہن لی تھی۔

خاصے انتظار کے بعد فیروزہ نے کمرے میں قدم رکھا تھا بالکل انجان لوگوں کو سامنے دیکھ کر تھوڑا سا گھبرائی تھی۔ طارق سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس اپنی تمام تر دلکشی و وجاہت کے ہمراہ اس کے سامنے تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ طارق سے ملی تھی۔ جواب میں طارق نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے نظریں جھکا لی تھیں۔

السلام علیکم۔ اس نے بہت ہی آہستہ آواز میں سلام کیا تھا۔

سرخ ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور ایک بڑی سی کریم کلر کی چادر میں اس کا وجود چھپا ہوا تھا۔

طارق نے پہلی مرتبہ اسے دوسری نظر سے دیکھا تھا۔ چادر کا ہلکا سا گھونگھٹ اگرچہ اس نے کیا ہوا تھا مگر جتنا چہرہ نظر آ رہا تھا وہ نگاہ کو ساکت کر دینے کو بہت تھا۔

بھابھی۔۔۔ آپ ادھر آ جائیں۔ فرقان نے طارق کے پہلو سے اٹھ کر اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔

بھابھی۔ فیروزہ۔۔۔ جیسے کہکشاں پر چل نکلی تھی۔ واقعی۔ کسی نے اسے احترام سے

بھابھی کہا ہے۔ یا وہ خواب میں ہے۔ اس نے ہول کر خود سے پوچھا تھا۔

بھابھی، اوہ میرے خدا۔ اس نے فرقان کی سمت دیکھا۔ اسے وہ سارے انسانوں سے خوبصورت دکھائی دیا۔ اس کا احترام سے پُرانداز جیسے اس نے فیروزہ کو خرید لیا۔

اس کا جی چاہا فرقان کے پاؤں چھولے۔ اللہ تمہیں عزت کی معراج دے۔ اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

یہ سب تمہارے سبب ہے۔ ورنہ یہی تو وہ انسان ہیں جو مجھے دیکھ کر دام سوچا کرتے ہیں۔

اس کے خیال کی رو پلٹی۔ وہ آہستگی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

ٹھیک ہو۔ طارق نے خیریت دریافت کی۔

آپ نے ٹھیک کر دیا ہے۔ وہ اتنی آہستگی سے گویا ہوئی کہ بمشکل طارق ہی سُن سکا۔

مہر کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا سوچا فاروقی صاحب

قاضی صاحب نے پیشہ ورانہ انداز میں فارم کی خانہ پُری کرنے کے دوران پوچھا۔

جتنا لکھوانا چاہتی ہو لکھوا لو۔ چھوڑنا تو ہے نہیں جو دینے کا ڈر ہو۔ وہ مسکرایا۔

مرد کی عورت کے پہلو میں بیٹھتا ہے تو خود بھی نیا ہو جاتا ہے۔ جتنی عورتیں اس کی زندگی میں آ جائیں، وہ اتنے ہی روپ میں آ سکتا ہے۔ بڑی لچکدار مٹی سے بنایا ہے قدرت نے مرد کو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات تو وہ پہلی بیوی کی کی مٹی سُوکھنے کا انتظار بھی نہیں کرتا۔

مہر شرعی ہوگا۔ فیروزہ نے بڑی آہستگی سے جیسے طارق کے کان میں کہا تھا۔

سوچ لو۔ طارق نے زور دیا۔

پیسہ تو بہت ہے۔ بس۔۔ وہ معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

ٹھیک ہے۔ بسم اللہ کیجیے۔

تم دولہا ہو۔ چپ رہو۔ یہ جملہ میرے حصے کا تھا۔ فرقان نے ٹوکا۔

کمرے کی فضا میں کئی قہقہے بلند ہوئے۔

نکاح کے بعد۔ کھانے پینے کا سلسلہ ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ تمام دوست رخصت ہو گئے۔ سوائے فرقان کے۔ جب وہ اُٹھ کھڑا ہوا تو طارق نے اسے مخاطب کیا۔

ٹھہرو یار ساتھ ہی چلیں گے۔

فرقان اور فیروزہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔

تم نیچے ریستوران میں بیٹھو۔ آتا ہوں ابھی۔ پلیز۔

وہ نیچے چلا گیا۔

فیروزہ نے چادر اُتار کر صوفے پر ڈال دی اور تھکے تھکے انداز میں صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ طارق نے اس کے حسین چہرے پر نگاہیں جما دیں۔ مرد کو کسی حسین عورت پر اختیار مل جائے۔ اور وہ اسے استعمال نہ کرے۔ بہت ہی غیر فطری سی بات ہے۔ اس

کے دل میں پھر ایک لہر اٹھی تھی۔ مگر اس نے خود پر قابو پا کر کہا تھا۔

امید ہے کہ میں سرخرو ہوں۔ مگر ہم پہلی بار اکٹھے شب اسی وقت گزاریں گے جب میں مرحلہ وار معاشرے میں تمہیں اپنا خاندانی نام و مقام دے دوں گا۔

یہ مرحلے جادو کی چھڑی کے ذریعے طے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حقیقت بہت کٹھن اور تلخ ہوا کرتی ہے۔

نکاح کرنے میں اس لیے جلدی کی ہے کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ تمہارے اطمینان اور تحفظ کے لیے خیر میں تمہیں وہاں بلالوں گا۔ فکر نہ کرنا۔

اس لیے کہ ڈر یہ تنہا نہیں ہے مگر تم تنہا ہو۔

ایک اور بات فیروزہ۔

فیروزہ نے آنکھیں کھول کر اسی زاویے میں بیٹھے بیٹھے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

میری غیر موجودگی کے دوران اس بات کی احتیاط رکھنا کہ تمہارا دریہ سے سامنا نہ ہو۔ ممکن ہے وہ کچھ کر بیٹھے۔

تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔

جی۔۔ بہت اچھی طرح۔ وہ اسی طرح نیم دراز تھی۔

طارق۔۔

ہوں۔۔

جانے سے پہلے مجھے کچھ وقت نہیں دیں گے۔۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو گیا ہے۔ لگتا ہے آنکھ کھولوں گی تو یہ خواب یہ طلسم ٹوٹ جائے گا۔

طارق اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا تھا۔

ہولے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ تسلی دینے والے انداز میں مسکرایا۔

پھر جیسے ایک دم کچھ یاد آ گیا۔ قمیض کی بغلی جیب سے ایک چمکتی ہوئی انگوٹھی نکالی اور فیروزہ کا مومی ہاتھ تھام لیا۔ فیروزہ کا ہاتھ ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ طارق نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

ایسے نہیں آرام سے فیروزہ۔ یہ سب حقیقت ہے اسے فیس کرو۔ ساری دنیا کی عورتوں کی طرح تم بھی ہر طرح کا حق محفوظ رکھتی ہو۔ تمہیں کچھ کمی نہیں ہے۔ جو گناہ آلود لمحات سے ماحول سے بیزار رہتا ہے۔ ایسے ماحول مین بیقرار رہتا ہے۔ وہ بڑا اصول انسان ہوتا ہے۔ بہت بلند۔

اس نے فیروزہ کے انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

قبول کرو۔

فیروزہ تیزی سے اٹھی اور طارق کے گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میں آپ کے پاؤں کی جوتی سے زیادہ حقیر ہوں۔ کہاں پہنچا دیا ہے آپ نے مجھے۔

اوں۔۔ ہوں۔۔ یہ کیا حرکت ہے۔ بہت غلط بات ہے۔ ایسے نہیں کرتے۔ طارق نے

اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

تمام انسان ایک سے حقوق و فرائض رکھتے ہیں۔ سادول غاصب لوگ اگر طاقت کے بل پر معاشرے میں اپنے قوانین رائج کرلیں تو دوسری بات ہے۔ فطرت کے قوانین سب کے لیے ہیں۔ اور ایک سے ہیں۔

میں بہت معمولی سا انسان ہوں۔ مجھے اس طرح ذبح نہ کرو پلیز۔

اس نے اسے صوفے پر بٹھا دیا۔ سامنے ٹیبل پر ٹشوز کا پیک موجود تھا۔ طارق نے ایک ٹشو پیپر لے کر اس کے رخسار صاف کیے۔

فیروزہ جیسے ہواؤں میں پرواز کرنے لگی تھی۔

اچھا۔۔۔ میں چلوں۔۔۔ پھر اطمینان سے ملاقات ہوگی۔ فیروزہ اسی طرح سر جھکائے سسکیاں بھرتی۔۔۔ سُوں سُوں کرتی رہی۔

ارے۔ تم نے مجھے میری شادی پر مبارکباد تو دی نہیں۔ اس نے شرارت سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ فیروزہ نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہ میں جانے کیا تھا۔ اس نے فوراً پلکوں کی جھالر گرادی۔

عورت کو حیا بھی ٹوٹ کر صرف اسی مرد سے آتی ہے جس کے قرب کے لیے وہ دیوانی ہوا کرتی ہے۔

آج فیروزہ پر یہ انکشاف بھی ہو گیا تھا۔

اسے پتا چلا تھا کہ چاہنے اور چاہے جانے والے مرد کی نظر سے نظر ملانا بھی بعض لمحات میں معرکہ ہوتا ہے۔

اللہ حافظ تم تو آج یہیں ہو۔۔۔

ہوں۔۔۔ اماں آئی ہوئی ہیں۔ میں نے ان سے سوات کا بہانہ کیا ہے۔ اسی لیے صبح کو آپ کو فون کر دیا تھا۔ ریزرویشن کے لیے۔

اچھا خدا حافظ۔

وہ پیاسی نظروں سے دروازے میں کھڑی طارق کو پشت دیکھ رہی تھی۔

اگلے روز جب وہ گھر پہنچی تو یہ جان کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ستارہ ماں کو فیصلہ سنا چکی ہے اپنی شادی کا۔ امارات کا کوئی شیخ اسے ملکہ بنا کر لے جا رہا تھا۔ شدید تکلیف سے ہائے ہائے کرتی بڑھیا نے حسب سابق آسمان سر پر نہیں اٹھایا بلکہ بڑے سکون سے ستارہ کا فیصلہ سُنا۔

ستارہ شوٹنگ کے سلسلے میں نتھیا گلی ہوئی تھی۔ آج صبح ہی پہنچی تھی۔ فوراً اشاروں سے فیروزہ سے پوچھا تھا کہ بات کہاں تک پہنچی فیروزہ نے بیساختہ اسے گلے لگا لیا تھا۔

مسز فیروزہ طارق احمد سے ملو۔ وہ سرگوشی میں گویا ہوئی تھی۔

ارے نہیں۔ ستارہ نے حیرانی اور خوشی سے فیروزہ کو شانوں سے تھام کر بغور دیکھا۔

سچ۔۔ وہ مسکرا دی۔

واقعی۔ بہت بہت مبارک ہو۔

میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے۔ ورنہ میں تو شاید آج کسی سینی ٹوریم میں کھانس کھانس کر انہیں یاد کر رہی ہوتی۔

انہیں۔ ہوں۔۔۔ ستارہ نے شرارت سے آنکھیں نچائیں۔

چلو اچھا اتفاق ہے۔ میں اپنے گھر۔ تم اپنے گھر۔ وہ مخصوص انداز میں کھلکھلائی تھی۔

آیا تو کرو گی ملنے۔ فیروزہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

ارے اس کا اپنا پلین ہے۔ ایسے ہی آیا کروں گی جیسے لبرٹی یا ملتان روڈ جاتی ہوں۔ سچی خوشیوں کا عکس اس کے چہرے پر جھلملا رہے تھے۔

تم بھی موقع پا کر اماں کو بتا دو اب تو سب کچھ ہو ہی گیا ہے۔

ویسے روز یہ حیرانی کی بات نہیں کہ اماں چپ رہیں۔ کچھ بھی نہیں بولیں۔ شاید بیماری نے کچھ سمجھا دیا ہو۔ وہ جیسے خود ہی نتیجے پر پہنچ کر بولی۔

لیکن ہو سکتا ہے میں بھی یہاں نہ رہوں۔ وہ پرسوں سڈنی جا رہے ہیں۔ مجھے بھی وہیں بلا لیں گے۔ کہہ رہے تھے۔ فیروزہ اپنے ہی خیالوں میں تھی ابھی تک۔

وہ قول کا پکا اور سچا آدمی ہے۔ ضرور بلائے گا۔ بڑی لکی ہو۔ کہاں وہ برفانی شہر۔ کہاں امارات۔ دوسرا جیکب آباد۔

تم تو موسموں کو دھوکا دینے والی ساری آسائشات کی مالک ہو گی۔ تمہارا محل ہی سڈنی بنا دے گا۔ ایک اشارے پر تمہارا شیخ نعمان الحیان۔ وہ ہنس کر بولی۔ ستارہ بھی جیسے گنگنا کر مسکرائی تھی۔

ارے۔۔۔ یہ بھی سوچا کہ بچوں کا کیا ہو گا۔۔۔ فیروزہ نے اچانک یاد آیا۔

میرا حصہ بھی تمہیں پرورش کر لینا۔ سایہ بھی لے لینا اور پھل بھی۔ ستارہ تو بالکل لاپرواہ اور لاابالی ہو رہی تھی۔

مگر یہ راستے۔ ترک کر دینے کے بعد وہ ہمارے لیے کیا حیثیت رکھیں گے۔ اب تو ہمیں اپنی اولاد۔ وہ رک گئی۔

انشاء اللہ۔ ستارہ سرخوشی کی کیفیت میں اسے چھیڑنے لگی۔

مگر۔۔۔ ہمیں ان بچوں کے بارے میں سوچنا ہو گا۔۔۔ کہ۔۔۔

کہاں ٹھکانے لگائیں۔ ستارہ نے بات کاٹ کر لقمہ لگایا۔

اللہ نہ کرے۔ فیروزہ نے گھبرا کر روکا۔ ٹھکانے لگیں ان کے دشمن۔ میں تو ان بچوں سے اتنی محبت کرنے لگی ہوں کہ شاید خود سے بھی زیادہ۔

یہ تو اماں نے پھنسوا دیا۔ خوامخواہ۔ ستارہ نے منہ بنایا۔

ہم انہیں کتنا ہی سر پر رکھ کر ناچیں۔ پر وہ ہمارے کب ہوئے۔

اسی وقت بڑھیا نے آواز دی۔

ستارہ۔

دونوں بہت حیرانی کے عالم میں جب کمرے میں آئیں تو بڑھیا رو رہی تھی۔

کیا ہوا اماں۔ فیروزہ بیقرار ہو کر آگے بڑھی۔

بڑھیا دیر تک سسکتی رہی۔

بولتی کیوں نہیں اماں

میں تمہاری اماں نہیں ہوں۔ وہ کرب سے گویا ہوئی۔

دونوں یہی سمجھی تھیں کہ بڑھیا کو ان کے معاملات کی بھنک پڑ گئی ہے اور وہ اظہار ناراضگی کے طور پر ان سے لاتعلقی کا اعلان کر رہی ہے۔

کیا ہوا اماں۔ ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔ فیروزہ نے ہمت کر کے پوچھا۔

بیٹی۔ مجھے معاف کر دو۔ خود ہی سوچو مجھ جیسی بدشکل عورت تم جیسی پری چہرہ بچیوں کی ماں ہو سکتی ہے۔

کوسے لڑتی جھگڑتی یہاں لاہور پہنچی ہوں صرف یہی بتانے۔ بیٹی جب تک انسان کو زندہ رہنے کی امید رہتی ہے گناہ کے سلسلے نہیں روکتا۔

مگر جب موت سر پر آ کھڑی ہو تو پوری عمر فلم کی طرح نظر کے سامنے پھرنے لگتی ہے۔

میں اسی بازار میں پیدا ہوئی۔ مگر میں اس قابل نہیں تھی کہ راتوں کو اجالے کرتی۔ اس بازار میں پیدا ہونے والی لڑکی اگر بدصورت ہو تو کوڑھی سے زیادہ وہ بدنصیب ہوتی ہے۔

مجھے اس بازار میں راج کرنے والیوں کی جوتیاں سیدھی کرنا تھیں۔ ان کے بالوں میں پھول موتی پرونا تھے۔

شعور کا سن لگنے پر مجھ پر جیسے زندگی تنگ ہو گئی تھی۔ اپنی ہم عمروں کے ٹھاٹ باٹ۔ عیش و آرام دیکھ کر راتوں کو کلستی تھی دن کو تڑپتی تھی۔ میں اپنی بدنصیبی کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

یہی کمی مجھے یہاں تک لے آئی۔

تیری ماں کا تعلق فیروزہ۔ بڑھیا رک گئی۔

فیروزہ جو دم سادھے بڑھیا کا ایک ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

تیری ماں کا تعلق اگرچہ اس بازار ہی سے تھا۔ مگر وہ پاکستانی نہیں تھی ایرانی تھی۔ بہت حسین، پانی پیتی تو گلے سے جھلکتا تھا۔ محرم کے دنوں میں کالے کپڑے پہنتی تو چودھویں کے چاند کی طرح دمکتی تھی۔ سارا محرم ننگے پاؤں رہتی تھی۔ میلے تلوے بھی اس کا سنگھار بن جاتے تھے۔

بڑے بڑے لوگ اس سے شادی کا ارمان کرتے تھے۔

وہ ہمارے محلے میں جب آئی تو پچیس تیس برس کی تھی مگر بمشکل اٹھارہ بیس کی دکھائی پڑتی تھی۔ بہت الہڑ اور خوش مزاج تھی۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھی۔ مگر معصومیت اس کا اصل حسن تھا۔ اللہ معلوم کیا راز تھا۔

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ فیروزہ اور ستارہ نے خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کو

دیکھا۔

کتنے لوگ اس کی خاطر سولی چڑھنے پر تیار رہتے تھے مگر اس کا دل آیا تو کس پر۔ ایک غریب لڑکے پر۔

ساری سہیلیوں نے اس کو روکا تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے اس شخص نے اس پر جادو کر دیا تھا۔

اس نے کسی کی نہیں سنی۔ اس کا نام شہ پارہ تھا۔ مگر وہ کلبوں اور بڑے لوگوں میں بیگم آسرا کے نام سے مشہور تھی۔

تُو بالکل اپنی ماں پر گئی۔ گھریلو۔ گھر بنانے کی شوقین۔

تو کیا میری اور فیروزہ کی ماں ایک نہیں ستارہ جو بہت تحمل سے بیٹھی سُن رہی تھی، چپ نہ رہ سکی۔

نہیں۔ بڑھیا نے پھر دھماکہ کیا۔

تیری ماں کون تھی۔ تیرا باپ کون تھا۔ خدا گواہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔

ستارہ کا کلیجہ جیسے کسی نے نوچ لیا۔

پھر میں کون سے آسمان سے گری تھی۔ اس نے چڑ کر پوچھا۔ انکشافات کے اس ماحول میں ہر ایک کے تنفس کی رفتار بدل چکی تھی۔

تُو حیدر آباد کے ایک یتیم خانے میں پل رہی تھی۔ اتنی حسین تھی کہ مجھے اپنے عیش و آرام کا خیال آ گیا۔ جو خواب معلوم ہوا کرتے تھے۔ بڑی مشکلوں سے تجھے حاصل کیا تھا۔

کسی بھی بازاری عورت کو ایک لڑکی کافی نہیں ہوتی۔ یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا معلوم کیسی نکلے۔ اپنی دال روٹی کا خیال رکھنا تو سب کی مجبوری ہے۔

بڑھیا پھر رونے لگی۔ مجھے معاف کر دو تم دونوں۔ آہ۔ عیش ہو یا غربت۔ موت آخر کار ہے۔ آخری دم یہ سیاہ اعمال مرنے نہیں دیتے۔ آدھی شہ رگ کٹی رہ جاتی ہے جیسے۔

یہ میں کیا کر بیٹھی ہوں۔ اتنا بڑا گناہ۔ اور میں بیماریوں کی پوٹ کیسے مروں۔

بڑھیا منہ ڈھانپ کر رو رہی تھی۔

وہ دونوں جیسے خالی الذہن بیٹھی تھیں۔

تیری ماں نے کتنے بھروسے سے تجھے میرے حوالے کیا تھا۔

کتنی منت سے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ تجھے تیرے باپ تک پہنچا دوں۔

کیا میرا باپ وہی غریب آدمی تھا جس سے ماں نے شادی کی تھی

وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی اپنی خوش نصیبی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ اس کے لہو میں اندھیرے نہیں ہیں۔ بلکہ کروڑوں اربوں ہی میں سے ایک ہے۔ یعنی سرخرو انسانوں کی جماعت سے ہے۔ اس خوشی میں اسے بڑھیا کی زیادتی کا بھی دھیان نہیں آیا۔

ہاں۔ وہی غریب لڑکا۔ ساری دنیا سے لڑ کر جسے سر کا تاج بنایا تھا۔

بڑھیا نے وہی اقرار کیا جس کی گواہی اس کا دل یوں بھی دے رہا تھا۔

ایسے لگا۔ جیسے نورانی فرشتوں کے پروں نے اسے ہوا دی ہو۔

کیا سچ۔ وہ سرخروئی کے احساس سے پُور بڑھیا کا ظلم بھی بھلا بیٹھی۔

تیری ماں کی دولت نے تیرے باپ کو ساہوکاروں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ مگر اس نے دھوکہ دیا۔ بڑا ظلم کمایا ہے اس نے بھی۔۔ آہ۔۔۔ کیا کیا۔

بس نہ پوچھو۔

کی چابی لے لی۔ اور میرے سوٹ کیس میں ملیشیا کا تھیلا پڑا ہے اسے نکال کر لا۔ پھر بتاتی ہوں اس نے کیا کیا۔۔ آئے ہائے۔ وہ کراہی۔

آج پھر وہ لڑ جھگڑ کر نکلے تھے۔

وہی باپ بیٹے کا اختلاف۔

باپ کی خواہش تھی وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

اور ان کا اصرار وہ تیزی سے امارت کے زینے طے کریں۔ اس سلسلے میں وہ جائز و ناجائز راستے سے گزرنا چاہتے تھے امراء کے کالج میں داخل ہو کر علم کا شوق کم ہو گیا تھا اور دولت مند بننے کا زیادہ۔

عادتیں بھی امیر زادوں کی اختیار کر لی تھیں۔

کچھ حسن و وجاہت کی بناء پر مزاج میں خود پسندی کا دخل بھی بہت تھا۔

باپ کو بیٹے کا مستقبل غیر یقینی دکھائی دینے لگا تھا۔ اس سوچ نے باپ کو ہر دم سلگتی بھٹی بنا کر رکھ دیا تھا۔

ان کے والد ہر بار غصے کی انتہا پر یہی جملہ ان کی ماں سے کہتے تھے۔ اُسے کہو یہ رنگ ڈھنگ بدلے ورنہ اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے اس کے لیے۔ اس دن بھی بدمزہ ہو کر وہ کلب میں داخل ہوئے تھے۔

بڑے نامی گرامی لوگوں کو اس کلب کی ممبر شپ حاصل تھی۔ بگڑے نواب و نواب زادیاں، فلمی ستارے۔ ایک جنت ہوا کرتا تھا کلب۔ قہقہے۔ خوشیاں، خود فریبیاں۔

وہ اپنے کلاس فیلو عبید کے ہمراہ ایک ٹیبل پر بیٹھے کسی مسئلے پر بات چیت کر رہے تھے۔ کہ بجلی جسے ان کی ٹیبل پر آ گری تھی۔

ان کے کئی دوستوں کے ہمراہ وہ نیلے لانبے ملبوس میں کسی جل پری کے سانچے میں ڈھلی دکھائی دی تھی۔

ان سے ملو۔ ان کے دوست نے تعارف کرایا۔

بیگم آسرا۔

ٹوٹے دلوں کا آسرا۔ کسی نے جملہ چڑھایا تھا۔

ڈوبتے کو تنکے کا آسرا۔ دوسرے نے ٹکڑا لگایا۔

بیساختہ قہقہے برسے تھے۔

اور جناب یہ ہے ہمارا شہزادہ گلفام۔ احسان علی۔ ان کے ایک پکے رنگ کے احساس

کمتری سے چور دوست نے گویا بڑی بذلہ سنجی کا مظاہرہ کیا تھا اپنی دانست میں۔

گلیڈ ٹو میٹ یو۔ مسٹر احسان علی۔ فارسی لب و لہجے میں انگریزی خوب بجی تھی۔ گلابی لہر مارتے ہتھیلی ان کے سامنے تھی۔ اور وہ دم بخود۔

حُسن میں وارفتگی و بیساختگی بھی شامل ہو جائے۔

تو اچھے اچھوں کی عقل سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔

پھر کہاں وہ۔ نوخیز۔ بازیافت و تجسس کے راستے کے راہرو۔

چھلکتی بہکتی عمر۔

امتحان اُس وقت تک آسان سمجھے جاتے ہیں۔

جب تک امتحان سے خود نہ گزرا جائے۔

پھر ہاتھ خود آگے بڑھا تھا۔

سمندر کناروں سے شاذ ہی اُبلتے ہیں۔

جوار بھاٹے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

اس حُسن بے کنارے سے کیونکر گزرا جائے۔

وہ کہ شناور بھی نہیں تھے۔

بلکہ کچھ زیادہ ہی اناڑی تھے۔

ہاتھ بھی دے دیا تھا۔

اور دل بھی۔

جو یوں بھی بیٹھکا نہ سا تھا۔

کئی بار اُلجھنے گرنے سے بچا چکے تھے۔

کہ بعض دل والے پیدائشی لاپرواہ ہوتے ہیں۔

زیادہ دن دل کی رکھوالی نہیں کر پاتے۔

کبھی کرائے پر چڑھا دیتے ہیں کبھی کہیں اُجڑتا محافظت میں دے دیتے ہیں۔

شاید اُن کے دوستوں نے شرارت کی تھی۔

انہیں محسوس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کھسک گئے تھے۔

وہ کچھ گھبرا سے گئے تھے۔

یہ لیجیے۔ ایک سُرخ معطر رومال اُن کی سمت بڑھایا گیا۔

جی وہ سمجھے نہیں۔

ہا۔ ہاہا۔ جیسے چاندی کے سکے فرش پر گر پڑے تھے۔

پسینہ پونچھ لیجیے۔ اپنی پیشانی سے۔ آپ کی مردانگی پر حرف آ رہا ہے۔

وہ شرارت اور سرگوشی میں گویا ہوئی تھی

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہوں نے خود کو سنبھال کر بڑے پُراعتماد انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔

آج سے قبل انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ عورت پہلی ملاقات ہی میں فاعل اور غالب بھی ہو سکتی ہے۔

کتنے آئینے خانے نے ریت میں ملائے ہیں اب تک

اب ان کی مردانگی کا مسئلہ تھا۔ لہذا کچھ تو کہنا ہی تھا۔

چہ۔ خوب وہ انداز دلربائی اور حیرانی کو یکجا کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

تعداد گننا میری شان کے خلاف ہے مسٹر احسان علی اس نے کینڈل اسٹینڈ اپنے چہرے کے نزدیک کرتے ہوئے انہیں لاجواب کیا تھا۔

موم شمعوں کی روشنی سے اس کا چہرہ منور تھا یا اس کے چہرے کی لپٹوں سے موم شمعیں وہ مبہوت سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

آج اس کلب میں اس عورت نے انہیں صفحہ اول کی ہستی بنا دیا تھا۔ وہ مقام جو برسوں بعد شاید انہیں اس کلب میں ملتا۔ وہ لمحوں میں مل گیا تھا۔

سارے ممبران کی نگاہ بیگم آسرا پر اور بیگم آسرا بھی دعوت نگاہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیا شیشے سے بنی ہوئی عورت تھی، ہر حرکت بیآواز ہوتی تھی۔ جیسے تیرنے والے شے ہو۔ چلنے والی نہیں۔

ڈانسنگ فلور سب سے کامیاب مشاطہ ثابت ہوتا ہے۔

بعض چہرے شانوں سے اتر کر دل میں آجاتے ہیں۔

اس رات جو احسان علی اپنے گھر میں داخل ہوا۔

وہ اس گھر کا نہیں رہا تھا۔

شہ پارہ عرف آسرا بیگم نے احسان علی کو بتایا تھا۔

اُس نے ایک مصری سے شادی کی تھی۔ نسلاً شہزادہ تھا۔ مگر وہ اُسے اپنے خاندان کے سامنے ظاہر کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

اور یوں وہ گھٹ گھٹ کر چھپ چھپ رہ نہیں سکتی تھی۔

جب وہ کسی کی منکوحہ بن کر بھی سرخرو نہیں رہ سکتی تھی تو پرانی حالت ہی بہتر تھی جس میں پابندیاں اور خوف نہیں تھے۔

لہذا اس نے طلاق لے لی تھی۔

اُس کے ہمراہ وہ پہلی مرتبہ پاکستان میں داخل ہوئی تھی اور بیگم آسرا کے نام سے مشہور ہوئی تھی۔

اُس نے یہ بھی بتایا تھا۔ کہ اس کا قالینوں کا کاروبار بھی ہے۔ لندن اور مانچسٹر میں اس کے شوروم موجود ہیں احسان علی۔ جو دس روپے کے لیے گھر میں جرح کرتے تھے اُن کے تو حواس ہی گم ہو گئے تھے یہ سب سُن کر۔

وہ پہلی فرصت میں بیگم آسرا کو شریک حیات بنا لینا چاہتے تھے۔ مگر اس کی محبت اس کی شرائط کے ستونوں پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

اُس کی شرط یہ تھی کہ احسان علی اپنی روایات کے ہمراہ اُس سے شادی کریں ماں باپ رشتے داروں کے ہمراہ بارات لے کر آئیں۔

احسان علی کے لیے جان دینا تو آسان تھا مگر یہ شرط پوری کرنا ناممکن۔

مگر اسے گنوانا بھی حوصلوں سے بڑھ کر تھا۔

بمشکل اسے راضی کیا اس یقین دہانی کے بعد کہ اسے لے کر وہ۔۔۔۔۔۔ اپنے دو کمروں کے مختصر سے گھر ہی میں جائیں گے۔

حسن شاید حساس بہت تھا۔

عشق کی مجبوری جان گیا

شب تقریباً نو بجے وہ اُسے لے کر گھر میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی بہن عابدہ اور اُن کی ماں برآمدے میں عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ ان کا چھوٹا بھائی نعمان اپنی کتابوں میں مگن تھا اور اُن کے والد سونے کے لیے چھت پر جا چکے تھے۔

آہٹ پر اپنا کا بھائی ہی متوجہ ہوا تھا۔ نو عمر لڑکا شاید تاب نہ لا سکا۔ ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو سلام کرو اپنی بھابھی کو۔

عابدہ بیگم نے تو سلام پھیر لیا تھا۔

مگر شاید ماں نے نیت توڑ دی تھی۔

کس حوالے سے یہ لڑکی یہاں داخل ہوئی ہے آنہوں نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں سوال کیا تھا۔

یہ میرے ہمراہ ہیں۔ یہ حوالہ بہت ہے۔ ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح تلخ تھا۔ والدین سے اُن کی ناراضگی غالباً دائمی تھی۔

تمہاری اور خاص طور پر اس لڑکی کی ہمت کیسے ہوئی کہ میرے گھر کی دہلیز پار کرے۔

جاؤ نعمان اوپر سے اپنے باپ کو بلا لاؤ۔ انہیں بتاؤ کہ انتہا ہو گزری ہے۔

وہ ناراضگی سے ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

ان کے والد انعام علی شاید اتنی انتہا کی امید نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب نعمان نے انہیں بتایا تو مضبوط اعصاب کے مرد ہونے کے باوجود وہ جیسے نچڑ کر رہ گئے تھے۔ دل سوکھے پتے کی طرح کانپ گیا تھا۔

چند منٹ تک پلنگ کی پٹی پر ہاتھ مضبوطی سے جمائے جیسے وہ خواب لوٹنے کے عمل کا انتظار کر رہے تھے۔

ساتھ لایا ہے وہ چند لمحوں میں ضعیف ترین ہو گئے تھے۔ کمزور سی آواز اُبھری تھی۔

جی۔ نعمان کی آواز بھی ہوئی تھی۔

اُس سے کہہ دو۔ فوراً سے پیشتر یہ گھر چھوڑ دے۔ میں اُس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

ابا جی رات کا وقت ہے اور ساتھ میں۔ لڑکپن نزاکتوں سے کتنا بے نیاز ہوتا ہے۔ نعمان

علی گھبراہٹ میں بس اتنا ہی کہہ سکا۔

جو کام وہ کرتا ہے اور جو کام اس نے کیا ہے۔ رات ہی اس کی میت ہو سکتی ہے۔ مگر ٹھہرو۔

وہ اسے میری کمزوری نہ سمجھ لے۔ اور کل کو اس سے بڑا طوفان میرے دروازے پر نہ لے آئے۔ وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

نیچے آئے تو احسان علی اور شہ پارہ ہنوز دہلیز ہی پر کھڑے ہوئے تھے۔

السلام علیکم شہ پارہ نے ان کا پُر جلال چہرہ دیکھا تو تیزی سے سلام کیا۔

وعلیکم السلام۔

شادی کی ہے نافرمانیا۔

یہ میری منکوحہ ہے۔ احسان علی نے تیزی سے بات کاٹ دی تھی۔

بی بی وہ شہ پارہ کی آواز اُبھری۔

عابدہ دم بخود اس پری رُو کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی حسین بھابھی اس کے تصور سے بھی زیادہ۔

مگر وہ ایک دم چونک پڑی تھی۔ اس مرتبہ باپ کی آواز میں گرج تھی۔

جب سب کچھ پتا تھا تو اس دروازے پر آنے کی ہمت کیسے ہوئی

کیا ماں اور باپ دونوں ہی مٹی تلے ہیں ماں نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

خدا کرے ہوں۔ شہ پارہ نے دل میں کہہ کر احسان علی کا شانہ تھام لیا تھا۔

یہ تو ہمیں ایک قدم آگے بڑھنے بھی نہیں دے رہے۔ کیا ہو گا۔

میں تو تمہیں پہلے ہی اچھی طرح بتا چکا تھا۔

تمہیں بہت شوق ہو رہا تھا۔ فیملی ممبر بن کر رہنے کا۔ اسی لیے لے آیا تھا کہ تم خود دیکھ لو۔

کس قدر کنزرویٹو ہے ہمارا گھرانہ۔

چلو۔

ٹھہریے میں ان سے کچھ بات تو کر لوں۔

بس بس لڑکی کوئی ضرورت نہیں ہم سے بات کرنے کی۔ اللہ جانے کہاں پڑی مل جاتی ہیں۔

ایسے نہیں کہتے اماں جی۔ عابدہ نے خجل ہو کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

ایسے بھی کہتے ہیں اور ویسے بھی کہتے ہیں اس قسم کی عورتوں کو۔ تم خاموش رہو۔ وہ تو جیسے الاؤ میں کھڑی تھیں۔

انجام کار جب انہوں نے یہاں رُکنا ہی نہیں تو کیوں زبان آلود کرتی ہو۔ ان سے کہہ دو بلکہ احسان سے کہہ دو اس کا ہمارا رشتہ ختم۔ ہمیں نہیں معلوم یہ کون ہے۔

انعام علی پلٹ گئے۔

آپ میری بات سُن لیجیے ابا جان۔ یقین کریں میرے پاس بہت دولت ہے۔ مجھے صرف اصلی سہارے چاہئیں۔ اچھے اور اصلی لوگوں کے سہارے۔ ایسے سچے لوگ جو روح و قلب پر حکمرانی کریں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

دیکھو بی بی بات یہ ہے اگر تم رئیس زادی چھوڑ کسی ریاست کی ملکہ بھی ہو تو بھی ہمارا جواب وہی ہے جو پہلے تھا۔

خدا کے لیے احسان علی اسے لے کر نکل جاؤ۔ اس سے قبل کوئی سراغ پائے۔

وہ واپس زینے کی سمت بڑھ گئے تھے۔

احسان علی کب یہاں رہنا چاہتے تھے۔ وہ تو محض شہ پارہ کی وجہ سے یہاں آئے بھی تھے۔

ورنہ ان کی کدورت دل تہہ پر نہیں تہوں پر مشتمل تھی۔ ان کے نزدیک ان کے باپ کا سب سے بڑا جرم تو غریبی تھا۔

آخر ان کے باپ نے ان راستوں کا انتخاب کیوں نہیں کیا تھا کہ جس کے باعث وہ آسودہ اور معزز شہری ہو سکتے تھے۔

وہ تو یہی خطا معاف کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ تو پتر تولتے تھے کہ کیونکر یہاں سے نکلیں۔

جب ماں نے بات چیت کے تمام دروازے بند کرنے کا اعلان کر دیا تو شہ پارہ نے بے بسی سے ان کی صورت دیکھی اور جیسے ہتھیار ڈال دیے اور واپسی کے لیے مڑ گئی تھی۔

نعمان علی اور عابدہ چاہنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے تھے۔

احسان علی اس گھر میں آباد ہو گئے جو شہ پارہ کی رقم سے انہوں نے حال ہی میں خریدا تھا۔

وہ اپنے خوابوں کی تکمیل پر بے حد مسرور تھے۔

اپنا الگ کاروبار شروع کر دیا تھا۔

نعمان علی سے ان کا البتہ رابطہ تھا اسی کے ذریعے وہ خاندانی معاملات سے باخبر تھے۔

ایک روز نعمان علی کے ذریعے انہیں خبر ملی کہ ان کے والد پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور وہ موت کے ۔۔۔ منہ سے واپس آئے ہیں۔

ایک ہلکا سا احساس ندامت ان کے دل پر منڈلایا تھا کہ شاید وہی اپنے والد کو یہاں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوں۔

انہوں نے یوں کیا کہ نعمان علی کو اپنے پاس ہی ملازم رکھ لیا اور اس میں بڑی رازداری برتی تھی۔

اس طرح سے انہوں نے اپنے گھرانے سے تعاون کا راستہ نکالا تھا۔

کچھ دن گزرے تو انہیں والدہ کی بھی علالت کی خبر مل گئی بقول نعمان علی کہ والدہ نے ان کے فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لی تھیں اور عابدہ بھی اس گھر کا ایک مسئلہ تھیں۔

جانے کون گھڑی تھی کہ احسان علی کے دل میں گداز پیدا ہوا اور سوچ نے پلٹا کھایا وہ بے اختیار گھر چلے آئے۔ اپنے والدین کے بے بسی کی حالت میں دیکھ کر جیسے ان کا دل پگھل کر رہ گیا تھا۔ پھر بہن کے اشک بھی انہیں کچھ کرنے کو کہہ رہے تھے۔

تب انہیں یہ ڈرامہ کرنا پڑا کہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہیں اور فی

الفور اس متنازعہ لڑکی چھوڑ رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا اس ذرامے کے ذریعے وہ کم از کم اپنی بہن کو اپنے معیار کے مطابق گھر میں بیاہنے کا فرض تو ادا کرلیں گے۔

والد کے بیمار ہونے کے سبب اُن کی ملازمت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا اور سرکاری کوارٹر بھی خالی کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس یقین دہانے کے بعد کہ وہ اس لڑکی کو چھوڑ رہے ہیں۔ ان کے والدین ان کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ نئے گھر میں آنے کے بعد وہ شہ پارہ سے عارضی طور پر دور ہو گئے تھے اپنی بہن کے نام پر انہوں نے قربانی چاہی تھی۔ جو کچھ پس و پیش کے بعد اس نے بالآخر دے دی تھی۔

والد علاج کے عمل سے بتدریج روبصحت ہو رہے تھے والدہ ہنوز بیمار تھیں اور بیٹی کی شادی کے لیے فکر مند تھیں۔

اس معاملے میں بھی احسان علی کی ایک نہیں سُنی گئی اور ان کے والد نے اپنے ایک وفادار دوست سے دوستی کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے بیٹی کا رشتہ دے دیا۔ احسان علی بہت جز بز ہوئے۔ اب وہ اپر کلاس کا حصہ تھے اور اپنی موجودہ حیثیت کے مطابق بہن کو اونچے گھرانے میں بیاہنے کے متمنی تھے۔

محض اسی وجہ سے تو وہ شہ پارہ سے علیحدگی کا ناٹک کر رہے تھے۔

عابدہ کا رشتہ ایک متوسط گھرانے میں طے دیکھ کر انہیں اپنی ساری محنت ہی اکارت جاتی لگ رہی تھی۔

انہوں نے پھر چٹان بننا چاہا مگر والد کی یہ دھمکی کہ اگر ان کی بات خراب کی گئی تو وہ یہ گھر چھوڑ دیں گے خواہ انہیں فٹ پاتھ پر رہنا پڑے تو احسان علی کو اس محاذ پر بھی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ پھر یہ سوچ کر خود تسلی دی کہ وہ اپنے بہنوئی فائق احمد فاروقی کو اپنے ساتھ شریک کار بنا کر اپنے معیار کے قریب لے آئیں گے، اگرچہ یہ ایک طویل راستہ تھا مگر یہی راستہ تھا۔ بادل نخواستہ انہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔

مگر عابدہ کی شادی کے بعد انہیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے بہنوئی حد درجہ خوددار اور غیرت مند ثابت ہوئے، انہوں نے احسان علی کی ہر قسم کی اعانت قبول کرنے سے معذرت کرلی تھی۔

احسان علی متضاد حالات کا شکار تھے۔ شہ پارہ کو تسلی دیتے تھے کہ حالات مناسب اور موافق ہوتے ہی وہ اسے خاندان کے سامنے لے آئیں گے۔ اور وہ صبر کے پُر پیچ راستوں سے بہت استقلال سے گزر رہی تھی۔

عابدہ شادی کے بعد کراچی چلی گئی۔ اور نعمان علی کو انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھجوا دیا۔

نعمان علی بھائی کا رازدار تھا اور شہ پارہ کے لیے کے لیے باعث تقویت تھا اس کے جانے کے بعد شہ پارہ کو بہت خلاء کا احساس ہوا تھا۔

احسان علی چاروں طرف سے گھرے ہوئے راہ فرار سوچا کرتے تھے۔ معاً اُن کی زندگی

میں پھر تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے۔

ان کے مقابل گھر میں ایک امریکن شہریت کا حامل خاندان آ کر آباد ہوا تھا۔ بے حد دولت منداور ایڈوانس۔

اماں جان کے ذریعے ہی انہیں معلوم ہوا تھا کہ ہمسائے اپنی جوان لڑکیوں کی وجہ سے پاکستان آئے ہیں۔ تاکہ ان کی اچھے گھرانوں میں شادیاں کر سکیں۔

خدا معلوم احسان علی کو اُن لوگوں نے کس وقت، کس زاویے سے دیکھا تھا۔ ہاتھ دھو کر جیسے پیچھے پڑ گئے تھے۔ طرزِ ملاقات بدل بدل کر سامنے آئے تو احسان علی کو نوٹس لینا پڑا۔

وہ یوں بھی مادہ پرست تھے۔ اُمرا، روسا اُن کا نوٹس لیں اپن کے لیے پارٹ بیلیں یہ خیال ہی ان کے لیے باعث مسرت تھا۔

پھر جو آرجار ہوئی تو احسان علی تقریباً پھنس ہی گئے۔ یہ بات اُن کے لیے مزید باعث کشش تھی کہ ان کی ہر لڑکی لاکھوں کی جائیداد کی مالک تھی۔

اس پر مستزاد کہ ان کے والدین کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

شہ پارہ بزنس کے سلسلے میں لندن چلی گئی تھی۔ ان فاصلوں نے نئی کہانی میں مزید رنگ بھرے وہ خود وہاں جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔ علیل والدین کو تنہا چھوڑنا بھی مسئلہ تھا۔ اُنہیں نعمان علی کا انتظار تھا۔ اوراُن کی ماں کو اُن کی شادی کا۔

شہ پارہ آنکھ سے تو دور تھی دل سے تو دور نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی ہمسائیوں کا جادو اگر دن میں چلتا تھا تو رات میں ٹوٹ جاتا تھا۔

نعمان علی کے آتے ہی اُنہوں نے بوریا بستر سمیٹا اور لندن سدھارے۔ جہاں شہ پارہ نوشتہ تقدیر پر نظر جمائے آس نراس کے امتحانوں سے گزر رہی تھی۔

وہائٹ فر کے کوٹ میں ملبوس سرخ ہیٹ اور سُرخ پرس کے ساتھ وہ ہیتھرو ائیر پورٹ پر بڑی بیقراری سے ان کی منتظر تھی۔

اس کی تڑپ دیکھ کر احسان علی کو گزرے ہوئے ایک ایک دن پر ندامت سی محسوس ہوئی تھی اس کا سفید دستانے میں مقید ہاتھ تھامتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔

بس یہی میری خوشی ہے۔ اب میں اُس فریب میں نہیں آؤں گا۔

مگر ان کی طبیعت کے حساب سے یہ خیالات عارضی ہی ثابت ہوئے۔

پھر محبت کا تعلق تو روح سے ہوتا ہے۔

جو شادی، جو تعلق مادیت کی سرزمین پر تعمیر ہوتا ہے۔ آنے حالات کی مخالفت کا معمولی سا طوفان لمحوں میں نیست و نابود کر دیتا ہے۔

اُس سے تعلق باندھ کر وہ بہت سی حقیقی خوشیوں سے دور تھے۔ اس طرح چھپ چھپ کر اس سے نباہ کر رہے تھے کہ قید بامشقت کا احساس طاری رہنے لگا تھا۔

پانچ برس کے طویل عرصے میں وہ محض کچھ عرصہ ہی اس کے ساتھ رہے تھے۔ ہر ملاقات شہ پارہ کے آنسوؤں سے شروع ہوتی تھی۔

اور ان کی پُر فریب تسلیوں پر ختم ہوتی تھی۔

جبکہ دوسری طرف ہمسایوں کی پُر حشمت زندگی تھی۔

ان کی لڑکی کی اعلیٰ تعلیم اور خوبصورتی تھی۔

ماں باپ، رشتے دار، اقارب، اس رشتے کے متمنی تھے۔ جس کے باعث ایک آزاد، بے فکر، پر تعیش زندگی اُن کے قدموں میں بکھرنے کو تیار تھی۔

ہمیشہ کے لیے اعلیٰ طبقے کا حصہ بننے کے اور معزز ہونے کے راستے تھے۔

شبہ پارہ کچھ دنوں کے لیے ایران گئی تو خاصے طویل عرصے بعد وطن لوٹے۔

یہ دیکھ کر انہیں حیرت وخوشی ہوئی کہ ہمسایوں کی خوش اطوار و طرح دار بیٹی ان کی منتظر تھی۔

پھر وہ ہو گیا جو ہونا ہی تھی۔

بکنے والی عورت خواہ کس قدر حسین ہو، نمک سے بنا مکان ہوتی ہے، جسے کبھی بھی بیرحمی سے بہایا جا سکتا ہے۔

نور جہاں اگرچہ شبہ پارہ جتنی حسین نہیں تھی مگر اعلیٰ خاندانی پس منظر اُسے شبہ پارہ سے بہت اونچا کر رہا تھا۔

اُنہوں نے طلاق کے کاغذات ایران ہی بھجوا دیے تھے۔ مع حق مہر۔ اور معذرتی خط میں اپنی بے بس کر دینے والی مجبوریوں کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھا تھا کہ اُس نے ان کا کیریئر بنانے میں جو دولت خرچ کی ہے وہ تھوڑی کر کے اُسے واپس لوٹا دیں گے پہلی قسط کے طور پر پانچ لاکھ کا ڈرافٹ انہوں نے طلاق نامے کے ہمراہ بھیج دیا تھا۔ اور اس سے درخواست کی تھی ماضی کے تعلقات کا پاس کرتے ہوئے وہ اُن کی نئی شروع ہونے والی زندگی میں تلخی گھولنے سے پرہیز کرے۔

جب نور جہاں اُن کی زندگی میں داخل ہوئی تو عابدہ کی گود میں چار پانچ ماہ کا طارق تھا۔

وہ اپنے گھر میں بہت مطمئن تھی۔

اور والدین کی مرضی سے بھائی کی شادی پر بہت خوش اگرچہ ان کے شوہر فائق احمد اور احسان علی کے مابین نا قابل عبور فاصلے در آئے تھے۔ کہ احسان علی نے فائق احمد کی عزت نفس مجروح کیا تھا اور بہت جلدی کا کی تھا۔ وہ اپنی خودار طبیعت کے بموجب اُن سے فاصلے پر جا کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ احسان علی کو اپنے متوسط رشتے داروں کا ساتھ ہتک محسوس ہوتا ہے۔

فیروزہ دم بخود بڑھیا کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

اُس کے ہاتھ میں احسان علی کی طرف سے بھیجا ہوا طلاق نامہ اور آخری خط تھا۔ کچھ تصاویر تھیں۔ جو وہ بار بار دیکھ رہی تھی۔

وہ جو قتالہ عالم مشہور تھی ماں کے مقابلے میں تو اس کا حُسن کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ تجھے گود میں لے کر پاکستان آئی تھی۔ مگر احسان علی اپنی بیوی کے ساتھ پاکستان سے

باہر تھا۔

تب وہ اپنے ملازم خواجہ اور مجھے قابل اعتبار سمجھ کر تیری ذمہ داری سونپ گئی تھی کہ میں تجھے احسان علی کو پہنچا دوں۔

اللہ بہتر جانتا ہے پہلے میری نیت میں کھوٹ نہیں تھا۔ مگر جب شہ پارہ کے مرنے کی خبر آئی اور احسان علی سے ملاقات نہ ہو پائی تو میں نے یہ پاپ کیا۔

اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گی فیروزہ تو میری جان نہیں نکلے گی۔ عزت داروں کے خاندان کی لڑکی بازار میں سجا کر میں نے ظلم ہی کمایا ہے۔

بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

فیروزہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کے گلابی رخساروں پر آنسو لڑھک آئے۔

ظلم تو تم نے اتنا کمایا ہے اماں کہ ہزار قیامتیں بھی تمہیں کم ہیں۔ یہ تو بتاؤ میری بدنصیب ماں کیسے مری تھی کچھ پتا تو ہوگا تمہیں۔

خودکشی کی تھی کیا

نہیں۔ اُسے حلق کا سرطان ہو گیا تھا۔

بہت قسمت والے ہیں مسٹر احسان۔ اگر شہ پارہ خودکشی کرتی تو یہ موت احسان علی کے سر ہی جاتی۔ اصل قاتل تو وہی ٹھہرتے۔ ستارہ نے انتہائی سکوت کے بعد حصہ لیا۔

فیروزہ نے احسان علی کا خط دوبارہ پڑھا۔

اماں یہ احسان علی کہاں رہتے ہوں گے۔ کچھ پتا تو ہوگا تمہیں اس نے سوچتی ہوئی نظر سے بڑھیا کو دیکھا۔

اُس کا کیا قصور جوتا اٹھا کر میری صورت پر برسا فیروزہ۔ میرے منہ پر تھوک دے کچھ تو سکون ملے گا مجھے۔ وہ خاموش ہو گئی۔ پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

تو جانتی ہے احسان علی کو وہ اس شہر کا مشہور آدمی ہے۔ کون نہیں جانتا اسے۔

احسان علی۔۔۔وہ۔۔۔۔۔وہ۔ قالینوں والے۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

اے خدا اتنے انکشافات۔ اتنے سانحات کے بعد بھی موت کیوں نہیں آتی۔

اُس نے سر تھام لیا۔ اُس کی نظروں کے سامنے ہفت آسمان گھوم رہے تھے۔

روز کیا۔ ہوا۔ ستارہ گھبرا گئی۔ بڑھیا بھی اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

پانی دینا ستارہ۔ پلیز۔

ستارہ خود ریت کی طرح بکھری ہوئی تھی، بمشکل اُٹھ کر پانی لائی۔ فیروزہ نے گلاس تھام کر اُس کا چہرہ دیکھا۔

اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ کچھ عرصے کے فرق سے وہ اس کی کچھ بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے ستارہ کو شانے سے لگا لیا۔

ہم کتنے پُرفریب زمانوں سے گزر کر آئے ہیں۔ انہیں عمر عزیز میں شامل کیا جائے یا نہیں اُس کی آواز میں آنسو غالب آ گئے۔

تم مجھ سے تو لاکھ درجہ خوش نصیب ہو فیروزہ کم از کم اپنے ماں باپ کے ناموں سے تو واقف ہو۔اس نے ہونٹ کاٹ کر اشک روکے۔

جس ماحول کی کمائی سے ہمارا گوشت پوست پلا ہے وہاں سے بہت حسین وجود فریب کے جہاں میں رہ رہے ہیں۔فیروزہ نے کہا۔

روز۔خدا کے لیے۔پہلی فرصت میں گڑیا کو اس کی ماں تک پہنچا دو۔کہ اس ظلم کی معافی نہیں ہے۔

میرا دل چاہ رہا ہے۔میں کچھ کر گزروں۔اس نے نفرت سے بڑھیا کو دیکھا۔اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

ستارہ کہاں جا رہی ہو ٹھہر و تو۔

فیروزہ۔تمام چیزیں سمیٹ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

مگر ستارہ باہر نکل چکی تھی۔

حالات ضد پر اُترے ہوئے ہوں اور پھر اپنی صلاحیتوں کا اظہار بھی کرنا ہو۔اتنا آسان نہیں ہوتا انسان کے لیے۔یہ سب۔

وہ پاکستان میں جو میراث چھوڑ کر آیا تھا وہ اسے زنگ آلود بنانے کو کافی تھی۔مگر اس نے جوانمردی سے سب کچھ جھیلنے کا عزم کر لیا تھا۔خود کو بیتحاشا کام میں اُلجھا لیا تھا۔

فون وغیرہ وہ کرتا رہتا تھا مگر یہ بات اس کے لیے کوفت کا باعث بن رہی تھی کہ ذریہ اسے فون پر نہیں ملتی تھی۔

جتنی مرتبہ رنگ کیا پتا چلا نہیں ہے۔بچے اتنے چھوٹے تھے کہ فون پر ان سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔

اُس کے سڈنی روانہ ہونے کے فوراً بعد ہی ذریہ اپنے میکے گارڈن ٹاؤن چلی آئی تھی۔ حالانکہ اُس نے زور دے کر کہا تھا کہ وہ کراچی میں رہے ساس سُسر کے ساتھ۔مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

یہ پہلا قطعی انداز و انکار تھا شادی کے بعد وگرنہ وہ تو اس کی نہ ماننے والی باتیں بھی مان لیتی تھی۔

میرا گھونٹا مضبوط ہے طارق میں یہاں رہوں یا وہاں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس نے سرد انداز میں جواب دیا تھا۔

ادھر فیروزہ کی طرف بھی کوئی فون نہیں اُٹھاتا تھا۔عجب کشمکش و پیچ میں تھا کہ پاکستان سے نور جہاں ممانی نے اُسے فون پر ثوبیہ کی شادی میں شرکت کی دعوت دی۔اور کہا کہ اُسے ضرور ضرور شریک ہونا ہے۔

وہ خاصے دباؤ کا شکار تھا۔ملازمت نئی تھی لمبی چھٹی نہیں مل سکتی تھی ہفتے عشرے میں بھی وہ اپنے مسائل کا حل وہاں جا کر ڈھونڈ سکتا تھا۔لہٰذا شادی سے تین دن قبل وہ رات کے آخری پہر گارڈن ٹاؤن میں موجود تھا۔

شادی کا گھر تھا رونق اپنے عروج پر تھی۔ کراچی سے ابا جان کے علاوہ تمام گھر والے آ چکے تھے۔

فاروق اور فوزیہ اسے لینے اسلام آباد پہنچے تھے۔

ذریہ کیوں نہیں آئی فوراً ذہن میں یہ سوال اُبھرا تھا۔

اُس نے بڑی بیتابی سے پوچھا تھا۔

ذریہ کہاں ہے ٹھیک ہے

ٹھیک کیوں نہیں ہوگی جب آپ جیسے ٹھیک کرنے والے موجود ہوں گے۔ فاروق نے ٹکڑا لگایا تھا۔

دُبئی گئی ہوئی ہیں۔ آپ کی گھر والی۔ فوزیہ نے مُسکرا کر اطلاع دی تھی۔

دُبئی۔ وہ خاصا حیران ہوا تھا۔

جی ہاں ثوبیہ کے جہز کے لیے ڈیکوریشن پیسز خریدنے۔ باقی خریداری تو ممی کر چکی تھی۔ پھر ایپا کو اپنی بھی تیاری کرنا تھی۔ شادی سے پہلے تو وہ اپنی گرمیوں کی شاپنگ بنکاک یا دُبئی میں کرتی تھیں اور سردیوں کی شاپنگ لندن میں بہت دنوں بعد گئی ہیں۔ فوزیہ نے عام سے انداز میں بتایا۔

پھر چونک کر بولی

آپ کو نہیں پتا فون پر تو بات ہوئی ہوگی

ہاں شاید۔ بتایا ہو۔ مصروفیت میں مجھے دھیان نہ رہا ہو۔

بچے کہاں ہیں۔ اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

سعد کو لے کر گئی ہیں اور سعدیہ یہیں ہمارے پاس ہے۔ فوزیہ نے بتایا۔

ایسے بیخبرے شوہر دنیا کی کس مارکیٹ میں ملتے ہیں فوزیہ فاروق نے چوری سے طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کراچی کے ایک مکان نمبر تین سو اکیس میں۔ طارق نے اس کی بات کا جواب مُسکرا کر خود ہی دے دیا تھا۔

اب اتنا بھی بیخبر نہیں ہوں۔ اماں جان اپنے مستقبل کے عزائم مجھ پر آشکارا کر چکی ہیں۔ اس نے فوزیہ کی طرف دیکھتے ہوئے فاروق کو چھیڑا۔

مگر میں آپ through (ذریعے) یہ بات اُن تک کہلوا دینا چاہتا ہوں۔ میں انسان رہ کر اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ گھوڑوں کے لیے گھوڑوں کی موجودہ نسل ہی کافی ہے۔ فاروق نے فوزیہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بڑے ناراض سے انداز میں جواب دیا۔

مجھے گدھے بھی ناپسند نہیں ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ جانوروں سے ہمدردی تو انسانیت کی نشانی ہے۔ کیوں طارق بھائی فوزیہ نے قہقہہ لگا کر حساب برابر کیا تھا۔

راستے بھر تو اُن کی دلچسپ نوک جھونک میں وقت گزر گیا تھا مگر گھر آ کر اُسے انسانوں کے ہجوم میں بے حد تنہائی

کا احساس ہوا تھا۔

اسے شدت کی ذریہ کی طلب ہوئی تھی۔

چاہنے والے۔انسانوں کی بیساکھیاں بھی بن جایا کرتے ہیں۔

اس کا جی چاہا وہ تیزی سے اپنے بیڈروم میں داخل ہو۔اور وہاں ایک طرحدار سی لڑکی خوش لباسی اور جامعہ زیبی کا مظہر اس کی طرف دیوانوں کی طرح دیکھیے۔اس کا سواگت کرے۔

اس کا بریف کیس ایک طرف رکھے۔جھٹ خشک تولیہ لے کر باتھ روم کی طرف دوڑے۔

اس کی ٹائی، ریسٹ واچ، بیپر وائی سے پھینکا ہوا اخبار ایک ایک چیز پیار سے سنبھال کر رکھے۔

بات کرے تو اس کا چہرہ دیکھے۔آواز پست کرلے۔اس سے بہت ساری باتیں کہنے کے لیے۔بار بار کمرے میں معنی خیز انداز میں چکر لگائے۔

سب ہی لوگ۔اپنے لوگ تھے۔اسے تعجب ہوا۔جس ہستی کو وہ دن بھر یاد بھی نہیں کرتا اس کی کمی ان در و دیوار کے بیچ اتنی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے مسائل کا نکتہ آغاز۔

اُس کے بہت سارے بنجر سالوں کی بنیاد۔

اُس کے شعور کی رو کو نیا موڑ دینے والی۔

زندگی کی ترتیب میں مداخلت کا حرف آغاز۔

ثوبیہ۔

پیلے کپڑوں میں ملبوس اپنی سادہ اور بیساختہ مسکراہٹ کے ہمراہ اُس کے سامنے تھی۔

مگر اُس کا ذہن ذریہ میں اٹکا ہوا تھا۔

یہ کتنی واضح حقیقت تھی۔وہ حیران پریشان کھڑا سوچ رہا تھا۔

سعدیہ کو دیکھ کر ایک عجیب طمانیت اور آسودگی کا احساس اُبھرا تھا۔بیٹی کو گود میں اُٹھائے جب وہ کسی مہمان سے باتوں میں مصروف تھا۔تو فاروق نے شور مچا دیا تھا۔

واہ چھوٹے بھائی۔واہ۔بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔جب کل چھوٹی بھابھی آجائیں گی۔تو ان کا پرس اور بچوں کے کپڑوں کی باسکٹ بھی آپ کے ہاتھ میں دیکھی جائے گی۔

یار حسیب ایک تصویر نہ بنالی جائے۔کسی فلمی اخبار کے لیے۔تاکہ فلمی پریوں کو حقیقت بتا کر ثواب دارین حاصل کیا جائے۔

چھوڑ دیں فاروق بھائی کیوں چھوٹے بھائی کی مارکیٹ ویلیو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

حسیب نے اظہار ہمدردی کیا تھا غالبا

اے ہاں۔اور کیا۔جو تنکے پر ہاتھ دھرنے نہیں دیتے تھے آج کیسی نکیل پڑی ہوئی ہے۔

طارق کی تائی اماں بھی شریک ہوئیں۔
طارق بمشکل مسکرایا تھا۔
اس کا ذہن مسلسل دُریہ کے طرزِ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اتنے دنوں میں فون پر اس کا نہ ملنا۔ پھر وہی چلے جانا وہ بھی بغیر اطلاع دیے۔
اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔
اُلجھن بھی ہو رہی تھی۔
وہ اتنی جلدی کسی نئی صورت حال کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔
اس رات تو تھکن کی وجہ سے اسے نیند آ گئی تھی۔ مگر صبح پھر نوکیلی حقیقتوں کے ہمراہ منہ پھاڑے ہوئے تھی۔
نہ جانے کیوں اس نے خود ہی سے ضد باندھی تھی کہ دُریہ سے ملے بغیر فیروزہ سے ملنے نہیں جائے گا۔
دُریہ رات کو واپس ہو رہی تھی۔ اُسے ایک ایک پل کاٹنا دشوار ہو رہا تھا۔
روشنیوں کی برسات میں بھیگا ہوا ائرپورٹ، رونق و چہل پہل۔ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ برا ... کے اس خطے میں سورج چُھپ چکا ہے اور ننانوے فیصد آبادی محوِ خواب ہے۔
اُسے بیساختہ وہ وقت یاد آ گیا جب دُریہ پہلی مرتبہ اُن کے گھر آ رہی تھی۔ وہ اور فاروق ایرپورٹ پہنچے تھے۔ ٹرمینل پر بھٹک گئے تھے۔

اور آج یہ معاملہ تھا زمین اُس کے پاؤں کے نیچے سکڑ کر رہ گئی تھی۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد کے ائیر پورٹس اور ان کا چپہ چپہ اُسے ازبر ہو چکا تھا۔ بلکہ اتنے ورلڈ ٹور کر چکا تھا کہ دنیا اُسے ایک شہر کی وسعت تک محسوس ہونے لگی تھی۔ پلین تو خاصی دیر ہوئی آ چکا تھا۔
گھر میں شور ہو رہا تھا ایرپورٹ جانے کے لیے بطور پکنک سب تیار تھے۔ دُریہ کی کزنز، فاروق، جیب وغیرہ۔
کوئی ضرورت نہیں ہے اتنا بڑا لشکر تیار کرنے کی۔ طارق خود لے آئے گا۔ نور جہاں اندر آ کر گویا ہوئیں تھیں۔
کیوں ممی فوزیہ منمنائی۔
طارق نے کہا ہے۔ وہ واپس پلٹتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔
سب جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ جب طارق نے کہا ہے تو ظاہر ہے۔
میں بات کرتی ہوں طارق بھائی سے۔
اوں۔ ہوں۔ نور جہاں جاتے جاتے پھر پلٹیں۔ اور بیٹی کو سرزنش کی۔
یہ طارق بھائی خوب ہیں۔
کبھی تو رنگ جماتے ہیں۔ کبھی رنگ میں بھنگ ڈال دیتے ہیں۔ فوزیہ نے منہ بنایا۔
اے۔ ذرا سنبھل کے۔ میرے بھائی کی بُرائی میرے ہی سامنے۔ فاروق نے پوزیشن سنبھالی۔

آپ بھی ایسے ہی ثابت ہوں گے۔فوزیہ نے چڑ کر بولی۔

کس کے لیے فاروق نے شریر انداز میں پوچھا تھا۔

فوزیہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

ویسے۔کوئی مجبوری نہیں ہے۔ابھی تو۔فاروق نے پھر اسے چھیڑا۔

کٹ۔حسیب نے گویا مداخلت کی۔

توبہ۔توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔فوزیہ کی ایک کزن نے اپنے رخساروں کو چھو کر توبہ تلا کی قہقہے برسنے لگے تھے۔

طارق کے کانوں میں یہ سب آوازیں پڑ رہی تھیں۔اور وہ ایر پورٹ جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔کسٹم وغیرہ کے چکر میں ذریہ کا غالباً نمبر نہیں آیا تھا۔

چند لمحوں کے مزید جان لیوا انتظار کے بعد وہ نظر آئی تھی۔سرخ شرٹ بلیک پینٹ میں ملبوس۔گردن میں بلیک اسکارف لپٹا ہوا تھا۔

شرٹ کی ہم رنگ لپ اسٹک سے ہونٹ رنگین تھے۔آستینیں فولڈ کی ہوئی تھیں۔سفید کلائیوں میں سنہری چوڑیاں دور ہی سے دمکتی دکھائی دی تھیں۔

سعد وہائٹ ڈریس میں ملبوس ذریہ کی گود میں تھا۔اور دنیا سے بے نیاز اپنی ماں کی چوڑیوں سے کھیلنے میں مگن تھا۔

ذریہ اسے دیکھ کر ٹھٹکی تھی اور وہ اُسے دیکھ کر دم بخود۔ذریہ کے بالوں کا اسٹائل بھی بدلا ہوا تھا اور کلر بھی۔

مشرق و مغرب کا ملا جلا سا تاثر ابھر رہا تھا۔کانوں میں بندے ناک میں لونگ، کلائیوں میں چوڑیاں اور مردانہ لباس۔

السلام علیکم۔وہ پاس آ کر اس سے بیتاثر انداز میں ہمکلام ہوئی تھی۔

طارق نے سر کی جنبش سے اُسے جواب دیا۔

اسے پکڑیں ڈڈا۔میرے تو بازو شل ہو گئے ہیں۔اس نے سعد کو طارق کی سمت بڑھایا۔

طارق نے وفور محبت اور آمادگی کے ساتھ ہاتھ پھیلائے۔مگر سعد نے ماں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ہاتھ پاؤں سے زبردست مزاحمت کی۔

اوں۔ہوں۔بیٹا۔کیا ہے۔پاپا ہیں بیٹے۔ذریہ کے لہجے میں تھکاوٹ اور بیزاری کا ملا جلا سا تاثر تھا۔

سامان بہت ہے کلیئرنس میں دیر لگے گی۔آپ اسے لے کر ڈرائیو پر چلے جائیں پلیز۔

ذریہ نے زبردستی سعد کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔اتنی بدلی ہوئی ذریہ دیکھ کر وہ نارمل نہیں تھا۔اُسے وہ قابو سے باہر محسوس ہوئی۔

حاوی۔

اور چھائی ہوئی۔

جیسے اس کی پرواہ نہ کرنے والی۔

اس نے آہستگی سے سعد کو قابو کیا اور اس سمت قدم بڑھائے جہاں کار پارک تھی۔

اس نے گاڑی کا رخ زیرو پوائنٹ کی سمت موڑ دیا تھا۔ سارا شہر محوِ خواب تھا۔ وہ دُریہ کی تبدیلی کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ دُریہ کی تبدیلی اسے اس شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اُسے فیروزہ کی گمشدگی پر اسرار خاموشی بھی بھول گئی تھی کہ فیروزہ کی محبت کو صرف محسوس کیا تھا جبکہ دُریہ کی محبت کو برتا تھا۔ اس لیے دریہ کا غالب ہونا تعجب کی بات نہیں تھی۔ دریہ کے لمس سے اس کا وجود آشنا تھا۔

اور فیروزہ کے صرف احساسات سے

اُسے تفکرات میں چکرا کر کسی نتیجے میں پہنچنا تھا مگر سعد اُسے اس امر سے باز رکھنے کی بھرپور کوششوں میں مصروف تھا۔

اس نے ساتھ والی سیٹ پر حشر برپا کر رکھا تھا۔ جبکہ ابھی اُس نے صرف بیٹھنا شروع کیا تھا۔

باپ کا ہاتھ گیئر کی سمت بڑھتا تو سعد مستعد معاون کی طرح تیزی سے اُس کی تقلید کرتا۔ وہ تو شکر ہوا کہ رات کا وقت تھا اور اکا دکا ہی کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ خاصا وقت تو سعد کو کنٹرول کرنے ہی میں گزرا تھا۔ ڈرائیونگ تو بہت کم راستے ہوئی تھی۔ جب واپس ایئرپورٹ پہنچا تو دریہ سامان کے ہمراہ اس کی منتظر کھڑی تھی۔

اُس نے سامان کار میں رکھنا شروع کیا۔ دریہ کو اس نے کار میں بیٹھنے کو کہہ دیا تھا۔ جب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آیا تو دریہ سعد کو فیڈ رتھمائے آنکھیں موندے سیٹ کی بیک سے کمر ٹکائے بیٹھی تھی۔

اُس نے بھی تھوڑی دیر ستانا چاہا۔ خاصا لمبا راستہ طے کرنا تھا۔

سگریٹ سلگا کر اس نے پشت ٹکالی۔

آپ کب آئے اس نے دریہ کی آواز سنی۔

کل ہی میں آیا ہوں۔

وہ بھی ساتھ آئی ہے دُریہ کی آواز میں عجیب سا کرب تھا۔

وہ میرے ساتھ نہیں گئی تھی۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اس نے خاصا جز بز ہو کر جواب دیا تھا۔

دریہ استہزائیہ مسکرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی گویا جتا رہی تھی کہ اُسے اُس کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

تمہیں اعتبار نہیں ہے۔ مجھے ضرورت کیا ہے جھوٹ بولنے کی وہ اس کے انداز پر جھلا گیا۔

میں تو جب سے گیا ہوں، اُس سے رابطہ ہی نہیں ہو سکا ہے۔ اگر کہو تو اپنے بچوں کی قسم۔

مت لائیں میرے بچوں کو بیچ میں۔ وہ غرائی۔ فالتو نہیں ہیں میرے بچے۔

وہ بات کاٹ کر بولی تھی۔

وہ محض اس کے دُکھ کا احساس کرتے ہوئے اتنی بات کہہ گیا تھا۔ دریہ کا لب ولہجہ دیکھ کر اس کی خوددری عود کر آئی۔ اس نے تیزی سے کار کا دروازہ بند کیا اور دو تین کش لے کر سگریٹ کا باقی ماندہ ٹکڑا باہر پھینک دیا۔

تیزی سے گاڑی بیک کی۔

یہ تم نے حلیہ کا ہی بنا رکھا ہے۔ اماں جان آئی ہوئی ہیں۔ ہاتھ دھو کر میرا پیچھا لیں گی۔

اُس نے دُریہ کو ناقدانہ انداز میں دیکھا۔

پتا ہے ان کو کہ میں جس سوسائٹی کی پروردہ ہوں اُس میں یہ کوئی انہونی نہیں ہے۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

مگر تم ان کی بہو اور میری بیوی بھی ہو۔ اس نے لہجہ نرم کر لیا۔

بیوی تو ایک اور بھی ہے آپ کی۔ اُسے۔

وہ اگر تمہارے مقابلے میں میری ماں کے معیار کی ہوئی تو اُسے ہی آگے لانا پڑے گا۔

اُس نے بات کسے ساتھ موڑ بھی کاٹا۔

وہ اگر تہجد گزار بھی ہو تو پھوپھو اس کی بجائے مجھے اسی حلیے میں قبول کریں گی۔

اس نے غایت درجے کے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔

بہر حال۔ وہ میرے ہمراہ نہیں تھی۔ بلکہ چار ماہ سے مجھے اس کا کچھ پتا نہیں تمہارے بچوں کی نہیں تو اپنے سر کی قسم تو کھا سکتا ہوں۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر دُریہ کا شانہ تھام لیا۔

دُریہ نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ صداقتوں کا آئینہ دار ہر قسم کے اضطرار سے عاری

تو آپ کو تو بہت پریشان ہونا چاہیے۔ وہ واقعی بہت حیران ہوئی تھی۔

ایک تہائی حیرانی تو اُس نے ظاہر بھی نہیں کی تھی۔

ہاں اُلجھن تو ہے بہر حال۔

دُریہ کا دل سکڑا اور پھر پھیلا۔ رگوں میں خون نہیں انگارے دوڑے تھے۔

عموماً وہ یورپ جاتی رہتی ہے ممکن ہے۔ اتنا تو مجھے اطمینان ہے کہ۔ خیر چھوڑو۔

میں اس کا صرف چھپر ہوں اور تمہارا گھر ہوں۔ میں نے اُسے معاشرے میں سرخرو رہنے کے لیے سہارا تو دیا ہے مگر وہ میرے محبت بھرے جملوں اور ڈرامائی راتوں کی تمنائی نہیں ہے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔

اقرارِ محبت کے لیے معذرت کر چکا ہوں اُس سے۔ بُری بھلی جیسی بھی ہو۔ اب تو اہم تم ہی ہو۔

آہ۔ بعض من چاہے الفاظ اُس وقت سُننے کو ملتے ہیں جب حروف اثر کھو چکے ہوتے ہیں۔ دُریہ نے دُکھ سے آنکھیں بند کر کے گویا آنسو روکے طارق نے خاموشی میں بہتری سمجھی کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر لو پوائنٹ پر اسے ہی اسٹارٹ کر دیا تھا۔

فوزی۔ یار دریہ کہاں ہے مہمانوں کے جم غفیر میں۔۔ دریہ کی تلاش میں ناکامی کے بعد وہ فوزیہ کے پاس آیا تھا۔

میں نے اتنا بےخبر شوہر آج تک نہیں دیکھا۔فوزیہ ہنسی۔

ریڈیو جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔کہیں چلی بھی نہ گئی ہوں مگر آپ کو بتائے بغیر کیسے جا سکتی ہیں۔اس نے خود ہی اپنی بات کی تردید کی۔

ریڈیو۔سوال بھی تھا اور استعجاب بھی۔کیا مطلب ہے۔

ریڈیو کیوں جا رہی ہیں محترمہ دوسرا سوال بھی بیساختہ سرزد ہوا۔

ریڈیو۔کیوں جاتے ہیں وقولوللناس حسنا۔کا موٹو گرام دیکھنے

فوزیہ نے جواب میں سوال کیا تھا۔

طارق نے سخت خفگی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

اپنے بیڈ روم میں۔۔ ہیں۔۔ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ویسے آپی کے ساتھ۔آج آپ بھی چلے جائیں۔ریڈیو والوں کا موٹو ہے اور لوگوں سے خوش اسلوبی سے بات کرو۔

فوزیہ اس کے ذہن کی گہرائیوں میں اُترے بغیر برابر مذاق کیے چلے جا رہی تھی۔

وہ تیزی سے راہداری کی سمت بڑھا تھا جس کے آخری سرے پر دُریہ کا بیڈ روم (آج کل) واقع تھا۔وہ خاصی تیزی سے اندر داخل ہوا تھا۔لیکن دُریہ کی آواز پر قدم ٹھہر گئے تھے۔

سرداراں طارق صاحب دے سارے کپڑے استری کر کے وارڈروب وچ لا دے۔

ہور۔ویکھ چنگی طراں۔صاحب نوں شکیت ہوئی تے سمجھ لواں گی تیتھوں سویر، میں ویکھیا۔ناشتا اُناں دی مرضی دا نہیں سی۔

بی بی۔گھر وچ پروجے ہوتے۔

سرداراں نے کچھ کہنا چاہا۔

مگر تمیں پتا مینوں۔پروجے ہوں، نہ ہوں۔اُناں نوں شکیت نہیں ہونی چاہی دی اے۔

دُریہ نے بالوں میں تیز تیز برش چلاتے ہوئے قطعی انداز میں کہا۔

چنگا جی۔سرداراں نے کہا۔

چل چھیتی فیر۔صبر نہیں اے اُناں دی طبعیت وچ۔شاوا۔

دُریہ کے لہجے میں بےپناہ عجلت تھی۔روانی سے پنجابی بولتی۔اس کا احساس کرتی وہ اتنی عجیب، اتنی اپنی سی محسوس ہوئی کہ وہ یکدم کھڑا رہ گیا۔

کہاں کی تیاری ہے

ریڈیو پر گیت ریکارڈ کرانا ہے۔مستقل پروگرام میں بُک ہوں وہ لاپروائی سے بولی۔

کس کی اجازت سے

اپنے دل کی اجازت سے۔اس نے گاڑی کی چابیاں اُٹھائیں۔

تمہارے دل کا اجازت نامہ سرٹیفائیڈ نہیں ہو سکتا۔تم پر جذبات کا غلبہ کثرت سے رہتا ہے۔اس نے خاصی قوت برداشت کا مظاہرہ کیا۔

ہاں یہ تو ہے۔وہ بڑے طنز سے مسکرائی۔

بلیک میل کر رہی ہو وہ اخبار اُٹھا کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

کاش کر سکتی۔ وہائٹ میل تو آپ بھی کرتے رہے ہیں اتنے برسوں۔ میری چاہت کتنی بڑی خطا ٹھہری۔ یہ بھی سوچا آپ نے

اُس نے پرس اُٹھا کر بغل میں دبایا۔

میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا۔ اُس نے جھٹکے سے اخبار اپنے چہرے کے سامنے پھیلایا۔ دُریہ نے اُس کی سمت دیکھا۔

پھر کیا کریں گے

ہمارے ہاں زبان دراز، حد سے بڑھنے والی عورتیں بالکل پسند نہیں کی جاتیں۔ اپنی حدود قائم کرو۔ ورنہ۔

ورنہ۔ دُریہ نے دانت پیس لیے۔

ورنہ۔ طارق نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اُسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔ میں تمہارے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوں گا۔

میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے حرف حرف صحیح بتایا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ تم عام سے سطحی سے انسانوں میں زندگی گزارنے والی، کیا معلوم ہے تمہیں کہ عالمگیر انسانیت کیا ہوتی ہے۔

عورت کو رقیق القلب کہا جاتا ہے۔ جبکہ میں نے اس سے زیادہ سفاک ذی روح روئے زمین پر نہیں دیکھی۔ خود غرض۔ تنگ دل۔

خود جس شے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دوسرے کے لیے وہی شے حرام سمجھتی ہے۔ عیاش نکاح کے بندھن نہیں باندھتا۔ احمق خاتون۔

تم جیسی عورتوں نے زمین کو گنجلک مسائل کا اکھاڑا بنا کے رکھ دیا ہے۔

ہاں چار شادیوں کی اجازت دی جائے خوشی خوشی، مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

دریہ نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

نفس پرست انسان کی سوچ صرف بس یہیں تک پہنچ سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔ تمہارے نزدیک دو افراد کا قریب آنا محض تسکین و اطمینان ہے۔

دو افراد ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ عہد وفاداری بشرط استواری نفس سے آگے بھی کچھ ہوتا ہے۔ محترمہ۔

دُکھ سُکھ کا ساتھ بیوی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ بیوی کی صورت ایک انسان کو اس روئے زمین پر عزت کے ساتھ رہنے کا حق دیا جاتا ہے۔ رہ گئی محبت کی بات۔ تو مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس زمین و آسمان کے بیچ کسی سے نفرت نہیں ہے۔ میری نگاہ بہت آگے تک دیکھتی ہے۔ میری نگاہ کے ساتھ دو دُریہ۔ جیت تو چکی ہو۔ ہم مرد واقعی بہت احمق ہیں۔ وسعت قلب، اور عورت سے چاہتے ہیں۔

دو کی گنجائش ابھی اور ہے۔ دو نیکیاں اور ہو سکتی ہیں۔ دریہ طنزیہ بولی۔

احسان جتانے والا بہت بڑا خسیس ہوتا ہے۔ مجھے محبت کرنے والی دُریہ سے اتنے

چھوٹے پن کی امید نہیں تھی۔ برداشت سے فیصلہ کیا ہے تو نبھاؤ بھی۔

اور کیا کر رہی ہوں۔ دریہ کی آواز بھرا گئی۔

کیا ہم ہمیشہ جھگڑتے رہیں گے وہ پوچھ رہا تھا۔

دریہ فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

طارق کچھ دیر پہلے والی دریہ کو سوچ رہا تھا۔ جو سرداراں کو ہدایت دیتی ہوئی کتنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

کاش دریہ تم یکطرفہ پسند کو معیارِ زندگی نہ ٹھہراتیں۔ اس کا ذہن ان حالات کے انجام کی طرف سوچ رہا تھا۔ جواب سوالیہ نشان بن کر سامنے کھڑے تھے۔

تین چار ماہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتے۔ اُس عورت کے لیے جو پل پل اُس کے لیے تڑپی ہو۔ پھر اس کے نکاح میں آ کر اتنی بے نیاز ہو جائے۔ حد درجہ حیرت کی بات تھی۔ ٹھیک ہے اُس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ صبر سے وقت کی موافقت کا انتظار کرے منظر پر نہ آئے۔

مگر یہ بھی نہیں کہا تھا۔ کہ اُس سے بھی رابطہ نہ رکھے۔ لبرٹی والا بوتیک تو اس نے نکاح سے پہلے ہی فروخت کر دیا تھا۔

کرائے کی کوٹھی خالی تھی۔

چکرانا، ایک قدرتی امر تھا۔ اب وہ اُسے کہاں تلاش کرے۔ نکاح کا بندھن تو اس نے فیروزہ کی تقویت کے لیے باندھا تھا۔ بس ایک رو آئی تھی اور اُس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

مگر۔ اب وہ کہاں غائب تھی یہ بات اس کے لیے معمولی نہ تھی۔

بارہا۔ جفادری کا چہرہ اُس کی نظروں کے سامنے آیا تھا اور اُس نے اللہ سے پناہ چاہی تھی۔ کہ جس سبب اُس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے اگر یہ سب ضائع ہو گیا

ثوبیہ کی بارات والے دن فرقان آیا تھا اس سے ملنے وہ چھٹیوں پر پنڈی گیا ہوا تھا اُس نے ایک خاصا بڑا لفافہ اُسے تھمایا۔ کہ یہ رجسٹری کئی ماہ قبل آئی تھی اور وہ اُسے سڈنی روانہ کرنا اس لیے بھول گیا تھا کہ والد کی علالت کی وجہ سے وہ چھٹیوں پر کئی ماہ سے پنڈی میں ہے۔ سوچا تھا دریہ بھابھی کو دے دوں مگر پیچھے بھیجنے والے کا نام دیکھ کر ارادہ ملتوی کر دیا۔

طارق نے جلدی سے لفافہ پلٹا، پیچھے فیروزہ کا نام اور رہائشی جگہ کا پتا لکھا ہوا تھا۔

فرقان کو کھانے پینے میں لگا کر وہ بڑی عجلت میں بیڈ روم میں آیا تھا۔

اور اسی انداز میں لفافہ چاک کیا تھا۔

چند تصاویر پھسل کر اس کی گود میں آ گریں۔

اس نے ایک تصویر اٹھائی۔

احسان ماموں اسے شک ہوا۔ ان کی جوانی کی تصویر۔ مگر یہ ساتھ میں کون ہے۔ وہ اُن کے ساتھ بیٹھی پری جمال کو مبہوت دیکھتا رہ گیا۔

فیروزہ میں مل تو رہی تھی یہ عورت مگر فیروزہ سے۔ بہت زیادہ حسین تھی۔

اُس نے عالمِ تحیر وسکوت میں باقی تصویریں دیکھنے کا پروگرام ملتوی کر کے تہہ شدہ خط

پڑھنے کو اولیت دی۔

اسی دم نعمان علی نے اندر کمرے میں قدم رکھا تھا۔

کس کا خط ہے بیٹے

کسی کا نہیں ماموں جان۔ وہ چند سطریں ہی بمشکل پڑھ پایا تھا۔

یار، بارات تو کہیں شام گئے آئے گی۔ یہ بچے جلو پارک چلنے کو کہہ رہے ہیں کیا خیال ہے۔ چار سال پہلے آئے تھے تو وقت بہت کم تھا۔ یار انہیں بھی پاکستان دکھانا لازمی ہے۔ بہت شکایت کرتے ہیں۔

میرے خیال میں چھوٹے ماموں، شادی کے بعد ہی یہ پروگرام ٹھیک رہے گا۔ اس ہڑبونگ کی پکنک میں کسی کو مزا نہیں آئے گا۔

اس نے باتوں کے دوران تمام چیزین واپس لفافے میں ڈال دی تھیں۔ وہ عجب عالم اذیت میں تھا۔ عزیز از جان ماموں برسوں بعد روبرو تھا اور وہ ذہنی طور پر غائب۔

نعمان علی تو برسون سے لندن مین رہ رہے تھے۔

جس کہانی کے وہ راز دار تھے۔ وہ کہانی طارق احمد فاروقی کے ہاتھوں میں تھی اور نعما علی کے سان وگمان میں بھی نہ تھا۔ کہ اس وقت کیا صورت حال ہے۔

تم ہی انہیں بریف کرو۔ اپنی ماں کے کان کھا رہے ہیں، بھیجتا ہوں تمہارے پاس۔

نہیں نہیں۔ میں خود ہی آرہا ہوں۔ ادھورا پڑا ہوا خط اس کے اعصاب چٹخا رہا تھا۔ جلدی سے ماموں کو روکا۔

اُن کے جاتے ہی دریہ آ گئی۔

سعدیہ اس کی گود میں تھی۔ شام کو سوٹ پہنیں گے۔

یا الہی۔ سب کو اسی وقت مجھ سے رابطہ قائم کرنا ہے۔

ہوں۔ اُس نے جان چھڑائی۔

یہ کس کی تصویر ہے دریہ نے جھک کر اس کے پاؤں کے نزدیک پڑا فوٹوگرام اٹھایا۔

مگر ایک دم جیسے اس کا چہرہ نچڑ کر رہ گیا۔

اس نے خوفزدہ انداز میں طارق کی سمت دیکھا۔

یہ تو۔۔۔

یہ۔ پپا میں کتنا مل رہے ہین۔ کون ہیں یہ۔۔؟ وہ جیسے کسی خیال سے پیچھا چھڑاتے ہوئے بولی تھی۔

ملنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اگر مشابہت کی انتہا ہوتی تو نعمان ماموں پر ہوتی۔

طارق نے خاصے دکھ سے کہتے ہوئے فوٹوگراف اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

کیا مطلب ہے آپ کا؟۔

یہ آپ کے ہی پپا ہیں۔ فوٹوگراف کی خستگی سے اندازہ نہیں ہو رہا کہ کتنا پرانا ہے؟ طارق نے اچٹتی نگاہ دریہ کے دھواں دھواں چہرے پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

تو پھر۔ ان کے ساتھ کون ہے؟ اس نے طارق کے ہاتھ سے پھر تصویر لے لی۔ اور غور سے دیکھنے لگی۔ گویا خود کو سنبھال چکی تھی۔ اور حقیقت کی اہمیت سمجھنے کے قابل ہو چکی تھی۔

باپ کا معاملہ تھا۔ وہ بھی طارق کے سامنے۔

کیا ہے طارق؟ کچھ بتاتے کیوں نہیں؟

مجھے بھی فی الحال زیادہ نہیں معلوم۔

یہ اخبار نما خط ابھی پورا نہیں پڑھا میں نے۔ اس نے براؤن لفافے اس کے سامنے ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

یہ۔ کہاں سے؟ کس نے دیا ہے آپ کو؟ وہ جیسے کسی برے خیال کے تحت کانپنے لگی تھی۔

ایک دلربا سی عورت۔ ہوش ربا چہرا۔ اس کے باپ کے ساتھ اتنے والہانہ انداز کے ساتھ۔

کیوں۔؟ اس نے سعدیہ کو بیڈ پر ڈال دیا۔

لائیے مجھے دیجیے۔ کیا ہے یہ؟

طارق نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

یہ تمہارے نام نہیں ہے۔

پھر کس کے نام ہے؟ وہ جیسے عاجز سی ہو رہی تھی۔

میرے نام ہے۔

وہی تو پوچھ رہی ہوں کس نے بھیجا ہے۔؟

قدرے روہانسی ہو گئی۔ نہ جانے کیوں طارق کے سامنے ایک عجیب سا احساسِ توہین اسے اپنے حصار میں قید کر رہا تھا۔

فیروزہ نے۔

طارق خود ایک گومگوں کی کیفیت میں تھا اس کی تشفی کا کیا معملہ کرتا۔ لہذا مختصر جواب دیا اور دوبارہ خط نکالا اور ریڈ پر بیٹھ گیا۔

میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھ سکتی ہوں؟ اب پھر وہ بڑی مجبوری دکھائی دینے لگی تھی۔ بڑی بیتابی تھی اس کے انداز میں۔

میں پڑھ کر تمہیں ہی دیتا اگر فوٹو گراف تمہارے ہاتھ نہ بھی لگتا۔ شریک حیات ہونے کا عہد جو کر رکھا ہے۔ زندگی بھر کا معملہ ہے۔ شادی سے پہلے میرا عقیدہ تھا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے حتی الامکان سچ بولنا چاہیے۔ اعتبار کے بغیر یہ رشتہ۔ بندھن نہیں قید بامشقت ہے۔ لیکن میری شادی ہی اس انداز میں ہوئی کہ میں سر سے پاؤں تک جزئیات میں تقسیم تھا۔ مجھے احساس ہے میری انا نے مجھے اپنا کردار ادا کرنے نہیں دیا ہے۔ مگر یہ سچ ہے کہ میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

اس نے دریہ کی حالت کے پیش نظر بے حد نرمی سے اسے نارمل کرنے کی کوشش کی۔

آؤ۔ اس نے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دریہ بیٹھنے لگی مگر چانک کر پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ایک منٹ۔

اس نے دروازے کو بند کر کے لاک کا بٹن دبا دیا تھا۔سعدیہ بہت اطمینان سے ہاتھ پاؤں رچ رہی تھی۔ بہت اچھے موڈ میں تھی۔دریہ طارق کے ساتھ بیٹھ کر خط پر نظریں دوڑانے لگی۔اس کا مخروطی ہاتھ طارق کے مضبوط شانے پر تھا۔اور اسی ہاتھ کی جنبش سے طارق اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ ہو رہا تھا۔

(خط نیویارک سے ارسال کیا گیا تھا اور کئی ماہ قبل کی تاریخ درج تھی)

کس خطاب سے پکاروں۔کوئی رشتہ بے نام بھی تو نہیں۔

آداب

طارق احمد فاروقی جیسے کہ یہ حقیقت ہے کی پھول کھلتے ہیں۔اور جس طرح یہ سچ ہے کی آگ جلاتی ہے۔

بالکل اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت اپنے مرد کی تقسیم برداشت نہیں کر سکتی۔

خواہ کتنی حساس ہو۔

کتنی مہربان ہو۔

کتنی ہی ایثار پیشہ ہو۔خواہ اس کی وسعت قلبی کے کتنے ہی ڈنکے بج چکے ہوں۔

اگر کوئی عورت اپنے مرد کو تقسیم ہونے کی اجازت دے سکتی ہے۔تو یقین کریں طارق احمد فاروقی۔

پھر وہ زندہ نہیں رہتی۔زندگی اس کے لیے ایک دم بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔وہ روز مرتی اور روز جیتی ہے۔

اور اتنی ہمت وہی کر سکتی ہے جسے اپنے مرد سے محبت نہیں۔عشق ہو۔

اور وہ کسی قیمت پر اپنے مرد کو منظر سے ہٹا ہوا دیکھنا برداشت نہ کر سکتی ہو۔

طارق۔یقین کریں اس سے بڑا دکھ،اس سے بڑا احساس توہین کوئی مرد اپنی عورت کو دے بھی نہیں سکتا۔

آج زندگی کہ اس موڑ پر مجھے دریہ کے ساتھ ہونے والا ظلم اپنے وجود پر نازل ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔

آپ سوچ رہے ہیں کونسا موڑ۔؟۔

یہ وہ موڑ ہے جس نے راتوں رات مجھے اسکالر بنا دیا ہے۔وہ حقیقتیں سامنے آ ئیں ہیں کہ شعور نے کئی زمانوں کا فاصلہ ایک جست میں طے کر لیا ہے۔دراصل عالم انسان تو وہ ہے ناں۔جو اپنی اور انسانوں کی سمجھ رکھتا ہو۔اور۔؟یہ وہ موڑ ہے طارق۔

جہاں آپ کو انتخاب کا امتحان درپیش ہو سکتا تھا۔

مگر میں نے اس امتحان سے آپ کو بچا لیا ہے۔

ذرا سنبھل کر طارق۔آپ کے لیے۔

یہ حقیقت بڑی اعصاب شکن ہو سکتی ہے۔کہ۔میں اور دریہ۔ایک باپ کی اولاد ہیں۔

اس کی تفصیل اس خط میں سب سے آخر مین آپ پڑھ سکیں گے۔

اور ہمارے مذہب میں ایک باپ کی دو لڑکیاں ایک شخص کے نکاح میں بیک وقت نہیں رہ سکتیں۔

اور میں اور دریہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ بہنیں ہیں۔

یہ انکشاف جب ہوا تھا تو میرا دل چاہا تھا خدا کرے یہ غلط ہو۔ یہ احسان علی کوئی اور ہوں۔

کتنی امیدیں باندھے میں گلبرگ گئی تھی ان کو شوروم میں بغور دیکھنے۔

آہ۔

طارق۔ اگر آپ دریہ کے علاوہ محترم بزرگوار والد صاحب (احسان علی) کے سامنے یہ واقعہ ظاہر کریں۔ تو اتنا ضرور کہہ دیجیے گا۔

کسی کو منکوحہ بنا کر اتنے بےخبر بھی نہیں رہتے۔ لوگ۔ اپنی اولاد کو تلاش کرنا فرض اول ہونا چاہیے تھا۔ اور طارق۔ جس جس کے والدین تک آپ کی رسائی ہو، ان کو یہ پیغام ضرور دیجیے گا۔ کہ اولاد کو پر تعیش حال دیں نہ دیں۔ خوش نام ماضی ضرور دیں۔ اس سے اچھی وراثت شاید ہی ہو۔ جب لوگ مجھے ہیرے پیش کرتے تھے تو چند لمحات کے لیے میرا وجود بےروح ہو جاتا تھا۔

آج انہی ہیروں میں سے کوئی ہیرا، ہمیشہ کیلیے اس جسم کو کیف روح سے چھٹکارا دلا دے گا۔

دریہ سے کہیے گا مجھے معاف کر دے سچے دل سے۔

اس حقیقت سے واقف ہو کر جب اگلی حقیقت سامنے آئی کی اب آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔

آپ میرا انتخاب کرتے ہیں یا دریہ کا۔۔

تو آگہی کہ اس دوران مجھے دریہ کے عظیم دکھ کا اندازہ ہوا جو میں نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے اس کی جھولی میں ڈالا تھا۔

جب مجھ پر یہ خوفناک تصور حاوی ہوا آپ کو پانے کے بعد کھونے کا مرحلہ درپیش ہے تو مجھے احساس ہوا کہ دریہ نے تقسیم کا مرحلہ کس طرح طے کیا ہوگا۔ یقین کیجیے، اپنے وجود سے نفرت محسوس ہوئی۔ مگر ساتھ ساتھ یہ بھی علم مین آیا کہ دریہ رانجھا رانجھا کرتی خود رانجھا بن چکی ہے۔ وگرنا آپ کا یہ عمل اسے ہمیشہ کیلیے آپ سے دور کر دیتا۔ اس لیے اس کا مستقبل ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اس کا کوئی معاشی مفاد یا معاشرتی مجبوری آپ سے وابستہ نہیں ہے مگر اپنے تجربے کی روشنی مین کہہ رہی ہوں، اسے آپ کا وجود، آپ کا نام محض آپ سے وابستگی درکار ہے۔

کتنا ظلم ڈھایا ہے میں نے اس پر۔ اس کا مداوہ یہ ہے کہ میں آپ سے ہر تعلق، ہر رشتہ ختم کر رہی ہوں۔ اور آپ سے محبت کے ہر دعوے کو الزام کی صورت واپس لے رہی ہوں۔

اس اپارٹمنٹ میں جب امریکی پولیس میرا وجود۔ بےروح وجود اٹھانے آئے گی تو بالکل بھی حیران نہیں ہوگی کہ۔

یہ یہاں کے معمولات میں سے ہے۔ اسی لیے اتنی دور چلی آئی ہوں۔

شوروم مین جب اپنے معزز باپ کو دیکھا تھا تو دل بلک بلک کر کہہ رہا تھا کہ ایک بار ان کے سینے سے لگ کر اپنے سارے آنسو بہا ڈالوں۔ مگر پھر مشکل ہو جاتی اور یوں بھی دل میں اتنی گنجائش کہاں۔ کہ جس ہستی نے میرے وجود سے غفلت برتی۔ بےرحمانہ طریقے سے میری ماں سے ترک تعلق کیا۔ میری موتی جیسی زندگی کو چٹان کا ذرہ بنا کر رکھ دیا۔ واضح نسب کے باوجود مجھے الزام جیسی زندگی دی۔ میں اس سے محبت اور عزت کے ساتھ ملتی۔

مرتے وقت البتہ یہ سکون بہت ہے کہ میں اس معاشرے کی گالی نہیں ہوں۔ میرا باپ ہے۔ معزز و خوش نام باپ۔ سن رہے ہیں طارق۔ احسان علی میرے باپ ہیں۔ سرٹیفائیڈ باپ۔

اب آپ نے، میں ثابت کروں کہ کیسے۔

دریہ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے دل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ معاً اس نے طارق کے شانے سے سر ٹکا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اپنے باپ کی رسوائی پر رونا آ رہا تھا۔

یا فیروزہ کی بےبسی پر۔

یا پھر اپنی بدگمانیوں پر۔ جو طارق سے جدائی کے ان مہینوں میں ہر رات اس کے قلب میں خنجر بن کر اترتی تھیں۔

ہر رات یہ بھیانک تصور اسے سونے نہیں دیتا تھا کہ طارق اس سے دور ہے اور فیروزہ اس کے پہلو میں۔ کہاں اس کی وہ انتقامی حالت اور کہاں فیروزہ کی موجودگی میں آمدگی کے ساتھ تعلق۔

اور یہ سوچ کہ وہ مسکراہٹ جو اس کے لیے دیوانے کا خواب ہو چکی ہے۔

وہ مسکراہٹ فیروزہ کو نہال کر رہی ہوگی۔

مگر۔

یہاں۔ اس وقت۔ اس خط نے طارق کی تمام سچائیوں کو ثابت کر دیا تھا کہ وہ سڈنی میں تنہا تھا۔

مہر صداقت ایک ایک سطر پر ثبت تھی۔

ہاں اس نے اسی طارق کو چاہا تھا۔ یہ ہے ہی ایسا، اونچا، بلند، غیر معمولی۔ اس نے جو سمجھا تھا حقیقتاً وہی تھا۔ کیا بات ہے دریہ؟ اب کیوں رو رہی ہو؟ طارق کی مغموم سی آواز ابھری۔ میں تمہارے سامنے کبھی اس واقعے کو نہیں دہراؤں گا۔

احسان علی اگر تمہارے والد کا نام ہے تو میرے حقیقی ماموں کا نام ہے، اگر وہ تمہاری ماں کی سرخروئی کا ذریعہ ہیں تو میری بھی ماں کی عزت کا سوال ہے۔

بس کریں طارق۔ خدا کے لیے بس کریں۔ آپ کو سمجھنے کے لیے آپ کی بلندی تک پہنچنا ضروری ہے۔ میں بہت چھوٹی ہوں۔

یہ محض تمہارے تصورات ہیں۔ سوائے انا کے مجھ میں اور کچھ نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ آؤ دیکھتے ہیں۔ فیروزہ کے وجود کی کہانی کہاں سے شروع ہوتی ہے۔

اس نے دریہ کے رخسار تھپتھپائے۔

دریہ نے جلدی سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ اور دوبارہ خط پر نظریں دوڑانے لگی۔ طارق صفحہ پلٹنے لگا تو دریہ نے اس کی کلائی تھام کر کہا۔

ایک منٹ میں نے ابھی پڑھا نہیں ہے۔ طارق نے سوچتی ہوئی نگاہ پھر پڑھی ہوئی سطور پر دوڑائی۔ یہ تمام انکشافات ناقابل برداشت تھے۔ مگر پیچھا بھی نہیں چھڑایا جاسکتا تھا۔

دریہ نے صفحہ چھو کر پلٹنے کا اشارہ کیا۔ دل جیسے پھٹ پڑنے کو بیتاب تھا۔ عابدہ پھوپھو، نعمان ماموں، سب یہ بات جانتے تھے۔ اتنے گہرے کنوئیں ہیں یہ لوگ۔ دریہ اور طارق دونوں کے لیے یہ امر حیران کن تھا۔

تمام قصہ پڑھ چکنے کے بعد ایک الگ صفحے پر نگاہ پڑی۔ طارق نے اس پر نگاہ دوڑائی لکھا تھا۔

طارق اپنے زندگی کا آخری بوجھ اتارنے کے لیے پھر آپ ہی کا انتخاب کیا ہے۔ منگورہ (سوات) میں دو بچے ہیں معصوم سے۔ عمر اور گڑیا۔ یہ کون ہیں؟ نہ پوچھیے۔ میرے گناہوں کی زنجیر کی ایک کڑی سمجھ لیجیے۔

معاشرے سے انتقام سمجھ لیجیے۔

میری خود غرضی کی انتہا سمجھ لیجیے۔

میں نے اپنے ملازم خولجہ کو فون کر کے ہدایت کر دی ہے۔ آپ کو یہ فون نمبر دے رہی ہوں بچوں کے گھر کا ہے۔ اور بچے کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا۔ آپ فوراً ان کے والد سے ملاقات کیجیے ہی امانتیں لوٹا دیجیے۔ اور یہ پیغام دے دیجیے گا۔ کہ اپنے خزانے کی حفاظت خود کرنا چاہیے۔ بلی سے دودھ رکھوالی کرانا بعید از عقل ہے۔

خدا اس عورت کو بھی ہدایت دے کہ جس نے شریک زندگی بن کے حریف زندگی کا کردار ادا کیا۔

میری مثال دے کر بتایئے گا کہ محبتوں میں لوگ موت تک کو گلے سے لگا لیتے ہیں منگورہ کا پتہ لکھ رہی ہوں۔ آخری سلام۔ ہر اس شخص کو جو انکشاف کے ان۔ راستوں میں آپ کے ہمراہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فیروزہ احسان علی۔

نیویارک

کئی بار دروازے پر دستک تو ہوئی تھی مگر نہ دریہ نے کان دھرے تھے نہ طارق نے۔ مگر اب ایسا محسوس ہوا تھا کہ دستک دینے والے دروازہ توڑ ڈالیں گے۔ طارق نے جلدی جلدی تمام چیزیں واپس لفافے میں ڈالیں اور دریہ کی طرف بڑھا کر کہا۔

انہیں لاکر میں رکھ دو۔ میں کھولتا ہوں دروازہ۔ اور دیکھو۔ چہرہ صاف کرو۔ مبادا لوگ یہ سمجھیں کہ میں کمرہ بند کرکے تمہیں زدوکوب کر رہا تھا۔

دریہ نے جلدی سے دوپٹے سے چہرہ پونچھ ڈالا تھا۔ بوجھل سے ماحول میں۔ اس کا یہ ولی بڑے لطیف سے احساسات پیدا کر چکا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا۔

سامنے فوزیہ، نغمہ بھابھی اور دوسری لڑکیاں کھڑی تھیں۔ میاں کچھ خیال کرو۔ پتہ ہے بہت دنوں بعد ملے ہو مگر یاد دہانی کرانا بھی ضروری ہے کہ شادی کا گھر ہے۔ عین۔ بارات کا دن ہے۔ نغمہ بھابھی نے طبیعت صاف کی۔

ممانی جان کہہ رہی ہیں دریہ کو ہوٹل پہلے پہنچنا چاہیے انتظامات دیکھنے، اس لیے کہ دلہا والے وقت کے بڑے پابند ہیں۔ وہ مزید گویا ہوئیں۔

ثوبیہ پارلر گئی۔؟ دریہ کو معاً یاد آیا۔

آج کی۔؟ فاروق نے پیچھے سے آکر ٹکڑا لگایا۔ سنا ہے پرانے زمانے سے ان کا قیام و طعام وہیں ہے۔

سنی سنائی پر کان دھرنے والے بی جمالو کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ دریہ نے شگفتہ انداز میں جملہ ادا کرکے اپنے اندر کی گھٹن کم کرنے کی کوشش کی۔

اور آپ سے رشتہ داری تو عین سعادت ہے۔ وہ کب چپ رہنے والا تھا۔

شرم کیجیے۔ بڑی بھابی کو جواب دے رہے ہیں۔ فوزیہ نے ٹوکا۔

کچھ دے ہی رہا ہوں۔ آپ لے لیجیے۔ اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔

اس شور شرابے میں۔ ان کے سینوں پر پڑے انگارے کچھ سرد سے ہوئے تھے۔

اور ہاں سنو۔ وہ تمہاری ساڑھی پریس ہو گئی ہے۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ نغمہ نے دریہ سے عجلت کے انداز میں کہا۔

ٹھیک ہے۔ سنیں آپا کو بھیج دیں۔ سعدیہ کو لے جائے گی۔

اف خدایا آپی آپ کس قدر چینج ہو چکی ہیں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کہ آپ ایک دن ایسی ہو جائیں گی۔ اتنی خوشی خوشی بچے پال رہی ہیں۔ تعجب ہے۔ کبھی سعدیہ پاس ہوتی ہے کبھی سعد۔ فوزیہ نے دریہ کی سمت دیکھا جو بچی اٹھانے بیڈ کی سمت بڑھی تھی۔

دراصل پھوپھو کو بچوں کو آپا کے پاس تمام وقت چھوڑنا پسند نہیں ہے۔ اس نے ذرا جھینپ کر اپنی ایک کزن سے مسکرا کر کہا۔

ایسا لگتا ہے آپی، کسی غلطی کی سزا دی ہے اللہ نے۔ ڈبل ڈبل بیبیز۔

آپ بھی اللہ کا خوف کریں بولتے ہوئے کہیں آپ ٹرپل۔ ایک ہی دفعہ میں ہیٹرک۔

ان کے رشتے کی بات چیت چل رہی تھی جس کی بھنک فوزیہ کی کزن کو مل چکی تھی۔

فاروق کی بات پر بیساختہ قہقہے برسے تھے۔ فوزیہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بےفکری کے موسم میں زیادہ ہی اسمارٹ ہو گیا تھا۔ سائیڈ سے طارق کی جھلک

مارنے لگا تھا۔

سعدیہ کو اٹھا کر دریہ آیا کے حوالے کر آئی تھی۔ کمرے میں عجیب سا غل شروع ہو چکا تھا۔

طارق باتھ روم میں تھا۔ ان دونوں میاں بیوی کی ذمہ داری تھی کہ وہ ہوٹل کے انتظامات چیک کریں۔ ویسے ان کی سپرویژن میں خصے ماتحت تھے۔

کمرہ خالی کرا کے دریہ تیزی سے تیاری میں مشغول ہو گئی تھی۔ پارلر جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ بال ترشے ہوئے تھی۔ آنکھوں کا میک اپ وہ مہارت سے کر لیتی تھی۔

پینٹ کوٹ اور بلاؤز پہنے جب وہ باتھ روم سے باہر آئی تو طارق اسے آئینے میں دیکھ کر چونک اٹھا۔

ارے یہ کیا واہیات ڈریس ہے؟ وہ جو عجب بجھے بجھے انداز میں تیار ہو رہی تھی اس کی بات سمجھ کر مسکرا دی۔

ابھی یہ واہیات ڈریس مکمل نہیں ہے، اس پر چھے گز کپڑا لپیٹنا باقی ہے۔

اوہ۔ وہ گہرا سانس لے کر بالوں میں برش چلانے لگا۔

ابھی تک دونوں گزرے وقت میں محو تھے۔

مگر ایک مرتبہ بھی کوئی بات نہ دہرائی تھی نہ تاثرات دیے تھے۔

میں سوچ رہی ہوں کتنا مشکل ہے اندر سے ٹوٹنا اور باہر سے خوش نظر آنا۔

تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ وہ بلا ارادہ کہہ بیٹھا۔ تھا۔

دریہ ایک لمحے کو گم صم سی ہوئی شاید کوئی جواب سوچ رہی تھی۔

میتھے سینگ یا پنجے نہیں ہیں۔ ایک دل میرے پاس بھی ہے۔ انسان کا دل۔ خواہشات و تمنائیں اپنی جگہ۔ دکھوں پر دکھی ہونا بڑا فطری سا احساس ہے۔

کوٹ برش کہاں ہے؟ طارق نے جیسے بات ٹالی تھی۔

دریہ نے نچلی دراز سے کوٹ برش نکالا۔ بچوں کی وجہ سے درازوں میں چیزیں رکھنا پڑتی ہیں۔ (اس کا اشارہ مہمان بچوں کی طرف تھا)۔

پھر وہ طارق کے قریب آئی۔

فان کلر کے بلاؤز اور پینٹ کوٹ میں اپنی گلابی رنگت کے ساتھ وہ لندن کے عجائب خانے کا ایک مجسمہ دکھائی دے رہی تھی۔ ڈائمنڈ کی لونگ نے جیسے چہرے پر چراغاں سا کر دیا تھا۔

وہ طارق کی کوٹ پر برش کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو رک کر اس کی ٹائی کی ناٹ چیک کی اس کے ایک ایک عمل میں اتنی اپنائیت اور حقیقی پن تھا کہ وہ گہری نظر سے اس کا نوٹس لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ایسی کیا بات ہے مجھ میں؟ کیوں اپنی زندگی کو کانٹوں پر لا ڈالا؟ خوامخواہ کے دکھ۔ خود پر ترس نہیں آیا کبھی؟ وہ اس کی آنچ دیتی قربت سے پگھل رہی تھی۔ اور وہ سفاکانہ سوال کر رہا تھا۔

کوئی تو بات ہوگی۔ پیچھے ہٹنے لگی۔

طارق نے اس کا بازو تھام کر اسے قریب کیا۔ جواب نہیں دیا تم نے۔

کوئی ستم ایجاد اتنا پیارا ہوتا ہے کہ اس سے ملنے والے دکھ بھی مزہ دیتے ہیں۔

وہ اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں کی چمک سے ٹپٹا کر بس یہی کہہ سکی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

چلو موجدوں میں تو بہر حال نام ہوا۔ چند گھنٹے قبل کے واقعات سے اپنا بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اور دریہ کا بھی۔ اسی کوشش میں یہ جملہ کہا تھا۔

اچھا سنو۔

ہوں۔

کل ولیمہ ہے۔ پرسوں صبح ہی مجھے سوات روانہ ہونا ہے۔ پتا نہیں ان بچوں کا کیا چکر ہے۔

میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ دریہ نے اشتیاق ظاہر کیا۔

نہیں میرا اخیال ہے، یہ مناسب نہیں ہوگا۔ دو بچے تمہارے ہو گئے، دو وہاں۔ لوگ دیکھیں گے تو مجھ پر ترس کھائیں گے۔ تمہاری ہمت کو داد دیں گے۔ اس نے شانتی سے کہا۔ کہ اتنی کم عمر میں؟۔

دریہ بری طرح جھینپ گئی۔ پھر بولی۔

خیر لوگوں کے ہاں تو درجن بھر ہوتے ہیں کوئی ترس کھاتا ہے اور نہ۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ شریر ہوا۔ اس کی بات کاٹ دی تھی۔

صاف کہہ دیں مجھے لے جانا نہیں چاہتے۔ اتنی باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

وہ پلٹ کر ساڑھی وارڈروب سے نکالنے لگی۔

دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

وہ صبح صبح سوات پہنچ گیا تھا۔

احسان علی نے کئی بار دریافت کیا تھا کہ اتنی ایمرجنسی میں سوات جانے کی وجہ کیا ہے۔

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔ دل بیساختہ بولا تھا۔

آپ کی فصل کا لگان شاید میرے ذمے میں لکھا گیا تھا۔ مگر وہ زبان سے کچھ کہہ نہ سکا تھا۔

اس کی اور دریہ کے مابین ایک خاموش سمجھوتا ہو گیا تھا۔ اور دونوں خود ہی اس موضوع سے بچ رہے تھے۔ بلکہ دریہ تو طارق سے چھپ کر کئی مرتبہ وہ تصاویر دیکھ چکی تھی جیسے اپنا شک مٹانا چاہتی ہو کہ اس کا کہانی کا کردار احسان علی یعنی اس کے پیا نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

اور فیروزہ نے اپنا کوئی پتہ اور نشان نہیں چھوڑا تھا کہ طارق اس کے مرقد پر ایک تازہ گلاب ہی رکھ آتا۔ یا کوئی سبز شاخ مرقد کے سرہانے آباد کر آتا کہ اس سبز ٹھنڈک سے اس کی آنچ دیتی محرومیاں ٹھنڈی راکھ کی صورت میں بدل جاتیں۔

اس نے دریہ کے سامنے خود کو بہت نارمل اور متوازن ظاہر کیا تھا۔ مگر اس بات کا رنج

بہت تھا۔ کہ احسان ماموں اتنے ذات وعیش پرست ہیں کہ ملال کا کوئی ذرہ ان کے خوں میں نہیں دوڑتا۔ وہ جو اتنے بڑے انقلاب کے حرف اول ہیں۔

پھر ایک دم اسے خیال آیا۔

وہ یہ کیسے سوچ سکتا ہے؟۔

اس کے اندر بھی تو قیامتیں برپا ہیں، اسی کہانی کے حوالے سے مگر کسی کو احساس بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ خود پر قابو پانے کی اچھی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہوسکتا ہے۔ احسان ماموں بھی اندر کی جنگ سے تنہا نمٹتے رہے ہوں۔

انہی سوچوں میں غلطاں جب وہ منگورہ پہنچا تو ایک ادھیڑ عمر آدمی اسے اپنا منتظر ملا۔ پتا چلا خواجہ ہے۔

او۔ طارق صاحب۔ آپ کدر ہوتا۔ بی بی صاحب بولا تھا بچے طارک صاب کے حوالے کر دینا۔ ادر۔ چار مہنے (مہینے) سے آپ کا انتظار ہوتا۔ بی بی صاحب بھی امریکہ سے واپس نہیں آیا۔ خواجہ واقعی سخت پریشان تھا۔

گل زرمینے۔ بھی لڑتا ہے کہ چھٹی نہیں ملا وہ اپنے گاؤں نہیں گیا۔

چلو تم فکر نہ کرو۔ اب گل زرمینہ کی چھٹی ہی چھٹی۔

یہ مکان بی بی صاحب کا ہے؟ طارق نے گھر پر نگاہ ڈالی۔

ہاں جی۔ یہ چھوٹی بی بی کے نام کر گیا ہے۔ آپ کو خبر ہے چھوٹا بی بی صاحب عرب چلا گیا ہے۔ شادی کر کے۔

اوہ۔ طارق چونکا۔ غالباً ستارہ کے بارے میں ارشاد ہوا تھا۔

عین اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ فیروزہ نے خط میں ستارہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

اس کا مطلب ہے ستارہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی خیال پر اس کا یقین قائم ہو گیا تھا۔

البتہ وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ جب فیروزہ کو بچوں کے باپ کا فون نمبر معلوم تھا تو اس نے خود ان سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا۔ اب یہ معمہ تو روزِ حشر ہی حل ہوسکتا تھا۔ یا پھر عمر کے ذریعے حقیقت معلوم ہوسکتی تھی۔

صاب چھوٹا صاحب مری میں ہے۔ ویک اینڈ پر ام اس کو لاتا ہے۔

میرے پاس خود بہت تھوڑا وقت ہے۔ ویک اینڈ میں تو تین دن باقی ہیں۔ کیوں نہ میں خود فون کر کے کہہ دوں کہ بچے لی جائیں۔ اسے خیال آیا۔

مگر اب یہ تجسس بھی پیدا ہوچکا تھا کہ فیروزہ کا ان بچوں سے کیا تعلق ہے پھر فیروزہ نے سخت تاکید کی تھی کہ وہ خود ان کے باپ کے حوالے کر کے آئے۔ بہرحال میں صرف ان کے باپ کے حوالے کرنا ہے کسی تھرڈ پرسن کو اس معاملے میں ڈالنے سے اس نے منع کیا تھا۔ لہٰذا وہ وصی تھا۔ پابند تھا۔

بی صاحب وہاں لکھ کر دے گئی ہیں۔ آپ کے پاس شناختی کارڈ ہے؟۔

خواجہ کو یکدم کوئی بات یاد آئی۔

ہوں۔

آپ اس کا فوٹو بنوالیں۔ اور چھوٹا صاحب کو مری سے لے آئیں۔ بی صاحب یہی بولا تھا۔

طارق سمجھ گیا اور مری روانہ ہو گیا۔

جب عمر اس کے سامنے آیا۔ تو۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔ انتہائی صحت مند۔ خوبصورت، بردبار سی بچہ بارہ تیرہ برس کا دکھائی دے رہا تھا۔

اسلام وعلیکم آپ طارق انکل ہیں؟۔

وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ طارق کو خوشی ہوئی کہ اس کا تعارف کروا دیا گیا تھا۔

جی بزرگوار۔ آپ کو لینے آئے ہیں۔

پتا ہے مجھے۔ ممی نے فون پر بتایا تھا، اس نے لاپروائی سے کہا۔

ممی۔ طارق کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

کیا یہ فیروزہ کی؟ آگے اس سے کچھ سوچا نہ گیا۔

مگر ممی نے تو بہت دن پہلے کہا تھا کہ آپ لینے آئیں گے۔ نہ آپ آئے نہ ممی کا فون آیا اور نہ ستارہ آنٹی آئیں۔ میں سخت بور ہو رہا تھا اچھا ہوا آپ آ گئے۔

وہ بڑے بزرگانہ انداز میں گویا ہوا۔ اس کی معصومیت ایسی تھی کہ دل موہ لیا۔

آپ کے والد صاحب کا کیا نام ہے؟ طارق نے پوچھا کہ اسے تاکید کی گئی تھی کہ بچہ اس کے باپ کے حوالے ہی کیا جائے۔ گویا بچہ اپنے باپ سے واقف ہے۔

ولایت علی شاہ۔ بڑا مختصر جواب آیا۔

آپ کی ممی ان سے الگ کیوں رہتی ہیں؟ آخر اسے کسی نتیجے پر پہنچنا تھا۔

وہ تو خیر ہمیشہ ہی سے الگ رہتی ہیں۔ عجیب وغریب جواب آیا۔

۔(شاید اس نے خفیہ شادی کی ہو) طارق کے احساسات عجیب سے ہوئے۔

دراصل یہ ممی میری رئیل ممی نہیں ہیں۔ آئی۔ ایم۔ اڈاپٹڈ سن۔

پھر آپ کی رئیل ممی؟

میری ایک اور ممی ہیں۔ مگر وہ بھی رئیل نہیں ہیں۔ بہت اطمینان سے ارشاد ہوا۔

پہلے تو یار یہ بتاؤ تمہاری ٹوٹل کتنی ممیاں ہیں؟ اس نے گہرا سانس لیا۔

آپ تین کہہ سکتے ہیں۔ بڑی بےنیازی سے جواب ملا۔

اگر تم کہو گے تو کتنی کہو گے؟ مجھے تو خیر تین کہنے کی اجازت مل گئی ہے۔

اس نے اپنے حواس کنٹرول کرتے ہوئے گویا بہت بےبسی سے دریافت کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں اور گڑیا کتنے دنوں سے پپا سے نہیں ملے۔ پہلے ممی خود ہی کہتی تھیں کہ نہیں، تم میرے پاس رہو۔۔۔۔۔۔ بڑے ہو کر کراچی والی مس سے بدلہ لینا، پتا

جا انکل۔ شاید انہوں نے۔ کراچی والی ممی نے میرے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

یار کہیں ایسا نہ ہو میں پاگل خانے کی رونق بڑھانے لگوں اور تم پھر غیر حل شدہ سوال بن کر رہ جاؤ۔ پہلی فرصت میں اپنا سامان لے آؤ۔ جو لانا چاہتے ہو۔

طارق تو، بدلہ۔ قتل جیسے الفاظ سن کر ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

آپ ممی کے کزن ہیں؟ عمر جاتے جاتے پلٹا۔

ہوں۔ اس نے ہوں میں ایک سچ کا اعتراف کیا۔

پتا نہیں ممی اتنے دنوں سے کیوں نہیں آئیں۔ اور فون بھی نہیں کیا۔ بہت دن پہلے ان کا فون آیا تھا، امریکہ سے کہ تمہارے طارق انکل آئیں گے، وہ کراچی تمہارے پپا کے پاس چھوڑ آئیں گے۔

ویسے تو میں خود بھی اکیلا کراچی جا سکتا ہوں۔ میں بڑا ہو چکا ہوں۔ مگر گڑیا چھوٹی ہے۔ اب مجھے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ آفٹر آل آئی۔ ایم۔ ایلڈر برادر۔ (آخر میں بڑا بھائی ہوں)۔

طارق کو بردباری سے بولتا ہوا یہ معصوم بچہ جو لڑکپن کی حدوں کو بس پھلانگنے ہی والا تھا۔ بہت پیارا لگا۔

آپ کو پتہ ہے ممی کب آئیں گی؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

کونسی والی۔ امریکہ والی؟ طارق نے اس کا معصوم چہرہ دیکھا۔

کی انکل۔

جب تم اپنے پپا کے پاس پہنچ جاؤ کے تو بتا دوں گا کہ وہ کب آئیں گی۔

اسے محسوس ہوا تھا اگر اس نے فیروزہ کی موت کی خبر اسے سنا دی تو یہ برداشت نہ کر سکے گا۔

عمر نے بھی اصرار نہ کیا۔ شاید پہلی ملاقات کی جھجک تھی۔

بچوں کو آیا کے پاس چھوڑ کر در یہ بھی دو دن کے لیے اس کے ہمراہ کراچی آ گئی تھی۔ عمر اور گڑیا کا بے حد خیال رکھ رہی تھی۔ عمر تمام واقعات فراموش کر کے اس خوشی میں سرشار تھا کہ وہ اپنے پپا کے پاس جا رہا ہے البتہ اس نے بشر کا ذکر بار بار دریہ اور طارق سے کیا اور وہ دونوں سوچ مین پڑ گئے تھے کہ بشر کو کیا ہوا تھا۔ بہت کریدنے کی ضرورت اس لیے محسوس نہ کی تھی کہ اب تو وہ وہاں ہی جا رہے تھے جہاں سے انہیں حقائق خود بخود معلوم ہو جانا تھے۔

کراچی ڈیفنس پہنچ کر معلوم ہوا کہ ولایت علی شاہ تو گوٹھ گئے ہوئے ہیں ان کا بیٹا بشر بھی ان کے ہمراہ ہے، ایک ہفتے سے پہلے ان کی واپسی نہ ہو گی۔

ڈرائیور اور بٹلر نے جس طرح بچوں کو دیکھ کر تعجب اور بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا اس سے کہیں زیادہ عمر نے اچھل کود مچا کر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ بشر بھی پپا کے ساتھ ہے۔

اس نے انتہائی بیقراری کے ساتھ طارق سے اصرار کیا تھا کہ وہ گوٹھ چلے جب کہ طارق خود بھی ایسا ہی کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ایک ہفتہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

البتہ اس کا ذہن بدستور الجھا ہوا تھا کہ عمر نے خدانخواستہ بشر کے قتل کا تذکرہ کیا تھا۔

اسے خود بخود اس گھرانے سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

پہلی فرصت میں ان کے ڈرائیور کو ساتھ لے کر گوٹھ روانہ ہوئے۔ کہ وصیت کے مطابق بچے صرف ان کے باپ کے حوالے کرنا تھے۔ اسے اس اصرار کا راز بھی معلوم کرنا تھا۔

گوٹھ پہنچ کر عجیب و غریب نظارے دیکھنے کو ملے۔ دریہ اور وہ دونوں دم بخود تھے۔

ولایت علی شاہ جیسے قوی ہیکل مرد کو انہوں نے سرتاپا لرزتے اور آنسو بہاتے دیکھا تو مزید سوالات پیدا ہوئے۔ وہ عمر اور گڑیا کو آغوش میں سمیٹے پھاٹک کے عین درمیان بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

پھر انہوں نے اندر کی سمت شور اٹھتا دیکھا۔ معمولی سے کپڑوں میں ملبوس ململ کی چادر لپیٹے ایک عورت دیوانوں کی طرح بھاگتی آئی تھی۔ اور ولایت علی شاہ سے بچے جھپٹ لیے تھی۔

دریہ نے بڑی الجھن اور حیرانی سے طارق کی سمت دیکھا تھا ادھر بھی حال مختلف نہیں تھا۔

پھر ولایت علی شاہ نے طارق کے ہاتھ تھام کر رقت بھری آواز میں پوچھا تھا۔

میرے محسن۔ آیئے۔ اندر تشریف لایئے۔ آپ بھی۔

وہ دریہ کی سمت متوجہ ہوئے مگر وہ دونوں روشن کی سمت متوجہ تھے جو بیہوش ہو چکی تھی۔ اس نے ولایت علی شاہ کو متوجہ کیا۔

ولایت علی شاہ چونک کر پلٹے۔ عمر کے چہرے پر بڑی ترسی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اور جھک کر روشن کو اپنے بازوؤں میں سنبھالا۔ وہ سب بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔

طارق نے دیکھا۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک پر وقار سا بزرگ چھڑی تھامے کھڑا ہوا تھا۔

وہ یہی سمجھا کہ ولایت علی شاہ کے والد ہیں۔ اس نے دریہ کو بھی اشارہ کیا کہ انہیں سلام کرے۔ دریہ نے جیسے ہی انہیں دیکھا نیلا آنچل اپنے سر پر ڈال لیا۔ کچھ تھا ان میں کہ اس سے بے ساختہ یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔

اسلام وعلیکم طارق نے مودبانہ کہا۔

وعلیکم اسلام۔ اللہ کرے۔ یہ طوفان بخیر گزر جائے۔ وہ بہت مگن سے انداز میں گویا ہوئے۔

جی۔؟ طارق گڑبڑا گیا۔ طوفان۔ کونسا طوفان؟۔

جوانی۔ طوفان ہی تو ہوتی ہے۔ اور دعا جب ہی مکمل ہوتی ہے جب حال اور مستقبل دونوں کو مدنظر رکھ کر دی جائے۔

عجب آسودہ سی مسکراہٹ، اور بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

طارق کے تو جیسے حواس گم ہو چلے تھے۔ اتنی گھمبیر باتیں کرنے والا یہ ٹھنڈی چھایا کی طرح محسوس ہونے والا بوڑھا۔ اسے پل میں متاثر کر گیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ جیسے اسرار و عجائب کی دنیا میں آ گیا ہو۔ یوں لگ رہا تھا۔ یہ تمام افراد پراسرار ہوں عجیب و غریب رازوں کے امین۔

اس کے تجسس کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اس فسانہ عجائب کی تہہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

یہ؟ وہ دریہ کے سر پر ہاتھ رکھے طارق کی سمت متوجہ ہوئے۔

بیوی ہے میری۔ وہ جلدی سے بولا۔ میاں صاحب مسکرا دیے۔

ایک دوسرے کو حقوق کا خیال رکھنا، یہاں بھی خوش۔ وہاں بھی خوش۔

وہ جیسے خود ہی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے جہاں عمر، بشرے والہانہ انداز میں مل رہا تھا اور پوچھ رہا تھا۔ کہ وہ کہاں کھو گیا تھا۔ بشر اس سے الٹا سوال کر رہا تھا کہ اسے اور گڑیا کو کون لوگ پکڑ کر کے گئے تھے؟۔

عمر نے جب طارق اور دریہ کو کھڑے دیکھا تو انہیں بھی وہیں لے آیا جہاں اس کے والدین اور میاں صاحب موجود تھے۔ گڑیا روشن کی گود میں تھی چار سال کی صحت مند بچی کہیں بڑی لگ رہی تھی۔

روشن میاں صاحب کے گھٹنے پکڑ کر بلک بلک کر کہہ رہی تھی۔

میاں صاحب میرے اعصاب بہت کمزور ہو چکے ہیں نہ اچانک خوشی برداشت ہوتی ہے نہ غم۔

اب تو شاہ صاحب کو میری نیت کی درستگی کا یقین آ جانا چاہیے کہ اللہ نے ہماری آزمائش ختم کر دی۔ میں ان کی۔ اور ان کے بچوں کی باندی ہوں، میاں صاحب آپ شاہ صاحب کو یقین دلا دیں۔

میاں صاحب محبت اور شفقت سے روشن کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

ولایت علی شاہ نے مہمانوں کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھے تو مسکرا دیے۔

میرے بچے جس طرح آپ سے پیش آ رہے ہیں۔ یہی ثبوت کافی ہے کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ ان کے دوست ہیں ہمارے دوست ہیں۔

اور دوستوں سے کوئی بات راز نہیں رکھی جاتی۔ آپ حیران نہ ہوں۔ ابھی تو آپ کی ہم نے سننا ہے اور آپ نے ہماری۔

انہوں نے سرخوشی کی کیفیت میں طارق کو شانوں سے تھام لیا تھا۔ اور دریہ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

ولایت علی شاہ نے بصد اصرار دریہ اور طارق کو روک لیا تھا کہ وہ اپنی رہائش گاہ واقع کراچی میں جشن منانا چاہتے تھے۔ اور متمنی تھے کہ یہ دونوں بھی شریک ہوں۔

دریہ تو اس ارادے سے نہیں آئی تھی کہ وہاں کوئی جشن بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے طارق سے شاپنگ کے لیے کہا تھا۔ بمشکل چند گھنٹے نکال کر وہ لوگ شوپنگ کے لیے روانہ ہوئے تھے، طارق کو اگلے چند دنوں میں کراچی میں بھی نمٹنا تھا اور سڈنی بھی روانہ ہونا تھا۔

دریہ؟۔

جی۔

یار وہ روشن بھابھی نے جو البم دکھائے ہیں، ان تصویروں میں اور موجودہ روشن بھابھی میں کتنا فرق ہے۔ کوئی یقین ہی نہیں کرسکتا۔ کیوں؟

جی۔ مگر۔ اس میں ایک سبق ہے آپ کے لیے۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر منہ موڑ لیا۔

کیا؟ وہ واقعی نہیں سمجھا۔

کہ ایک مرد کی وسیع القلبی وہاں، اس مقام پر ظاہر ہوتی ہے، جہاں اس کی کوئی توقع بھی نہیں کرسکتا۔ اور آپ اس مسئلے کو اتنا اہم بنا بیٹھے کہ کسی کے سیدھی راہوں سے بھٹکنے کے امکانات پیدا ہوگئے۔

مگر فیروزہ کے لیے جو کچھ میں نے کیا ہر غرض سے مالا ہو کر صرف انسانیت کے سوال پر۔

مگر مجھے تو وہاں پہنچا رہے تھے، جہاں سے فیروزہ کو لا رہے تھے۔ دریہ نے بات کاٹی۔

طارق لاجواب ہوگیا۔ کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔

ہاں۔ بالکل یوں جیسے کوئی دو روپے کمائے اور دونوں ہی خرچ کردے۔ اس کی آنکھوں سے گہرا تفکر جھلک رہا تھا۔

آپ سے ایک بات پوچھوں؟ برہم نہ ہوجائیے گا؟ دریہ نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔

ہوں۔ پوچھو۔

اگر فیروزہ یہ سب نہ کرتی اور انتخاب کا مرحلہ واقعی پیش آجاتا؟

دیکھو دریہ اتنے سارے تجربات کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے۔ جب قدرت کسی واقعے کو ظاہر کرنا چاہتی ہے تو یہاں سے وہاں تک وہ ہر شے میں ترتیب و تناسب اور گنجائش پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے اس دنیا میں روز نئی بات ہوتی ہے اور جذب ہوجاتی ہے۔

اس لیے کوئی بھی انسان اگر کے آگے کی خالی جگہ نہیں بھر سکتا۔ would کے ضمن میں کوئی حتمی رائے دی ہی نہیں جاسکتی۔

بس یہ بات تمہارے لیے تسلی بخش ہونا چاہیے کہ اللہ نے تمہیں لاکھوں انسانوں سے زیادہ خوش نصیب بنایا ہے۔

دریہ نے اس کی سمت دیکھا۔ پھر سوچنے لگی واقعی۔

ولایت علی شاہ نے سخاوت کی انتہا کردی تھی۔ اتنا صدقہ خیرات گھر سے نکالا تھا کہ محسوس ہوتا تھا آج اس شہر میں کوئی بھوکا نہیں سوئے گا۔

گھر پر مدعو مہمانوں کی الگ جی کھول کر تواضع کی تھی۔ طارق کا تعارف مہمانوں سے کراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ یہ ہمارے ملک کے مایہ ناز آرکیٹیکٹ ہیں عنقریب ہمارے ہمسائے ہونے والے ہیں فیز میں یہ اپنا شاہکار تیار کر رہے ہیں۔

میاں صاحب نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ماشاءاللہ گویا بہت ہونہار جوان

ہے۔

طارق نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ میاں صاحب مجھے اتنا کہنے کی اجازت دیجیے۔ ہم میں سے ہر فرد ہنرمند ہے۔ کام کی شکلیں مختلف ہیں۔ جیسے کہ آپ اپنے عمل کی ضو سے عام سے انسان کو شاہکار بنا دیتے ہیں۔ اس نے گلابی چادر میں ملبوس دور دور کام میں مصروف روشن کو دیکھ کر کہا تھا۔

آپ کے ہنر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ آگ کا سمندر ہر ایک کہاں عبور کر سکتا ہے؟۔

بیٹے اللہ سے توفیق مانگتے ہیں۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ تمہاری آگہی اور شعور کو راہ ہدایت کے ساتھ مکمل کرے۔

انہوں نے طارق کی پشت پر اپنا نحیف ہاتھ پھیرا۔ اور خوبصورت دعا دی۔

دریہ مستقل کراچی آ گئی تھی آخر اس کا گھر بھی تو یہیں بن رہا تھا۔

طارق واپس سڈنی روانہ ہو رہا تھا۔ ایک ہجوم دوستاں اسے رخصت کرنے آیا تھا۔

وہ بمشکل بچ بچا کر دریہ کے نزدیک آیا تھا جو پرام میں دونوں بچوں کے ہمراہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

کچھ کہنا تو نہیں ہے؟ وہ مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

دریہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ میری ہر خطا معاف کر کے یہ ذمیں چھوڑیے گا۔

دیکھو یار مشکل میں نہ ڈالو۔ کہ میں بلبلا کر اپنائیت کا کوئی مظاہرہ سر عام کر ڈالوں۔

دریہ ہم سچ مچ کے شریک زندگی ہیں، محض نام کے نہیں۔ تم میرے بہت سے رازوں کی امین۔ اور میں تمہارا با اعتبار ساتھی۔ یہ ہماری اتنی ریاضتوں کا حاصل ہے۔

میں ہزار زندگیوں مین بھی اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ دریہ نے اعتراف کیا۔

مگر کوشش کرنا۔ طارق نے برجستہ کہا۔

کس چیز کی؟ حبیب نے صاف دخل در معقولات کی کوشش کی تھی۔

آپا کو تلاش کرنے کی۔ چھوٹے بھابھی کو آپا کا مسئلہ درپیش ہے۔ کیا تم فارغ ہو؟۔

فاروق نے بھی طارق کا آخری جملہ سن لیا تھا لہذا فوراً ہی حبیب کی کھنچائی کی گئی مردانہ قہقہوں میں دریہ کی دلکش ہنسی بھی شامل تھی۔

اختتام ------------------------------------The End